فتاویٰ حقانیہ
۲
از افادات
شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
ودیگر مفتیانِ کرام دارالعلوم حقانیہ
بنگرانی واہتمام
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مہتمم جامعہ حقانیہ
ترتیب
مفتی مختار اللہ حقانی
ناشر
جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

شائع کردہ جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نوشہرہ پاکستان

نام کتاب .... فتاویٰ حقانیہ (جلد دوئم)

افادات .... شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ دارالعلوم حقانیہ ودیگر مفتیان کرام جامعہ ہذا

نگرانی واہتمام .... شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب، مہتمم جامعہ ہذا

ترتیب .... مولانا مفتی مختار اللہ حقانی استاذ شعبہ التخصص فی الفقہ والافتاء

ضخامت .... ۶۳۰ صفحات

طابع .... مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک
Mob:0300-4572899

ناشر .... جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ

فہرست مضامین جلد دوم

عنوانات	صفحہ

کتاب ما یتعلق بالحدیث

کتاب السلوک ۲۴۳

رسالہ

عورتوں کے حقوق آزادی اور بے حجابی کا مسئلہ

کتاب
الاجتہاد
والتقلید

کتاب الاجتہاد و التّقلید

(اجتہاد اور تقلید کے احکام ومسائل)

تقلید کی شرعی حیثیت

سوال :- بعض لوگ کہتے ہیں کہ تقلید کرنا شرک ہے، جو ائمہ اربعہؒ کی تقلید کرتا ہے وہ مشرک ہے، دریافت مسئلہ یہ ہے کہ تقلیدِ ائمہ اربعہ کا شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا واقعی تقلید کرنے سے ایک مسلمان مشرک ہو جاتا ہے؟

الجواب :- تقلید کسی ماہر شریعت کی راہنمائی میں شریعتِ مقدسہ کی اتباع کا نام ہے، قرآنی آیات، احادیثِ نبویؐ اور صحابہ کرامؓ کے حالات میں بھی عامی شخص کو کسی ماہر شریعت کی پیروی کا حکم ملتا ہے، اس لیے عامی آدمی کے لیے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا واجب ہے اس سے شرک لازم نہیں آتا۔

قال العلامۃ ابن نجیمؒ : ان الاجماع انعقد علیٰ عدم العمل بمذہب مخالفٍ للأربعۃ لانضباط مذاھبھم وانتشارھا وکثرۃ اتباعھم۔

(الاشباہ والنظائر ج ا ص۳۳۳ القاعدۃ الاولیٰ: الاجتھاد لاینقض بالاجتھاد)[1]

مجتہد اور مقلّد کے دلائل میں فرق

سوال :- ادلّۃ المجتہد اور ادلّۃ المقلّد میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟

الجواب :- مجتہد کسی مسئلہ کے اثبات کے لیے ادلّۂ اربعہ سے استدلال کرتا ہے اور مُقلّد اپنے مسئلہ کے لیے مجتہد کا قول پیش کرتا ہے، مقلّد چونکہ کتاب وسنت سے ناواقف ہوتا ہے اس لیے وہ ثبوتِ مسئلہ کے لیے دلیل نہیں لاسکتا۔

لما قال العلامۃ صدر الشریعۃ : وقولنا یتوصل بھا الیہ الظاھر ان ھٰذا

---

[1] قال العلامۃ عبد العزیز الفرھاری : ثم من لم یکن مجتھداً وجب علیہ اتباعِ المجتھد۔ (نبراس شرح شرح عقائد ص۲۷ تقلید المجتھد)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۷ ص۲۶۶ کتاب القضاء۔

يختص المجتهد فان المبحوث عنه فى هٰذا العلم قواعد يتوصل المجتهد بها الى الفقه ليس الا المجتهد فان الفقه هو العلم بالاحكام من الادلّة التى ليس دليل المقلّد منها فلهٰذا لم يذكر مباحث التقليد والاستفتاء فى كتبنا ولا يبعد ان يقال انه يعم المجتهد والمقلّد فالادلّةُ الاربعة انما يتوصل بها المجتهد لا المقلّد فاما المقلّد فالدّليلُ عندهٗ قول المجتهد فالمقلّد يقول هٰذا الحكم واقع عندى لانه ادى اليه رأى ابى حنيفة وكل ما ادى اليه رايه فهو واقع عندى -

(توضيح وتلويح ص۵۲ مقدمة) [1]

سوال:- مذاہب اربعہ کو حق جانتے ہوئے قرآن وحدیث پر عمل کرنا

ایک شخص مذاہب اربعہ کو حق جانتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ جو کچھ قرآن وحدیث میں ہے اسی پر عمل کرنا چاہیئے، تو ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:- ایسا شخص دو حال سے خالی نہیں ہوگا یا تو مقلد ہوگا یا پھر مجتہد ہوگا، اب اگر وہ مقلّد ہے تو مقلّد پر تقلید واجب ہے، اور اگر مجتہد ہے تو وہ قرآن وسنت سے استدلال کر سکتا ہے، لیکن عصرِ حاضر میں چونکہ کسی میں بھی اجتہادِ مطلقہ کی صلاحیت موجود نہیں ہے اسلیے اس شخص کا خیال غلط ہے -

لما قال العلامة الحصكفىؒ: وقد ذكروا ان المجتهد المطلق قد فقد -

(الدر المختار على هامش رد المحتار ج ۱ ص۷۷ مطلب فى طبقات الفقهاء) [2]

---

[1] قال العلامة ابن عابدينؒ: وظيفة العوام التّمسك بقول الفقهاء واتباعهم فى اقوالهم وافعالهم دون التّمسك بالكتاب والسنة -

(الفتاوىٰ تنقيح الحامدية ج ۲ ص۳۶۷ مسائل وفوائد شتّى من الحظر والاباحة)

وَمِثْلُهٗ فى البحر الرائق ج ۱ ص۵ كتاب الطهارة -

[2] لما قال العلامة الحصكفىؒ: وقد ذكروا ان المجتهد المطلق قد فقد - قال السيد احمد الطحطاوى (قولهٗ فقد) وهو جائز الوجود لان فضل الله تعالىٰ لا يتقيد بزمن دون زمن -

(حاشية الطحطاوى على الدر المختار ج ۱ ص۵۱ مقدمة)

دو مذاہب پر عمل کرنے کا حکم

سوال:۔ ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک امام کا مقلد دوسرے امام کے مذہب پر عمل کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خروج عن المذہب میں چونکہ اتباع ھوٰی ہی ہوتا ہے اس لیے اگر کوئی شخص مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب پر عمل کر رہا ہو تو وہ اوّل مذہب کے ہوتے ہوئے دوسرے مذہب پر عمل نہیں کر سکتا اس کو اصطلاح میں تلفیق کہتے ہیں اور یہ باطل ہے تاہم اشد ضرورت کے وقت اپنے مذہب میں رہتے ہوئے دوسرے مذہب پر اہلِ علم حضرات فتویٰ دے سکتے ہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قول الحصکفیؒ: وان الحکم الملفق باطل بالاجماع) مثاله متوضئ سال من بدنه دم ولمس امرأة ثم صلی فان صحة هٰذه الصلوٰة ملفقة من مذهب الشافعی والحنفی والتلفیق باطل فصحته (رد المحتار ج ۱ ص۵۷ مطلب فی حکم التقلید والرجوع عنه) [۱]

موضع ضرورت میں دوسرے مذہب پر عمل کرنا

سوال:۔ کیا موضع ضرورت میں دوسرے مذہب پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ موضع ضرورت میں دوسرے مذاہب پر عمل کرنا جائز ہے مگر اس ضرورت کا تعین اکابر علماء کریں گے، جیسے زوجہ مفقود الخبر میں امام مالکؒ کے مذہب پر فتویٰ عند الضرورت دینا جائز ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: وقد کان بعض اصحابنا یفتون بقول مالك فی هٰذه الحالة للضرورة ۔ (رد المحتار ج ۳ ص۵۰۹ کتاب المفقود، مطلب فی الافتاء بمذهب مالك) ایضاً قال لو افتی مفت بشئ من هٰذه الاقوال للضرورة طلباً للتیسیر کان حسناً۔ (رد المحتار ج ۱ ص۷۴ مطلب لا یجوز العمل بالضعیف الخ) [۲]

---

[۱] قال العلامة الطحطاویؒ: متوضئ سال من بدنه دم ولمس امرأة ثم صلی الخ۔ (طحطاوی علی الدر المختار ج ۱ ص۵۱)۔ ومثله فی خلاصة التحقیق فی بیان حکم التقلید والتلفیق عبد الغنی النابلسی ص۷۔

[۲] لما قال العلامة عبد العزیز الفرهاری رحمه الله: اذا اشتدت الحاجة فیجوز الرجوع الی قاضی مذهب آخر یفتی بحاجته وهٰذه الفوائد مما تحفظ ۔ (النبراس ص۲۳ تقلید المجتهد)

اہل الظاہر کے فتویٰ پر عمل کرنا

سوال:۔ کیا ایک حنفی کے لیے اہل الظاہر کے فتوٰی پر عمل کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایک حنفی کا اہل حدیث کے فتوٰی پر عمل کرنا درست نہیں، کیونکہ اہل الظاہر (اہل حدیث) اصحاب الفتوٰی میں سے نہیں ہیں۔

لما قال العلامة الكيرانوىؒ: قال ابو بكر الرازى الجصاص فى اصوله لا يعد بخلاف من لا يعرف اصول الشريعة ولم يرتض بطريق المقاييس ووجوه اجهاد الرائ كداود الاصفهانى (امام اهل الظاهر) والكرابيسى اضرابهما۔

(مقدمه اعلاء السنن ج ۲ ص۱۸۵ الفائدة الثانية لا يعتد بخلاف الظاهرية) [1]

امام ابو حنیفہ رحؒ تابعی ہیں

سوال:۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تابعی ہیں یا تبع تابعی اور آپؒ نے کس صحابی کو دیکھا ہے؟

الجواب:۔ امام ابو حنیفہ رحؒ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے، اس زمانہ میں کافی تعداد میں صحابہؓ حیات تھے اس لیے آپؒ نے کئی صحابہ کی زیارت کی ہے جن میں حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں اس لیے آپؒ تابعی ہیں[2] اور یہی جمہور علماء کی رائے ہے۔

لما قال الملا على القارىؒ: قد ثبت رؤيته بعض الصحابة واختلف فى روايته عنهم والمعتمد ثبوتها...... فهو من التابعين الاعلام۔ (مقدمة اعلاء السنن ج ۳ ص۷ الفصل الاول)

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مرویات کی تعداد

سوال:۔ کیا یہ صحیح ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سترہ حدیثوں

---

[1] قال العلامة ابن عابدينؒ: وقد استقر راى الاصوليين على ان المفتى هو المجتهد فاما غير المجتهد فمن يحفظ اقوال المجتهد فليس بمفت والواجب عليه اذا سئل ان يذكر قول المجتهد كالامام على وجهه الحكاية۔ (رد المحتار ج ۱ ص۶۹ مطلب رسم المفتى)

وَمِثْلُهُ فى الطحطاوى على در المختار ج ۱ ص

[2] قال العلامة ابن الجوزى رحمه الله: انما رأى انس بن مالك بعينه

(العلل المتناهية ج ۱ ص۱۲۸ باب الكفالة برزق التفقه)

وَمِثْلُهُ فى رد المحتار ج ۱ ص۶۳ مطلب فى اختلف فيما من روايته الامام عن الصحابةؓ۔

سے زیادہ نہیں جانتے تھے، جیسا کہ ابن خلدونؒ نے ذکر کیا ہے؟

الجواب:۔ جو کوئی بھی یہ کہتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سترہ حدیثوں سے زیادہ نہیں جانتے تھے وہ غلط کہتا ہے اور اس کا یہ کہنا مندرجہ ذیل وجوہات سے **باطل** ہے:۔

(۱) امام ابوحنیفہؒ باتفاقِ اُمت مجتہد ہیں اور خود ابن خلدونؒ کا کہنا ہے کہ مجتہدین کا استنباط قرآن وسُنّت سے ہوتا ہے۔ تو اگر کوئی سترہ حدیثوں سے مجتہد بن سکتا تو آج ہر اہلِ حدیث مجتہد ہوتا۔

لما قال ابن خلدونؒ: ولاسبیل الیٰ ھٰذا لمتقد فی کبار الاسمه ملان الشریعة انما توخذ من الکتاب والسنة۔ (مقدمہ ابن خلدون ج ۱ ص ۳۷۱)

(۲) ابن خلدونؒ نے یہ قول یقال سے ذکر کیا ہے جو صیغہ تمریض ہے پھر خود ہی اس کا ردّ بھی کیا ہے۔

(۳) صرف امام یوسفؒ نے "کتاب الآثار" میں امام ابوحنیفہؒ کی روایات کی تعداد ۱۰۶۷ ذکر کی ہے۔

(۴) امام ابوحنیفہؒ کی اپنی مسند موجود ہے جس میں ہزاروں روایات درج ہیں۔

(۵) امام ذہبیؒ نے آپؒ کو حفاظ میں ذکر کیا ہے اور حافظ وہ ہوتا ہے جو ایک لاکھ حدیثیں جانتا ہو۔

(۶) وقال محمد بن سماعةؒ: ان الامام ذکر فی تصانیفه نیفا وسبعین الفًا حدیث وانتخب الآثار من اربعین الف حدیث۔

(مقدمہ اعلاء السنن ج ۱ ص ۱۹۲ الفصل التاسع فی تراجم ائمتنا الثلاثة)

اس لیے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر اس قسم کا بے جا اعتراض کرنا **بغض وحسد** کی علامت ہے۔

صحاح ستّہ میں امام ابوحنیفہؒ کی روایات

سوال:۔ صحاح ستّہ خاص کر بخاری ومسلم میں امام ابوحنیفہؒ سے روایات کیوں منقول نہیں ہیں؟

الجواب:۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا کام روایات سے مسائل کا استنباط تھا، نہ کہ محض روایات بیان کرنا۔ فقہی استنباطات میں شبانہ روز مشغولیت کی وجہ سے آپؒ سے

روایات کثرت موجود نہیں، نیز یہ بھی واضح ہو کہ بخاری و مسلم نے جس طرح امام ابو حنیفہؒ کی روایات کا ذکر نہیں کیا ہے تو اس طرح امام شافعیؒ کی بھی کسی روایت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اور امام الحدیث احمد بن حنبلؒ کی صرف دو روایات موجود ہیں وہ بھی ایک تعلیق اور دوسری نازل بواسطہ۔

لما قال العلامة الکوثریؒ: ومما یلتقت ان شیخین لم یخرجا فی الصحیح شیئاً من حدیث الامام ابی حنیفةؒ مع انهما ادرکا صغار اصحاب اصحابه واخذا عنهم ولم یخرجا ایضاً من حدیث الامام الشافعیؒ مع انهما لقیا بعض اصحابه ولا اخرج البخاریؒ من حدیث احمدؒ الا حدیثین احدهما تعلیقا والآخر بواسطة مع انه ادرکه الائمة۔ (التعلیق علی شروط الائمة الستة ص۸۱)

”میزان الاعتدال“ کی عبارت کی تحقیق

سوال:۔ علامہ ذہبیؒ نے اپنی مشہور کتاب ”میزان الاعتدال“ میں امام ابو حنیفہؒ کو ضعفا میں شمار کیا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب:۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ”میزان الاعتدال“ میں امام ابو حنیفہؒ کو ضعیف کہا گیا ہے وہ غلطی پر ہیں، علماء احناف نے اس کے مندرجہ ذیل جوابات ذکر کیے ہیں:۔

(۱) اول تو یہ کہ یہ عبارت علامہ ذہبیؒ کی نہیں ہے بلکہ کتاب میں بعد میں داخل کر دی گئی ہے۔

لما قال العلامة ظفر احمد العثمانیؒ (بعد تحقیق): فقد تصافرت الادلة علی ان ترجمة ابی حنیفةؒ فی المیزان انها الحقت فی بعض النسخ بغیر قلم مؤلفه۔ (مقدمه اعلاء السنن ج ۱ ص۱۳۵ ثبوت العدالة بالاستفاضة)

وان هذه العبارة لیست لها اثر فی بعض النسخ المعتبرة علی ما رأیتها بعین نقلاً من الامام عبد الحی اللکهنویؒ ما تمس الیه الحاجة۔ (ص۲۷ مقدمة ابن ماجة)

(۲) اور خود علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ ائمہ اربعہؒ اور امام ابو حنیفہؒ کو انکی جلالتِ شان کی وجہ سے میزان الاعتدال میں ذکر نہیں کیا ہے۔ کذا لا اذکر فی کتابی من الائمة المتبوعین فی الفروع احداً لجلالتهم فی الاسلام وعظمتهم فی النفوس مثل ابی حنیفةؒ والشافعیؒ۔ (میزان الاعتدال ج ۱ ص۲)

(۳) یہ جرح مبہم ہے جو کہ قبول نہیں۔ انما الجرح فانه لا یقبل الا مفسراً مبیناً بسبب الجرح۔
(اعلاء السنن ج ۱ ص۱۰۳، تدریب الراوی ج ۱ ص۳۰۵)

پاکستان میں دوسرے مذاہب کی تقلید کا حکم

سوال :- جناب مفتی صاحب ! کیا پاکستان میں علاوہ مذہب حنفی کے مذہب شافعی یا دوسرے مذاہب کی تقلید کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ جبکہ یہاں ان پر عمل کرنے سے فتنہ و فساد کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے اور نہ ہی یہاں ان مذاہب کو کوئی جانتا ہے ؟

الجواب :- مذاہب اربعہ (حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی) کی حقانیت پر پوری امت کا اجماع ہے مگر یہاں جہاں جو مذہب رائج ہو اسی کی تقلید کی جائے گی دوسرے مذہب کی تقلید نہیں کی جائے گی، خصوصاً اس وقت جبکہ فتنہ و فساد کا خطرہ ہو کسی دوسرے مذہب کی تقلید کرنا جائز نہیں -

لما قال الشیخ شاہ ولی اللہ الدهلوی : فاذا كان جاهل فی بلاد الهند و بلاد ما وراء النهر و ليس هناك عالم شافعی ولا مالكی ولا حنبلی ولا كتاب من كتب هذه المذاهب وجب عليه ان يقلد لمذهب ابی حنيفة ويحرم عليه ان يخرج من مذهبه لانه حينئذ يخلع من عنقه ربقة الشريعة ويبقى سدى مهملاً -

(الانصاف مع کشاف ص۷۰،۷۱ ہندوستان میں جہلاء پر تقلید ابوحنیفہؒ واجب ہے)

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مقلد تھے

سوال :- ہم نے بعض علماء سے سنا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ مقلد نہیں تھے کیا واقعی حضرت شاہ صاحبؒ مقلد نہیں تھے ؟

الجواب :- یہ کہنا درست نہیں کہ حضرت شاہ صاحب مقلد نہیں تھے ، بلکہ شاہ صاحب رحمہ اللہ باوجود صلاحیت اجتہاد کے مقلد تھے بلکہ آپؒ کو تقلید سے خروج پر ممانعت کی گئی تھی ، چنانچہ آپؒ خود فرماتے ہیں :-

واستفدت منه صلى الله عليه وسلم ثلثة امور خلاف ما كان عندی وما كانت طبعی تميل اليه اشد ميل فصارت هذه الاستفادة من براهين الحق تعالى علی ..... وثانيها الوصاة بالتقليد بهذه المذاهب -

(فیوض الحرمین ص۶۴،۶۵)

مذہب حنفی موافق السنۃ ہے

سوال :- آجکل غیر مقلد حضرات عوام میں یہ پروپگنڈہ کر رہے ہیں کہ مذہب حنفی خلاف سنت ہے کیونکہ

یہ لوگ نماز میں رفع الیدین نہیں کرتے جبکہ رفع الیدین کرنا سنت ہے، اور یہ لوگ قرأۃ فاتحہ خلف الامام کے بھی قائل نہیں جبکہ قرأۃ فاتحہ خلف الامام سنت ہے، اس کے علاوہ بھی بعض ایسے اقوال کہہ دیتے ہیں، تو کیا واقعی مذہبِ حنفی خلافِ سُنت ہے؟

الجواب:۔ مذہبِ حنفی کے بارے میں یہ بے بنیاد پروپیگنڈہ ہے، یہ مذہب دوسرے مذاہب سے سنت کی پیروی میں زیادہ قریب ہے۔ جہاں تک مذکورہ مسائل کا تعلق ہے تو اگرچہ رفع الیدین اور قرأۃ فاتحہ خلف الامام وغیرہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات منقول ہیں مگر ترکِ رفع الیدین وغیرہ کی روایات بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے منقول ہیں اور یہ روایات بہ نسبت دوسری روایات کے زیادہ قوی ہیں اس لیے حنفیہ کثر اللہ سوادہم کے بارے میں ایسا کہنا صحیح نہیں ہے۔

قال الشیخ الشاہ ولی اللہ الدھلویؒ: وعرفنی رسول اللہ علیہ وسلم ان فی المذھب الحنفی طریقۃ انیقۃ ھی اوفق الطرق بالسنۃ المعروفۃ التی جمعت ونقحت فی زمان البخاریؒ واصحابہ۔ (فیوض الحرمین ص۴۸)

مذاہبِ اربعہ کی مخالفت کا حکم

سوال:۔ آجکل غیر مقلد اور دیگر جماعتوں کے لوگ مذاہبِ اربعہ اور ان کی تقلید کو شرک کہتے ہیں اور انکی مخالفت کرتے ہیں۔ تو کیا مذاہبِ اربعہ کی مخالفت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چاروں مذاہب پر علماءِ امت کا اجماع منعقد ہو چکا ہے ان سے خروج کرنا اور ان کی مخالفت کرنا صحیح نہیں بلکہ موجبِ گناہ ہے۔

قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وما خالف الائمۃ الاربعۃ فھو مخالف للاجماع۔ (الاشباہ والنظائر ص۱۳۱)[1]

---

[1] قال العلامۃ احمد المعروف بملاجیونؒ: وقد وقع الاجماع علی ان الاتباع انما یجوز للاربع ...... وکذا لا یجوز الاتباع لمن حدث مجتھداً مخالفاً لھم۔

(التفسیرات الاحمدیۃ ص۳۴۶ سورۃ آل عمران)

وَمِثْلُہٗ فی التفسیر المظھری ج۲ ص۶۴ سورۃ آل عمران۔

مذاہب اربعہ کے علاوہ مذاہب کی تقلید کرنا

سوال :- جناب مفتی صاحب ! عصر حاضر میں مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی نئے مذہب کی تقلید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- علماء کرام کی تصریحات کی روشنی میں زمانہ حال میں مذاہب اربعہ کے علاوہ دوسرے کسی مذہب پر عمل پیرا ہونا جائز نہیں ، اس لیے کہ کوئی ایسا شرعی جزئیہ نہیں ہے جس کے بارے میں ان مذاہب نے تصریح نہ کی ہو۔

لما قال العلامة الشیخ احمد الطحطاوی رحمه الله : فعلیکم یا معشر المؤمنین باتباع الفرقة الناجیة المسماة باهل السنة والجماعة فان نصرته فی موافقتهم و خذلانه و سخطه ومقته فی مخالفتهم وهذه الطائفة الناجیة قد اجتمعت الیوم فی المذاهب الاربعة هم الحنفیون والمالکیون والشافعیون والحنبلیون ومن کان خارجاً من هذه المذاهب الاربعة ذلك الزمان من اهل البدعة والنار۔ (الطحطاوی علی الدر المختار ج۴ ص۱۵۳ کتاب الذبائح) [1]

اجتہاد کا دروازہ کھلا ہونے کا حکم

سوال :- جناب مفتی صاحب ! کیا اس دور میں بھی اجتہاد کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگوں سے سنا ہے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے ، آنجناب سے گذارش ہے کہ قرآن و سنت سے جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب :- اجتہادِ مطلق کا سلسلہ ائمہ اربعہ پر ختم ہو چکا ہے ، آجکل کسی میں بھی اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ وہ اجتہادِ مطلق کے درجے تک پہنچ سکے ، البتہ اجتہاد فی المسائل کی اب بھی اجازت ہے مگر جو شخص نئے مسائل میں اجتہاد کرتا ہو اُس میں

---

[1] قال العلامة ابن الهمام رحمه الله : وعلی هذا ما ذکر بعض المتأخرین منع التقلید غیر الاربعة لانضباط مذاهبهم وتقیید مسائلهم وتخصیص عمومها و لم یدر مثله فی غیرهم الآن لانقراض اتباعهم وهو صحیح ۔ (التحریر فی اصول الفقه ص۵۵۲ بحواله فتاوی رحیمیة ج۱ ص۸۹ کتاب العلم)

ومثله فی فتاوی رحیمة ج۱ ص۹ کتاب العلم۔

اجتہاد کی صلاحیت کا موجود ہونا ضروری ہے بدون اس کے اجتہاد کی اجازت نہیں ۔

قال العلامة النووی رحؒ: اما الاجتهاد مطلق فقالوا اختتم بالائمة الاربعة حتی اوجبوا تقليد واحد من هؤلاء علی امته ونقل امام الحرمين الاجماع عليه۔ (روضة الطالبين بحواله فتاوٰی رحيمية ج۴ ص۱۴۶ کتاب العلم) [1]

صحابۂ کرامؓ کے دور میں تقلید کا مسئلہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! جیسا کہ آجکل مذاہب اربعہ کی تقلید کی جاتی ہے اسی طرح صحابۂ کرامؓ کے زمانے میں بھی تقلید ہوا کرتی تھی یا یہ کہ سب صحابہؓ اپنے اپنے اجتہاد سے کام لیتے تھے؟

الجواب:۔ صحابۂ کرام میں بھی دو قسم کے لوگ تھے، بعض مجتہد اور بعض مقلد، تو جس طرح اس زمانہ میں اجتہاد رائج تھا اسی طرح مجتہد صحابہ کرامؓ کی تقلید بھی ہوا کرتی تھی، غیر مجتہد صحابۂ کرامؓ دوسرے مجتہد صحابہؓ کی تقلید کر کے ان کے فتوٰی پر عمل کرتے تھے۔

عن سالم قال سئل ابن عمر عن رجل يكون له الدين علی

---

[1] قال العلامة قاری محمد طیب رحؒ: باقی میں عرض کر چکا ہوں کہ اجتہاد کی وہ نوع جو استنباط علل اور اجتہاد فی الدین سے تعلق رکھتی ہے آج اس لیے نہیں پائی جاتی کہ اس کی ضرورت باقی نہیں ہے، ائمہ نے اس کو اس حد تک مکمل کر دیا ہے کہ آئندہ اس سے نفع اٹھانے کی صورت تو باقی رہ جاتی ہے لیکن اس میں مزید تحقیق و تلاش کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا...... ہاں اس خاص نوع کو چھوڑ کر جس نوع کے پردہ میں آج بھی جنس اجتہاد باقی ہے وہ عام تحقیق و تلاش، کتاب و سنت میں تدبر، ان کے لطائف و حقائق کا استخراج ہر زمانے کے تکوینی حوادث سے تشریعی مسائل کو تطبیق دے کر مناسب فتوٰی دینا، معاندین اسلام کے نئے نئے شکوک و شبہات کی تردیدات، نصوص سے استنباط کرنا اصول اسلام کے اثبات و تحقیق کے لیے کتاب و سنت سے مؤیدات پیدا کرنا وغیرہ وغیرہ ہے، اجتہاد کی یہ نوع کل بھی تھی اور آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

{اجتہاد اور تقلید ص۵۹ تا ص۶۴
اجتہاد کی ایک نوع ختم ہو چکی ہے}

الرجل الی اجل فیضع عنه صاحب الحق یعجله الآخر فکره ذٰلك عبد الله بن عمر ونهی عنه ۔ (موطا امام مالکؒ ص۲۷۱ کتاب البیوع ۔ باب ماجاء فی الربا فی الدین)

مجتہد کو خطا پر بھی اجر ملتا ہے

سوال: ۔ اگر مجتہد کسی مسئلہ میں اجتہاد کر کے اس میں خطا کر جائے تو کیا وہ عند اللہ ماخوذ ہو گا یا ماجور؟

الجواب: ۔ جب کوئی مجتہد کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے اور وہ مسئلہ صواب اور درست ہو جائے تو اس کو دوہرا اجر ملے گا اور جب خطا کر جائے تو عند اللہ اُسے ایک نیکی ملے گی ۔

لما قال النبی صلی الله علیه وسلم : اذا حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران واذا حکم فاجتهد ثم اخطاء فله اجر واحدٌ ۔

(الصحیح البخاری ج ۲ ص۱۰۹۲ باب اجر الحاکم)

مجتہدین کے اقوال پر فتویٰ دینے کا حکم

سوال: ۔ جناب مفتی صاحب! جو عالم دین خود مجتہد نہ ہو یعنی قرآن وسنت سے بلا واسطہ استنباط نہ کر سکتا ہو تو فتویٰ دیتے وقت اس کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب: ۔ جو عالم دین مفتی تو ہو لیکن درجہ اجتہاد کو نہیں پہنچا ہو تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے امام کی روایت اور اس کے مذہب کو نقل کر کے فتویٰ دے ۔

قال العلامة الحصکفیؒ : وان الخلاف خاص بالقاضی المجتهد واما المقلد

لہ قال الشیخ الشاہ ولی الله الدھلویؒ : لان الناس لم یزالوا من زمن الصحابة الیٰ ان ظهرت المذاهب الاربعة یقلدون من اتفق من العلماء من غیر نکیر من احد یعتبر انکاره ولو کان ذٰلك باطلا لا نکروه ۔

(عقد الجید مع سلك مروارید ص۲۹ آخر باب دوم)

وَمِثْلُهٗ فی اجتهاد وتقلید ص۵۴ صحابہؓ میں بھی تقلید رائج تھی ۔

فلا ینفذ قضاؤہ بخلاف مذھبہ اصلاً کما فی القنیۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۵۲۷ مطلب فی حکم التقلید والرجوع عنہ) لہ

تقلید مذاہبِ اربعہ کا احادیث سے ثبوت

سوال:- جناب مفتی صاحب! میرا ایک دوست بسلسلہ روزگار کئی سالوں سے کراچی میں مقیم ہے، جب وہ گاؤں سے کراچی جا رہا تھا تو صحیح سُنی مسلمان تھا اب کراچی میں رہتے ہوئے اس کے نظریات بدل چکے ہیں، اب وہ یہ کہتا ہے کہ مذاہب اربعہ کی تقلید کرنا شرک ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں، آپ سے گذارش یہ ہے کہ کیا واقعی مذاہبِ اربعہ کی تقلید شرک ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ؟

الجواب:- مذاہبِ اربعہ کی تقلید کو شرک کہنا لاعلمی اور جہل ہے، غیر مُقلّدین کے علاوہ کسی نے بھی اس کو شرک نہیں کہا ہے بلکہ اسی پر اُلٹا امت کا تعامل چلا آرہا ہے قرآنِ کریم کی آیات اور احادیثِ نبوی کی کثیر تعداد تقلید کے اثبات کی تائید کرتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: اتبعوا السواد الاعظم۔ (الحدیث)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں: ولما اندرست المذاھب الحقۃ الا ھٰذہ الاربعۃ کان اتباعھا اتباعاً للسواد الاعظم۔

(عقد الجید مع سلک مروارید ص۳۳ باب سوم ان چاروں مذہبوں کے اختیار کرنے کی الخ)

لہٰذا آپ کے دوست کا یہ کہنا غلط ہے کہ مذاہبِ اربعہ کی تقلید شرک ہے اور یہ حدیث سے ثابت نہیں ہے۔

لہ قال ابو حفص قال لی ابو اسحاق لما جلستُ فی جامع المنصور للفتیا ذکرتُ ھٰذہ المسألۃ (ای مسألۃ حفظ اربعمائۃ حدیث للفتیا) فقال لی رجلٌ! فانت ھو ذا لا تحفظ ھٰذا المقدار حتیٰ تفتی للناس فقلت لہٗ عافاک اللہ ان کنتُ لا اُحفظ ھٰذا المقدار فانی ھو ذا افتی الناس بقول من کان یحفظ ھٰذا المقدار واکثر منہ ھٰذا یرشدک الی انہ اذا لم یکن الرجل من اھل الفتویٰ والاجتھاد فعلیہ ان یفتی بقول المجتھد۔

(مقدمۃ اعلاء السنن ص۹/۲۲ شرائط الافتاء، قواعد الفقہ)

شاہ اسماعیل شہیدؒ مقلد تھے

سوال:۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ غیر مقلد تھے، ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی بھی انہوں نے تقلید نہیں کی، تو کیا ان لوگوں کا یہ کہنا صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ بڑے بلند پایا عالم دین تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ صلاحیت عطا فرمائی تھی کہ وہ براہِ راست قرآن وسنت سے مسئلہ حل کر سکتے تھے مگر جہاں آپ کو صریح نص نہ ملتی تھی وہاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرتے تھے، جیسا کہ آپ کی تصانیف سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، اس لیے ان لوگوں کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ حضرت شاہ صاحبؒ ائمہ اربعہ میں سے کسی کے مقلد نہ تھے۔

لما قال الشیخ رشید احمد گنگوہیؒ: بندہ نے جو کچھ سُنا ہے مولانا مرحوم کا حال وہ یہ ہے کہ جب تک حدیث صحیح غیر منسوخ ملی اس پر عمل کرتے اگر نہ ملتی تو امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے تھے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، تالیفاتِ رشیدیہ ص ۲۰۹ تقلید واجتہاد کے مسائل)

اجماع وقیاس کی شرعی حیثیت

سوال:۔ جنابِ مفتی صاحب! آجکل کے غیر مقلد حضرات اجماعِ اُمّت اور قیاس کو حجتِ شرعی نہیں مانتے اور نہ ان سے ثابت شدہ مسائل مانتے ہیں۔ تو کیا واقعی اجماعِ امت اور قیاس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں؟

الجواب:۔ اسلامی احکامات کا استنباط ادلہ اربعہ سے ہوتا ہے جن میں اجماع اور قیاس بھی شامل ہے، نصوصِ قرآنیہ، احادیثِ صحیحہ اور آثارِ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے یہی ثابت ہے، ان کو دلیلِ شرعی نہ ماننا جہلِ مرکب ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ، تالیفاتِ رشیدیہ ص ۲۰۵ تقلید و اجتہاد کے مسائل)

مقلدین کو مشرک کہنے والے کے ایمان کا حکم

سوال:۔ جنابِ مفتی صاحب! ہمارے گاؤں میں جماعت المسلمین سے تعلق رکھنے والا ایک شخص ہے جو سب مقلدین کو مشرک کہتا ہے، وہ یہ بھی کہتا ہے کہ جو شخص ائمہ اربعہ میں سے کسی بھی امام کا مقلد ہو تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے، ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مطلق تقلید قرآن وسنت سے ثابت ہے اور خیر القرون سے اس پر

تعامل چلا آرہا ہے جو شخص تقلید کو شرک کہتا ہے اور ائمہ اربعہ کے مقلدین کو مشرک اور دائرۂ اسلام سے خارج تصور کرتا ہے خود اس کے ایمان کی سلامتی مخدوش ہے اس کو ایسے الفاظ پر تلفظ کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لما قال العلامۃ المفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ:- جو شخص کہ تقلید کو شرک کہے وہ خود خاطی ہے، اور اگر تمام مقلدین کو مشرک بنائے تو اس کے ایمان کی سلامتی مخدوش ہے، اس کے پیچھے نماز بھی نہیں ہوتی، کیونکہ مطلق تقلید کا ثبوت قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور اقوالِ صحابہؓ اور تعاملِ سلفؒ سے یقینی طور پر موجود ہے اور تقلیدِ شخصی کا جواز بھی قرآن وحدیث و اقوالِ صحابہؓ و تعاملِ سلفؒ سے ثابت ہے، پس اس کو شرک کہنا جہالت ہے۔

(کفایت المفتی ج ۱ صـ ۳۲۵ کتاب العقائد، تقلید واجتہاد)

مذاہب اربعہ قرآن وسنت کے موافق ہیں

سوال:- آجکل جو چار مذاہب مسلمانوں میں رائج ہیں، بعض لوگ حنفی، بعض شافعی اور بعض حنبلی اور بعض مالکی ہیں، ان میں سے کونسا مذہب قرآن وسنت کے موافق ہے؟ کیونکہ غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ مذاہبِ اربعہ قرآن وسنت کے موافق نہیں ہیں، ان کے اس قول کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب:- اصول اور مبادی دین میں سارے ائمہ اسلام متفق ہیں، اصول عقائد میں ان کا کوئی اختلاف نہیں، البتہ فروعی جزئیات میں اختلاف پایا جاتا ہے مگر یہ اختلاف اصل اسلام میں نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف اوقات میں مختلف اعمال منقول ہوئے ہیں، ان کی مختلف مدارج کی ترتیب معلوم نہ ہوتے یا تسلیم نہ کرتے یا مختلف مواقع اور مقاصد پر محمول کرنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اور اسی طرح بعض غیر منصوص مسائل کے حل میں دماغی تناسب اور رجحانات کے اختلاف کی وجہ سے بھی اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ یا پھر عربی لغت کے کثیر المعانی لفظ کے تعین میں اختلاف کی بناء پر ائمہ اربعہ میں اختلاف پیدا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین کرنی چاہیئے کہ اس قسم کے اختلافات سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا ہے حتی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شرائع میں بھی اس قسم کا اختلاف تھا، صحابہ کرامؓ میں بھی فروعی مسائل میں اختلاف تھا، اور شرعاً اس میں کوئی قباحت نہیں۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختلاف کے بارہ میں فرمایا ہے کہ اختلاف الامتی رحمۃ کہ امت کے ائمہ کا اختلاف رحمت ہے۔ لہٰذا مذاہبِ اربعہ حق پر ہیں کوئی بھی باطل پر نہیں۔

کتاب
البدعة
والرسوم

كتاب البدعة والرّسوم

(بدعت اور رسومات کے احکام و مسائل)

بدعت کی تعریف

سوال:- جناب مفتی صاحب! بدعت کی جامع و مانع تعریف کیا ہے، آجکل بعض لوگ ہر نئی چیز کو بدعت کہتے ہیں؟

الجواب:- بدعت کا لغوی معنیٰ ہے الاحداث یعنی نئی چیز پیدا کرنا، شریعت کی اصطلاح میں اس کی مختلف تعریفات کی گئی ہیں، ان تمام تعریفات میں جامع و مانع تعریف وہ ہے جو علامہ ابن رجبؒ اور دوسرے محققین نے بیان کی ہے کہ بدعت شرعاً وہ عمل ہے جس کی دینِ مقدس میں کوئی بنیاد نہ ہو، اس تعریف سے بہت سے وہ اعمال جن کو بعض حضرات بدعت کہتے ہیں خارج ہو جائیں گے۔

لما قال العلامة ابن رجب الحنبليؒ: والمراد بالبدعة ما احدث مما لا اصل لهٗ في الشريعة يدل عليه واما ما كان لهٗ اصل من الشرع يدل فليس ببدعة شرعاً وان كان بدعة لغة۔ (كتاب جامع العلوم والحكم ص۲۳۳ الحديث الثامن والعشرون)

بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیّئہ کی تحقیق

سوال:- بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیّئہ میں فرق کی وضاحت فرمائیں، بعض لوگ بدعت کی اس تقسیم (حسنہ وسیّئہ) کو نہیں مانتے، جبکہ ہم نے اکثر علماء سے بدعت کی یہی تقسیم سنی ہے؟

الجواب:- بدعت اصطلاحی و شرعی ہر صورت میں قبیح و مذموم ہے، البتہ بدعتِ لغوی اپنی بعض اقسام کے اعتبار سے بدعت حقیقی (شرعی) نہیں رہتی بلکہ بدعتِ صوری بن

لہ قال العلامة القرطبي رحمه الله: كل بدعة صدرت من مخلوق فلا يخلو ان يكون لها اصل في الشرع اولا فان كان لها اصل كانت واقعة تحت ما ندب الله اليه وحض رسوله اليه فهي في حيز المدح وان لم يكن مثاله الخ۔

(احكام القرآن للقرطبيؒ ج۱ ص۸۷ سورة البقرة)

وَمِثْلُهٗ في صفوة التفاسير ج۱ ص۹۲ سورة البقرة۔

جاتی ہے، اور بدعت کی یہ صورت مشابہ سنت ہونے کی وجہ سے بدعتِ حسنہ کہلاتی ہے۔
چنانچہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: قاعدہ کلیہ اس باب میں یہ ہے کہ جو امر کلیاً یا جزئیاً دین میں
نہ ہو اس کو کسی شبہ سے جزوِ دین علماً وعملاً بنا لینا بوجہ مزاحمت احکام شرعیہ کے بدعت ہے
دلیل اس کی حدیثِ صحیح ہے من احدث فی امرنا ھٰذا ما لیس منہ فھو ردٌّ۔
کلمہ من اور فی اس مدعا پر صاف صاف دلالت کر رہے ہیں اور حقیقی بدعت ہمیشہ سیئہ
ہی ہو گی اور بدعتِ حسنہ صوری بدعت ہے۔ (امداد الفتاوٰی ج۵ ص۲۸۵ کتاب البدعات)[۱]

بدعت للدین کے جواز کا حکم

سوال:- بدعت فی الدین اور بدعت للدین میں کیا فرق ہے؟ نیز وہ کون سا اصول یا ضابطہ ہے کہ جس
کے ذریعے ہر دو بدعت میں تفریق وتمیز ہو سکے؟

الجواب:- اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے دین کی سب ضروری باتیں قرآن وحدیث میں بندوں کو بتا دی ہیں، اب دین میں کوئی
نئی بات نکالنا جو دینِ متین میں داخل نہیں ہے اور لوگ اس کو دین سمجھ کر اس پر عمل کرتے
ہوں تو ایسی نئی بات کو بدعت فی الدین اور احداث فی الدین کہا جاتا ہے اور اسی کو فقہاء
نے ناجائز کہا ہے، اور اس کے برعکس وہ امر جس کی اصل دینِ متین میں موجود ہو تو وہ
بدعت للدین کے زمرے میں آتا ہے اور اس کو فقہاء کرام نے بعض شرائط کے ساتھ
جائز قرار دیا ہے۔

چنانچہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں: بدعت کی حقیقت تو یہ ہے کہ اس کو
دین سمجھ کر اختیار کرے، اگر معالجہ سمجھ کر اختیار کرے تو بدعت کیسے ہو سکتا ہے، پس ایک
احداث للدین ہے اور ایک احداث فی الدین ہے، احداث للدین معنیً سنت ہے اور
احداث فی الدین بدعت ہے۔ (تحفۃ العلماء ج۲ ص۱۴۰ فقہ حنفی کے اصول وضوابط، الباب السادس)

سنت کی تعریف

---

[۱] قال العلامۃ ابن حجر العسقلانیؒ: والتحقیق انہا ان کانت مما تندرج تحت مستحسن فی الشرع
فھی حسنۃ وان کانت من ما تندرج تحت مستقبح فی الشرع فھی مستقبحۃ والا فھی من قسم
المباح وقد تنقسم الی الاحکام الخمسۃ۔ (فتح الباری ج۴ ص۲۱۹ کتاب صلوٰۃ التراویح)
وَمِثْلُہٗ فی المنہاج الواضح بحوالہ راہِ سنت ص۹۸)

قبر پر اذان دینے کا حکم

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ میت کو لحد میں رکھ کر اس پر پتھر رکھنے کے بعد اور مٹی ڈالنے سے پہلے اذان دی جاتی ہے، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ قبر پر اذان دینا اذان کے مواقع میں سے نہیں جبکہ اذان کے مواقع شرعاً معین ہیں، لہٰذا اس کا خلافِ شریعت اور بدعت ہونا ظاہر ہے، اس لیے اس سے اجتناب کیا جائے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ :تحت (دفن المیت) لایسن الاذان عند ادخال المیت فی قبرہ کما ھو المعتاد الآن۔ وقد صرح ابن الحجرؒ فی فتاوی بانہٗ بدعة وقال ومن ظن انہٗ سنة قیاساً علیٰ ندبھا للمولود الحاقاً لخاتمة الامر۔

(رد المحتار ج۱ ص۲۵۸ باب الاذان) [1]

میت کو غسل دینے سے پہلے تعزیت کرنے کا حکم

سوال:۔ بعض علاقوں میں رواج ہے کہ میت کو غسل دینے اور تجہیز و تکفین سے پہلے کچھ لوگ میت کے پسماندگان سے تعزیت کرنا شروع کر دیتے ہیں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: میت کے پسماندگان سے تعزیت کرنا اس وقت مسنون ہے جب وہ تعزیت کے لیے بیٹھ جائیں، خواہ وہ میت کو دفن کرنے سے پہلے بیٹھ جائیں یا بعد میں، البتہ تعزیت کے لیے بیٹھنے سے قبل میت کی تدفین کا کام مکمل کیا جائے اور یہی بہتر ہے، تاہم اگر دفن کرنے سے پہلے یا بعد میں تعزیت کرنے سے میت کے پسماندگان پریشان ہوتے ہوں تو پھر تعزیت کرنا مکروہ ہے۔

وفی الھندیة :وھی بعد الدفن اولیٰ منھا قبلہ۔ (الفتاوی الھندیة ج۱ ص۱۶۷ کتاب الجنائز، یتصل بذٰلک المسائل)

قال العلامة ابن عابدینؒ : وقال کثیر من متاخرین ائمتنا یکرہ الاجتماع

---

[1] لما قال العلامة اشرف علی التھانویؒ :بہر حال بوجہ عدم ثبوت بالدلیل شرعی کے یہ عمل بدعت ہے۔ (امداد الفتاوی ج ۵ ص۳۰۲ کتاب البدعات)

عند صاحب البیت ویکرہ له الجلوس فی بیته حتی یأتی الیه من یعزی بل اذا فرغ ورجع من الدفن فلیتفرقوا ویشتغل الناس بأمورهم وصاحب البیت بأمره اھ۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۱ ص۶۰۳ کتاب الجنائز) [1]

تین دن کے بعد تعزیت کرنا

سوال :۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ کسی کے ہاں میت ہو جانے کے بعد تین دن حجرے یا مسجد میں تعزیت کے لیے بیٹھتے ہیں، کیا شرعاً تین دن تک تعزیت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور تین دن کے بعد تعزیت کرنا کیسا ہے؟

الجواب :۔ مقیم لوگوں کے لیے تین دن تک میت کے پسماندگان سے تعزیت کرنا جائز ہے، البتہ غائب آدمی جس نے کسی قسم کی تعزیت نہ کی ہو واپسی کے وقت کر سکتا ہے اگرچہ کافی عرصہ کے بعد واپس آئے۔

لما فی الهندیة : وقتها حین یموت الی ثلاثة ایام ویکرہ بعدها الا ان یکون المعزی او المعزی الیه غائبًا فلا بأس بها۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۱۶۷ کتاب الجنائز، فصل فی التعزیة) [2]

روٹی کو چھری سے کاٹنے کی رسم کا حکم

سوال :۔ آجکل یہ رسم عام ہے کہ شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کے موقع پر لوگ روٹی اور گوشت وغیرہ کو چھری سے کاٹ کر کھاتے ہیں، اس رسم کے بارے میں شرعی نقطۂ نظر کیا ہے؟

الجواب :۔ مناسب اور بہتر یہ ہے کہ حتی الامکان روٹی یا گوشت وغیرہ چاقو یا چھری

---

[1] قال العلامة وهبة الزحیلی : وهی بعد الدفن افضل منها قبله لان اهل المیت مشغولون بتجهیزه وحشهم بعد الدفن لفراقه اکثر۔ (الفقه الاسلامی وادلته ج۲ ص۵۴۳ المطلب الثالث التعزیة الخ)

[2] قال العلامة ابن عابدینؒ : وفی الاحکام عن خزانة الفتاوی الجلوس فی المصیبة ثلاثة ایام للرجال جاءت الرخصة فیه ولا تجلس النساء قطعًا۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۱ ص۶۰۴ کتاب الجنائز)

سے کاٹ کر نہ کھایا جائے، ایک مسلمان کے لیے روٹی کا ادب و احترام کرنا ضروری ہے، لیکن شادی بیاہ یا دیگر تقریبات کے مواقع پر ایسا کرنا (یعنی چاقو، چھری سے روٹی وغیرہ کاٹ کر کھانا) مرخص اور جائز ہے اور جو روایت منع کے بارے میں مشہور ہے وہ شرعاً صحیح ہے۔

لما قال العلامة ابن الجوزی رحمہ اللہ: قال نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يقطع الخبز بالسكين وقال اكرموه فان الله عزوجل قد اكرمه۔ قال ابن الجوزیؒ قال دارقطني تفرد به نوح وهو متروك وكذلك قال مسلم بن الحجاج و ابو حاتم الرازي هو متروك۔ وقال يحيى نوح لا يكتب حديثه ليس بشئ۔ وقال ابن حبان لا يجوز الاحتجاج به۔ (الموضوعات ج۲ ص۲۹۱ باب فصل الخبز)

تعزیت کیلئے مناسب جگہ بیٹھنا چاہیئے

سوال: بعض لوگ تعزیت کیلئے راستوں میں دریاں بچھا کر بیٹھ جاتے ہیں اور کچھ لوگ حجروں اور مساجد کو استعمال کرتے ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟ نیز تعزیت میں کیا الفاظ کہنے چاہئیں؟

الجواب: کسی مسلمان کی وفات پر اس کے پسماندگان سے تعزیت کرنا سُنت ہے اس کے لیے جو جگہ مناسب ہو استعمال کی جا سکتی ہے یعنی ایسی جگہ ہو جہاں تعزیت میں بیٹھنے والوں اور آنے والوں کو تکلیف نہ ہو، البتہ راستوں اور دروازوں میں بیٹھنا بری بات ہے اور اس کو لازم سمجھنا بدعت ہے۔

لما في الهندية: ولا بأس لأهل المصيبة ان يجلسوا في البيت او في مسجد ثلاثة ايام والناس يأتونهم ويعزونهم ويكره الجلوس على باب الدار وما يصنع في بلاد العجم من فرش البسط والقيام على قوارع الطرق من اقبح القبائح، كذا في الظهيرية۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۶۷ كتاب الجنائز فصل في التعزية)[1]

تعزیت میں صبر کرنے، غم بھلانے اور حوصلہ سے کام لینے کے الفاظ استعمال کرنا مناسب ہے بہتر کلمات یہ ہیں: ان الله ما اخذ وله ما اعطى وكل شئ عنده باجل مسمى۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۱۶۷ فصل في التعزية)

---

[1] قال العلامة وهبة الزحيلي: وقال الحنفية لا بأس بالجلوس للتعزية في غير المسجد ثلاثة ايام واولها افضلها۔ (الفقه الاسلامي وادلته، ج۲ ص۵۴۴ المطلب الثالث في التعزية)

قل خوانی اور رسم چہلم کا شرعی حکم

سوال:۔ آجکل میت کے ایصالِ ثواب کے لیے بڑے اہتمام کے ساتھ جمعرات، تیجہ، دسواں اور چہلم کی رسم ادا کی جاتی ہے اور ایسا نہ کرنے والوں پر طعن وتشنیع اور ملامت کی جاتی ہے، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ان رسومات کی شریعتِ مقدسہ میں کیا حیثیت ہے؟ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں؟

الجواب:۔ وارثانِ میّت کا ایصالِ ثواب کے لیے صدقہ کرنا ہر وقت جائز ہے مگر وقت کے تعین کی جو صورتیں عوام میں مروج ہیں، مثلاً شبِ جمعہ، جمعرات کے دن، تیجہ، دسواں، چہلم وغیرہ، اس تخصیص کی وجہ سے شرعاً ناجائز ہے، کیونکہ تخصیص اور التزام کی وجہ سے کبھی کبھی مباح اور جائز افعال بھی ناجائز ہو جاتے ہیں۔

قال العلامة النووی رحمہ اللہ، والطعام فی الایام المخصوصة کالثالث والخامس والتاسع والعشرین والاربعین والشهر السادس والسنة بدعة ممنوعة۔

(شرح منهاج بحواله راهِ سُنت ص۲۶۵) [1]

صفر المظفر میں چوری کی رسم کی شرعی حیثیت

سوال:۔ عوام میں مشہور ہے کہ صفر کے مہینے میں آسمان سے بلائیں نازل ہوتی ہیں، اور پھر اس ماہ کے آخری بدھ کو گھر وغیرہ صاف کر کے مٹھائی اور چُوری وغیرہ تقسیم کی جاتی ہے، کیا چوری کی یہ رسم شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ سب خرافات اور جاہلیت کی باتیں ہیں، اس ماہ مبارک میں آسمان سے کوئی بلا نازل نہیں ہوتی، اور یہ مٹھائی و چُوری وغیرہ کی تقسیم کا اہتمام والتزام کرنا بدعت ہے۔

عن جابر رضی اللہ عنه قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم یقول لا عدوی ولا صفر ولا غول۔ اخرجه مسلم۔ (ما ثبت بالسنة للشیخ عبدالحق محدث دهلوی ص۲۶۶)

---

[1] قال العلامة ابن البزاز رحمه اللہ، ویکره اتخاذ الطعام فی الیوم الاوّل والثالث وبعد الاسبوع والاعیاد۔

(الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة ج۴ ص۸۱)

ومِثلُهٗ فی رد المحتار ج ۱ ص۶۰۳ مطلب فی کراهة الضیافة من اهل المیت۔

بزرگوں کے ہاتھوں کو چومنا بدعت نہیں

سوال :- علماء، مشائخ اور نیک لوگوں کے ہاتھوں کو جھک کر چومنا کیسا ہے؟ اور کیا اس کو بدعت کہنا صحیح ہے؟ جبکہ افغانستان اور بعض دیگر علاقوں میں اس کا عمومی رواج ہے؟

الجواب :- مشائخ کرام، علماء اور نیک لوگوں کے ہاتھوں کو چومنا جائز ہے البتہ اس موقع پر رکوع کی سی کیفیت اختیار کر کے جھک جانا ناجائز اور حرام ہے، اس لیے اگر بغیر جھکے چوما جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کو بدعت کہنا بھی صحیح نہیں ہے۔

لما قال العلامة ملا علی قاری رحمہ اللہ : وقیل لا یکرہ التقبیل لزھد وعلم وکبر سن قال النووی رحمہ اللہ تقبیل ید الغیر ان کان لعلمہ وصیانتہ وزھدہ ودیانتہ ونحو ذلک من الامور الدینیۃ لم یکرہ بل یستحب وان کان لغناہ او جاھہ فی دنیاہ کرہ۔

(مرقاۃ ج ۹ ص۷۶ باب المصافحۃ والمعانقۃ۔ الفصل الثانی) [1]

تشہد میں انگلی سے اشارہ کرنے کا حکم

سوال :- ہمارے گاؤں میں ایک مسئلہ کافی شدت اختیار کر چکا ہے کہ نماز میں التحیات پڑھتے وقت اشھد ان لا الہ الا اللہ کے موقع پر انگلی سے اشارہ کرنے کو بعض لوگ بدعت کہتے ہیں حتیٰ کہ بعض اشخاص کی انگلیاں بھی توڑ دی گئی ہیں، تو شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟ اور اگر جائز ہے تو اس کو بدعت کہنا کیسا ہے؟

الجواب :- التحیات میں اشھد ان لا الہ الا اللہ کہتے وقت انگلی سے اشارہ کرنا احادیثِ نبویہ سے ثابت ہے جس کی مختلف ہیئتیں ہیں، مگر احناف کے نزدیک مختار طریقہ وہ ہے جو وائل ابن حجر کی روایت میں مذکور ہے کہ وسطیٰ و ابہام سے حلقہ بنایا جائے اور خنصر و بنصر کو ہتھیلی سے ملا کر سبابہ سے اشارہ کیا جائے۔

کما فعل علیہ السلام : عن وائل ابن حجر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ : ولا بأس بتقبیل ید الرجل العالم والمتورع علی سبیل التبرک ...... الخ ۔ (رد المحتار ج ۵ ص۲۷۱ قبل فصل فی البیع ، کتاب الحظر والاباحۃ)

قال ثم جلس فافترش رجله الیسریٰ ووضع یدہ الیسریٰ علیٰ فخذہ الیسریٰ ومد مرفقه الیمنیٰ علیٰ فخذہ الیمنیٰ وقبض ثنتین وحلق حلقةً ثم رفع اصبعهٗ فرأیتهٗ یحرکها یدعو بها۔ (مشکوٰۃ ص۸۵ باب التشهد، الفصل الثانی)

ان جملہ طریقوں کو فقہاء کرام نے ذکر کیا ہے لہٰذا اس کو بدعت کہنا علم سے دوری کی دلیل ہے۔ علامہ ملا علی قاریؒ نے ان جملہ طریقوں کو نقل کرکے مذکورہ طریقے کو راجح قرار دیا اور فرمایا ہے: والاخیر ھو المختار عندنا۔ (مرقاۃ ج۲ ص۳۲۸ باب التشهد۔ الفصل الثانی) [1]

عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے پر دوام کا حکم

سوال:۔ بعض حضرات عمامہ کے ساتھ نماز پڑھنے کو سنت کہتے ہیں اور اسی پر دوام کرکے بغیر عمامہ کے نماز پڑھنے والوں پر لعن طعن کرتے ہیں، تو کیا عمامہ کے بغیر نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عمامہ باندھنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، افضل یہ ہے کہ عمامہ باندھ کر نماز پڑھی جائے، یہی عمل مستحب ہے مگر اس پر اس طرح دوام کرنا کہ بغیر عمامہ کے نماز پڑھنے والے پر لعن طعن کیا جائے غلو فی الدین کے مترادف ہے، جو شرعاً ممنوع ہے لہٰذا بغیر عمامہ کے بھی نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے تاہم اگر کسی مستحب کو وجوب کا درجہ دیا جائے تو وہ واجب الترک ہے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: والمستحب ان یصلی الرجل

---

[1] اخرج الامام ابوداودؒ: عن وائل ابن حجر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم اذا قعد فی الصلوٰۃ جعل قدمه الیسریٰ تحت فخذہ الیمنیٰ وساقه وفرش قدمه الیمنیٰ ووضع یدہ الیسریٰ علیٰ رکبته الیسریٰ ووضع یدہ الیمنیٰ علیٰ فخذہ الیمنیٰ واشار باصبعه وارانا عبد الواحد واشار بالسبابة۔
(سنن ابی داؤد ج۱ ص۱۲۹ کتاب الصلوٰۃ۔ باب الاشارۃ فی التشهد)
وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار ج۱ ص۳۴۴ کتاب الصلوٰۃ باب صفة الصلوٰۃ۔

فی ثلاثة اثواب قمیصٍ وازارٍ وعمامة۔ (خلاصة الفتاوٰی مع مجموعة الفتاوٰی ج ۱ ص۴۳ الفصل السادس فی ستر العورة) ؎۱

میّت کے گھر سے پہلے تین دن کھانا کھانے کا حکم

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ میت والے گھر سے پہلے تین دن تک کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ میّت والے گھر سے پہلے تین روز کھانا کھانے کو فقہاؒ نے مکروہ کہا ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں: وقال ایضًا یکرہ اتخاذ الضیافة من الطعام من اھل المیت لانہٗ شرع فی السرور لافی الشرور وھی بدعة مستقبحة روی الامام احمد وابن ماجة باسنادٍ صحیح عن جریرابن عبد اللہ قال کنّا نعد الاجتماع الیٰ اھل المیّت وصنعھم الطعام من النیاحة۔ (ردالمحتار جلد ۱ ص۶۰۳ کتاب الجنائز، مطلب فی کراھة الضیافة من اھل المیت) — البتہ یہ حکم اس کھانے کا ہے جو میت کے گھر میں بطور ضیافت کے تیار کیا جاتا ہے جیسا کہ بعض علاقوں میں اس کا رواج ہے۔ اور اگر میت کے گھر والوں کو دوسرے لوگ کھانا کھلائیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ ایک مستحب امر ہے۔ علامہ ابن عابدینؒ نے لکھا ہے: قال فی الفتح ویستحب لجیران المیّت والاقرباء الاباعد تھیئة طعامٍ لھم یشبعھم یومھم و لیلتھم لقولہ علیہ السلام اصنعوا لاٰل جعفر طعامًا فقد جاءھم مایشغلھم حسّنہٗ الترمذی وصححہ الحاکم ولانہٗ بِرٌّ ومعروف ویلح علیھم فی الاکل لان الحزن یمنعھم من ذٰلك فیضعفون۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۶۰۳ باب صلوٰة الجنائز تحت مطلب فی کراھة الضیافة من اھل المیّت) باقی رہی وہ صورت کہ جس میں

؎۱ قال العلامة ابراھیم الحلبیؒ:۔ وفیہ لوصلّٰی فی ثوب واحد متوشحًا بہ جمیع بدنہ کما یفعلہٗ القصّار فی المقصرة جاز من غیر کراھة مع تیسر وجود الزائد ولکن فیہ ترك الاستحباب حینئذٍ۔ (کبیری شرح منیة ص۳۴۹ فصل فی ما یکرہ فعلہ فی الصلوٰة ومالایکرہ)

ومثلہٗ فی الھندیة ج ۱ ص۵۹ الباب الثالث فی شروط الصلوٰة، الفصل الاول فی الطھارة وستر العورة۔

ورثاء (اولیاءِ میت) میت کے گھر کھانا تیار کر کے پھر دوسروں کو ایصالِ ثواب کی نیت سے کھلائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اس میں کسی خاص دن اور وقت کا تعین ضروری نہیں، تخصیصِ ایام کی وجہ سے علماء نے اس کو بھی مکروہ کہا ہے۔

قال العلامۃ ابن البزازؒ :- ویکرہ اتخاذ الطعام فی الیوم الاول والثالث وبعد الاسبوع واتخاذ الدعوۃ لقرأۃ القرآن وجمع الصلحاء والقُرّاء للختم الخ۔ والحاصل ان اتخاذ الطعام عند قرأۃ القرآن لاجل الاکل یکرہ - اور معراج الدرایۃ میں ہے: وھٰذہ الافعال کلھا للسمعۃ والریاء فیتحرز عنھا لانھم لایریدون بھا وجہ اللہ تعالٰی۔ (الفتاوی البزازیۃ علیٰ ہامش الھندیۃ ج۴ ص۸۱ کتاب الجنائز)

اور ایصالِ ثواب کے لیے میت کے گھر کھانا پکا کر خیرات کرنا تب جائز ہو گا جب اس میں درج ذیل شرائط پائی جائیں :-

(۱) خیرات کرنے میں رسم و رواج پورا کرنے کی نیت بالکل نہ ہو۔

(۲) ریاء اور نمود و نمائش کے لیے بھی نہ ہو۔

(۳) ترکہ کی تقسیم کے بعد ہو، اور اگر قبل از تقسیم ہو تو تمام مستحق ورثاء بالغ و عاقل ہوں اور سب کی طرف سے بطیبِ خاطر اس کی اجازت بھی ہو، ورنہ ناجائز ہے۔ ایسی صورت میں اگر کسی بڑے وارث نے دوسروں کی اجازت کے بغیر خرچ کر لیا تو اس کی ذمہ داری دوسرے ورثاء پر عائد نہ ہو گی بلکہ خرچ کرنے والا خود اس کا ذمہ دار ہو گا۔

(۴) مالِ حلال سے ہو، سود وغیرہ حرام طریقوں سے حاصل کیا ہوا مال نہ ہو ورنہ پھر بھی ناجائز ہو گی۔

(۵) اسی طرح وقت کی تخصیص و تعیین بھی اس میں نہ ہو ورنہ بدعت شمار ہو گی۔

روٹی کو چومنا بدعت نہیں

سوال :- ایک آدمی سے روٹی غلطی سے گر گئی، دیکھنے والے آدمی نے اُسے کہا کہ اس کو اٹھا کر چومو اور ادب و احترام کرو کیونکہ ایسا نہ کرنے سے یہ بددعا دیتی ہے، اس پر پہلے آدمی نے کہا کہ نہیں یہ توہم پرستی اور بدعت ہے، تو کیا ایسا کرنا واقعی توہم پرستی اور بدعت ہے؟

الجواب :- گری ہوئی روٹی اٹھا لینا اور اس کو ضائع ہونے سے بچانا واقعی

رزق کا ادب ہے اور اسراف سے بچنا ہے، تاہم گری ہوئی روٹی کو چومنا اور نہ چومنے والے کو گنہگار سمجھنا اور اس نہ چومنے کو بد فالی اور بدعت کہنا درست نہیں، چونکہ رزق اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے اور اس انعامِ الٰہی کی قدر کرتے ہوئے چوم لینا بھی مباح اور جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: واما تقبیل الخبز فحرر الشافعیۃ انہ بدعۃ مباحۃ وقیل حسنۃ...... الخ وقواعدنا لاتاباہ۔ (الدر المختار علیٰ ھامش رد المحتار ج۵ ص۲۷۲ کتاب الحظر والاباحۃ، باب الاستبراء وغیرہ، قبیل فصل فی البیع)

بوقتِ ضرورت چھری کے ساتھ روٹی کاٹنا

سوال:- آجکل دوکاندار (بیکری والے) ڈبل روٹی کو لفافے میں ڈالنے کے لیے آسانی کی خاطر تیز چھری کے ساتھ اس کے ٹکڑے کرتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا روٹی کی بے ادبی اور ایک بُری رسم تو نہیں؟

الجواب:- ضرورت کے وقت روٹی یا دوسری اشیاء خوردنی کو چھری کے ساتھ کاٹنا جائز ہے اور یہ کوئی گناہ کا عمل یا بُری رسم نہیں ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: وفی المجتبیٰ لا یکرہ قطع الخبز واللحم بالسکین۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج۵ ص۲۷۲ کتاب الحظر والاباحۃ، باب الاستبراء، قبیل فصل فی البیع)۔

جنازہ اٹھاتے وقت ذکر بالجہر کرنا مکروہ ہے

سوال:- آجکل اکثر جگہ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ جنازہ کو قبرستان یا جنازہ گاہ لے جاتے ہوئے اُسے کندھا دینے والا ہر نیا آدمی بلند آواز سے کہتا ہے "کلمۂ شہادت"۔ شریعتِ مقدسہ میں اس کا کیا حکم ہے؟ جبکہ کچھ لوگ اسے بدعت کہتے ہیں؟

الجواب:- جنازہ میں شریک لوگ اگر ذکر کرنا چاہیں تو اپنے دل میں ذکرِ الٰہی کریں، آواز بلند کرنے اور نعرے لگانے کو علماء نے مکروہ کہا ہے کیونکہ وہ عبرت و فکر کا مقام ہوتا ہے ایسے وقت خاموش رہنا بہتر ہے۔

قال العلامۃ عبد الحی الکھنوی رحمہ اللہ: یکرہ رفع الصوت بالذکر والقرآن لحامل الجنازۃ

ومن معهم تحریماً وقیل تنزیہاً وینبغی ان یطیلوا الصمت ولو ارادوا الذکر ذکروا فی انفسہم۔ کذا فی فتح القدیر وفی الجواہر النفیسۃ شرح الدرۃ المنیفۃ: لایرفع صوتہ بالذکر ای یکرہ رفع الصوت بالذکر والقرأۃ والتکبیر خلف الجنازۃ۔
(رسالۃ الفکر فی الجہر بالذکر ص۵۵ الباب الثانی فی ذکر مواضع الجہر)[1]

میّت پر قرآنی کلمات سے منقّش چادر ڈالنے کا حکم

سوال:۔ اکثر علاقوں میں غسل اور کفن کے بعد دفنانے کے لیے لے جاتے وقت میّت پر قرآنی آیات والی چادر ڈالی جاتی ہے، کچھ لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں، شریعتِ مقدسہ میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کے مطابق میّت پر قرآنی کلمات سے مکتوب چادر ڈالنا اگرچہ فی نفسہٖ جائز ہے مگر توہین اور بے ادبی کے ڈر کی وجہ سے ڈالنا جائز نہیں۔

قال العلامۃ الحصکفی رحمہ اللہ: بساط او غیرہ کُتِبَ علیہ الملک للہ یکرہ بسطہ واستعمالہ لا تعلیقہ للزینۃ اھ ثم قال بعد اسطر قلتُ وظاہرہ انتفاء الکراہۃ بمجرد تعظیمہ وحفظہ۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۱ ص۱۳۰ باب المیاہ، کتاب الطہارۃ)[2]

---

[1] قال العلامۃ وہبۃ الزحیلی: اللغط ای رفع الصوت بذکر او قرأۃ والصیاح خلف الجنازۃ کقول استغفروا لہا ونحو لما روی البیہقی ان الصحابۃ کرھوا رفع الصوت عند الجنائز وعند القتال وعند الذکر.... والصواب ما کان علیہ السّلف من السّکوت فی حال السیر مع الجنازۃ والاشتغال بالتفکر فی الموت وما یتعلق بہ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج۲ ص۵۱۲ مکروہات الجنازہ)

[2] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: اقول فی فتح القدیر وتکرہ کتابۃ القرآن واسماء اللہ تعالیٰ علی الدراہم والمحاریب والجدران وما یفرش اھ۔ وقال ما ذاک إلّا لاحترامہ وخشیۃ وطئہ ونحوہٖ مما فیہ اہانۃ۔ (رد المحتار ج۱ ص۶۰۲ قبیل باب الشہید، کتاب الصلوٰۃ)

اپنے لیے پہلے سے قبر تیار کرنا بدعت نہیں

سوال:۔ ہمارے گاؤں میں ایک آدمی نے اپنے لیے پہلے سے قبر تیار کر رکھی ہے جس میں کبھی کبھی وہ سو جاتا ہے، بعض حضرات اس کو بدعت کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں بھائی یہ تو بہت بڑی دعوت ہے، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ موت کو یاد رکھنا، آخرت کے مناظر کا تصور ویقین دل میں بٹھانا اور ہر وقت سامنے رکھنا کثیر آیاتِ قرآنیہ، احادیث اور حضرات صحابہ کرامؓ ومشائخ عظامؒ کے مسلسل واقعات سے قطعی طور پر ثابت ہے جس کی بناء پر اعمالِ صالحہ میں انہماک نہایت ہی ضروری ہے، تاہم حسّی طور پر قبر کے لیے جگہ خرید کر مخصوص کرنا بھی ایک اعتبار سے موت کیلئے تیاری ہے، اور موت کو یاد رکھنے کی مذکورہ صورت اور طریقۂ دعوت حضرات مبلغین کے ہاں رائج ہے لئے نہ تھا، البتہ اگر کوئی انفرادی طور پر موت کو یاد رکھنے کی نیت سے پہلے سے قبر تیار کرائے تو یہ خلافِ شرع نہیں بلکہ ایسا کرنے والا اجر کا مستحق ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: تحت قولہ (ویحفر قبرًا لنفسہٖ) ای ولا بأس بہٖ۔ والتتارخانیۃ لا بأس بہٖ ویؤجر علیہ ھٰکذا عمل عمر بن عبدالعزیز والربیع بن خیثم وغیرھما۔ (ردالمحتار ج۱ ص۶۰۶ کتاب الجنائز، قبیل الصفحۃ الواحدۃ من باب الشھید)۔

جمعہ وعیدین کی نماز کے بعد مروّجہ مصافحے کا حکم

سوال:۔ آجکل نمازِ جمعہ وعیدین کے بعد مساجد کے اندر جو مصافحہ مروج ہے اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ عیدین اور جمعہ کی نمازوں کے بعد مصافحہ کرنے میں علماء کرام کا اختلاف ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور دیگر محققین علماء کرام نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے، اور بعض دیگر حضرات نے اس کی اجازت مرحمت فرمائی ہے، لہٰذا اگر مصافحہ کرنے میں التزام مالایلزم ہو تو ممنوع ہے ورنہ نہیں تاہم نہ کرنا بہتر ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ونقل فی تبیین المحارم عن الملتقط انہٗ تکرہ المصافحۃ بعد اداء الصلوٰۃ بکل حال لان الصحابۃ رضی اللہ عنہم ما صافحوا بعد اداء الصلوٰۃ ولانہا من سنن الروافض ثمّ نقل عن ابن حجر عن الشافعیۃ

انه بدعة مکروهة لا اصل لها فی الشرع وانه فاعلها اولاً و یعزر ثانیاً ثم قال ابن الحاج من المالکیة فی المدخل انها من البدع و موضع المصافحة فی الشرع انما هو عند لقاء المسلم لاخیه لا فی ادبار الصلوٰة فحیث وضعها الشرع یضعها فینهی عن ذٰلک و یزجر فاعلہ لما اتی بہ خلاف السنة ۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۲۵۲ و ایضاً فی النسخة الاخری ۔ رد المحتار ج ۵ ص ۲۷ کتاب الحظر والاباحة) [1]

بغیر عذر کے تابوت میں دفن کرنے کا حکم

سوال :۔ ہمارے ہاں بعض سجادہ نشین حضرات اپنے مُردوں کو بڑے اعزاز کے تابوتوں میں دفن کرتے ہیں، بعض لوگ اس کو بدعت اور بعض جائز کہتے ہیں، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ نیز لوہے کا تابوت استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب :۔ بغیر کسی شدید عذر کے مرد میت کو تابوت میں دفن کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر میت عورت ہو تو پھر تابوت میں دفن کرنا افضل ہے بشرطیکہ تابوت لکڑی کا ہو، لوہے کا تابوت استعمال کرنا صحیح نہیں ۔

قال العلامة ابن عابدینؒ : (ولا بأس باتخاذ تابوت ولو من حجر او حدید لہ عند الحاجة کرخاوة الارض) قولہ لا بأس باتخاذ تابوت ای یرخص ذٰلک عند الحاجة والا کراہة قدمنا آنفا۔ قال فی الحلیة نقل من غیر واحد عن الامام ابن الفضلؒ انہ جوزہ فی اراضیهم لرخاوتها۔ وقال لکن ینبغی ان یفرش فیہ التراب..... والسنة ان یفرش فی القبر التراب ثم لم یتعقبوا الرخصة فی اتخاذہ من حدید بشیء ولا شك فی کراهته کما هو ظاهر الوجه۔ (قولہ لہ) ومفهومه انه لا بأس به للمرأة مطلقاً وبه صرح فی شرح المُنیة فقال وفی المحیط واستحسن مشائخنا اتخاذ التابوت للنساء یعنی ولو لم تکن الارض الرخوة فانه اقرب الستر والتحرز عن مسها عند الوضع فی القبر۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۵۹۹ کتاب الجنائز)

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ :...... ما نقله عنه شارح المجمع من انها بعد الفجر والعصر لیس بشیء ۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۵ ص ۲۷ کتاب الحظر والاباحة)

ومِثْلُهٗ فی مائة مسائل ص ۶۸ سوال چہل وپنجم ۔

دُعا بعد الجنازہ کا حکم

سوال :- نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا مشروع ہے یا ممنوع، اگر مشروع ہو تو اس کا اذانِ عید سے کون سا فرق ہے کہ وہ ممنوع ہے اور یہ نہیں؟

الجواب :- نماز جنازہ کے بعد اسی حالت میں دعا کا التزام تو بدعت ہے لیکن اگر کسر الصفوف کے بعد ہو اور بلا التزام ہو تو ممنوع نہیں البتہ دعا قبل السلام پر اکتفاء کرنا افضل اور قولِ منصوص ہے۔

دلیل :- کیونکہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس دعا کے کرنے اور نہ کرنے کے متعلق کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ کما لایخفی علی من راجع الی کتب الحدیث اور علامہ ابن الہمامؒ وغیرہ محققین نے تصریح کی ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، ویؤیدھم ما رواہ ابوداؤد اِنَّ ماسکت عنه فھو عفوٌ۔ لہٰذا دعا بعد الجنازہ جو کہ بذاتِ خود بڑی عبادت ہے مباح اور جائز ہوگی بخلاف اذانِ عید کے، کیونکہ اس کے متعلق نہ کرنے کی روایت ثابت ہے۔ وھو مارواہ ابوداؤد اِنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم صلّی العیدَ بلا اذان ولا اقامة وابا بکرٍ وعمرَ۔ (ابوداؤد ج ۱ ص ۱۶۴ باب ترک الاذان فی العید) یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیق اکبر اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے نمازِ عید کو بغیر اذان اور اقامت کے پڑھا، پس عدم الروایت اور روایت العدم اور عدم ذکر اور ذکر عدم میں فرق نہ کرنا غباوت یا جہالت ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب :- اگر کوئی یہ کہے کہ دعا بعد الجنازہ کے متعلق حدیث وارد ہے وھو مارواہ ابوداؤد: اذا صلّیتم علی المیّتِ فاخلصوا له الدعاء ج ۲ ص ۲۲ باب الدعاء للمیت الجنازۃ (جب تم میت پر جنازہ پڑھتے ہو تو اس کے لیے دعا میں اخلاص کیا کرو) نیز امام کاسانی رحمہ اللہ نے بدائع الصنائع جلد ۱ ص ۳۱۱ میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ نماز جنازہ فوت ہوگئی آپ نے دوبارہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا الصلوٰۃ علی الجنازۃ لا تُعادُ ولکن ادعُ للمیّت واستغفر لهٗ۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۱ کتاب الجنائز) یعنی نماز جنازہ دوبارہ نہ پڑھی جائے گی لیکن اس میت کے لیے دعا اور استغفار کرو۔ و روی عن ابن عباس وابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فاتتھما صلوٰۃٌ علی جنازۃٍ فلمّا حضرا مازادا علی الاستغفار لهٗ۔ و رُوِیَ عن عبد اللہ بن سلام انّهٗ فاتته الصلوٰۃُ علی جنازۃ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه فلمّا جھز قال ان سبقتمونی بالصلوٰۃ علیه فلا تسبقونی بالدعاء له۔ انتہٰی (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۱ فصل الکلام فی صلوٰۃ الجنازہ) ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک میت پر نماز جنازہ فوت

ہوگئی توانہوں نے حاضری کے وقت اس میت کے لیے صرف استغفار پر اکتفاء کیا، اور عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نماز جنازہ ادا کرنا فوت ہوا تو لوگوں سے فرمایا کہ اگر آپ مجھ پر نماز جنازہ میں سبقت لے گئے تو مجھ پر دعا کرنے میں سبقت نہیں لے سکتے، یعنی مجھ سے دعا تو فوت نہیں کر سکتے۔ تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ حدیث مرفوع میں دُعاء سے مراد دعا قبل السلام ہے، محدثین اور فقہاء نے یہی معنیٰ مراد لیا ہے۔ اور جن روایات کو صاحب بدائع الصنائع نے ذکر کیا ہے تو ان میں اس شخص کے دعا کرنے کا ذکر ہے جس سے نماز جنازہ فوت ہوا ہے اور یہ محل نزاع نہیں ہے۔

<u>سلفیہ کی دلیل کا جائزہ</u>: اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور سلف صالحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نماز جنازہ کے بعد دعا نہیں کی ورنہ منقول اور مروی ہوتا، اور بظاہر بھی یہی معلوم ہوتا ہے، تو اس سے اس دعا کا بدعت اور مکروہ ہونا لازم نہیں آتا ورنہ فرائض کے بعد ہیئتِ اجتماعی سے دعا کرنا اور قرآن مجید کا پشتو اور اردو وغیرہ میں ترجمہ کرنا بھی بدعات ہوں گے حالانکہ یہ امور بدعات نہیں ہیں، بس اسی طرح دعا بعد الجنازہ بھی بدعت اور مکروہ نہ ہوگا۔ ہمارے جن مشائخ، فقہاء اور مفسرین نے اس دُعا کو مکروہ کہا ہے تو کسی نے بھی اس کراہت کو اس سلفی دلیل پر بنا نہیں کیا ہے انہوں نے دیگر دلائل سے اس مدعیٰ کو مبرہن کیا ہے۔

<u>ایک توہم کا ازالہ</u>: بعض وہ لوگ جو کہ دیو بندیت اور حنفیت کے لباس میں نجدیت اور سلفیت کی اشاعت کرتے ہیں صاحب ھدایہ اور ملا علی قاریؒ کی بعض مختصر عبارات سے تمسک کرتے ہیں کہ جو کام پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ کیا ہو تو وہ بدعت ہوگا، یہ ان لوگوں کی خودغرضی و مطلب پرستی ہے، کیونکہ حدیث صرف فعلِ رسول ﷺ کا نام نہیں ہے، حدیث پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول، فعل، تقریر تینوں کو کہا جاتا ہے، آپ کی عبارات، اشارات، دلالت، اقتضاء، اعتبار کوئی بھی بدعت نہ ہو۔ مزید تفصیل کے لیے التعلیق الممجد (ص ۱۴۴ باب قنوت فی الفجر) کو مراجعت کیا جائے۔

<u>فقہاء کرام کی آراء</u>: اکثر فقہاء کرام کی عبارات سے دعا بعد الجنازہ کا ممنوع ہونا معلوم ہوتا ہے البتہ امام فضلی بخاریؒ سے جواز مروی ہے۔ کما فی البحر (ج ۲ ص ۱۸۳ کتاب الجنائز) وعن الفضلی لا بأس بہ۔ انتہیٰ

نیز واضح رہے کہ ان مشائخ (مانعین) میں سے بعض نے دلیل کا تذکرہ نہیں کیا ہے، اور بعض نے (ملا علی قاری رحمہ اللہ) زیادت علی الجنازہ کو مبنیٰ قرار دیا ہے، حیث قال فی المرقاۃ (ج ۴ ص ۴۶ کتاب الجنائز)

لِاَنَّهٗ یُشْبِهُ الزِّیَادَۃَ فِی صَلٰوۃِ الْجَنَازَۃِ۔ اور بعض نے (صاحبِ ہدایہ نے) تکرارِ جنازہ کے مبنی ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حیثُ قال لانّہٗ دعا مرّۃً لانّ اکثرھا دعاءٌ۔ (البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۴ ص۹ کتاب الجنائز) یعنی نمازِ جنازہ میں مقصود دعا ہوتی ہے، تو گویا نمازِ جنازہ دعا سے عبارت ہے، پس دعا کرنے سے تکرارِ جنازہ کا توہم لازم ہوگا۔ اور اس عبارت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ سلام سے قبل دعا کرتے کے باوجود اگر دعا بعد السلام کی جائے تو تکرارِ دعا لازم ہوگا کیونکہ تکرارِ دعا بذاتِ خود ممنوع نہیں ہے ورنہ اوقاتِ خمسہ میں سلام سے قبل دعا کرنے کی وجہ سے دعا بعد السلام کا ممنوع ہونا لازم ہوگا۔

پس بناء بر تحقیق یہ کراہت تشبیہ پر مبنی ہوگی کہ اس دعاء سے نمازِ جنازہ پر زیادت اور توہمِ تکرار لازم آتے ہیں، جیسا کہ فرائض کے بعد متصل اسی مکان میں سنت پڑھنا بھی اسی وجہ سے مکروہ ہے۔

اور یہ تشبیہ اس وقت لازم ہوتی ہے جب صفوف میں کھڑے ہوکر دعا کی جائے اور چونکہ کسر الصفوف کے بعد یہ تشبیہ موجود نہیں رہتی لہٰذا کراہیت بھی نہ ہوگی۔ ویشیر الیہ تعبیرھم بلا یقوم بالدعاء مع کون التعبیر بلا یَدْعُوْا اَخْصَرَ۔

التزام بدعت ہے: چونکہ یہ دعا نہ لازم اور واجب ہے اور نہ سنتِ مؤکدہ یا زائدہ ہے لہٰذا اس کا واجب اور سنت ماننا یا اس کے تارک پر انکار کرنا بدعت ہوگا جیسا کہ اس کے مطلق فاعل کو مبتدع قرار دینا منکر ہے۔ ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

مروّجہ قضاءِ عمری بدعت ہے

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض علاقوں میں لوگ ایک خاص طریقے سے رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں نماز باجماعت اس عقیدے کے ساتھ پڑھتے ہیں کہ اس سے ساری عمر کی قضا نمازیں ادا ہوجاتی ہیں۔ عرفِ عام میں اس کو قضاءِ عمری کہا جاتا ہے اور اس کے اثبات میں لیلۃ التعریس اور خندق والی احادیث پیش کرتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ قضاءِ عمری جو بعض علاقوں میں متعارف طریقہ سے ادا کی جاتی ہے نہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہ نماز پڑھی ہے اور نہ اس کی ترغیب فرمائی ہے، اسی طرح یہ نماز آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کے صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ کے قول یا فعل سے بھی ثابت نہیں، ائمہ اربعہ کے مذہب کی معتبر کتابوں میں بھی اس کا کوئی ذکر اور نام و نشان نہیں۔ اس بناء پر یہ نماز یقینی طور بدعت ہے اور اس کا فاعل از روئے شریعت مبتدع ہے۔ کتب حنفیہ کی طرف اس کے جواز و طریقہ کو منسوب کرنا کذب بیانی اور ائمہ دین پر افتراء ہے، فقہ حنفی کی کتابوں میں قضاء نماز وں کے پڑھنے کا جو طریقہ بیان کیا گیا ہے وہ اور ہے اور مروجہ قضاء عمری اور چیز ہے، اس میں تو صرف پانچ نمازوں کو رمضان المبارک کے آخری جمعہ میں اذان و اقامت کے ساتھ باجماعت پڑھ کر پوری عمر یا ستر، اسی سال کی قضاء شدہ نمازوں کا قائم مقام اور ان کے لیے جبیرہ و کفارہ سمجھا جاتا ہے، اور کتب فقہ حنفی میں پوری عمر کی تمام نمازوں کو قضاءً کے طور پر پڑھنے کا طریقہ مذکور ہے، یعنی اگر پوری عمر کی قضاء نمازوں کی تعداد ہزار ہو تو ہزار نمازیں پڑھی جائیں گی اور اگر لاکھ ہوں تو لاکھ، اور ان دونوں طریقوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ رہی وہ حدیث جس پر مروجہ قضاء عمری کی بناء ہے تو ائمہ جرح و تعدیل اور محدثین نے اس کو موضوع یعنی خود ساختہ قرار دیا ہے جس سے استدلال جائز نہیں۔

(۱) **ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں**: حدیث من قضی صلوۃ من الفرائض فی آخر جمعۃ من رمضان کان جابراً لکل صلوۃ فائتۃ فی عمرہ الی سبعین سنۃ باطل قطعاً لانہ مناقض للاجماع علی ان شیئاً من العبادات لا یقوم مقام فائتۃ سنوات اھ۔ (الموضوعات الکبیر ص۲۴۲ رقم حدیث ۹۵۳ حرف المیم)

(۲) **علامہ قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں**: حدیث من صلی فی آخر جمعۃ من رمضان خمس صلوات من الفرائض فی الیوم واللیلۃ قضت عنہ ما أخل بہ من صلوۃ سنتہ اھ۔ ھذا موضوع لاشک فیہ ولم اجدہ فی شیٔ من الکتب التی جمع مصنفوھا فیھا الاحادیث الموضوعۃ ولکنہ اشتھر عند جماعۃ من المتفقھۃ بمدینۃ صنعاء فی عصرنا ھذا وصار کثیر منھم یفعلون ذلک ولا ادری من وضعہ لھم فقبح اللہ الکذابین۔ انتہی (الفوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ ص۵۴ النوع الثامن صلوۃ المفیدۃ بایام الشھور ولیالی منھا)

(۳) **شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں**: الخامس ان یکون الحدیث مخالفاً لمقتضی العقل والنقل وتکذبہ القواعد الشرعیۃ مثل حدیث

قضاء العمری ونحوہ۔ انتہی (العجالۃ النافعۃ ص۳۰ فی بیان قرائن وضع الحدیث)

(۴) علامہ ابن حجر مکی رح فرماتے ہیں: واقبح من ذلک ما اعتید فی بعض البلاد من الصلوٰۃ الخمس فی آخر جمعۃ من رمضان عقب صلوٰتہا زاعمین انہا تکفر صلوٰۃ العام او العمر المتروکۃ وذلک حرام بوجوہ لاتخفی۔ انتہی

(تحفہ منہاج النووی ص)

کیا ان مذکورہ تصریحات سے اِس حدیث کا موضوعی ہونا اظہر من الشمس ثابت نہیں ہُوا؟ اب اس کے باوجود بھی جو لوگ حدیث مذکور کو حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر قضاء عمری کے اثبات کے لیے بطور دلیل پیش کرتے ہیں اُن کا معاملہ خدا کے سپرد ہے کیونکہ معاند کا علاج ممکن نہیں۔

نیز یہ متعارف قضاء عمری چند مفاسد پر مشتمل ہے جن سے بچنا حد درجہ ضروری ہے وہ یہ کہ اس نماز کے متعلق عوام اور بعض کم علم خواص بھی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس سے عمر بھر یا ستّر سال یا کم از کم ایک سال کی فوت شدہ نمازیں قضاء ہوکر ان سے ذمہ فارغ ہو جاتا ہے جیسا کہ اس نماز کے نام سے ہی ظاہر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اس نماز کے لیے جس قدر اہتمام کرتے ہیں دوسرے فرائض و واجبات کے لیے اتنا اہتمام نہیں کرتے بلکہ ان سے نہایت بیباکانہ طریقہ سے ناغہ کر کے یہ خیال اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ قضاء عمری کی ایک نماز سے یہ سب کی سب ادا ہو جائیں گی، حالانکہ یہ اعتقاد بتصریح فقہاء اسلام موجب کفر ہے۔ فتاویٰ الہندیہ میں ہے "رَجُلٌ یُّصَلِّیْ فِیْ رَمضان لاغیر ویقول ایں خود بسیار است او یقول زیارت می آید لانّ کلّ صلوٰۃ فی رمضان تعدل سبعین صلوٰۃً یکفر۔ انتہی۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۲ ص۲۶۸ باب التاسع فی احکام المرتدین ومنہا مایتعلق بالصلوٰۃ والصوم والزکوٰۃ) [۱]

نیز فقہاء کرام نے یہ بھی لکھا ہے کہ قضاء نماز اس طرح پڑھنا کہ دیکھنے والے کو یوں معلوم ہو کہ یہ قضاء نماز پڑھی جارہی ہے مکروہ تحریمی ہے خواہ مسجد میں ہو یا مسجد سے باہر ہو۔ قال العلامۃ الحصکفی رح: ویکرہ قضاءھا فی المسجد لان التاخیر معصیۃ فلا

---

[۱] ومثلہٗ فی جامع الفصولین ج۲ ص۲۲۳

یظهرها۔ وفی رد المحتار: ویظهر من تعلیلها ان المکروه قضاءها مع الاطلاع علیها ولو فی غیر المسجد۔ اھ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۴۹۵ قبیل باب السجود، باب قضاء الفوائت)

علامہ حصکفیؒ مزید فرماتے ہیں: وینبغی ان لا یطلع غیره علی قضاءه لان التاخیر معصیة۔

اور علامہ ابن عابدینؒ اس عبارت کی شرح میں فرماتے ہیں: قلت والظاهر ان ینبغی هٰهنا للوجوب وان الکراهة تحریمیة لان اظهار المعصیة معصیة لحدیث الصحیحین کل امتی معافی الا المجاهرین وان من الجهار ان یعمل الرجل بالليل عملا ثم یصبح وقد ستره الله علیه فیقول عملت البارحة کذا وکذا وقد بات یستره ربه ویصبح یکشف ستر الله عنه۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج ۱ ص ۴۹۵ قبیل باب السجود، باب قضاء الفوائت)

چونکہ قضاء عمری کی اس مروجہ نماز میں بھی دوسروں کو اطلاع اور اعلان پایا جاتا ہے لہٰذا یہ بھی مکروہ تحریمی ہوگی۔

باقی غزوہ خندق اور لیلۃ التعریس کی احادیث سے بھی اس کا اثبات کرنا صحیح نہیں کیونکہ ان میں صرف یہی آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عارضۂ نوم یا جنگ میں مشغولیت کی وجہ سے ایک یا چند نمازیں قضاء ہوئی تھیں اور نیند سے اٹھنے اور جنگ سے فارغ ہونے کے بعد فوراً وہ تمام نمازیں پڑھ لی گئی تھیں۔ ان میں نہ تو رمضان کا ذکر ہے اور نہ آخری جمعے کا اور نہ یہ کہ وہ تمام عمر کی قضا نمازوں کے لیے کافی سمجھی گئی تھیں۔

بہر حال شریعتِ مقدسہ قضاء نمازوں کے متعلق اپنا قطعی فیصلہ یہ دیتی ہے کہ جتنی نمازیں قضاء ہوئی ہوں ان سب کا پورا پورا پڑھنا فرض ہے اس کے بغیر ان سے ذمہ فارغ نہیں ہوتا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من نام عن صلوٰة او نسیها فلیصلها اذا ذکرها لا کفارة لها الا ذلك۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۸۴ باب من نسی صلوٰة فلیصل اذا ذکرها لا یعید الا تلك الصلوٰة)

فقہاء کرام، ائمہ جرح و تعدیل، محدثینِ کرام کی ان تصریحات کی روشنی میں مروجہ قضاء عمری کو ہم بدعتِ قبیحہ اور مداخلت فی الدین سمجھتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم

حیلۂ اسقاط کی شرعی حیثیت

سوال:۔ آجکل اکثر علاقوں میں یہ رواج ہے کہ میت کے ساتھ قرآن مجید قبرستان لے جاتے ہیں اور قرآن مجید پر کچھ نقد رقم رکھ کر چند آدمی آپس میں اس کو پھراتے ہیں اور اس طریقے کو اسقاط کہا جاتا ہے

اور اس کے جواز میں قرآن کریم کی آیت وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَةَ (الآیۃ) پیش کی جاتی ہے، ازراہ کرم اس مسئلہ کے جواز یا عدم جواز کے متعلق پوری وضاحت فرمائیں ؟

الجواب:۔ واضح رہے کہ جس مکلف (عاقل، بالغ مسلمان) سے نماز، روزہ عمداً یا غیر عمداً فوت ہوئے ہوں تو اس پر فرض ہے کہ ان کی باقاعدہ قضاء کرے اور قضاء نہ کرنے کی صورت میں یہ شخص مجرم ہوگا اور زندگی سے مایوسی کے وقت اس پر وصیت کرنا ضروری ہوگا، یعنی وہ وصیت کرے گا کہ اس کی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد کے ایک تہائی (۱/۳) سے ہر نماز اور روزہ کے بدلے میں دو دو سیر (انگریزی) گندم یا اس کا قیمت مساکین کو ادا کی جائے اور ایسی وصیت نہ کرنے کی صورت میں یہ شخص مجرم اور گنہگار مرے گا، البتہ اگر اس شخص کا مال نہ ہو یا مال کا ایک تہائی (۱/۳) فراغتِ ذمہ کے لیے ناکافی ہو یا اس نے جہل، فسق یا سستی کی وجہ سے فدیوں کے بارہ میں وصیت نہ کی ہو تو وارث وغیرہ اس میت کی طرف سے باقاعدہ حیلۂ اسقاط کر سکتے ہیں۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۴۹۱/۴۹۲ باب صلوٰۃ الجنائز، مطلب فی اسقاط الصلوٰۃ عن المیت)

حیلہ کی تشریح | حیلہ یا مخرج اس مباح کام اور گفتار کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ سے کسی مقصود کی طرف پوشیدہ طریقہ سے رہائی حاصل ہو۔ کما فی المفردات (ص ۱۳۸) اَلْحِیْلَۃُ مَا یُتَوَصَّلُ بِہٖ اِلٰی حَالَۃٍ مَّا خُفْیَۃٍ۔ انتہیٰ۔ وفی فتح الباری (ج ۱۲ ص ۲۷۴) ھی ما یتوصل بہ الی مقصود بطریق خفی۔ انتہیٰ

حیلہ کی اقسام | حیلہ کی بہت سی اقسام ہیں، ان میں سے بعض یہاں ذکر کی جاتی ہیں ۔

(الف) وہ حیلہ ہے جو کہ تحلیلِ حرام کے لیے ہو اور ابطالِ شریعت کے لیے ہو، جیسا کہ اصحاب السبت نے تحلیلِ صید کے لیے کیا تھا۔ اور بعض یہود نے تحلیلِ شحم (چربی) کے لیے کیا تھا (رواہ البخاری) یہ حیلہ بلاشک و شبہ حرام اور ناجائز ہے۔

(ب) وہ حیلہ ہے جو کہ حرام سے بچنے اور فراغتِ ذمہ اور اسقاط واجب کے لیے ہو، جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام نے کیا تھا، اور جیسا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مریض غیر شادی شدہ کے لیے کیا تھا۔ رواہ ابوداؤد ص ۶۱۴۔ قالوا ما رأینا باحد من الناس من الضر مثل الذی ھو بہ لو حملنا الیک لتفسخت عظامہ ما ھو الا جلد علی عظم فامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یاخذوا لہ مائۃ شمراخ فیضربوہ بھا ضربۃ واحدۃ۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۵۸ کتاب الحدود، باب فی اقامۃ الحد علی المریض)

خلاصہ یہ کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس شخص (جس سے زنا صادر ہوا تھا اور وہ غیر شادی شدہ تھا) کے متعلق بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ اس جیسا کہ تکلیف میں مبتلا ہم نے کسی اور کو نہیں دیکھا ہے، اگر ہم اس کو یہاں لائیں تو اس کی ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی، اس کی ہڈیوں پر صرف چمڑا رہ گیا ہے۔ پس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس کو خرما کے ایک گچھا سے (جس کی سو شاخیں ہوں) ایک دفعہ مارا جائے اور یہ حیلہ جائز ہے، نہ منسوخ ہے اور نہ مخصوص ہے۔ اور یہی مروی ہے عطاءؒ اور امام شعبیؒ، اور اس کو احناف، شوافع اور حنابلہ نے مختار کیا ہے بخلاف مالکیہ اور سلفیہ کے جن کے نزدیک یہ حیلہ مشروع نہیں ہے۔ فلیراجع الی تفسیر القرطبی ج ۱ ص ۲۱۳ وشرح الاشباہ للحموی ص ۷۱۸ و فتح الباری ج ۱۲ ص ۲۷۵ کتاب الحیل)

فقہاءِ کرام کی آراء | حیلۂ اسقاط جس طرح باصلہا ثابت ہے تو اسی طرح فقہاءِ کرام خصوصًا وہ فقہاء (جن سے اکابر دیوبند فتاویٰ نقل کرتے ہیں) نے اس کی مشروعیت پر تصریح کی ہے۔ (فلیراجع الی رد المحتار ج ۱ ص ۶۸۷ والطحاوی ص ۲۶۳ والشرح الکبیر ص ۴۹۷ وخلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۵۳ والبحر ج ۲ ص ۹۱ والاشباہ والنظائر ص ۴۱۸ وھکذا فی غیر واحد من الفتاویٰ) لہٰذا اس حیلہ کی مشروعیت میں کوئی شبہ نہ ہوگا۔

شرائط | البتہ اس حیلہ کی مشروعیت کیلئے کچھ شرائط بھی ہیں جن کی رعایت نہایت ضروری ہے:۔

(الف) یہ کہ عدمِ وصیت کی صورت میں ورثاء میں غائب اور نابالغ نہ ہوں کیونکہ ان کے اموال سے تبرع ناجائز ہے۔

(ب) یہ کہ دائرہ میں صرف مساکین بیٹھے ہوں، غنی کو دینے سے فراغتِ ذمہ حاصل نہیں ہوتی ہے۔

(ج) یہ کہ مسکین کو واقعی تملیک کیا جائے نہ کہ فرضی اور لسانی، ورنہ اس حیلہ سے مقصود حاصل نہ ہوگا۔ (کما فی منۃ الجلیل ج ۱ ص ۲۲۵، و یجبُ الاحتراز من ان یلاحظ الوصیّ عند دفع للفقیر الھزل والحیلۃ ان یدفعھا حقیقۃً لاتخییلاً ملاحظاً ان الفقیر اذا ابیٰ عن الھبۃ الی الوصیّ کان لہ ذٰلک ولا یجبر علی الھبۃ ۔ انتہیٰ ۔)

خلاصہ یہ کہ وصی وغیرہ پر ضروری ہے کہ مسکین کو تھیلی وغیرہ دیتے کے وقت ہزل یا حیلہ کا ارادہ نہ کرے گا بلکہ اس تھیلی وغیرہ کا مسکین کو واقعی اور حقیقی تملیک کرے گا۔ (حتیٰ کہ اگر یہ مال کافی

مقدار میں ہو اور حیلہ کرنے کے وقت حج کے لیے داخلہ کا اعلان ہوا ہو تو اس مسکین پر حج فرض ہو گا، دوسرے شخص کو ہبہ کرنے سے یہ فریضہ ساقط نہ ہو گا) اور یہ ملحوظ رکھے گا کہ اگر مسکین نے واپس دینے سے منع کیا تو یہ اس کے لیے درست ہو گا اور اس کو مجبور نہ کیا جائے گا۔

فقہاء کرام کے حیلۂ اسقاط اور مروجہ اسقاط میں فرق (۱) فقہاء اپنے اسقاط کو حیلۂ اسقاط سے تعبیر کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ اسقاط نہ فرض ہے نہ واجب ہے نہ سنت نہ مستحب، کیونکہ حیلہ کی شرعی حیثیت اس طرح نہیں ہوتی بلکہ زیادہ سے زیادہ اس کی حیثیت اباحت کی ہو سکتی ہے، وہ بھی تب جبکہ اس میں محرماتِ شرعیہ کا ارتکاب نہ ہو، جبکہ مروجہ اسقاط کی حیثیت عوام الناس میں فرض و واجب سے بھی بڑھ کر ہے بلکہ اس کو پورا کرنے میں قطعی فرائض چھوڑ دینے کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔

ونص علیہ فی تبیین المحارم فقال لا یجب علی الولی فعل الدور وان اوصٰی بہ المیت لانہا وصیۃ بالتبرع والواجب علی المیت ان یوصی بما یفی بما علیہ ان لہٗ لم یضق الثلث عنہ الخ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۴۹۲ باب الفوائت، تحت مطلب فی بطلان الوصیۃ بالختمات والتہالیل)

(۲) فقہاء کرام رحمہم اللہ نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ فعل دور کا یہ حیلۂ اسقاط صرف ان اموات کے لیے ہے جو فقیر اور غریب ہوں یعنی ان کے ترکہ میں اتنی گنجائش نہ ہو کہ اس میں شرعی طریقہ سے فوت شدہ نمازوں اور روزوں کا فدیہ فی نماز اور فی روزہ شرعی نصف صاع گندم یا پورا صاع جو پورا ہو سکے، امراء اور اغنیاء کے لیے یہ حیلہ اسقاط ایجاد نہیں کیا گیا ہے، لیکن عوام میں اس حیلہ کا استعمال صرف فقراء اور غرباء اموات کے لیے نہیں بلکہ امراء، اغنیاء اور سلاطین تک کے لیے یکساں طریقہ پر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ جن اموات کے ترکہ میں سے پورا فدیہ ادا کیا جا سکتا ہو ان کے ترکہ سے فوت شدہ نمازوں اور روزوں کا پورا فدیہ نکالنا ضروری ہے بشرطیکہ میت نے اس کی وصیت بھی کی ہو اور ثلث ترکہ میں وہ پورا ہو سکتا ہو، نہ کہ ان کے لیے بھی مروجہ حیلۂ اسقاط پر عملدرآمد کیا جائے۔

(۳) یہ بھی فقہاء کی کتابوں میں بصراحت مذکور ہے کہ اگر میت مالدار ہو اور اس نے وصیت بھی نہ کی ہو تو میت کے اولیاء پر یہ حیلۂ اسقاط لازم نہیں ہے، نہ ان میں سے ایک وارث دیگر تمام ورثاء کی اجازت کے بغیر ترکہ میں سے کچھ بھی اس طرح کے حیلوں پر خرچ کر سکتا ہے کیونکہ وہ شرعاً ایسا

کرنے کا مجاز نہیں ہے، اور اگر کسی وارث نے دوسرے ورثاء کی اجازت کے بغیر ایسا کیا تو شرعاً دوسرے وارثوں کا یہ ضامن ہوگا، فتاویٰ بزازیہ میں اس کی تصریح موجود ہے، اجبکہ مروجہ اسقاط میں اس کا خیال اصلاً نہیں کیا جاتا بلکہ ہر حالت میں اس کو لازم اور ضروری خیال کیا جاتا ہے یہاں تک کہ اگر ورثاء میں کوئی نابالغ یا غیر حاضر ورثاء بھی موجود ہوں یا حاضر ورثاء ناراض ہوں تو اس وقت بھی ان میں سے جو بڑا وارث ہو وہ لازماً یہ اسقاط کر کے تمام ورثاء کا بے جا حق تلف کرے گا اور خرچ کیا ہوا مال تمام ورثاء کے ذمہ مشترکہ مشترکہ طور پر ڈالا جائے گا، حالانکہ یہ شریعت مقدسہ کے سراسر خلاف ہے۔

(۴) فقہاء نے مالِ اسقاط کا مصرف صرف فقراء اور مساکین کو قرار دیا ہے، کوئی خاص طبقہ اس کے لیے مخصوص نہیں کیا گیا ہے نہ اس کے لیے کوئی خاص وقت مقرر کیا گیا ہے، مگر عوام کے اسقاط میں ایک طرف مخصوص طبقہ اس کے لیے مقرر ہے کہ اگر اس طبقہ کے علاوہ اسقاط کا مال شہر کے دوسرے فقراء و مساکین یا یتیموں اور بیواؤں وغیرہ پر تقسیم کیا جائے تو یہ اسقاط ان کے نزدیک جائز ہی نہیں ہو سکتا۔ دوسری طرف اس کے لیے جنازہ کا خاص وقت مقرر کیا گیا ہے جو اس سے آگے پیچھے کیا ہی نہیں جا سکتا، نہ آگے پیچھے کرنے کو وہ جائز سمجھتے ہیں، حالانکہ شریعت میں اس طرح کی کوئی قید نہیں لگائی گئی۔

(۵) فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ فعل دور سے قبل میت کی فوت شدہ نمازوں اور روزوں کا حساب کیا جائے گا، پھر جتنا مال برائے فدیہ یعنی اسقاط مقرر کیا گیا ہو اس کا اندازہ لگایا جائے گا کہ وہ کتنی نمازوں کے لیے فدیہ ہو سکتا ہے، تو اس حساب سے نمازوں کے لیے وہ فدیہ بن سکتا ہے فعلِ دور اس اندازے کے مطابق اُس وقت تک جاری رکھا جائے گا کہ پوری عمر کی فوت شدہ نمازوں کے لیے کفارہ ہو سکے یعنی فعل دور پوری نمازوں کے اندازے اور تعداد کے مطابق کیا جائے گا نہ کہ اس سے کم۔ جبکہ عوام کے اسقاط میں فعل دور صرف تین دفعہ کیا جاتا ہے اگرچہ یہ تین دفعہ کا دَور پوری نمازوں کے لیے کافی نہ ہو بلکہ اس سے کم ہو، نیز میت کی نمازوں کا حساب بھی نہیں کیا جاتا اور نہ ہی فدیہ کا اندازہ معلوم کیا جاتا ہے۔

(۶) فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس حلقہ میں مالِ اسقاط کا دور کیا جاتا ہو اس میں غنی اور مالدار آدمی ہرگز نہ ہو، کیونکہ غنی اور مالدار کے لیے واجبی فدیہ کا مال لینا جائز نہیں بلکہ حرام ہے، لہٰذا دور کے حلقہ میں کوئی غنی اور مالدار ہرگز نہ ہوگا، لیکن عوام کے اسقاط میں جو لوگ دور میں شریک

ہوتے ہیں وہ اکثر مالدار اور غنی ہوتے ہیں جن کے لیے صدقاتِ واجبہ کا مال لینا قطعی طور پر حرام ہوتا ہے، لہٰذا یہ مروجہ اسقاط فقہاء کا اسقاط ہرگز نہیں ہو سکتا۔

(۷) عوام کے اسقاط میں قرآن مجید کو جزء فدیہ بنایا جاتا ہے اور قرآن مجید کے بغیر کوئی اسقاط کیا ہی نہیں جاتا، حالانکہ معتبر کتبِ فقہ میں جہاں اسقاط کا مسئلہ ذکر کیا گیا ہے وہاں قرآن مجید کے متعلق اس بات کا نام ونشان نہیں ملتا کہ اس کو بھی مالِ اسقاط کا جزء و بنا کر پھرایا جائے۔ اس موقعہ پر بعض ائمہ مساجد قرآن کریم کے ساتھ بیع کا ایک معاملہ کرتے ہیں جو نہایت غلط بھی ہے اور پرفریب بھی۔ چنانچہ میت کے وارث کا اگر اپنا کوئی قرآن نہ ہو تو یہ ائمہ حضرات اس پر دوسرے شخص کا قرآن ہزار دو ہزار روپیہ پر ھزلاً فروخت کرتے ہیں، اس میں ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ جب ہزار دو ہزار روپیہ پر قرآن مجید فروخت کر کے پھر اس کو مالِ فدیہ کے ساتھ جزء بنا دیا جائے تو فدیہ کی تعداد زیادہ ہو جائے گی کیونکہ فدیہ کے ساتھ دو ہزار روپیہ کا قرآن بھی شامل کر دیا گیا۔ حالانکہ یہ بیع اولاً تو بیع ہی نہیں کیونکہ یہ بیع ھزلاً ہے جداً نہیں ہے، اور تمام علمائے فقہ و اصول لکھتے ہیں کہ ھزلاً بیع شرعی بیع نہیں ہے نہ اس سے بیع کسی کی ملکیت میں آتی ہے، تاوقتیکہ ہزل سے اعراض کر کے ثانیاً بطور جداً بیع نہ کی جائے۔ ثانیاً بالفرض اگر یہ بیع منعقد ہو بھی جائے تو فدیہ کے ساتھ قرآن مجید رکھنے سے فدیہ کی تعداد ہزار دو ہزار روپیہ تک کیسے بڑھ سکتی ہے جبکہ ہزار دو ہزار اس کی قیمت نہیں بلکہ ثمن بذمۂ مشتری مقرر کیا گیا ہے، اور فدیہ میں اگر شامل ہو سکتی ہے تو صرف قرآن مجید کی اصلی قیمت اور مالیت شامل ہو سکتی ہے جو ظاہر ہے کہ ہزار دو ہزار نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ دس بارہ روپے تک پہنچ سکتی ہے۔ فقہاء کرام کے اسقاط میں اس قسم کی پرفریب چالوں کا اصلاً ذکر نہیں ہے یہ صرف مروجہ عوامی اسقاط ہی میں پائی جاتی ہیں۔

(۸) فقہاء کرامؒ کے نزدیک اسقاط صرف اس دور کو کہتے ہیں جو حلقہ کے اندر کیا جائے اس سے ان کے نزدیک اسقاط پورا ہو جاتا ہے، اس کے بعد مال کی تقسیم ورثاء کے ذمہ پر فرض یا واجب نہیں ہے نہ اس پر کسی درجہ میں اسقاط کا توقف ہے اور اپنی مرضی سے اگر صدقہ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں مگر اس میں بھی یہ ضروری نہیں کہ کل مال تصدق کریں یا انہیں لوگوں پر تصدق کریں جو میت کی چارپائی کے اردگرد حلقہ بنائے ہوئے بیٹھے ہوں بلکہ اگر اس میں سے تھوڑا سا بھی خرچ کر دیا جائے اور حلقہ والوں کے علاوہ دوسرے فقراء و مساکین

کو دیا جائے تب بھی ثواب ملے گا اور اسقاط میں کوئی نقص نہیں آئے گا۔ اس کے برعکس مروجہ دور اسقاط کے بعد مال کی تقسیم بھی ضروری ہے اس کے بغیر اسقاط ہو ہی نہیں سکتا، یا کم سے کم مکمل نہیں ہو سکتا اور یہ تقسیم بھی ان لوگوں پر ضروری ہے جنہوں نے محنت کر کے دور کا عمل کیا ہے ان کے علاوہ دوسرے فقراء و مساکین پر اگر یہ مال تقسیم کیا جائے تو پھر اپنے اسقاط کا تماشا دیکھ لیں کہ اس کی کیا گت بنتی ہے۔

(۹) ان تمام چیزوں کے علاوہ ننانوے فیصد لوگ اس اسقاط کو ایک رسم اور رواج سمجھ کر ریا اور نمائش کے لیے کرتے ہیں یا اس لیے کرتے ہیں کہ لوگوں میں ان کی بدنامی نہ ہو اور لوگ ان کا مذاق نہ اڑائیں، ایسے لوگوں کی نیت اصلاً ثواب کی نہیں ہوتی ہے۔ اور اگر ریا و نمود و نمائش یا بدنامی سے بچنے کے لیے خواہ لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچ کر دیا جائے اس کا ذرہ برابر بھی ثواب نہیں ملتا۔ لہٰذا ایسے اسقاطوں میں میت کو بھی کوئی ثواب یا نفع نہیں پہنچتا ہے، البتہ اسقاط کرنے والوں کی لوگوں میں نیک نامی ضرور ہوتی ہے اور ان لوگوں کو بھی دنیوی منفعت مل جاتی ہے جن کے ہاتھ اسقاط میں چند روپے آجاتے ہیں، میت بے چاری کو اس طرح کے اسقاطوں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

(۱۰) اس کے علاوہ عوام کے اسقاط میں مال کی تقسیم بھی بڑے غلط طریقہ سے کی جاتی ہے، یعنی جو لوگ عزت دار اور ذی وجاہت ہوتے ہیں اور کسی بڑی مسجد کے پیش امام ہوتے ہیں ان کو تو دو دو، تین تین بلکہ اس سے بھی زیادہ روپے دیتے ہیں اور غریب، محتاج طالبعلم یا دیگر فقراء و مساکین جو کسی مسجد کے پیش امام نہیں ہوتے ہیں، ان کو ایک یا دو آنے دیئے جاتے ہیں۔ اب انصاف سے کہیئے کہ یہ تمام چیزیں عوام کے مروجہ اسقاط میں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ اگر پائی جاتی ہیں اور یقیناً پائی جاتی ہیں تو براہ کرم یہ بھی بتائیے کہ مروجہ اسقاط کو فقہاء کے اسقاط کے ساتھ کوئی مناسبت ہے یا نہیں؟ پھر کس طرح یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ فقہاء نے اپنی کتابوں میں اسقاط کا ذکر کیا ہے اس لیے عوام الناس میں جو اسقاط رائج ہے یہ بھی جائز ہوگا کیونکہ اس کا نام بھی اسقاط ہے۔ حاشا و کلا۔

اس بناء پر اسقاط کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ اگر کہیں یہ اسقاط فقہاء کرام

کے تعلیم کردہ اسقاط کے موافق کیا جاتا ہو اور اس میں مندرجہ بالا مفاسد میں سے ایک بھی موجود نہ ہو تو وہ جائز اور کارِ ثواب ہو گا بشرطیکہ اس کو فرض یا واجب جان کر نہ کیا جائے اور اگر مندرجہ بالا مفاسد میں سے بعض مفاسد اس میں پائے جاتے ہوں تو وہ اسقاط ان مفاسد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناجائز ہو گا نہ کہ کارِ ثواب۔ ایسے حضرات کو چاہیئے کہ پہلے قانونِ وراثت کی رُو سے میت کے ترکہ میں سے پہلے اس کا فرض ادا کریں، اس کے بعد ورثاء کے مابین شرعی قانون کے مطابق باقیماندہ ترکہ تقسیم کر کے ہر ایک وارث کو اپنا اپنا حصہ دیدیویں، اس کے بعد ورثاء میں سے کوئی اپنی مرضی اور خوشی کے ساتھ میت کے ایصالِ ثواب کے لیے جتنا مال چاہے خرچ کرے، یہی صحیح اور شرعی طریقہ ہے جو کہ سلف صالحین سے منقول ہوتا چلا آیا ہے اور قرآن و حدیث کے احکامات کے ساتھ مطابقت بھی رکھتا ہے۔ (واللہ اعلم)

دُعا بعد السنّۃ بہیئۃ اجتماعیہ کی شرعی حیثیت

سوال:۔ محترم المقام جناب مفتی صاحب۔ ایک مسئلہ ہمارے ہاں بڑے نزاع کا باعث بنا ہوا ہے۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ دُعا بعد السنّۃ بہیئۃ اجتماعیہ علی الاطلاق اور بعض کا کہنا ہے کہ دُعا بعد السنّۃ بہیئۃ اجتماعیہ ضرور کرنی چاہیئے۔ براہِ کرم صحیح مسئلہ کی طرف رہنمائی فرمائیں۔ جزاکم اللہ۔

الجواب:۔ دُعا بعد السنۃ بہیئۃ الاجتماعیۃ ایک معرکۃ الآراء مسئلہ بن چکا ہے بعض لوگ اِس دعا کے ترک کرنے میں انتہا کر جاتے ہیں اور اتنا غلو کر جاتے ہیں کہ اس عمل کو مطلقاً بدعت قرار دیتے ہیں اور بعض غلو سے کام لے کر بالالتزام دعا بعد السنۃ کے مرتکب ہوتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں گروہ راہِ اعتدال سے ہٹ کر مسئلہ بیان کرتے ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ شریعتِ مقدسہ نے دعا کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں کیا ہے۔ رسول اللہ صلعم اور صحابہ کرام رضی سے دُعا بہیئۃ اجتماعیہ اور انفراداً دونوں طرح ثابت ہے۔ نیز احادیث مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دبر الصلوٰۃ دعا مانگنے کی ترغیب بھی وارد ہوئی ہے جبکہ دبر کا اطلاق جس طرح متصل وقت پر ہوتا ہے اسی طرح منفصل وقت یعنی سنتوں کے بعد پر بھی ہوتا ہے لہٰذا اگر دعا بعد السنۃ بہیئۃ اجتماعیۃ بلا التزام مانگی جائے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ مگر یاد رہے کہ اس مسئلہ کو فتنہ و فساد کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔

کما قال العلامہ یوسف البنوری رحمۃ اللہ تعالیٰ الدعاء للامام والماموم والمنفرد مستحب عقب کل صلوٰۃ بلا خلاف و یقول و یستحب ان یقبل علی الناس فیدعوا

معارف السنن ۳/۱۲۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کی شرعی حیثیت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! افغانستان اور مقبوضہ کشمیر میں کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک دبال موجود ہیں، لوگ ان کی زیارت کے لیے ثواب کی نیت سے جاتے ہیں اور وہاں نذرانے وغیرہ پیش کرتے ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی کسی جگہ ابھی تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک موجود ہیں اور ان کی زیارت کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک دبال موجود تھے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر احرام سے نکلنے کے لیے حلق فرمایا تو ان موئے مبارک کو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے ذریعے صحابہ کرامؓ میں تقسیم فرمایا جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار صحابہ کرامؓ نے اپنی جانوں سے پیارا سمجھ کر ان کی حفاظت فرمائی۔

لما رواہ الامام ابو عیسیٰ الترمذی رحمہ اللہ: عن انس بن مالکؓ قال: لما رمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الجمرۃ نحر نسکہ ثمّ ناول الحالق شقہ الایمن فحلقہ فأعطاہ ابا طلحۃ ثمّ ناولہ شقہ الایسر فحلقہ فقال: اقسمہ بین النّاس

[الجامع الترمذی علیٰ صدر معارف السنن ج۶ ص۲۷۵ باب ماجاء بأی جانب الرأس یبدأ فی الحلق، کتاب الحج]

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک تھے جن کو وہ اپنے خود (حفاظتی ٹوپی) میں رکھا کرتے تھے خصوصاً جنگ کے موقع پر انہیں اپنے خود میں ضرور رکھتے جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ آپ کو فتح عطا فرماتا۔

قال العلامۃ العینی رحمہ اللہ: وذکر غیر واحد ان خالد ابن الولیدؓ کان فی قلنسوتہ شعرات من شعرہ

صلی اللہ علیہ وسلم فلذلک کان لایقدم علی وجہ الا فتح لہ ویؤیدہ ما ذکرہ الملا فی السیرۃ ان خالد سأل اباطلحۃ حین فرق شعرہ صلی اللہ علیہ وسلم بین الناس ان یعطیہ شعرۃ ناصیتہ فاعطاہ ایاہ فکان مقدم ناصیتہ مناسبًا لفتح کل ما اقدم علیہ۔

{ عمدۃ القاری ج۱۰ ص۶۳ کتاب الحج
باب الحلق والتقصیر عند الاحلال }

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے اہل وعیال کی وساطت سے دوسروں تک بھی پہنچے جو ان کے ہاں دنیا وما فیہا سے زیادہ محبوب تھے۔ چونکہ صحابۂ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد پوری دنیا میں پھیل گئے تھے، اس لیے ممکن ہے کہ آپ کے موئے مبارک صحابۂ کرامؓ کے واسطہ سے کشمیر اور افغانستان کے علاقوں میں کسی کے پاس ہوں۔

علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے صحیح بخاری کے حوالہ سے لکھا ہے: عن ابن سیرین قال: قلت لعبیدۃ! عندنا من شعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصبناہ من قبل انس او من اہل انس فقال لأن تکون عندی شعرۃ منہ احب الی من الدنیا وما فیہا۔ (معارف السنن ج۶ ص۲۷۸،۲۷۹ کتاب الحج)

توان روایات اور اس قسم کی دوسری روایات سے واضح طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک لوگوں کے ہاں محفوظ چلے آرہے ہیں، اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ دنیا کے کسی مقام پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک موجود ہوں اور لوگ ان کی زیارت کے لیے سفر کریں، تاہم اگر اس بارے میں کہیں شک پیدا ہو جائے تو خاموشی اختیار کرنے میں ہی بہتری ہے۔ خواہ مخواہ تنازع کی صورت اختیار کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

فرض نمازوں کے بعد باآوازِ بلند کلمہ طیبہ کا ورد کرنا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام ومفتیانِ عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض مساجد میں فرض نمازوں کے بعد امام صاحب مع مقتدیوں کے تین مرتبہ بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھ کر درود شریف اور اللّٰھم انت السلام الخ کو بھی باآوازِ بلند پڑھتے ہیں حالانکہ نماز میں مسبوقین بھی موجود ہوتے ہیں۔ تو کیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ خاص کر جب اس کے تارک پر لعن طعن کی جاتی ہو؟

الجواب:۔ کلمہ طیبہ اور درود شریف کا جہر سے پڑھنا اجتماعاً وانفراداً دونوں طرح جائز ہے بشرطیکہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، اگر ایسا کرنے سے نمازیوں کی نمازوں میں خلل پڑتا ہو تو پھر یہ عمل درست نہیں۔

ایک دوسرے کو "عید مبارک" کہنے کی شرعی حیثیت

سوال:۔ آجکل عیدین کے موقع پر اکثر لوگ ایک دوسرے کو "عید مبارک" کے الفاظ کہتے ہیں، جبکہ بعض لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عیدین کے موقع پر اسلام میں کئی افعال اور اعمال سنت ہیں جو ہر مسلمان کے لیے خوشی کے مواقع (عیدین وغیرہ) پر جائز قرار دیئے گئے ہیں، جیسا کہ احادیث وآثار سلف صالحین میں وارد ہے البتہ رسوماتِ قبیحہ اور بدعاتِ مروجہ سے بچنا بھی نہایت ہی ضروری ہے۔

صورتِ مسئولہ کے مطابق عیدین کی خوشی پر اگر ایک مؤمن دوسرے مؤمن سے یہ کہہ دے کہ عید مبارک ہو، اللہ تعالیٰ آپ کے روزے، نمازیں اور تراویح قبول فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کی قربانی قبول فرمائے، تو یہ ایک عبادت کے کرنے پر شاباش وترغیب ہے اور اعمالِ صالح کی عنداللہ قبولیت کے لیے دعا ہے۔ ایسا کہنے میں بظاہر کوئی حرج نہیں، البتہ اس طرح کے الفاظ کہنے کو لازم سمجھنا اور نہ کہنے والے سے ناراض ہونا یا اس کا اتنا اہتمام کرنا اور عید کی مبارکباد دینے کے لیے گلی گلی اور گھر گھر پھرنا یقیناً ایک مکروہ عمل ہے اور ثواب کی نیت وارادہ سے کرنا احداث فی الدین ہے۔

الدرالمختار میں ہے: والتھنئۃ بتقبل اللہ منا ومنکم لاتنکر الخ اور ردالمحتار میں ہے کہ: قولہ والتھنئۃ وانما قال ذٰلک لانہ لم یحفظ فیھا شیٔ عن ابی حنیفۃ واصحابہ وذکر فی القنیۃ انہ لم ینقل عن اصحابنا کراھۃ وعن مالک انہ کرھھا وعن الاوزاعی

أنها بدعة وقال المحقق ابن امير الحاج بل الأشبه انها جائزة مستحبة فی الجملة ثم ساق آثاراً باسانيد صحيحة عن الصحابة فی فعل ذلك ثم ذلك والمتعامل فی البلاد الشامية والمصرية عيد مبارك عليك ونحوه وقال يمكن ان يلحق بذلك فی المشروعية والاستحباب لما بينها من التلازم فان تقبلت طاعته فی زمان كان ذلك الزمان عليه مباركاً على انه قد ورد الدعاء بالبركة بها ههنا ايضاً اھ (رد المحتار على الدر المختار ج ۱ ص ۵۵۷) [1]

مساجد میں تعزیہ لانے کا حکم

سوال:۔ ہمارے محلے میں بریلوی حضرات کی ایک مسجد ہے محرم الحرام میں یہ لوگ تعزیہ بنا کر مسجد میں لاتے ہیں اور وہاں حضرت امام حسینؓ کی یاد میں مرثیہ خوانی کرتے ہیں اور وعظ ونصیحت کی مجالس منعقد کرتے ہیں اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ مسجد میں تعزیہ لانا اور مرثیہ خوانی وغیرہ کی مجالس قائم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اوّلاً تو اسلام میں کسی میت کا تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حرام اور ناجائز ہے، احادیث میں اس پر کافی وعیدیں آئی ہیں، البتہ عورت اپنے خاوند کی وفات پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرسکتی ہے۔ ثانیاً اسلام میں تعزیہ سازی کا کوئی وجود نہیں چہ جائیکہ اسے مسجد میں لایا جائے، بلکہ ایسا کرنا خلافِ شرع اور بدعت ہے۔

لما قال العلامة مفتی عزیز الرحمٰنؒ: تعزیہ داری اور مجالسِ مرثیہ خوانی وغیرہ ہر جگہ اور ہر وقت حرام اور گناہ کبیرہ ہے، اور بالخصوص مساجد میں یہ کام سخت ظلم اور معصیت اور موجب

---

[1] قال ابن الحاجؒ فی المدخل: قد اختلف علماءنا رحمة الله عليهم فی قول الرجل لاخيه يوم العيد تقبل الله منا ومنك وغفر لنا ولك على اربعة اقوال جائز لانه قول حسن، مكروه لانه من فعل اليهود مندوب اليه لانه دعاء ودعاء المؤمن لاخيه مستحب الرابع لا يبتدئ به فان قال له أحد ردّ عليه مثله واذا كان اختلافهم فی هذا الدعاء الحسن مع تقدم حدوثه فما بالك بقول القائل عيد مبارك مجرداً عن تلك الالفاظ مع انه متأخر الحدوث فمن باب أولى أن يكرهوه وهو مثل قولهم يوم مبارك وليلة مباركة وصبحك الله بالخير ومساك بالخير۔ (المدخل لابن الحاج المالكی ج ۲ ص ۲۸۲ فصل فی سلام العيد)

عتابِ الٰہی ہے، مسلمانوں کو ایسی حرکات سے توبہ کرنا چاہیئے، یہ امور حرام اور گناہ کبیرہ ہیں کفر نہیں ہیں، اصرار کرنے والا ان امور پر فاسق ہے اور تعزیر کا مستحق ہے۔

(عزیز الفتاوٰی ج ۱ ص ۱۰۳ کتاب السنۃ والبدعۃ)

ختنہ کی دعوت بدعت نہیں

سوال:۔ بچے کے ختنے کی خوشی میں لوگوں کو شرکت کی دعوت دینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض حضرات اس کو بدعت کہتے ہیں؟

الجواب:۔ شادی بیاہ، ختنے اور دیگر خوشیوں کے مواقع پر کھانا تیار کر کے لوگوں کو شرکت کی دعوت دینے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، البتہ اس کو لازم اور ضروری نہ سمجھا جائے۔

قال العلامۃ عبد الحق الدھلویؒ: در مجمع البحار گفتہ کہ ضیافت بر ہشت نوع است ولیمہ برائے عرس وخرس بضم خای معجمہ برائے ولادت واعذار برائے ختان ودکیرہ برائے بنا ونقیعہ برائے قدوم مسافر...الخ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۱۳۹ باب الولیمۃ) [۱]

درود شریف کے لیے قیام کرنا

سوال:۔ بعض لوگ جلسوں اور وعظ ونصیحت کی مجالس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنتے ہی کھڑے ہو کر با آوازِ بلند صلوٰۃ وسلام پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، شرعاً ایسے قیام کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا اگرچہ موجبِ ثواب ہے مگر درود شریف پڑھنے کے لیے قیام کرنا سلف وخلف میں کسی سے ثابت نہیں، اس کے علاوہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے لیے قیام کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی سنکر درود شریف پڑھنے کے لیے کھڑے ہونا اور پھر اس پر التزام کرنا خلافِ شرع ہے۔

---

[۱] قال العلامۃ قطب الدینؒ: (عرس اونحوہ) اس سے ختنہ اور عقیقہ وغیرہ کی دعوت مراد ہے۔ (مظاہر حق جلد ۳ ص ۳۵۸ باب الولیمۃ)

ومثلہ حاشیۃ صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۷۶ باب الولیمۃ حق۔

لما ورد فی الحدیث: عن انسؓ قال لم یکن شخص احب الیھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانوا اذا رأوہ لم یقوموا لما یعلمون من کراھیتہ لذٰلک۔ رواہ الترمذی۔ وقال حدیث حسنٌ صحیح۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص۴۰۳ باب القیام)

مصائب میں بخاری شریف کے ختم کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! بعض دینی مدارس میں مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرایا جاتا ہے، شرعاً ایسے ختم کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مصیبت میں بخاری شریف کا ختم کرنا قرون بالخیر میں نہیں تھا مگر متأخرین علماء نے اس کو جائز کہا ہے۔

لما قال العلامۃ رشید احمد گنگوہیؒ: قرونِ ثلاثہ میں بخاری شریف تالیف نہیں ہوئی تھی مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکرِ خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے، اس کا اصل شرع سے ثابت ہے بدعت نہیں۔ (تالیفاتِ رشیدیہ ص۱۵۲ کتاب البدعات)

بڑے لوگوں کی برسیاں منانا

سوال:۔ آجکل عوام میں یہ ایک عام رواج بن چکا ہے کہ ہر سال قوم کے مقتداء اور بڑے لوگوں کی برسیاں منائی جاتی ہیں، جیسے کہ یومِ صدیقِ اکبرؓ، یوم فاروق اعظمؓ، یوم اقبالؒ اور یوم قائد اعظم وغیرہ، شرعاً ان برسیوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اسلام ایک کامل اور مکمل دین اور ضابطۂ حیات ہے جو کہ خدا پرستی کا داعی ہے اور شخصیت پرستی سے منع کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خیر القرون میں اس قسم کے اعمال (برسی وغیرہ) کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم شخصیت کے دنیا سے جانے کے بعد خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور بعد میں آنے والے تابعین و تبع تابعین حتیٰ کہ کسی بھی امام یا محدث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برسی نہیں منائی اور نہ آپؐ کی یاد میں کوئی چھٹی کی، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں، لا یحل لامرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآخر ان تحد علی میت فوق ثلٰثۃ ایام الا علی زوجھا اربعۃ اشھر وعشرًا۔ (الہدایۃ ج۲ ص۴۰۷ باب العدۃ۔ فصل فی الحداد)

البتہ اگر اس کو ایصالِ ثواب کے لیے منایا جاتا ہو اور اس دن اموات کے ایصالِ ثواب

کے لیے ختمات القرآن وغیرہ ہوتے ہوں تو اس تخصیصِ ایام کی وجہ سے بھی یہ خلافِ شرع ہے اسلئے کہ شریعتِ مقدسہ نے ایصالِ ثواب کے لیے کوئی خاص دن مقرر نہیں کیا بلکہ ہر وقت اور ہر جگہ اس کی گنجائش ہے، اپنی طرف سے کوئی خاص دن مقرر کرنا دین میں زیادتی ہے جو اسلام کے کامل اور مکمل ہونے کی صفت کے خلاف ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ ان خرافات اور بیہودہ رسومات سے پرہیز کریں اور یہود وہنود کا طریقہ ترک کر دیں۔

شادی کے موقع پر سہرا باندھنا

سوال:۔ جنابِ مفتی صاحب! آجکل شادی بیاہ کے موقع پر دولہا کو سہرا باندھا جاتا ہے اور اس کو شادی کا لازمی حصہ تصور کیا جاتا ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ سہرا باندھنا ہندوؤں کی رسم ہے جو کہ عرصہ دراز تک ہندوؤں اور مسلمانوں میں رواداری اور باہمی میل جول کی وجہ سے مسلمانوں میں سرایت کر چکی ہے، اس لیے یہ واجب الترک ہے اور اس پر التزام واصرار کرنا موجبِ گناہ ہے۔

لما قال العلامة مفتی محمد کفایت اللہؒ: نکاح یا کسی اور تقریب کے موقع پر باجہ وغیرہ بجوانا، سہرا باندھنا، ناچ رنگ کرانا ناجائز ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۵ صفحہ ۱۴۱ چھٹا باب، مہر، چڑھاوا، جہیز وغیرہ)

سالگرہ کی شرعی حیثیت

سوال:۔ آجکل خوشی منانے کی ایک عجیب رسم کا رواج ہے وہ یہ کہ جب کسی کی پیدائش کی تاریخ یا دن آجاتا ہے تو عزیز و اقارب کو کھانے کی دعوت دی جاتی ہے اور پھر بڑی دھوم دھام سے موم بتیاں جلا کر مخصوص قسم کا کیک کاٹا جاتا ہے، معاشرے میں اس کا بہت اہتمام کیا جاتا ہے، لوگ اس خوشی میں ایک دوسرے کو گرانقدر تحفے تحائف دیتے ہیں، اور اس سب کچھ کو سالگرہ کہا جاتا ہے۔ تو کیا شرعاً اس کا کوئی ثبوت ہے، اور اس قسم کی دعوت میں شرکت کرنا، تحفہ وغیرہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلام میں اس قسم کے رسم ورواج کا کوئی ثبوت نہیں ہے، خیر القرون میں کسی صحابی، تابعی، تبع تابعین یا ائمہ اربعہ میں سے کسی سے مروجہ طریقہ پر سالگرہ منانا ثابت نہیں، یہ رسم بد انگریزوں کی ایجاد کردہ ہے ان کی دیکھا دیکھی کچھ مسلمانوں میں بھی یہ رسم سرایت کر چکی ہے۔ اس لیے اس رسم کو ضروری سمجھنا، ایسی دعوت میں شرکت کرنا

اور تحفے تحائف دینا فضول ہے، شریعتِ مقدسہ میں اس کی قطعاً اجازت نہیں۔

عیسوی سال شروع ہونے پر خوشیاں منانا

سوال:۔ جنابِ مفتی صاحب! دنیا کے دیگر ممالک کی طرح ملکِ عزیز پاکستان میں بھی یہ رواج ہے کہ جب نیا عیسوی سال شروع ہوتا ہے تو لوگ ایک دوسرے کو (نیو ائیر نائٹ کے عنوان سے) مبارکباد دیتے ہیں، ملک بھر میں خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ تو کیا عیسوی سال کے شروع میں اس طریقہ پر خوشیاں منانے کا شریعتِ مقدسہ میں کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسلمانوں کے لیے ہجری سال مقرر ہے اور اسی سے ہمارے اسلامی تشخص کا اظہار ہوتا ہے، عیسوی سال عیسائیوں کا ہے اور وہی اس کی آمد پر خوشیاں مناتے ہیں۔ بعض مسلمان جہالت اور ناسمجھی سے یہ خوشیاں مناتے ہیں، لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنا اسلامی تشخص برقرار رکھنے کے لیے، ہجری سال اپنائیں اور اپنے حساب وکتاب کا سارا دارومدار اسی کے مطابق رکھیں، اس لیے کہ اسلامی عبادات کا تعلق قمری سال سے ہے نہ کہ عیسوی سال سے۔

نیا کام شروع کرنے پر قرآن خوانی کا اہتمام کرنا

سوال:۔ جنابِ مفتی صاحب! آجکل یہ ایک عام رواج بن چکا ہے کہ جب کوئی نیا کام شروع کرتے ہیں یا مکان وغیرہ بناتے ہیں تو اس میں خیر و برکت کی غرض سے چند لوگوں کو بُلا کر ان سے قرآن مجید کا ختم کرایا جاتا ہے اور یہاں تک اس کا اہتمام ہوتا ہے کہ اس وقت تک کوئی کام شروع ہی نہیں کرتے جب تک قرآن مجید کا ختم نہ کرالیں۔ شرعاً ایسے ختمِ قرآن کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ قرآنِ کریم کی تلاوت فی نفسہ خیر و برکت کا ذریعہ ہے، اس کے پڑھنے یا پڑھوانے سے کاروبار، گھر اور دوکان وغیرہ میں برکت ہوتی ہے مگر اس کو دین کا جز نہیں سمجھنا چاہیئے، بغیر ختمِ قرآن کے بھی اللہ تعالیٰ سے خیر و برکت کی دعا مانگی جاسکتی ہے اور مانگنی چاہیئے۔ البتہ ختمِ قرآن کو ایک رسم کی شکل دے کر ضروری سمجھنا اور اس کا خوب اہتمام کرنا دین میں زیادتی کے مترادف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے۔

جمعہ کی نماز کے بعد درود شریف پڑھنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کچھ عرصہ سے بعض مساجد میں نمازِ جمعہ کے بعد اجتماعی طور پر کھڑے ہو کر لاؤڈ سپیکر پہ بآوازِ بلند صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا رواج ہے اور ایسا نہ کرنے والوں پر لعن طعن کی جاتی ہے، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا اعظم القربات میں سے ہے لیکن شریعتِ مقدسہ نے اس کے لیے کوئی خاص دن اور وقت مقرر نہیں کیا ہے بلکہ ایک مسلمان جب بھی اور جس وقت بھی چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھ سکتا ہے اور یہ عمل باعثِ خیر و برکت اور موجب اجر و ثواب ہے، مگر اس کے لیے از خود وقت اور دن متعین کرنا خلافِ شرع اور بدعت ہے، بریلوی حضرات کے اس نو ایجاد عمل کا خیر القرون میں کوئی ثبوت نہیں ملتا، یہ ان حضرات کا ذاتی اور خود ساختہ عمل ہے جو کہ شرعاً واجب الترک ہے۔

کھانے پر ہاتھ رکھ کر دعا مانگنا

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ ایک عام رواج ہے کہ وہاں خواتین کھانا اور پانی کا گلاس سامنے رکھ کر اس پر ہاتھ رکھتی ہیں اور پھر فاتحہ پڑھتی ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ایصالِ ثواب کے لیے کھانا وغیرہ فقراء ومساکین میں تقسیم کرنا جائز ہے مگر اس پر ہاتھ رکھ کر دعا مانگنا بے اصل اور خلافِ شرع ہے۔

لما قال المفتی کفایت اللہؒ: کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینے کی رسم بے اصل ہے کھانا اللہ کے واسطے کسی مسکین کو دیدیا جائے بس یہی کافی ہے اور جو کچھ کہ ثواب پہنچانا ہے وہ بغیر کھانا سامنے پڑھ کر ثواب پہنچا دیا جائے، آدھا کھانا دریا یا ندی میں ڈالنا ناجائز ہے اور اس کو ثواب سمجھنا غلط ہے۔ (کفایت المفتی جلد ۱ ص۲۱۹ کتاب العقائد) [۱]

---

[۱] لما قال العلامۃ مفتی محمود حسن گنگوھی رحمہ اللہ: سوال: کیا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرامؓ، امام حسنؓ وحسینؓ، حضرات تابعینؒ، حضرت امام ابو حنیفہؒ حضرت غوثِ پاکؒ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے کھانے کو سامنے رکھ کر اس پر فاتحہ پڑھ کر کسی کو بخشا تھا؟

جواب: یہ اکابر تو متبع شریعت اور پابند سنت تھے، یہ بے دلیل اور غلط طریقہ کو کیسے اختیار کر سکتے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ج۱۵ ص۴۰۷، ۴۰۸ باب البدعات والرسوم)

اولیاء اللہ کی قبروں کا طواف کرنا

سوال :- آجکل کچھ لوگ خصوصاً خواتین اولیاء اللہ کے مزارات کے ارد گرد خانہ کعبہ کے طواف کی طرح چکر لگاتی ہیں اور اس کو کارِ ثواب سمجھتی ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- اولیاء اللہ کے مزارات یا دیگر قبروں کا طواف کرنا ناجائز وحرام ہے اور اس کو کارِ خیر سمجھ کر کرنا موجب کفر ہے اس لیے اس گندے اور مشرکانہ طرزِ عمل سے اجتناب ضروری ہے۔

لما قال العلامة ملا علی قاریؒ : ولا یطوف ای ولا یدور حول البقعة الشریفة لان الطواف من مختصات الکعبة المنیفة فیحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء ولا اعتبار بما یفعله العامة الجهلة ولو کانوا فی صورة المشائخ والاولیاء۔

(ارشاد الساری ص۳۴۲ فصل وبلغتم ایام مقامه)

قبروں پر پھولوں کی چادریں چڑھانا

سوال :- بعض لوگ اولیاء اللہ کی قبروں پر پھول وغیرہ ڈالتے ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب :- تازہ پھول اور سبز پتے یا شاخ وغیرہ اس نیت کے ساتھ قبروں پر رکھنا کہ اس سے عذابِ قبر میں تخفیف ہو اور اس کی حمد و ثناء سے میت کو نفع ہو گا اگرچہ شرعاً جائز ہے، مگر شر و فساد اور فتنوں کے اس دور میں چونکہ نیتوں میں اکثر فتور پیدا ہو چکا ہے اس لیے علماء کرام نے اولیاء اللہ کی قبروں پر پھول یا پھولوں کی چادریں ڈالنے کو خلافِ شرع قرار دیا ہے۔

لما قال العلامة اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ : کیا عوام الناس کی یہ نیت ہوتی ہے، اگر یہ نیت ہوتی توفساق وعصاة کی قبور پر پھول چڑھاتے اولیاء کی قبور پہ نہ چڑھاتے، اور اگر کسی کی نیت ہو بھی تب بھی اس کا فعل عوام کے لیے موجب فساد

---

[1] لما قال العلامة شاہ محمد اسحٰق الدھلویؒ : طواف کردن قبر سہ بار یا شد یا غیر سہ بار شرعاً غیر جائز وحرام است ومرتکب حرام کہ اصرار بران وفاسق میشود واگر جائز ومستحب دانستہ طواف نمودہ باشد موجب کفر است۔ (مائة مسائل ص۵۹ سوال سی وچھارم)

ومثلہ فی تالیفاتِ رشیدیہ ص۱۳۵ کتاب البدعات۔

ہوتا ہے اس لیے اس کے لیے بھی منہی عنہ ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۳۴۰ کتاب البدعات) [1]

والدین کی قبروں کو بوسہ دینے کے بارے میں شرعی حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! ایک مولوی صاحب سے دورانِ وعظ یہ بات سننے میں آئی ہے کہ والدین کی قبروں کو بوسہ دینا جائز ہے جبکہ ہم علماء کرام سے یہ سنتے چلے آرہے ہیں کہ قبروں کو بوسہ دینا حرام اور قبر پرستی ہے، تو کیا والدین کی قبریں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، اور کیا یہ قبر پرستی نہیں؟ قرآن و سنت کی روشنی میں وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب: قبر پرستی والدین کی ہو یا کسی اور کی، ناجائز و حرام ہے، اسلام میں اس کی قطعاً اجازت نہیں ہے، مولوی صاحب نے جو بات وعظ میں کہی ہے کسی نادر الوقوع کتاب کے مصنف نے لکھی ہے مگر یہ قابلِ فتویٰ نہیں کیونکہ نادر الوقوع کتابوں پر فتویٰ دینا قواعد افتاء کے خلاف ہے اس لیے صحیح اور قابلِ فتویٰ قول یہ ہے کہ والدین کی قبروں کو بھی بوسہ دینا حرام و ناجائز ہے۔

لما قال العلامۃ عبدالحیؒ: بوسہ دادن قبرِ والدین جائز است یا نہ؟ الجواب: حرام است لکن اصرح علی القاری وغیرہ۔ (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۶۷ ما یتعلق بالقبور، کتاب الجنائز)

---

[1] قال العلامۃ محمد یوسف البنوریؒ: فتری العامۃ یلقون الزھور علی القبور و بالاخص علی قبور الصلحاء والاولیاء والجھلۃ منھم ازداد واصرارا علی ذلک وتغالوا فیہ واوصحت ذلک منشأ فی الجھلۃ لعقائد فاسدۃ تأباھا الشریعۃ النقیۃ وظنوا ذلک سببًا للثواب والاجر الجزیل فالمصلحۃ التامۃ فی الشریعۃ تقتضی منع ذلک بتاتًا استئصالًا لشأفۃ البدع وحسما لمادۃ المنکرات المحدثۃ وبالجملۃ ھذہ ابدعۃ مشرقیۃ منکرۃ۔ (معارف السنن ج ۱ ص ۲۶۵ باب التشدید فی البول)

[2] قال العلامۃ عبد الحق الدھلویؒ: ایں قدر تعظیم قبر در شرع آمدہ کہ برآں جلوس نکنند و پا ننہند و نعل برآں نہ دارند و از غائط و بول برآں احتراز سازد و تعظیم قبر بوسہ دادن و دست مالیدن و سجدہ و طواف و تقبیل نمودن و منحنی شدن درد بخاک مالیدن درست نیست چنانچہ روایات ایں امور در جوابات سابقہ گذشتہ واز آں جملہ در کتاب کشف الغطاء شیخ الاسلام مذکور ست دست ننہند بر قبر و مسح نکنند و بوسہ ندہد و منحنی نشود و بخاک نماو کہ ایں عادت نصاریٰ است و مشائخ در منع آں تشدید بسیار دارند و آنچہ عوام مردم آلان کنند از بدعتہائے منکر ست شرعًا و بالجملہ شک نیست۔ (مائۃ مسائل ص ۶۷ سوال چہل و چہارم)

بغیر نماز کے شبینہ کا حکم

سوال :۔ بعض علاقوں میں میت کے ایصالِ ثواب یا تقربِ الٰہی کے لیے چند حفاظ کرام شبینہ کا اہتمام کرتے ہیں اور اس کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ہر حافظ قرآن اپنی باری پر قرآن سامنے رکھ کر بغیر نماز کے لاؤڈ سپیکر پر تلاوت کرتا ہے، اسی طرح یہ سلسلہ ساری رات جاری رہتا ہے، اس سے لوگوں کی نیندیں بھی خراب ہوتی ہیں، بیماروں کو تکلیف ہوتی ہے جبکہ بعض خاص حالات میں قرآن سننا ویسے ہی بے ادبی ہے، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ اس طریقہ پر قرآن مجید پڑھنے کی شریعت میں گنجائش ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ قرآنِ کریم کی تلاوت اگرچہ اعظم القربات اور تقربِ الٰہی کے ذرائع میں سے ایک بڑا ذریعہ ہے مگر اس کے لیے وہ کیفیت وطریقہ اختیار کیا جائے جس کے آثار قرونِ ثلاثہ میں پائے جاتے ہوں، اپنی طرف سے کوئی ایسا طریقہ تلاوتِ قرآن کے لیے اختیار کرنا جو خیر القرون میں نہ ہوا اور پھر اس نو ایجاد طریقہ سے لوگوں کو تکلیف بھی ہوتی ہو باعثِ گناہ وعذاب ہے اس لیے صورتِ مسئولہ کا شبینہ درست ہی نہیں بلکہ واجب الترک ہے ۔

تیجے (رسمِ قل) وغیرہ میں ختمِ قرآن کا حکم

سوال :۔ برصغیر پاک وہند کے اکثر علاقوں میں یہ رسم عام ہے کہ میّت کے تیسرے دن محلہ کے امام مسجد اور حفاظ وغیرہ کو جمع کر کے میّت کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن مجید کا ختم کرایا جاتا ہے اور اس رسم پر بڑی سختی سے عمل کیا جاتا ہے اور ایسا نہ کرنے والوں پر انتہائی گھٹیا قسم کے الزامات لگائے جاتے ہیں، شرعاً اس طریقۂ ایصالِ ثواب کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ میت کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآنِ کریم کی تلاوت، نفل نمازیں اور دیگر نیک اعمال کرنا شرعاً مرخص ہے اور اس سے میّت کو فائدہ بھی ہوتا ہے اور اس کے لیے وقت اور ایام کی تخصیص شرع میں ثابت نہیں، اس لیے مذکورہ بالا طریقۂ ایصالِ ثواب کو فقہاء کرام نے بدعت شمار کیا ہے ۔

لما قال العلامة رشید احمد گنگوھیؒ : مقرر کردن روز سوم وغیرہ بالتخصیص واُورا ضروری انگاشتن در شریعتِ محمدیہ ثابت نیست صاحبِ نصاب الاحتساب آں را مکروہ نوشتہ رسم ورا تخصیص بگذارند ہر روزیکہ خواہند بروحِ میّت رسانند و میت قریب مرگ خود زیادہ تر محتاج مدد میشود ہر قدر کہ ایصالِ ثواب بہر روزیکہ شود موجب خیر است ۔

(تالیفاتِ رشیدیہ ص۱۴۲ کتاب البدعات)

نماز کے بعد التزاماً إِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ الخ التزاماً پڑھنا

سوال :۔ بعض ائمہ مساجد فرض نمازوں کے بعد بالالتزام بآواز بلند آیتِ کریمہ إِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ الخ پڑھ کر درود شریف پڑھتے ہیں اور نہ پڑھنے والوں پر وہابیت اور منکرِ درود کا فتوٰی لگاتے ہیں، تو کیا فرض نمازوں کے بعد درود شریف بلند آواز سے پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب :۔ درود شریف بلند آواز سے ہو یا آہستہ سے، دونوں طرح بلا التزام درست اور اجر و ثواب کا باعث ہے لیکن صورتِ مسئولہ میں درج طریقہ قرون بالخیر میں اور نہ ہی ائمہ اربعہ میں کسی سے ثابت ہے، اس لیے یہ طریقہ چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی دونوں طرح خلافِ شرع اور بدعت ہے۔

لما قال العلامۃ ابن امیر الحاج المالکیؒ: الصلوٰۃ والتسلیم علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لایشک مسلم انہا من اکبر العبادات واجلہا وان کان ذکر اللّٰہ تعالیٰ والصلوٰۃ والسلام علی النبی حسنا سرًّا وعلانیًا لکن لیس لنا ان نفع العبادات الّا فی مواضعہا التی وضعہا التی وضعہا الشارع فیہا ومضی علیہ سلف الامّۃ الا تریٰ الی قول عبد اللّٰہ بن عمرؓ انّ اللّٰہ قد بعث الینا محمّد صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولانعلم شیئًا وانما تفعل کما رأیناہ یفعل ----- والصلوٰۃ والتسلیم علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم احد ثوابہا فی اربعۃ مواضع لم تکن تفعل فیہا فی عہد من مضی والخیر کلہ فی الاتباع لہم۔ (المدخل ج۲ ص۲۵، ۲۶)[لہ]

عرفہ کے دن حجاج سے مشابہت کیلئے شہر سے باہر نکلنا

سوال: جنابِ مفتی صاحب! عرفہ کا دن بہت مبارک دن ہے، اس دن حاجی صاحبان عرفات کے میدان میں جمع ہوکر وہاں ظہر اور عصر کی نمازیں

[لہ] لما قال العلامۃ مفتی کفایت اللّٰہ الدہلویؒ: سوال: سنتوں کے بعد امام باجماعت کا فاتحہ خوانی اور درود بھیجنا کارِ ثواب ہے یا بدعت؟

الجواب :۔ سنتوں کے بعد اس عمل کا التزام کرنا سنت نہیں اور اس پر اصرار اور التزام کرنا بدعت ہے۔ (کفایت المفتی ج۱ ص۲۴۵ کتاب العقائد)

ادا کرتے ہیں، اب اگر ہم یہاں پاکستان میں گاؤں یا شہر سے باہر جاکر کسی پہاڑی وغیرہ کے دامن میں حجاج کے ساتھ مشابہت کے لیے وہاں ظہر و عصر کی نماز ادا کریں تو کیا ہمیں ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب: عرفہ کا دن اگرچہ بہت مبارک دن ہے لیکن حجاج کے ساتھ تشبہ کے لیے میدانِ عرفات کے علاوہ اپنے اپنے علاقوں میں باہر کھلے میدان میں نکل کر ظہر و عصر کی نمازیں ادا کرنے کے بارے میں شریعتِ مقدسہ میں کوئی حکم وارد نہیں، اس لیے فقہاء کرام نے اس عمل کو بے اصل اور بدعت قرار دیا ہے اسی لیے اس عمل پر کسی قسم کے اجر و ثواب کی امید تو درکنار بلکہ الٹا عذاب کا خطرہ ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: والحاصل ان الصحیح الکراھۃ کما فی الدرر بل فی البحر ان ظاھر ما فی غایۃ البیان انھا تحریمیۃ وفی شرح المنیۃ انما مفاتیح ھٰذہ الاشیاء البدع ---- ومالم یکن من امرھم فھو بدعۃ والبدعۃ اذا لم یستلزم سنۃ فھی ضلالۃ۔ (ردالمحتار)[1]

چندے کی رقم سے شیرینی تقسیم کرنے کی شرعی حیثیت

سوال: آجکل کچھ مساجد میں رمضان المبارک میں تراویح کے اندر قرآن کریم کے ختم کے وقت چندہ جمع کر کے حاضرین میں شیرینی تقسیم کی جاتی ہے، جبکہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ایسا کرنا بدعت ہے۔ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی جائے کہ واقعی ایسا کرنا بدعت ہے؟

الجواب: ختمِ قرآن کے موقع پر شیرینی تقسیم کرنا شرعاً جائز و مرخص ہے اس کو بدعت کہنا درست نہیں، البتہ چندہ کی رقم سے شیرینی خرید کر تقسیم کرنا صحیح نہیں، تاہم اگر کوئی شخص انفرادی طور پر بغیر چندہ کے تقسیم کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامۃ رشید احمد گنگوھیؒ: چندہ کر کے اس طرح شیرینی تقسیم کرنا درست

---

[1] لما قال العلامۃ مفتی عزیز الرحمٰنؒ: بروز عرفہ جمع ہونا لوگوں کا تشبہا بالواقفین اور نفل باجماعت کثیرہ پڑھنا بخیال حصولِ ثواب حج لاریب بے اصل اور بدعت و مکروہ ہے۔
(عزیز الفتاویٰ ج۱ ص۱۰۲ کتاب السنۃ والبدعۃ)

نہیں ہے علی الخصوص اس جگہ کہ اس شیرینی کا التزام کرلیویں اور اس کے تارک کو ملامت کرنا نادرست ہے۔ (تالیفاتِ رشیدیہ ص ۱۴۸ کتاب البدعات) ؎۱

ختم القرآن کی تقریب میں مساجد کو روشن کرنا

سوال:۔ آجکل رمضان المبارک میں ختم القرآن کے موقع پر اکثر مساجد کو برقی قمقموں اور طرح طرح کی روشنیوں سے سجایا جاتا ہے، اسلام میں اس عمل کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مساجد اور دیگر مقامات میں ضرورت سے زائد روشنی کرنا اسراف کے حکم میں داخل ہے اور پھر اس کو کارِ خیر جان کر اصرار کر کے ضروری سمجھنا اور کرنا بدعت کے حکم میں ہے، اس لیے رمضان یا غیر رمضان میں ان چیزوں کا اہتمام کرنا موجب گناہ ہے۔

لما قال العلامۃ رشید احمد گنگوهیؒ: ضرورت سے زائد روشنی کرنا اور پھر اس کے ساتھ اس کو ضروری سمجھنا اسراف اور بدعت ہے اور نادرست ہے۔

(تالیفاتِ رشیدیہ ص ۱۵۲ کتاب البدعات) ؎۲

تعزیہ کے طور پر براق کی صورت بنانے کا حکم

سوال:۔ ماہ محرم الحرام میں بعض لوگ براق کی صورت بنا کر بطور تعزیہ پیش کرتے ہیں اور اس کو کارِ خیر اور موجب ثواب سمجھتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اسلام نے ہر موڑ پر بُت سازی کی نفی کی ہے اور لوگوں کو اس قبیح فعل سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے۔ چونکہ براق بھی ایک جاندار مخلوق ہے اس لیے کسی بھی عنوان سے اس کی مورتی بنانا شرعاً ممنوع ہے، اور اسی طرح تعزیہ بنانا چاہے محرم میں ہو یا دوسرے مہینوں میں، حرام اور بدعت ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن سعید بن الحسن قال کنت عند ابن عباس اذ جاءہ رجل فقال یا ابن عباس انی رجل انما معیشتی من صنعۃ یدی وانی اصنع ھٰذہ

؎۱ و ؎۲ لما قال العلامۃ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ، الم ترکیف اور تمام قرآن کا حکم ان امور میں یکساں ہے یعنی فضول روشنی کرنا اسراف ہے اور بدعت ہے اور شیرینی کو لازمی سمجھ کر بانٹنا یہ بھی بدعت ہے۔۔۔ الخ (امداد الفتاوٰی ج ۵ ص ۲۸۹ کتاب البدعات)۔

التصاویر فقال ابن عباسؓ الا احدثك ما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمعته یقول من صور صورۃ فان اللہ معذب به حتی ینفخ فیه الروح ولیس بنافخ فیها ابداً فربا الرجل ربوۃ شدیداً واصفر وجهه فقال ویحك ان ابیت الا ان تصنع فعلیك بهذہ الشجرۃ وکل شئ لیس فیه روح۔

(مشکوٰۃ ص۳۸۶ باب التصاویر، الفصل الثالث) لہ

تعزیہ کے جلوس میں شرکت کرنا حرام ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہر سال دس محرم الحرام کو اہل تشیع تعزیہ بناتے اور جلوس نکالتے ہیں جس میں بعض اہلسنت بھی بڑے جوش و جذبے کے ساتھ اجر و ثواب کی نیت سے شریک ہوتے ہیں۔ تو کیا اس قسم کے جلوسوں میں شرکت کرنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب، دس محرم کو تعزیہ بنانا اور اس کا جلوس نکالنا سب مخترعات اور بے اصل امور ہیں، اس قسم کے اعمال خلافِ شرع اور بدعت کے حکم میں ہیں، اس لیے اس قسم کے جلسوں اور جلوسوں میں شرکت کرنا ناجائز و حرام ہے۔

لما قال العلامۃ شاہ عبد العزیزؒ: تعزیہ داری در عشرۂ محرم وساختن ضرائح وصورت قبور وغیرہ درست نہیں۔ (فتاوٰی عزیزی جلد ۱ ص۶۸)

ایضاً قال: در انجلس بہ نیت زیارت وگریہ وزاری حاضر شدن ہم جائز نیست زیرا کہ آنجا زیارت نیست کہ برائے او حاضر شود وایں چوبہا کہ ساختہ اوست قابلِ زیارت نیستند بلکہ قابلِ ازالہ اند۔ (فتاوٰی عزیزی جلد ۱ ص۶۹)

لہ وعن ابی طلحۃ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تدخل الملٰئکۃ بیتاً فیه کلب ولا تصاویر۔ متفق علیه۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص۸۸۱ باب من کرہ القعود علی الصور، کتاب اللباس)

ومثلہٗ فی امداد الفتاوٰی ج۵ ص۳۳۲ کتاب البدعات الفصل المحرم فی فصل المحرم۔

۲لہ لما قال المولوی احمد رضا خانؒ: علَم، تعزیہ، بیرک، مہندی جس طرح رائج ہے بدعت ہے اور بدعت سے شوکتِ اسلام نہیں ہوتی، تعزیہ کو حاجت روا یعنی ذریعہ حاجت روائی سمجھنا جہالت پر جہالت ہے اور اس سے منت ماننا حماقت اور نہ کرنے والوں کو باعثِ نقصان خیال کرنا زنانہ وہم ہے مسلمانوں کو ایسی حرکت سے باز آنا چاہیئے۔ (رسالہ محرم و تعزیہ داری ص۵۹ بحوالہ فتاوٰی رحیمیہ جلد ۱۰ ص۴۳۸ رد بدعات)

وَمِثلُهٗ فی فتاوٰی رحیمیہ ج ۱۰ ص۴۳۵ تا ص۴۴۲ رد بدعات۔

صفر المظفر کے آخری بدھ کو خوشی منانے کی شرعی حیثیت

سوال :۔ جناب مفتی صاحب ! بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ کچھ لوگ ماہ صفر المظفر کے آخری بدھ کو خوشیاں مناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض سے شفاء ہوئی تھی اور اسی دن بلائیں اوپر چلی جاتی ہیں، اس لیے اس دن میں خوشیاں مناتے ہوئے شیرینی تقسیم کرنی چاہیئے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ ماہ صفر میں اس عمل کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ ماہ صفر المظفر کو منحوس سمجھنا خلافِ اسلام عقیدہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے سختی سے منع فرمایا ہے، اس ماہ مبارک میں نہ تو آسمان سے بلائیں اترتی ہیں اور نہ اس کے آخری بدھ کو اوپر جاتی ہیں اور نہ ہی امام الانبیاء جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دن مرض سے شفاء یابی ہوئی تھی بلکہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ۲۸ صفر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تھے ۔

لما قال العلامۃ مفتی عبد الرحیمؒ : مسلمانوں کے لیے آخری چہار شنبہ کے طور پر خوشی کا دن منانا جائز نہیں۔ "شمس التواریخ" وغیرہ میں ہے کہ ۲۶ صفر ۱۱ھ دوشنبہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور ۲۷ صفر سہ شنبہ کو اُسامہ بن زیدؓ امیرِ لشکر مقرر کئے گئے ، ۲۸ صفر چہار شنبہ کو اگرچہ آپ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بیمار ہو چکے تھے لیکن اپنے ہاتھ سے نشان تیار کر کے اُسامہؓ کو دیا، ابھی (لشکر کے) کُوچ کی نوبت نہ آئی تھی کہ آخر روز چہار شنبہ اور پنجشنبہ میں آپ (صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم) کی علالت خوفناک ہوگئی اور ایک تہلکہ سا مچ گیا، اسی دن عشاء سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کو نماز پڑھانے پر مقرر فرمایا۔ (شمس التواریخ جلد ۲ ص۱۰۰۸)

اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ ۲۸ صفر کو چہار شنبہ (بدھ) کے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں زیادتی ہوئی تھی اور یہ دن ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ تھا ، یہ دن مسلمانوں کے لیے خوشی کا تو ہے ہی نہیں البتہ یہود وغیرہ کے لیے شادمانی کا دن ہو سکتا ہے۔ اس روز کو تہوار کا دن ٹھہرانا ، خوشیاں منانا، مدارس وغیرہ

میں تعطیل رکھنا، یہ تمام باتیں خلافِ شرع اور ناجائز ہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۱۱۹، ۱۲۰ کتاب العلم) [1]

رمضان المبارک کی تیئسویں (۲۳) رات کو مٹھائی تقسیم کرنا

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ دستور ہے کہ رمضان المبارک کی تیئسویں (۲۳) رات کو نماز تراویح کے بعد امام مسجد یا کوئی حافظِ قرآن، سورۃ العنکبوت اور سورۃ الروم کی تلاوت کر کے مٹھائی وغیرہ پر دم کرتا ہے اور وہ مٹھائی پھر حاضرین میں تقسیم کی جاتی ہے اور اس کو مستحب کہتے ہیں۔ کیا واقعی یہ طریقہ مستحب ہے؟

الجواب:۔ رمضان المبارک کی تیئسویں رات کو قرآنِ کریم کی بعض سورتوں (عنکبوت و رُوم) کو متعین کر کے پڑھنا اور پھر مٹھائی یا بتیسوں پر دم کر کے حاضرین میں تقسیم کرنا بے اصل اور بدعت ہے، شریعتِ مقدسہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں، لہٰذا اس سے اجتناب کیا جائے۔ اگرچہ قرآنِ کریم کا سننا اور سُنانا موجبِ اجر و ثواب ہے۔

لما قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: لان ذکراللہ اذا قصد بہ التخصیص بوقت دون اوشیٔ دون شیٔ لم یکن مشروعاً حیث لم یرد الشرع بہ لانہ خلاف المشروع۔ (البحرالرائق ج ۲ ص ۱۵۹ باب العیدین) [2]

---

[1] قال المولوی احمد رضا خان البریلوی:۔ الجواب: آخری چہار شنبہ کی کوئی اصل نہیں نہ اس دن صحتیابیٔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ثبوت ہے بلکہ مرضِ اقدس جس میں وفات مبارک ہوئی اس کی ابتداء اسی دن سے بتلائی جاتی ہے۔

(احکامِ شریعت جلد ۲ ص ۵ بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ جلد ۱ ص ۱۲ کتاب العلم)

وَمِثْلُہٗ فی کفایت المفتی جلد ۱ ص ۲۲۷ کتاب العقائد۔

[2] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: بان تخصیص الذکر بوقت لم یرد بہ الشرع غیر مشروع۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۱۷۰ باب العیدین، مطلب یطلق المستحب علی السنۃ و بالعکس)

فرض نماز کے بعد بلند آواز سے دعا کرنا بدعت نہیں

سوال :۔ ہمارے محلے کی مسجد کے امام صاحب سے مقتدیوں نے کہا کہ حضرت آپ فرض نماز کے بعد جب دعا کرتے ہیں تو اول و آخر میں کچھ کلمات بآواز بلند کہا کریں تاکہ ہمیں دعا کے شروع ہونے اور ختم ہونے کا علم ہو سکے۔ اس پر امام صاحب نے کہا کہ فرض نماز کے بعد بلند آواز سے دعا کرنا بدعت ہے، اسلام نے اس کو ممنوع قرار دیا ہے، اگر کوئی ثابت کر دے تو میں اس بات کے لیے تیار ہوں کہ میرے گلے میں رسی ڈال کر مجھے بازار میں گھسیٹا جائے۔ آنجناب سے گذارش ہے کہ ہمیں اس مسئلے کا حل قرآن وسنت اور فقہ اسلامی کی روشنی میں عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب :۔ صورتِ مسئولہ کے جواب کے لیے چند مقدمات سمجھنا ضروری ہیں جو کہ ذیل میں تفصیل کے ساتھ نمبر وار درج کیے جاتے ہیں :۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فرض نماز کے بعد دعا کرنا قولاً و عملاً دونوں طرح ثابت ہے۔ امام ابو عیسیٰ الترمذیؒ نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے :۔

(ا) کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اراد ان ینصرف من صلاتہ استغفر ثلاث مرات ثم قال وانت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام۔ (ترمذی علی صدر معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۱ باب مایقول اذا سلم)

(ب) امام ابن ابی شیبہؒ نقل فرماتے ہیں : حدثنی رجل من الانصار قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی دبر الصلوۃ اللّٰھم اغفرلی وتب علیّ انک انت التواب الرحیم مائۃ مرۃ۔

(ج) عن امّ سلمۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول اذا صلی الصبح حین یسلم اللھم انی اسئلک علماً نافعاً ورزقاً طیّباً وعملاً متقبلاً۔

(رواھما مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۳۹ رقم ۱۲، ۵ کتاب الدعاء)

(د) علامہ ابن السنیؒ روایت کرتے ہیں : عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال مامن عبد یبسط کفیہ فی دبر کل صلوٰۃ یقول اللّٰھم الٰھی واله ابراھیم واسحاق و یعقوب..... الا کان حقاً علی اللہ ان لا یرد یدیہ خائبتین۔

(عمل الیوم واللیلۃ بحوالہ معارف السنن ج ۳ ص ۱۲۳ باب مایقول اذا سلم)

ان کے علاوہ بھی بہت ساری روایات کتب حدیث میں مذکور ہیں جو دعا بعد الفرائض کو ثابت کرتی ہیں۔ اسی لیے علامہ محمد یوسف البنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

الدعا للامام والماموم والمنفرد مستحب عقب کل صلوٰت بلاخلاف ویقول ویستحب ان یقبل علی الناس فیدعوا ۔ (معارف السنن ج۳ ص۱۲۳ باب مایقول اذا سلم)

(۲) اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہیئت اجتماعیہ دعا کرنا صحیح روایات سے ثابت ہے۔ علامہ بنوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

فھٰذہ وما شاکلھا من الروایات فی الباب تکفی حجۃ لما اعتادہ الناس فی البلاد من الدعوات الاجتماعیۃ دبر الصلوٰۃ ولذا ذکرہ فقہائنا ایضاً کما فی نور الایضاح وشرحہ مراقی الفلاح ۔ (معارف السنن ج۳ ص۱۲۳ باب مایقول اذا سلم)

(۳) ذکر اور دعا کرنے کے بارے میں دونوں طرح کی روایات ملتی ہیں، بعض روایات سے خفیہ طور پر ذکر اور دعاء کرنا ثابت ہے، جبکہ بعض روایات سے جہر کے ساتھ یا آواز بلند دعا کرنا ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اتباع میں فقہاء اور صلحاء و علماء امت بآواز بلند دعا کرتے آئے ہیں، چند دلائل بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں :۔

(ا) علامہ بنوری رحمہ اللہ نے کنز العمال کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے : لایجتمع ملاء فیدعوا بعضھم ویؤمن بعضھم الا اجابھم اللہ ۔ (معارف السنن ج۳ ص۱۲۲ باب مایقول اذا سلم)

اس روایت سے بآواز بلند دعا کرنا صاف ظاہر ہوتا ہے، اس لیے کہ دعاء پر آمین تب کہی جاتی ہے جب دعا کرنے والا بلند آواز سے دعا کرے اور دوسرا شخص اس کو سنے ۔

(ب) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ روایت نقل کی ہے : کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا سلم من صلوٰتہ یقول بصوتہ الاعلیٰ لآ الٰہ الاّ اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ الخ ۔ (فتح الملہم ج۲ ص۱۷۱ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

(ج) صحیح مسلم میں ہے : ان ابن عباس رضی اللہ عنہ اخبرہ ان رفع الصوت بالذکر حین لیصرف الناس من المکتوبۃ کان علیٰ عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانہٗ قال قال ابن عباس رضی اللہ عنہ کنت اعلم اذا انصرفوا بذٰلک اذا سمعتہٗ ۔

(صحیح مسلم علیٰ صدر فتح الملہم ج۲ ص۱۷۱ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

یہ دونوں روایات بھی بلند آواز سے ذکر اور دعا کرنے کو ثابت کرتی ہیں اس لیے کہ ابن عباسؓ اس وقت حدیث السن تھے انہوں نے نماز سے فراغت کے بعد یہ ذکر یا تو آخر صف میں سنا ہوگا یا مسجد سے باہر۔

اس لیے علامہ عثمانیؒ اس روایت کے تحت لکھتے ہیں، واستدل بحدیث الباب بعض السلف علی استحباب رفع الصوت بالتکبیر والذکر۔ (فتح الملہم ج۲ ص۱۷۱ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

اسی طرح علامہ نوویؒ نے بھی اس حدیث کے تحت لکھا ہے: ھٰذا الحدیث دلیل لما قاله بعض السلف انه یستحب رفع الصوت بالذکر عقیب المکتوبة۔

(مجموعہ رسائل الکھنوی جلد ۳ ص۴۹، سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر ص۳۴ الباب الاول فی حکم الجہر)

(۴) اسی طرح علامہ لکھنویؒ نے عبداللہ بن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے: قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذکروا الله ذکراً حتی یقول المنافقون انکم مراؤون۔

(مجمع الزوائد ج۴ ص۷۶، سباحۃ الفکر ص۲۹ الباب الاول فی حکم الجہر)

بلند آواز سے ذکر کرنے پر اس روایت اور دوسری روایات سے استدلال کرتے ہوئے علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے: وجه الاستدلال بھٰذین الحدیثین انه انما یقال ذلك عند الجھر لا عند السر۔ (الحاوی للفتاوی ج۱ ص۳۹۰ نتیجۃ الفکر فی الجہر فی الذکر)

(۵) علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اخرج البخاری عن ابی ھریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول انا عند ظن عبدی وانا معه اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیر منه والذکر فی الملاء لا یکون الا من الجھر۔ (الحاوی للفتاوی ج۱ ص۳۹۷ نتیجۃ الفکر فی الجہر فی الذکر)

(۶) عن جابر ان رجلا کان یرفع صوته بالذکر فقال رجل لو ان ھٰذا خفض من صوته فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اترکه انه اواه۔

(رسائل عبدالحی الکھنوی ج۳ ص۴۸۷، سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر ص۳۱ الباب الاول)

(۷) عن شداد بن اوس رضی الله تعالیٰ عنه قال کنا عند رسول الله صلی الله علیه وسلم وقال ارفعوا ایدیکم فقولوا لا اله الا الله ففعلنا فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم اللھم انك بعثتنی بھٰذه الکلمة وامرتنی بھا ووعدتنی علیھا انك لا تخلف المیعاد۔

(مستدرک حاکم جلد۱ ص۵۰۱ کتاب الدعا، باب رفع الایدی عند لا اله الا الله)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مذکورہ روایات سے خوب ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد باآوازِ بلند ذکر بھی کیا ہے اور دعا بھی فرمائی ہے اور ساتھ صحابہ کرامؓ کو اس کی ترغیب بھی دی ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے نماز کے بعد باآوازِ بلند ذکر اور دعا فرمایا کرتے تھے۔ چند آثار بطور نمونہ پیشِ خدمت ہیں:۔

(۱) کان عمر رضی اللہ عنہ اذا انصرف من صلوتہ قال اللّٰھم استغفرك لذنبی واستھدیك لأرشد امری واتوب الیك فتب علی اللّٰھم انت ربی فاجعل رغبتی الیك واجعل غنائی فی صدری وبارك لی فیما رزقتنی وتقبل منی انك انت ربی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص۳۹ رقم ۷ کتاب الدعا)

(۲) عن صلیۃ بن زفر قال سمعت ابن عمر یقول فی دبر الصلوٰۃ اللّٰھم انت السلام ومنك السلام تبارکت یا ذا الجلالِ والاکرام۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص۳۵ کتاب الدعا)

(۳) عن ابی بکر بن ابی موسیٰ عن ابی موسیٰ انہ کان یقول اذا فرغ من صلوٰتہ اللّٰھم اغفر لی ذنبی ویسر لی امری وبارك فی رزقی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۷ ص۳۶ کتاب الدعا)

مصنف ابن ابی شیبہ، سباحۃ الفکر اور الحاوی للفتاویٰ وغیرہ کتبِ احادیث میں صحابہ کرامؓ کے آثار موجود ہیں جو ذکر بعد الصلوٰۃ اور دعا بعد الصلوٰۃ بلند آواز سے ادا کرنا ثابت کرتے ہیں۔

ان تینوں مقدمات سے خوب واضح ہوا کہ فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے دعا کرنا یا ذکر واذکار میں مشغول ہونا جائز ہے، علماء امت میں سے کسی نے بھی اس کو بدعتِ اصطلاحی میں شمار نہیں کیا، البتہ محققین علماء نے ریا کے خوف سے جہر کو خلافِ اولیٰ قرار دیا ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ دعا اخفاء کے ساتھ کی جائے۔

چنانچہ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں: والدعا بخصوصہ الافضل فیہ الاسرار لانہ اقرب الی الاجابۃ۔ (الخاص للفتاویٰ ج ۱ ص۳۹۴ نتیجۃ الفکر فی الجھر فی الذکر)

اور علامہ عثمانیؒ نے لکھا ہے: وقال ابن بطال اصحاب المذاھب المتبعۃ وغیرھم متفقون علی عدم استحباب رفع الصوت بالتکبیر والذکر عقیب المکتوبۃ۔
(فتح الملہم ج ۲ ص۱۷۱ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

چنانچہ مفتی عبدالرحیم صاحب سے جب اسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: (الجواب) سری دعا افضل ہے، نمازیوں کا حرج نہ ہوتا ہو تو کبھی کبھی ذرا آواز سے دعا کرنا جائز ہے ہمیشہ جہری دعا کی عادت بنانا مکروہ ہے۔ (فتاوٰی رحیمیہ ج ا ص۱۸۳ متفرق مسائل)

علامہ ابوبکر الجصاص الرازیؒ نے لکھا ہے: وما ذکر من الاثار دلیل علیٰ ان اخفاء الدعاء افضل من اظہارہ لان الخفیۃ ھی السر۔ (احکام القرآن ج۴ ص۲۰۸ سورۃ الاعراف)

مگر یہ کراہت بھی تب ہے کہ مساجد یا دیگر مقامات میں بآواز بلند دعا کرنے سے لوگوں کو تکلیف ہوتی ہو، ان کی نیند اور دیگر امور میں خلل واقع ہوتا ہو، ورنہ بغیر اس کے بلند آواز سے دعا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ اگرچہ علامہ شعرانیؒ نے بعض مواقع پر بلند آواز سے ذکر و دعا کو مستحب قرار دیا ہے۔

چنانچہ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عن الامام الشعرانی اجمع العلماء سلفاً وخلفاً علیٰ استحباب ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا الا ان یشوش جھرھم علیٰ نائم او مصلی او قارئ۔ (فتح الملہم ج۲ ص۱۷۲ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

اور جہاں تک اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً۔ (الآیہ) کا تعلق ہے تو یہ آیت مطلق دعا کو جہراً کرنے سے منع پر دال نہیں، اس منع سے مراد بے جا بلند آواز سے دعا کرنے پر محمول ہے، علماء امت نے اسی پر اس کو محمول کیا ہے۔

چنانچہ علامہ عبدالحی اللکھنوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ان ھٰذہ الآیۃ تدل علیٰ اثبات الجھر الغیر المفرط لا علیٰ منعہ بناء علیٰ ما فسرہ الامام الرازیؒ فی تفسیرہ من ان قولہ: اُذْكُرْ رَّبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ معناہ ذکر خفیۃ وسراً ومعنیٰ قولہ: دُوْنَ الْجَهْرِ المفرط والمراد منہ ان یقع الذکر بحیث یکون بین المخافۃ والجھر کما قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا۔ وعلیٰ ھٰذا تدل الآیۃ علیٰ جواز السر والجھر کلیھما وافضلیۃ السر للتضرع والخیفۃ۔ (سباحۃ الفکر ص۱۶ الباب الاول فی حکم الجہر بالذکر)

اور حدیث لا تدعون اصم الخ بھی جہر مفرط پر محمول ہے۔

علامہ عثمانیؒ نے لکھا ہے: واما حدیث انکم لا تدعون اصم ولا غائباً فمحمول عندی علی الافراط فی رفع الصوت۔ (فتح الملہم ج۲ ص۱۷۲ باب الذکر بعد الصلوٰۃ)

اس تمام تفصیل سے واضح ہوا کہ بعد الفرائض بلند آواز سے دعا کرنا جائز ہے اگرچہ پست آواز سے کرنا افضل و بہتر ہے اس کو بدعت کہنا لاعلمی اور کتب حدیث و فقہ سے عدم ممارست کی دلیل ہے، بلا وجہ کسی ثابت شدہ چیز کو بدعت کہنا شرعاً گناہِ عظیم ہے جس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

صورتِ مسئولہ میں اگر تو مقتدیوں کا یہ مطالبہ ہو کہ امام صاحب بلا التزام دعا کے اور آخر میں چند الفاظ بآوازِ کہیں تاکہ مقتدیوں کو دعا شروع ہونے اور ختم ہونے کا علم ہو سکے، اس کو سنت اور ضروری نہ سمجھتے ہوں تو ایسا کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

چنانچہ علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الاخفاء افضل عند خوف الریاء او کان فی الجهر تشویش علی نحو مصلی او نائم او قاری او مشغل بعلم شرعی وبتقدیم الجهر علی الاخفاء فیما اذا خلا عن ذلك وكان فيه قصد تعليم الجاهل اونحو ازالة وحشة عن متوحش او طرد نحو نعاس او کسل علی الداعی نفسه او ادخال سرور علی قلب مؤمن الخ۔ (روح المعانی ج ۸ ص ۱۴۲ سورۃ الاعراف)

مسئلہ کی مزید وضاحت کے لیے مولانا عبدالحی الکھنویؒ کا رسالہ سباحۃ الفکر، علامہ سیوطیؒ کی الحاوی للفتاوی، علامہ جصاص الرازیؒ کی احکام القرآن، معارف القرآن، السعایۃ فی حل شرح الوقایۃ کا مطالعہ کریں۔ (ھذا ما ظھر لی واللہ اعلم)

خطبہ جمعہ و عیدین میں ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

سوال:۔ اگر خطیب جمعہ یا عیدین کے خطبۂ ثانیہ میں دعا کرتے وقت ہاتھ اٹھا کر دعا کرے اور مقتدی بھی ہاتھ اٹھا کر آمین کہیں تو شرعاً ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عیدین و جمعہ کے خطبوں میں جو دعا کی جاتی ہے اس میں امام کا ہاتھ اٹھانا اور مقتدیوں کا آمین کہنا کہیں ثابت نہیں۔ عجب بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بریلوی حضرات کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

لما قال العلامہ مفتی عبدالرحیم، سوال: عیدین و جمعہ کے خطبہ ثانی میں بعض خطیب دعا کرتے ہیں اس وقت حاضرین ہاتھ اٹھا کر آمین کہتے ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اس وقت ہاتھ اٹھانا، آمین کہنا منع ہے، اس میں دیوبندی، رضاخانی کا اختلاف نہیں ہے مولوی احمد رضا خان کی مصدقہ کتاب میں ہے کہ خطیب نے مسلمانوں کیلئے دعا کی تو سامعین کو ہاتھ اٹھانا یا آمین کہنا منع ہے، ایسا کریں گے تو گنہگار ہوں گے۔ خطبہ میں درود شریف پڑھتے وقت خطیب کا داہنے بائیں منہ کرنا بدعت ہے۔ (فتاوی رحیمیہ جلد ۲ ص ۳۰۲ باب ردِّ بدعات)

عید میلاد النبیؐ کی تاریخی اور شرعی حیثیت

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان مذہب حنفیہ اس مسئلہ میں کہ آجکل میلاد شریف کے نام سے مجالس وعظ منعقد ہوتی ہیں اور ان میں علماء کرام کتاب اللہ اور سُنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ترغیب و ترہیب کے مسائل پیش کرتے ہیں اور نعت خواں اور شعراء حضرات اپنے اپنے منظوم کلام میں توحید، رسالت، ختم نبوت، حب علی الطاعت اور دیگر کئی قسم کے بہترین مضامین سناتے ہیں۔ کیا اس قسم کی تقریبات میں علماء کرام اور عوام الناس کی شرکت بدعت ہے یا نہیں ؟

(۲) زید اس بات کا قائل ہے کہ ایسی مجالس و اجتماعات کا انعقاد بدعت و ضلالت ہے ان میں شریک ہونا زنا، جوابازی، شراب نوشی اور قتل و غارت سے بھی بڑھ کر گناہ ہے، کیونکہ خیر القرون میں اس قسم کے اجتماعات منعقد نہیں ہوتے تھے۔ تو زید کا یہ عقیدہ درست ہے یا نہیں؟ اگر درست نہیں تو اس کے لیے تعزیر شرعی تفصیلاً تحریر فرما کر اجر دارین حاصل کریں؟

الجواب:۔ ہمارے نزدیک محققین علماء کی تصریحات کے پیش نظر عید میلاد کے نام سے جو مجلس منعقد ہوتی ہیں اور جن کو آجکل کے علماء اور جہلاء سب سے بہترین عبادت اور کار خیر جانتے ہیں، بدترین قسم کی بدعت ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت عین ایمان ہے، آپؐ کی ولادت باسعادت سے لے کر وفات تک کے حالات زندگی صحیح طریقہ سے ذکر کرنا عبادت اور کار ثواب ہے۔ سال کے ہر مہینہ اور مہینہ کے ہر ہفتہ اور ہفتہ کے ہر دن اور دن کے ہر گھنٹہ اور گھنٹہ کے ہر منٹ اور منٹ کے ہر سیکنڈ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر جائز ہے اس میں کسی بھی مسلمان کو نہ تو اختلاف کی گنجائش ہے اور نہ ہی اس سے انکار کی مجال ہے، مگر نزاع اور موضوع بحث وہ مجلسیں ہیں جن کو ثواب کی نیت سے خاص مہینوں (مثلاً ربیع الاول) میں منعقد کر کے میلاد منایا جاتا ہے، یہ اور چیز ہے اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کا ذکر اور شے ہے، اول بدعت ہے ثانی مندوب اور مستحب ہے۔ صحابہ کرامؓ سے زیادہ حضور اکرم کا عاشق کوئی بھی نہ تھا، نہ ان سے بڑھ کر حضور صلعم کا احترام اور تعظیم کوئی کر سکتا ہے، حضور کی محبت ان میں کامل تھی تیئس ۲۳ سال تک حضور اکرم صحابہؓ میں نبوت کے ساتھ خود زندہ رہے، اور پھر تیس ۳۰ سال تک خلافت راشدہ کی حکومت رہی، تقریباً ۱۱۰ھ تک صحابہ کرامؓ کا دور رہا، کم و بیش دو سو بیس ۲۲۰ برس تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ رہا لیکن قیامت تک کوئی اس بات کا ثبوت صحیح سند سے پیش نہ کر سکے گا کہ

اتنے ممتد زمانے اور طویل عرصے میں عشاقِ رسولؐ میں سے کسی عاشقِ صادق نے ایسی محفل کا انعقاد کیا ہے یا انعقاد کے لیے کسی سے صراحۃً یا اشارۃً کہا ہے، یا خود حضور اکرمؐ کے مبارک زمانے میں آپؐ کی اجازت سے ایسی مجالس منعقد ہوئی ہوں۔ تو سوال یہ ہے کہ یہ کارِ ثواب اور مبارک تقریب کا ان ہی زمانوں میں انعقاد کیوں نہ ہوا؟ اور اگر نہیں ہوا ہے تو بعد میں ہونے پر اس کو بدعت کیوں نہ کہیں گے؟ آپ اس کے متعلق ظاہری شکل وصورت کو دیکھ کر ترغیب وترہیب کی بنا پر مستحب قرار دینا چاہتے ہیں مگر ذرا یہ تو سوچیے کہ وہ کون سی شرعی بدعت ہے جس کی ظاہری شکل وصورت عبادت کی نہ ہو؟ خاص کر جب اس کے متعلق اکابرین دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ کے صریح فتاویٰ بھی حرمت اور ممانعت کے بارے میں موجود ہیں، تو دیوبندی ہو کر آپ کیوں اس کی طرف راغب معلوم ہوتے ہیں، میں نے خود اپنے شیخ حضرت العلامہ مفتی اعظم ہند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی نور اللہ مرقدہٗ سے زبانی دورۂ حدیث پڑھتے وقت سنا تھا کہ "ایسی مجلسوں کا انعقاد بدعت ہے۔" حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو ممنوع قرار دیا ہے، فتاویٰ رشیدیہ جلد ۱ ص۱۱ میں آپ فرماتے ہیں: "نفس ذکر ولادت باسعادت فخرِ دوعالم صلعم کا مندوب ہے مگر بسبب انضمام ان قیود کے یہ مجلس ممنوع ہوگئی۔"

مجالسِ عیدِ میلاد النبیؐ کا تاریخی پس منظر

اس رسم وبدعت کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ اسلامی تاریخ کی ابتدائی چھ صدیوں میں اس بدعت کا کہیں بھی مسلمانوں میں رواج نہیں تھا، یہ نہ تو کسی صحابی کو سوجھی نہ کسی تابعی کو، نہ کسی محدث، فقیہ، بزرگ اور ولی اللہ کو، یہ بدعت اگر سوجھی تو ایک مسرف بادشاہ اور اس کے رفیق دنیا پرست مولوی کو۔ یہ بدعت ۶۰۴ھ میں موصل کے شہر میں مظفر الدین کوکری کے حکم سے ایجاد ہوئی جو ایک مسرف بادشاہ اور دین سے بے پرواہ شخص تھا۔ (ابن خلکان) اس کے متعلق امام احمد بن محمد بصری مالکی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

کان ملکاً مسرفاً یأمر علماء زمانہ ان یعملوا باستنباطھم واجتھادھم وان لا یتبعوا مذھب غیرھم حتّٰی مالت الیہ جماعۃٌ من العلماء وطائفۃٌ من الفضلاء ویحتفل مولد النبی صلعم فی الربیع الاول وھو اول من احدث من الملوک ھٰذا العمل (القول المعتمد فی عمل المولد)

(ترجمہ) "وہ ایک مسرف بادشاہ تھا، علمائے زمانہ سے کہا کرتا تھا کہ وہ اپنے استنباط اور اجتہاد پر عمل کر کے غیروں کے مذہب پر عمل نہ کریں حتیٰ کہ (دنیا پرست) علماء اور فضلاء کی ایک جماعت اسکی طرف

مائل ہو گئی اور وہ ربیع الاول میں محفلِ میلاد منعقد کیا کرتا تھا، بادشاہوں میں یہ پہلا شخص ہے جس نے یہ بدعت گھڑی ہے۔"

اس محفلِ میلاد پر وہ کیا خرچ کرتا تھا؟ اس کے متعلق علامہ ذہبیؒ نقل فرماتے ہیں :۔

کان ینفق کل سنۃ علی مولد النبی صلعم نحو ثلاث مائۃ الف۔

(دول الاسلام ج ۲ ص ۱۰۳)

(ترجمہ) "وہ ہر سال میلاد النبیؐ پر تقریباً تین لاکھ روپے خرچ کیا کرتا تھا۔"

جس دنیا پرست مولوی نے اس کے جواز کے لیے مواد جمع کیا تھا اس کا نام عمر بن داحیہ ابوالخطاب تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس کے متعلق لکھتے ہیں :۔

کان کثیر الوقیعۃ فی الائمۃ و فی السلف من العلماء خبیث اللسان احمق شدید الکبر قلیل النظر فی امور الدین متهاونًا۔ (لسان المیزان ج ۴ ص ۱۹۶)

(ترجمہ) "وہ ائمہ دین اور سلف کی شان میں بہت بڑا گستاخ تھا، گندی زبان کا مالک تھا، بڑا احمق اور بڑا متکبر تھا، دین کے کاموں میں بڑا بے پرواہ اور سست تھا۔"

ان دونوں مبتدعین نے مل کر یہ بدعت ایجاد کی، اور اس کے بعد علماء حق میں سے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ ج ۱ ص ۳۱۲ میں، امام نصیر الدین شافعیؒ نے "ارشاد الاختیار ص ۲" میں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے "مکتوبات ج ۵ ص ۲۲" میں اور علامہ ابن امیر الحاج مالکیؒ نے پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ اس کی تردید کی ہے۔ چنانچہ علامہ موصوفؒ "مدخل ابن الحاج ج ۱ ص ۸۵" میں لکھتے ہیں :۔

ومن جملۃ ما احدثوہ من البدع مع اعتقادھم ان ذلک من اکبر العبادات واظهار الشعائر مایفعلونه فی شهر الربیع الاول من المولد وقد ذلک علی بدع ومحرمات الی ان قال وھذہ المفاسد مترتبۃ علی فعل المولد اذا عمل با لسماع فان خلا منه وعمل طعامًا فقط ونوی به المولد ودعی الیه الاخوان وسلم من کل ما تقدم ذکرہ فهو بدعۃ بنفس نیتہ فقط لان ذلک زیادۃ فی الدین ولیس من عمل السلف الماضیین و اتباع السلف اولی ۔ اھ (مدخل ابن الحاج مطبوعۃ مصر ج ۱ ص ۸۵)

(ترجمہ) "لوگوں کو ان بدعتوں میں سے جن کو وہ بڑی عبادت سمجھتے ہیں اور جن کے کرنے کو وہ شعائر اسلامیہ کا اظہار سمجھتے ہیں وہ مجلسِ میلاد ہے جس کو وہ ماہ ربیع الاول میں کیا کرتے ہیں یہ مجلس

بہت سی بدعات اور محرمات پر مشتمل ہوتی ہے (آخر میں فرماتے ہیں) اور اس مجلسِ میلاد پر یہ مفاسد اس صورت میں مرتب ہوتے ہیں جبکہ اس میں سماع ہو، پس اگر وہ سماع سے پاک ہو اور بہ نیت مولود کرانا تیار کر لیا ہو اور بھائیوں اور دوستوں کو اس کے لیے بلایا گیا ہو اور تمام مذکورہ بالا مفاسد سے محفوظ ہو تب بھی وہ نیت انعقاد مجلسِ میلاد کی وجہ سے بدعت ہے کہ یہ دین میں ایک جدید امر کا اضافہ ہے جو سلف نے اس پر عمل نہیں کیا ہے اور سلف کی پیروی زیادہ بہتر ہے''۔

علامہ عبدالرحمٰن اپنے فتاوٰی میں لکھتے ہیں:۔

ان عمل المولد بدعة لم یقل بہ ولم یفعلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلفاء والائمة۔

(ترجمہ) ''مجلسِ میلاد کا انعقاد بدعت ہے اس کو حضور اکرمؐ، خلفاء راشدینؓ یا ائمہ اربعہ میں سے کسی نے نہ خود کیا ہے نہ اس کی اجازت دی ہے''۔

علامہ احمد بن محمد مصری مالکیؒ لکھتے ہیں:۔

اتفق علماء المذاھب الاربعة بذم ھذا العمل۔ اھ

(ترجمہ) ''چاروں مذاہب کے علماء میلاد کی مذمت پر متفق ہیں''۔

نماز کے بعد مصافحہ کا حکم

سوال:۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہے کہ وہ نماز باجماعت پڑھنے کے بعد ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں اور اس کو سنت کا درجہ دیتے ہیں، کیا شرعاً اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ دو مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ پہلی بار ملیں (ملاقات کریں) تو مصافحہ کریں، حدیث شریف میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ما من مسلمین یلتقیان فیتصافحان الاغفرلھما قبل ان یتفرقا۔ (جامع الترمذی ج ۲ ص ۹۷)

مگر نماز کے بعد مصافحہ کرنا کسی صحیح حدیث یا سلف صالحین کے اقوال میں مذکور نہیں، اسلیے اس کو سنت سمجھ کر کرنا خلافِ شرع اور بدعت ہے۔

لما قال العلامة ملا علی قاریؒ: فان محل المصافحة المشروعة اول الملاقات وقد یکون جماعة یتلاقون من غیر مصافحة ویتصاحبون بالکلام ومذاکرة العلم وغیرہ مدة مدیدة ثم اذا صلوا یتصافحون فاین ھذا من السنة المشروعة ولھذا صرح بعض علمائنا بانھا مکروھة حینئذٍ وانھا من البدع المذمومة۔ (مرقاة شرح مشکوٰة ج ۴ ص ۵۷۵)

محرم الحرام میں شادی کرنے کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ محرم الحرام میں شادی بیاہ کرنے کو ناجائز سمجھتے ہیں اور اس ماہ کو غم اور مصائب کا مہینہ کہتے ہیں، تو کیا محرم الحرام میں شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ محرم الحرام بھی سال کے دوسرے مہینوں کی طرح ایک مہینہ ہے جس طرح سال کے دوسرے مہینوں میں شادی بیاہ کرنا جائز ہے اسی طرح محرم میں بھی جائز ہے، کسی بھی دلیل شرعی سے حرمت و ممانعت ثابت نہیں۔ روافض اور شیعوں نے اس قبیح اور بے بنیاد مسئلہ کو لوگوں میں رائج کر رکھا ہے، مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ اس بدعت کو ترک کر دیں۔

مسجد میں ذکر بالجہر کا حکم

سوال:۔ ایک صاحب جو اپنے آپ کو چشتیہ خاندان کے بزرگوں سے منسوب کرتے ہیں وہ عشاء کی نماز کے بعد مسجد ہی میں حلقہ باندھ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ذکر بالجہر بھی کرتے ہیں اور بلند آواز سے کچھ اشعار بھی مجمع میں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں جن سے ان کے رفقاء پر شدید وجد طاری ہو کر گر پڑتے ہیں اور غشی کی سی حالت ان پر طاری ہو جاتی ہے، اس حالت میں وہ ادھر اُدھر ہاتھ پاؤں بھی مارتے ہیں اور چیخ و پکار کرتے اور مسجد میں الٹے سیدھے ہوتے رہتے ہیں۔ جب انہیں اس قسم کی حرکات سے منع کیا جاتا ہے تو نہیں رکتے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ جائز ہیں، شرعاً اس کوئی ممانعت نہیں ہے، اس بارے میں جب انہیں علمائے شریعت سے فیصلہ کرانے کے لیے کہا جاتا ہے تو وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں علمائے شریعتِ ظاہرہ سے فیصلہ کرانے کی بجائے باطنی علماء سے فیصلہ کرانا چاہتا ہوں۔ تو کیا اس شخص کی مندرجہ بالا حرکات اور طرزِ عمل شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ مفصل جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب:۔ مسجد میں ذکر بالجہر کے بارے میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، ایک جماعت کے نزدیک حرام ہے، دوسری ایک جماعت ہے جو اسے جائز قرار دیتی ہے دونوں کے لیے کتاب و سنت سے دلائل پیش کرنے کی گنجائش بھی ہے اور دلائل پیش کیے بھی گئے ہیں۔ فقہاء کی ایک تیسری جماعت ہے جس نے پہلے دو قولوں کے درمیان تطبیق کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ ان کا خیال یہ ہے کہ ذکر بالجہر اگر نمازی آدمی یا سوئے ہوئے آدمی یا قاری کے لیے

موجب اذیت نہ ہو اس طرح اس میں ریاکاری کا بھی خوف نہ ہو تو جائز ہے ورنہ حرام ہے۔
علامہ حصکفیؒ رفع الصوت بالذکر کو محرمات میں شمار کرتے ہوئے کہتے ہیں: ویحرم رفع الصوت بالذکر
فی المسجد اھ۔ بزازیہ میں ہے: الجھر بالذکر حرام۔ (اھ حموی) لیکن شامی نقل کرتے ہیں:
اضطرب کلام البزازیۃ فی ذٰلک فتاوۃ قال انہ حرام وتارۃ قال انہ جائز اھ
فتاویٰ خیریہ سے بھی شامی نے جواز نقل کیا ہے۔ اخیر میں حمویؒ سے نقل کرتے ہوئے کہتے
ہیں: وفی حاشیۃ الحموی عن الامام الشعرانی اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب
ذکر الجماعۃ فی المساجد وغیرھا۔ الا ان یشوش جھرھم علی نائم او مصلی او
قاری الخ یہی تطبیق فتاویٰ خیریہ میں بھی کی گئی ہے، چنانچہ علامہ خیر الدین الرملیؒ لکھتے ہیں:
ولا یعارض ذٰلک حدیث خیر الذکر الخفی لانہ حدیث خیف الریاء او تأذی
المصلین او النیام فان خلا عن ذٰلک فقال البعض الجھر افضل۔ اھ۔

حاصل التطبیق فقہاء کی عبارتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فتویٰ ممانعت اور قول بالجواز دونوں میں مخالفت نہیں ہے، ممانعت اس وقت ہوگی جب دوسروں
اس سے کسی قسم کی اذیت پہنچنے کا خطرہ ہو، اور جب اس خطرے سے جہر بالذکر خالی ہو تو
جائز ہوگا، یہ ہے حاصل تطبیق ــــ لیکن ہمارے نزدیک چند وجوہ کی بناء پر یہ تطبیق قابل قبول
نہیں ہے:۔

(۱) اوّل یہ کہ یہ تطبیق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے اس فتوے کے صریح طور پر
مخالف ہے جو آپؓ نے ایک ایسی جماعت کے بارے میں دیا تھا جو خاص وقت میں ہیئتِ
مخصوصہ کے ساتھ ذکر بالجہر میں مشغول تھی، یہ واقعہ فقہ اور حدیث دونوں کی کتابوں میں مذکور
ہے جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:۔

عن ابن مسعود انہ سمع قوما اجتمعوا فی مسجد یھللون ویصلون علی النبی
صلی اللہ علیہ وسلم جھرا فراح الیھم وقال ماعھدوا ذٰلک علی عھدہ علیہ
الصلوٰۃ والسلام وما اراکم الا مبتدعین فما زال یذکر ذٰلک حتی اخرجھم
من المسجد۔ اھ (حموی۔ بزازیہ، بحر شامی)

اس واقعہ میں قوم کے جس عمل پر حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے بدعت کا
فتویٰ دے کر ممنوع قرار دیا تھا وہ ان کا بہ ہیئتِ اجتماعی خاص مسجد میں جہر سے ذکر

کرنا اور درود پڑھنا تھا، اور اس کو اس بناء پر ممنوع نہیں کہا تھا کہ وہاں کسی نائم (سوتے والے) یا نمازی یا تلاوت کرنے والے آدمی کو اذیت پہنچنے کا خطرہ تھا یا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ان کے دلوں کی صفتِ ریاء کا علم ہوگیا تھا بلکہ ممانعت کی بنیاد اس بات پر رکھی گئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اس طرح ذکر کرنا معہود نہ تھا، تو بدعت فی الدین ہونے کی وجہ سے ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اسی بناء پر فرما دیا گیا کہ ما اراکم الا مبتدعین۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس فتوے سے قائلین حرمت الجہر بالذکر نے حرمت پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے پہلے بصورتِ دعویٰ یہ ذکر کیا ہے: فی فتاویٰ قاضیخان الجھر بالذکر حرام۔ اھ۔ اس کے بعد دلیل کے طور پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فتویٰ انہوں نے ذکر کیا ہے جس سے صاف واضح ہے کہ مسجد میں ذکر بالجہر حنفی فقہاء کے نزدیک حرام ہے وہ خطرۂ اذیّت کی بناء پر نہیں بلکہ ابتداع اور احداث فی الدین کی وجہ سے حرام ہے۔ تو خطرۂ اذیّت ان کے قول بالحرمۃ کے لیے محل بنانا جیسا کہ مذکورہ تطبیق میں اختیار کیا گیا ہے توجیہ الکلام بما لا یرضیٰ بہ قائلہ اگر نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

تطبیق کے قابل قبول نہ ہونے کی دوسری وجہ

(۲) دوم یہ کہ کتاب وسنت کے ظواہر سے اگر ان میں بیجا تاویلات نہ کی جائیں، ممانعتِ جہر ظاہر ہے مطلقاً ادعوا ربکم تضرعاً وخفیۃً ط انہ لا یحب المعتدین ۵ سے ظاہراً یہ مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے کہ اخفاء ضروری اور جہر حدِّ اعتداء میں داخل ہے۔ البتہ دیگر نصوص کے پیشِ نظر جہاں جہر کی اجازت خود شارع علیہ السلام سے ثابت ہو وہاں جہر جائز ہوگا۔ اور جہاں جہر کی اجازت کا ثبوت نہ ملے وہاں اس آیتِ کریمہ کے عموم سے ممانعت ہی کا حکم دیا جائے گا نہ کہ جواز کا۔ اسی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ: اربعوا علیٰ انفسکم انکم لا تدعون اصم ولا غائبا۔ (الحدیث) اس سے بھی ظاہراً یہ سمجھا جاتا ہے کہ شارع علیہ السلام کے نزدیک اخفاء محبوب ہے نہ کہ جہر بلکہ یہ مکروہ ہے۔

الحاصل دلائل سے جو کچھ ظاہراً ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جہر سوائے اُن مواضع کے جہاں خود شارع علیہ السلام سے اس کی اجازت منقول ہو مثلاً اذانؔ، تکبیراتِ تشریقؔ یا تلبیہؔ فی الحج وغیرہ مکروہ ہوگا مطلقاً، اور اخفاء مندوب ہوگا مطلقاً۔

اس میں اذیت وغیرہ کی کوئی تخصیص نہیں ہے، یعنی ممانعت اذیت کی صورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

ترجیح یا صحیح تطبیق

فقہاء کرام کی مذکورہ تطبیق جب مندرجہ بالا دو وجوہ کی بناء پر صحیح ثابت نہ ہوئی تو اس کے بعد دو صورتیں رہ جاتی ہیں: اوّل یہ ہم فقہاء کرام کے دو قولوں کے درمیان کسی صحیح طریقہ سے تطبیق دیں یا ایک قول کو دوسرے قول پر ترجیح دیں۔ پہلی صورت اگر ہم اختیار کریں گے تو صحیح طریقہ سے تطبیق یوں ہوگی کہ جہر بالذکر اس وقت جائز ہوگا جبکہ اس میں نہ تو اذیت الی الغیر پائی جائے اور نہ اس میں بدعت کا شائبہ تک موجود ہو، محمل قول بالجواز کے لیے یہ ہی ہے، اور جب بھی اس میں اذیت الی الغیر پائی جائے یا وہ بدعت کی صورت اختیار کرے تو ممنوع اور ناجائز قرار پائے گا۔ پہلی صورت میں اس لیے کہ اس میں ضرار پایا گیا ہے جو شرعاً لا ضرار فی الاسلام کی وجہ سے ممنوع اور ناجائز ہے۔ اور دوسری صورت میں ممانعت اس بناء پر ہوگی کہ وہ بدعت میں داخل ہو گیا جو کہ مردود فعل ہے، اور یہی محمل ہے فقہاء کرام کے اس قول کے لیے کہ الجهر بالذکر حرام۔

ترجیح

لیکن اگر ہم ترجیح کا مسلک اختیار کریں گے تو پھر اصولِ ترجیح کے پیشِ نظر قول بالحرمۃ کو قول بالجواز پر ترجیح ہوگی۔ اس کے لیے ہم دو وجوہ پیش کریں گے:۔

اوّل یہ کہ فقہاء ہی نے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ کسی مسئلہ میں جب دو روایتیں ائمہ مذہب سے مروی ہوں جو آپس میں مختلف ہوں تو ان میں ترجیح اس روایت کو ہوگی جس کو علامہ قاضی خان رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہو، کیونکہ وہ اہل الترجیح میں سے ہیں۔ اس کی تشریح علامہ شامیؒ نے ردالمحتار ج ۴ ص میں "بیع الوفاء" کی بحث میں کی ہے، اس مسئلہ میں بھی جیسا کہ حموی اور بزازیہ نے تصریح کی ہے۔ چونکہ علامہ قاضی خانؒ حرمتِ جہر کا قائل ہے اس بناء پر حرمت ہی کو جواز پر ترجیح دینی پڑے گی۔

دوم یہ کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ما اجتمع الحلال والحرام الّا وقد غلب الحرام علی الحلال۔ فقہاء کرامؒ نے اس ارشاد سے ترجیح کے لیے یہ اصول مستنبط کیا ہے کہ جب بھی محرّم اور مبیح میں تعارض واقع ہو تو ترجیح محرم کو ہوگی نہ کہ مبیح کو۔ اس بناء پر یہاں بھی حرمت و اباحت میں چونکہ فقہاء کے اقوال متعارض ہیں اسلیئے قاعدہ مذکورہ

کی رُو سے حرمت کو اباحت پر ترجیح دینی پڑے گی۔

بہر حال تحقیق مذکورہ سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ذکر بالجہر اگر ذریعہ اذیت الی الغیر ہو یا وہ کسی ایسے طریقہ سے ہو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو جس کی وجہ سے وہ بدعت کی حد میں داخل ہو جاتا ہو تو ممنوع اور ناجائز ہو گا۔ چونکہ واقعہ مسئول عنہا میں بھی ذکر بالجہر غیر ثابت شدہ طریقہ سے ہے اس لیے لامحالہ بدعت کی حد میں داخل ہو کر ممنوع ہو گا۔ اس عمل کی حالت اُس قوم کے عمل کی حالت سے کچھ بھی مختلف نہیں ہے جس پر ابن مسعودؓ نے مبتدعین کا حکم لگایا تھا، اس بناء پر یہ بھی اس کی طرح بدعت ہو کر ممنوع قرار پائے گا۔

۳ وقت اور ہیئت کی تخصیص

سنن نبویہؐ اور علمائے شریعت کی تصریحات سے یہ چیز پایۂ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ جس عبادت کو شریعت نے مطلق رکھا ہو اُس کے لیے اپنی طرف سے مخصوص وقت یا کسی خاص ہیئت اور کیفیت کو اگر معین کر لیا جائے تو اس کی وجہ سے وہ عبادت بدعت ہو جاتی ہے۔ امام شاطبیؒ لکھتے ہیں:۔

ومنها التزام الكيفيات والهيئات المعينة كالذكر بهيئة الاجتماع على صوت واحد..... ومنها التزام العبادات المعينة فى اوقات معينة لم يوجد لها ذلك التعين فى الشريعة اھ (اعتصام ج ۱ ص۳۴)

(ترجمہ) ”اور انہی بدعات میں سے کیفیاتِ مخصوصہ اور ہیئاتِ معینہ کا التزام ہے جیسا کہ ہیئتِ اجتماعی سے ایک آواز پر ذکر کرنا، اسی طرح خاص اوقات کے اندر ایسی عبادات معینہ کا التزام بھی بدعات میں سے ہے جن کے لیے شریعتِ مطہرہ نے وہ اوقات مقرر نہیں کیے ہیں۔“

صاحب ”مجالس الابرار“ ایک خاص ہیئت اور کیفیت کے ساتھ مسجد میں اجتماعی طور پر ذکر کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی سابقہ روایت کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وهكذا يقال لكل من اتى فى العبادات البدنية المحضة بصفة لم تكن فى زمن الصحابة۔ اھ (مجالس الابرار ص۱۳۳)

(ترجمہ) ”ایسا ہی اُس شخص کے متعلق کہا جائے گا (کہ وہ بدعتی ہے) جو خالص بدنی عبادات میں کوئی صفت اور ہیئت ایسی پیدا کرے جو صحابۂ کرامؓ کے زمانے میں نہ تھی۔“

حافظ ابن دقیق العید رحمہ اللہ کہتے ہیں:۔

ان هٰذہ المخصوصیات بالوقت او بالحال والھیئۃ والفعل المخصوص یحتاج الیٰ دلیل خاص یقتضی استحبابہ بخصوصہ وھٰذا اقرب۔اھ

(ترجمہ) "وقت اور حال یا ہیئت کے ساتھ یہ خصوصیات اور فعل مخصوص، دونوں خاص دلیل کے محتاج ہیں جو علی الخصوص ان کے استحباب پر دلالت کرے اور یہی اقرب الی الصواب ہے"۔

یہ بھی علماء نے اصولِ مسلّمہ کے طور پر مان لیا ہے کہ مطلق عبادت کے مشروع اور مرغوب ہونے سے یہ لازم نہیں کہ قیودات اور تخصیصات کے ساتھ وہ عبادت مفید اور مخصوص ہو کر بھی مشروع اور مرغوب ہو گی، بلکہ بسا اوقات تقیدات اور تخصیصات سے وہ بدعت اور قابلِ نفرت قرار پا جاتی ہے۔ امام شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

فاذا ندب الشرع مثلاً الیٰ ذکر اللہ فالتزم قوم الاجتماع علیٰ لسانٍ واحد وبصوت واحد او فی وقت معلوم مخصوص عن سائر الاوقات لم یکن فی ندب الشرع مایدل علیٰ ھٰذا التخصیص الملتزم بل فیہ مایدل علیٰ خلافہ اھ (اعتصام ج ۱ ص ۳۳۵)

(ترجمہ) "شریعت نے جب کسی چیز کی ترغیب دے دی مثلاً ذکر اللہ، پس ایک قوم نے اجتماع کا التزام کر کے ایک آواز سے ایک زبان ہو کر ذکر کرنا شروع کر دیا، یا تمام اوقات میں سے کسی معین اور مخصوص وقت کو منتخب کر کے اس میں ذکر کرنے کا التزام کر دیا تو شریعت کی یہ مطلق ترغیب، تخصیص اور التزام کی دلیل نہیں بن سکتی بلکہ اسکے خلاف پر وہ دلیل بن جائے گی"۔

اس مسلّمہ اصول کے پیشِ نظر جب ہم واقعہ مسئول عنہا پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں اپنی طرف سے بہت سی تخصیصات ایجاد کر کے ملائی گئی ہیں۔ ایک وقت کی تخصیص، دوسری ہیئت اور تیسری کیفیت کی تخصیص۔ ان تمام تخصیصات کی وجہ سے یہ اجتماع اور ذکر علماء کے پیش کردہ قانون کے بموجب دونوں بدعت قرار پائیں گے۔

(۴) مسجد میں اُلٹے سیدھے ہو کر چیخ و پکار کرنا

صحیح احادیثِ نبویہ میں مساجد کے جو احکام اور آداب بیان ہوئے ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مساجد میں چیخنے چلّانے سے کلّی پرہیز اور مکمل اجتناب کیا جانا ضروری ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے : ایاکم وھیشات الاسواق فی المساجد۔ او کما قال علیہ السلام) (ترجمہ) "مسجدوں میں شور و غل اور چیخ و پکار سے جو عام طور پر بازاروں میں ہو رہا ہے پرہیز کرتے رہنا"۔

احادیث میں قربِ قیامت کے جو علامات بیان ہوئی ہیں اور بلائے عام کے نزول کے جو اسباب متعین کیے گئے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ مسجدوں میں بلند آواز سے چیخ و پکار شروع ہو جائے گی، وارتفاع الاصوات فی المساجد۔ (الحدیث) ان ارشاداتِ نبویہ سے صراحتاً معلوم ہوا کہ مسجدوں میں چیخ و پکار کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ سوال مذکور میں اس کی تصریح موجود ہے کہ واقعہ مسئول عنہا میں یہ لوگ مسجد میں وجد کی حالت میں چیخ و پکار کرتے ہیں جو شرعاً ممنوع ہے۔

(۵) وجد یا تواجد | یہ بھی اس واقعہ میں ذکر ہے کہ وہ لوگ اس مجلس میں اشعار وغیرہ پڑھنے اور سننے سے وجد یا تواجد میں اکثر مسجد میں اُلٹے سیدھے بھی ہوتے رہتے ہیں۔ وجد یا تواجد کا مسئلہ صوفیاء اور مشائخ کے مابین بھی اختلافی ہے، اور فقہاء اور علمائے شریعت کے درمیان بھی سخت اختلافی ہے۔ محققین صوفیاء اور فقہاء دونوں نے اس بارے میں جو اپنا فیصلہ پیش کیا ہے اور جس کو شامیؒ وغیرہ فقہاء نے نقل کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس سالک کی انفرادی اور اجتماعی دونوں قسم کی زندگی اتباعِ سنت کا مکمل نمونہ ہو اور اس پر خوف و خشیتِ خداوندی غالب ہو اور جلالِ خداوندی کے آثار نمایاں ہوں، اس سے اگر ذکر کرنے کی حالت میں وجد یا تواجد کی حرکات سرزد ہوں تو اس کی عام زندگی کی حالت کے پیشِ نظر ایسی حرکات غیر اختیاری سمجھ کر قابلِ ملامت اور لائقِ سرزنش قرار نہیں دی جائیں گی، لیکن اگر وہ اپنی عام زندگی میں سنتِ نبویہ کا پابند نہیں ہے اور اس کے عام اعمال بھی شریعتِ مطہرہ کے خلاف ہیں تو ایسی حرکات کو اختیاری اور ایک قسم کا تصنع و بناوٹ قرار دے کر ان سے اس کو منع کر دیا جائے گا اور ایسی حرکات کو قابلِ ملامت اور لائقِ سرزنش قرار دیا جائے گا ـــــ فی زماننا چونکہ خلافِ شرع حرکات اور بدعات ترقی پذیر ہیں اور سنتِ نبویہ کا اتباع حد سے حد درجہ کم ہے، خصوصاً عصرِ حاضر کے صوفیوں میں اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنی ایجاد کردہ سُنتوں (بدعات) کے تو بڑی شدت سے پابند ہوتے ہیں لیکن اگر ان میں سے کسی سُنت کی پابندی نہیں تو صرف سنتِ نبویہ کی نہیں، گو زبان سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق و محبت کے دعاوی بلند بانگ ہوتے ہیں، اس بنا پر ایسے لوگوں کے حق میں ہماری رائے یہ ہے کہ ان کو اس قسم کی حرکات سے ضرور منع کر دیا جائے۔

اصل الجواب | (۱) مذکورہ بالا پانچ امور کے پیشِ اس اجتماع کے متعلق جو ان

خلافِ شرع امور پر مشتمل ہے ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ یہ ایک بدعت اور ناجائز فعل ہے، اس میں شمولیت اعانت علی البدعۃ اور توقیر مبتدع ہے جو شرعاً مذموم اور ممنوع ہے۔ حضور نبئ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: ومن وقر صاحب بدعۃ اعان علیٰ ھدم الاسلام (الحدیث) مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس سے پرہیز کریں اور علماء کو چاہیئے کہ ایسے لوگوں کو حکمت کے طریقہ سے سمجھائیں۔ ادع الیٰ سبیل ربك بالحکمۃ (الآیۃ) جھگڑوں اور فسادات سے مجتنب رہیں۔ نیز اس شخص کا یہ کہنا کہ یہ تمام امور جائز ہیں سخت غلط ہے اور سابقہ دلائل سے اس کی غلطی واضح ہو چکی ہے۔

(۲) شرعی فیصلہ کے مطالبہ کے جواب میں جو وہ یہ کہتے ہیں کہ شریعتِ ظاہری کے علماء پر فیصلہ نہیں کرتا ہوں باطنی علمائے شریعت پر فیصلہ کرتا ہوں، اگر تو اس کا یہ جواب اس خیال پر مبنی ہو کہ علماء چونکہ ظاہری شریعت پر فیصلہ کریں گے اور ظاہری شریعت کو یہ مقام حاصل نہیں ہے کہ اس پر فیصلہ کیا جائے تو یہ انکارِ شریعت ہے اور انکارِ شریعت صریح کفر ہے اور اگر وہ شریعتِ ظاہری کو فیصلہ کن قانون کی حیثیت سے تو مانتا ہے مگر فیصلہ ماننے سے گریز کرتا ہے تو یہ منافقوں کی روش ہے، قرآنِ کریم اس کو منافقوں کی نشانی قرار دیتا ہے:
واذا قیل لھم تعالوا الیٰ ما انزل اللہ والی الرسول رأیت المنافقین یصدون عنك صدودا۔ (الآیہ) اور اگر وہ یہ گریز اس خیال سے کر رہا ہے کہ علمائے شریعت فیصلہ حق کے مطابق نہیں کریں گے تو یہ وہ بے جا سوءِ ظن ہے جس سے قرآنِ عزیز اجتناب کا حکم دیتا ہے: یایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرًا من الظن ان بعض الظن اثم۔ (الآیہ) فقط واللہ اعلم

خواتین کا زیارتِ قبور کے لیے جانا

سوال: محترم مفتی صاحب! چہ می فرمایند علماءِ دین دریں مسئلہ کہ رفتنِ مستورات برائے زیارتِ قبور جائز است یا ممنوع است؟ اس مسئلہ کی مکمل تشریح بمعہ حوالہ جات درکار ہے؟

الجواب: عورتوں کے لیے زیارتِ قبور کا حکم مذہبِ مفتی بہ کے مطابق عدمِ جواز کا ہے۔ دراصل اس مسئلہ میں دو حدیثیں ہمارے سامنے ہیں، ایک وہ روایت ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زائرات

القبور۔ (الحدیث) "حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو قبروں پر جاتی ہیں"۔ دوسری حدیث وہ ہے جو سُنن ابو داؤد وغیرہ کتبِ حدیث میں مذکور ہے جس سے عام رخصت ثابت ہوتی ہے، اور وہ حدیث یہ ہے: کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا لانھا تذکرۃ الآخرۃ۔ (الحدیث) ۔ مجوزین حضرات فرماتے ہیں کہ حدیثِ ابن عباسؓ سے جو لعن ثابت ہوتا ہے وہ اس وقت کا حکم ہے جبکہ زیارت القبور سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہی فرمائی تھی اور جب نہی منسوخ ہوگئی تو خواتین کو رخصت مل گئی، جیسی کہ مردوں کو حاصل تھی ۔۔۔ اور مانعین حضرات فرماتے ہیں کہ خواتین کے حق میں نہی اب تک باقی ہے بوجہ ان سے قلتِ صبر اور کثرتِ جزع کے، اور یہی وجہ ہے کہ خاص کر حدیث میں ان کا ذکر ہوا۔ چنانچہ فتح ابو داؤد حاشیہ ابو داؤد میں ہے: قیل کان ذٰلک حین النھی ثم اذن لھن حین نسخ النھی وقیل لبقین تحت النھی لقلۃ صبرھن وکثرۃ جزعھن وھو الاقرب الی تخصیصھن بالذکر ۔۔۔ اور ملا علی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ فی شرح السنۃ قیل ھٰذا قبل الترخیص فلما رخص دخل فی الرخصۃ الرجال والنساء وقیل بل نھی النساء باق لقلۃ صبرھن وکثرۃ جزعھن۔ لیکن ظاہر حدیث کا مؤید اسی قول کا ہے کہ نہی ان کے حق میں باقی ہے ۔۔ مگر اس عموم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت جمہور علماء کے نزدیک مستثنیٰ ہے یعنی آں حضرتؐ کی قبر کی زیارت سب کو جائز ہے، خواہ مرد ہو خواہ عورت۔

حضرت مولانا شاہ اسحٰق رحمۃ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ عورتوں کو زیارتِ قبور ساتھ قول صحیح تر کے مکروہ تحریمی ہے، چنانچہ کتاب "مستملی" میں لکھا ہے کہ "مستحب ہے زیارت القبور مردوں کو اور مکروہ ہے عورتوں کو اور کتاب مجالس واعظیہ سے"۔۔ مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ میں نقل کیا گیا ہے کہ عورتوں کو حلال نہیں کہ نکلیں طرف مقابر کے، کیونکہ روایت کی گئی ہے ابوہریرہؓ سے: انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لعن زوارات القبور ۔۔۔۔ اور "نصاب الاحتساب" میں آیا ہے کہ قاضی عیاضؒ سے پوچھا گیا نکلنے عورتوں کے طرف مقابر کے اور اس کی خرابی وقباحت کے متعلق، پس کہا انھوں نے کہ اے سائل مت پوچھ اس کے جواز و فساد سے بلکہ اس گناہ کی مقدار سے پوچھ۔ جو اس کو لاحق ہوتی ہے لعنت سے اور سمجھ لے کہ جب عورت ارادہ کرتی ہے نکلنے کا طرف مقابر کے تو ہوتی ہے بیچ لعنت کے اللہ تعالےٰ اور

ملائکہ کے اور ہر طرف اس کے شیاطین لگ جاتے ہیں اور جب آتی ہے قبر پر لعنت کرتی ہے اس پر روح میّت کی، اور جب پھرتی ہوتی ہے پہنچ لعنت اللہ تعالیٰ کے یہاں تک کہ واپس پہنچ جاتی ہے ـــــ اور حدیث میں آیا ہے کہ جو عورت گھر میں بیٹھے مُردوں کے حق میں دُعا کرتی ہے تو اسے حج وعمرہ کا ثواب ملتا ہے ـــ حضرت سلمانؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک روز مسجد سے نکلے اور آکر گھر کے دروازے پر کھڑے ہوئے اتنے میں سیدہ فاطمۃ الزہرؓا تشریف لے آئیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیٹی! کہاں سے آرہی ہو؟ عرض کیا فلاں عورت فوت ہو گئی تھی اُن کے گھر گئی تھی، فرمایا حضورؐ نے کیا اس کی قبر پر بھی گئی تھی؟ حضرت فاطمۃ الزہرؓا نے کہا کہ معاذ اللہ! جبکہ ایک چیز کی ممانعت میں نے آپ سے سُنی پھر وہ کام کیسے کر سکتی ہوں؟ پس حضور اکرمؐ نے فرمایا اگر تو اس کی قبر پر جاتی تو نہ پاتی خوشبو جنّت کی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ مالا بدمنہ میں لکھتے ہیں کہ زیارت قبور مردوں کو جائز ہے نہ عورتوں کو۔ انتہیٰ

علماء کی ان تحقیقات اور روایات مشتمل بر وعیدات کے پیشِ نظر آجکل کے پُرفتن دور میں جہاں ہر طرف سے مستورات کی عصمت دری کے لیے شیطانی دروازے کھلے ہیں، اس بناء پر فتویٰ اس پر ہے کہ عورتوں کے لیے زیارت قبور کے واسطے جانا جائز نہیں بلکہ حرام ہے۔ ھٰذا ما عندی واللہ اعلم۔

ایصالِ ثواب اور تخصیصِ ایام کے بارے میں چند سوالات

سوال:- جناب مفتی صاحب! ایصالِ ثواب کے بارے میں مندرجہ ذیل سوالات کا جواب شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں عنایت فرمائیں، مہربانی ہوگی:

(۱) میت اور زندہ کے لیے قرآن شریف ختم کرنے میں کچھ فرق ہے یا نہیں؟ اور اس میں کھانے وغیرہ پکانے کو ضروری سمجھنے کا کیا حکم ہے؟

(۲) صدقہ اور نذر پر ختم قرآن شریف کر کے لوگوں کو کھلانے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ نیز بعض علماء نے قرآن پر اُجرت لینے کو جائز کہا ہے اور اس کو وہ اجرت کے مسئلہ پر محمول کرتے ہیں، اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

(۳) بارہ وفات (۱۲ ربیع الاول) کے دن اکثر لوگ ایک جگہ جمع ہو کر تبلیغ وغیرہ کرتے ہیں اور

اکثر لوگ ان دنوں میں صدقہ وخیرات کو ضروری اور بہتر سمجھ کر خاص کر بارہویں تاریخ کو نکال دیتے ہیں اور جہاں تبلیغ وغیرہ ہو رہی ہوتی ہے اس میں بڑے بڑے علماء اور خواص و عام، غنی اور فقیر سب موجود ہوتے ہیں اُن میں صدقہ وخیرات کی وہ چیزیں تقسیم کر دیتے ہیں، شریعتِ مطہرہ میں ان افعال کی کیا حیثیت ہے ؟

(۴) ماہِ صفر کے آخری چہارشنبہ میں جو چُوری روزہ اور خیرات وغیرہ کرنے کا لوگ خصوصی اہتمام کرتے ہیں اس کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ مذکورہ بالا سوالات کے جوابات ترتیب وار حاضر ہیں۔

(۱، ۲) میت اور زندہ کے لیے قرآن مجید کا ختم کرنے میں فرق ضرور ہے اور اس پر اجرت لینے میں بھی تفصیل ہے، چاہے نقدی کی صورت میں ہو یا کھانا وغیرہ کھانے کی صورت میں ہو کتبِ فقہ کی تصریحات سے واضح ہے، فقہاء کرام نے صاف لکھا ہے کہ قرآن مجید پڑھانے اور تعلیم کی اجرت جائز ہے۔ قدماء حنفیہ منع کرتے تھے مگر متاخرین نے جواز کا فتویٰ دیا ہے بسبب اندیشۂ تلف علم کے، علوم دین اور قرآن کی تعلیم پر اجرت لینا اہل حدیث سے نکلتا ہے، اس میں تو بحث کی کوئی ضرورت نہیں، جبکہ میت کے ایصالِ ثواب کے لیے قرآن مجید پڑھنے پر اجرت لینا حرام ہے، کیونکہ یہ اجرت علی الطاعۃ ہے، تعلیم کی اجرت تو ضرورۃً جائز کی گئی ہے، ایصالِ ثواب میں نہ ضرورت ہے نہ کوئی حرج دین و دنیا کا مقصود ہے لہٰذا قرآن پڑھ کر ثواب پہنچانے کی اجرت کسی کے نزدیک بھی حلال نہیں، اگر سانپ یا بچھو کے کاٹے پر پڑھ کر یا کسی دوسرے مریض پر پھونکا جائے جس کو رقیہ کہتے ہیں تو یہ علاج ہے نہ کہ عبادت اور ایصالِ ثواب طاعت ہے۔ مزید تفصیل شامی وغیرہ سے معلوم ہو سکتی ہے، نیز فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ رمضان شریف میں جو قرآن شریف تراویح اور نوافل میں سنایا جاتا ہے اُس کی اُجرت لینی دینی دونوں حرام ہیں ۔۔۔ اور فتاویٰ رشیدیہ میں حضرت گنگوہیؒ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر حافظ کے دل میں لینے کا خیال نہ تھا اور پھر کسی کچھ دیا تو درست ہے اور جو حسبِ رواج وعرف دیتے ہیں، حافظ بھی لینے کے خیال سے پڑھتا ہے اگرچہ زبان سے کچھ نہیں کہتا تو درست نہیں۔

(۳) اس میں شک وشبہ کی ادنیٰ سی بھی گنجائش نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشق ومحبت اور عقیدت عین ایمان ہے اور آپ کی ولادتِ باسعادت سے لے کر وفات تک زندگی

کے ہر شعبے کے صحیح حالات اور واقعات اور آپ کے اقوال و افعال کو پیش کرنا باعثِ نزولِ رحمتِ خداوندی ہے، اور ہر مسلمان کا یہ فریضہ ہے کہ وہ آپ کی حیاتِ طیبہ کے حالات و واقعات معلوم کرے اور ان کو مشعلِ راہ بنائے۔ سال کے ہر مہینہ میں اور مہینہ کے ہر ہفتہ میں اور ہفتہ کے ہر دن میں اور دن کے ہر گھنٹہ اور ہر منٹ میں کوئی وقت ایسا نہیں کہ جس میں آپؐ کی زندگی کے حالات بیان کرنے اور سننے ممنوع ہوں، یہ بات محلِ نزاع نہیں ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا ربیع الاوّل کی بارہویں تاریخ کو متعین کر کے اس میں میلاد منانا، محافل و مجالس منعقد کرنا، جلوس نکالنا یا اس دن کو مخصوص کر کے فقراء اور مساکین کو کھانا کھلانا وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرامؓ اور اہلِ خیر القرون سے ثابت ہے؟ اگر ثابت ہے تو کسی کو اس میں پس و پیش کرنے کا ہرگز حق حاصل نہیں۔ کیونکہ جو کچھ انہوں نے فعلاً یا قولاً کیا وہی دین ہے اور اس کی مخالفت بے دینی ہے۔ تیئس ۲۳ سال آپؐ بعد از نبوّت قوم میں زندہ رہے، اور پھر تیس ۳۰ سال خلافت راشدہ کے گذرے ہیں، اور پھر ۱۱۰ھ تک صحابۂ کرامؓ کا دور رہا ہے، کم و بیش دو سو بیس ۲۲۰ برس تک اتباعِ تابعین کا دور اور زمانہ تھا۔ عشقِ رسولؐ ان میں کامل تھا، محبت ان میں زیادہ تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام اور تعظیم ان سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے؟ اگر کوئی ہمت کر کے ان سے مذکورہ بالا افعال کا کرنا ثابت کر دے تو "چشمِ ماروشن دلِ ماشاد" کسی مسلمان کو اس سے سرِ مُو اختلاف نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی خیر القرون سے اس کا ثبوت پیش نہ کر سکے اور تا قیامت نہ کر سکے گا۔ تو سوال یہ ہے کہ باوجود محرک اور سبب کے یہ مبارک اور کارِ ثواب عمل اس وقت کیوں نہ ہوا اور آج یہ کیسے مبارک اور کارِ ثواب ہوا؟ وہ تمام فوائد و برکات اور منافع اس وقت بھی تھے جن کو آج لوگ بیان کرتے ہیں ؎

بمصطفٰیؐ برساں خویش را کہ ہمہ اوست   اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

محفلِ میلاد، مجلسِ میلاد اور چیز ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفسِ ذکرِ ولادتِ باسعادت اور چیز ہے، اول بدعت ہے اور ثانی مستحب اور مندوب ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تحریر فرماتے ہیں: "نفسِ ذکرِ ولادت مندوب ہے اس میں کراہت قیود کے سبب سے آتی ہے۔" (فتاوٰی رشیدیہ ص) حضرت گنگوہیؒ مزید لکھتے ہیں: "نفسِ ذکرِ ولادتِ فخرِ دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مندوب ہے مگر بسبب انضمام ان قیود کے یہ مجلس ممنوع ہو گی۔" (فتاوٰی رشیدیہ ص)
اسی طرح علامہ ابن امیر الحاج مالکیؒ نے مدخل میں پوری صراحت اور وضاحت سے اس کی

تردید کی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ومن جملة ما احدثوه من البدع مع اعتقادهم ان ذلك من اكبر العبادات واظهار الشعائر ما يفعلونه فى الشهر الربيع الاول من المولد وقد احتوى ذلك على بدع ومحرمات الى ان قال وهذه المفاسد مرتبة على فعل المولد اذا عمل بالسماع فان خلا منه وعمل طعاما فقط ونوى به المولد ودعا اليه الاخوان وَسَلِمَ من كل ما تقدم ذكره فهو بدعة بنفس نيته فقط، لان ذلك زيادة فى الدين وليس من عمل السلف الماضيين واتباع السلف اولى۔

اور امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ "حسن المقصد فی عمل المولد" میں لکھتے ہیں: ليس فيه نص ولكن فيه قياس۔

اسی طرح علامہ عبدالرحمٰن مغربیؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں: ان عمل المولد بدعة لم يقل به ولم يفعله رسول الله صلعم والخلفاء والائمة۔

یہ مختصر طور پر مروجہ میلاد کی حقیقت ہے جو آپ پر ظاہر کر دی گئی۔

(۴) آخری چہار شنبہ (ماہِ صفر) کی چوری اور خیرات کرنے کا جو لوگ خاص خیال رکھتے ہیں اس کا بھی کچھ ثبوت نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "صفر کے آخری چہار شنبہ کو اکثر عوام خوشی و سرور اور اطعام الطعام کرتے ہیں، شرعاً اس باب میں کچھ ثبوت نہیں ہے، جہلاء کی باتیں ہیں" (فتاویٰ رشیدیہ صـــ)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ "امداد المفتین" میں لکھتے ہیں: "یہ بات بالکل بے اصل ہے اور غلط ہے بلکہ حدیث میں ماہ صفر کا کوئی خاص اہتمام کرنے کی مخالفت وارد ہے: قال علیہ السلام لا هامة ولا صفر (الحدیث) مسلمان کا بڑا کام اور سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے اور اتباع کرنے میں اس کو اچھی طرح علماء سے تحقیق کرنی چاہیئے کہ یہ فعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں، سُنی سنائی باتوں سے اتباع کرنا گناہ ہے۔ (امداد المفتین صـــ)

اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "فتاویٰ عزیزیہ" میں لکھا ہے کہ: "اس کا کچھ ثبوت نہیں ہے اور یہ بدعت ہے"۔

فقط واللہ اعلم

اپریل فول منانے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک! کئی دنوں سے اپریل فول کے حوالے سے ایک سوال ذہن میں اُبھر رہا ہے کہ ملکِ عزیز پاکستان میں ہر سال یکم اپریل کو لوگ بلا وجہ ایک دوسرے کے گھروں اور دوکانوں وغیرہ پر جھوٹی حادثاتی خبریں پہنچاتے ہیں جنہیں سُنکر بعض کمزور دل والوں کی موت بھی واقع ہو جاتی ہے، اور بعض لوگوں کا مالی نقصان بھی ہوتا ہے، کئی لوگ بیمار بھی پڑ جاتے ہیں، اس فعل کو لوگ اپریل فول کہتے ہیں (یعنی لوگوں کو بلا وجہ مصیبت میں مبتلا کر کے خود خوش ہونا) اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ شریعت میں اس مذموم فعل (اپریل فول) کی کیا حیثیت ہے؟ کیا اس کو بنیاد بنا کر لوگوں کا جانی و مالی نقصان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلامی نظام ایک ایسا نظام ہے جس میں دھوکا، فریب اور دُوسرے لوگوں کا بلا وجہ نقصان کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے اور نہ اسلامی تعلیمات میں کسی کو اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ کسی دوسرے شخص کا اپریل فول وغیرہ جیسی فضول رسم کا سہارا لیکر جانی و مالی نقصان کر کے خوش ہوتا پھرے جبکہ اسلامی نظام نے تو ہر ایک (مسلم اور غیر مسلم ذمی) کی جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کا درس دیا ہے اور کسی کو بلا وجہ دُکھ اور تکلیف دینا حرام قرار دیا ہے، لاضرر ولاضرار فی الاسلام۔ (الحدیث)

اسلام نے دوسروں سے جھوٹ بولنے کو بھی حرام قرار دیا ہے بلکہ جھوٹ کو منافق کی نشانیوں میں سے شمار کیا ہے۔ آیة المنافق ثلاثة اذا حدث کذب اذا ائتمن خان واذا وعد اخلف (الحدیث) اور غیر کے جان و مال کے تحفظ کے لیے واضح قانون جاری فرمایا: من قال لا الہ الا اللہ عصم منی دمارہ واموالہ الا بحقہ (الحدیث)

خلاصہ یہ کہ لوگوں کے نفوس (جانوں) اور اموال کا جتنا تحفظ اسلامی قانون میں ہے دُنیا کے کسی اور قانون میں نہیں ــــ آجکل بلکہ زمانہ قدیم سے ہر سال یکم اپریل کو جو فول منایا جاتا ہے اس میں مذکورہ بالا تمام خرابیاں موجود ہیں جس کی وجہ سے شرعاً اس (فول) کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان خرابیوں کے علاوہ اپریل فول میں صنم پرستی کا توہم بھی موجود ہے اور یہودیوں کے ساتھ توہینِ رسالت میں مشابہت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمسخر جیسے قبیح امور بھی شامل ہیں۔ اس لیے کہ تاریخ میں اس فول کی وجہِ تسمیہ کے بارے میں تین قسم کے اقوال پائے جاتے ہیں۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ فرانس میں سترھویں صدی عیسوی سے پہلے سال کا آغاز

یکم جنوری کے بجائے یکم اپریل سے ہوا کرتا تھا، اس مہینے کو رومی لوگ اپنی دیوی وینس کی کی طرف منسوب کر کے مقدس سمجھا کرتے تھے جس کا ترجمہ یونانی زبان میں APHRO DITE کیا جاتا تھا اور شاید اسی یونانی نام سے مشتق کر کے مہینے کا نام اپریل رکھ دیا گیا ہے۔

(برٹانیکا، پندرہواں ایڈیشن جلد ۸ ص۲۹۲ بحوالہ ذکر و فکر ص۶۷)

اس لحاظ سے صنم پرستی کا توہم اس (اپریل فول) میں پایا جاتا ہے، اس لیے مسلمانوں کو ان توہمات سے بھی دور رہنے کی اشد ضرورت ہے۔

بعض نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ۲۱ مارچ سے موسم میں تبدیلیاں آنی شروع ہوجاتی ہیں، ان تبدیلیوں کو بعض لوگوں نے اس طرح تعبیر کیا کہ (معاذ اللہ) قدرت ہمارے ساتھ مذاق کر کے ہمیں بیوقوف بنا رہی ہے، لہٰذا لوگوں نے بھی اس زمانے میں ایک دوسرے کو بیوقوف بنانا شروع کر دیا۔ (برٹانیکا ج ۱ ص۴۹۶ بحوالہ ذکر و فکر ص۶۷)

تاریخ کے اس حوالہ سے (نعوذ باللہ) قدرت سے انتقام لینا مستفاد ہوتا ہے جو صریح کفر ہے۔

ایک وجہ یہ بھی لکھی گئی ہے کہ یکم اپریل وہ تاریخ ہے جس میں یہودیوں اور رومیوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمسخر اور استہزاء کا نشانہ بنایا گیا، موجودہ نام نہاد اور محرف انجیلوں میں بھی اس واقعہ کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، لوقا کی انجیل کے الفاظ یہ ہیں کہ:—

"اور جو آدمی اسے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو) گرفتار کیے ہوئے تھے اس کو ٹھٹھے میں اڑاتے اور مارتے تھے اور اس کی آنکھیں بند کر کے اس کے منہ پر طمانچے مارتے تھے اور اس سے یہ کہہ کر پوچھتے تھے کہ نبوت (الہام) سے بتا کس نے تجھ کو مارا؟ اور طعنے مار مار کر بہت سی اور باتیں اس کے خلاف کہیں" (لوقا ۲۲: ۶۳-۶۵)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہودی اس شرمناک اور توہینِ رسالت پر مبنی واقعہ کی یاد میں اپریل فول مناتے ہیں ــــ اور بعض محققین کا کہنا ہے کہ اس دن سپین سے اسلامی خلافت کا مکمل طور پر خاتمہ ہوا تھا جس کی خوشی میں عیسائی یہ دن مناتے ہیں اور اس دن ان کو مکمل آزادی ہوتی ہے۔

اسلئے مسلمانوں کو اس قسم کے بیہودہ اور اسلامی تعلیمات کے مخالف تہوار نہیں منانا چاہئیں اگر کسی نے اس قسم کا تہوار منا کر دوسروں کی جانی یا مالی نقصان کیا تو وہ عند اللہ اور عند الناس مجرم ہے اور اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے شخص کو سخت سزا دے۔ (واللہ اعلم)

بسنت کا تہوار منانا جائز نہیں

سوال: جناب مفتی صاحب دار العلوم حقانیہ! ملکِ عزیز پاکستان کے اکثر شہروں اور دیہاتوں خصوصاً اہلیانِ لاہور موسمِ بہار کی آمد کے موقع پر ایک موسمی تہوار بسنت کے نام سے بڑے جوش و خروش سے مناتے ہیں، امسال تو سرکاری سطح پر اس تہوار کو منانے کا انتظام ہو رہا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کے تہوار منانا شریعت مقدسہ کی رُو سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خوشی کا کوئی بھی تہوار جس میں کسی غیر شرعی قباحت کا ارتکاب نہ ہو رہا ہو اور نہ کسی غیر اسلامی مذہب کا جزء ہو تو صرف اظہارِ مسرت کی حد تک منانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں خود اسلام میں عیدین (عید الفطر اور عید الاضحیٰ) کو تہوار کے طور پر منانے کا حکم موجود ہے مگر جس تہوار کا کسی غیر اسلامی مذہب سے تعلق ہو مسلمانوں کو ان تہواروں سے من تشبہ بقوم فھو منھم (الحدیث) کی بناء پر منع کیا گیا ہے۔ بسنت کا تہوار منانے میں دیگر محرمات کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ یہ علت بھی موجود ہے کہ ہندوؤں کا مذہبی تہوار ہے۔

مشہور محقق اور مسلم سائنسدان علامہ ابوریحان البیرونیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "کتاب الہند" میں بسنت کے بارے میں لکھا ہے کہ: "اسی مہینہ میں استواء ربیعی ہوتا ہے جس کا نام بسنت ہے، اس کے حساب سے اس وقت کا پتہ لگا کر اس دن عید عید کرتے ہیں اور برہمنوں کو کھلاتے ہیں، دیوتاؤں کی نذر چڑھاتے ہیں۔

(کتاب الہند باب ۷۶ ص ۳۶۷)

اس دن کو تہوار منانے کی حقیقت یہ ہے کہ ہندوں کے سبزے کی دیوی کو کسی نے اغواء کیا تھا اور اغوا کار اس کو زیرِ زمین لے گیا تھا، اس دیوی کا عاشق اُسے تلاش کرتا رہا اور تین ماہ کی مسلسل کوشش کے بعد دیوی کو رہا کرانے میں کامیاب ہو گیا، دیوی کے رہا ہونے کے بعد دوبارہ ہریالی شروع ہو گئی، اس لیے ہندو اس کی رہائی اور ہریالی دوبارہ شروع ہونے کی خوشی میں اس دن کو بسنت کے نام سے مناتے ہیں۔

اس کے برعکس پاکستان کے اکثر شہروں خصوصاً لاہور میں اس دن (بسنت) کو زیادہ زور و شور کے ساتھ منانے میں ایک اور علت بھی شامل ہے جس کی وجہ سے بھارت میں بسنت کی کہانی ہر سکول میں پڑھائی جاتی ہے، وہ کہانی کچھ یوں ہے کہ مُغل دورِ حکومت میں لاہور میں "حقیقت رائے" نامی ایک ہندو طالب علم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی

شانِ اقدس میں دشنام طرازی کی، قاضی وقت نے اس کو پھانسی کی سزا سنائی، چنانچہ لاہور ہی کے علاقہ گھوڑے شاہ میں واقع سکھ نیشنل کالج کی گراؤ میں "حقیقت رائے" کو پھانسی دیدی گئی۔ ہندوؤں نے اس کو ایک تاریخی واقعہ کی حیثیت دے کر خوشی کے طور پر بسنت کے نام سے منانا شروع کر دیا کہ ان کے ایک نوجوان نے اپنے مذہب کے لیے اتنی قربانی دی کہ پھانسی کی سزا سے بچنے کے لیے اسلام قبول کرنے کی تجویز کو مسترد کرتے ہوئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کر دیا۔

لہٰذا ان حقائق اور واقعات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بسنت کوئی موسمی تہوار نہیں بلکہ یہ ہندوں کا مذہبی تہوار ہے، مسلمانوں کے لیے اس تہوار کو منانا اور اس میں شرکت کرنا جائز اور صحیح نہیں ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ حکومت اس تہوار کو سرکاری طور پر منانے کا جو ارادہ رکھتی ہے شرعاً صحیح نہیں کر رہی، یہ نہ صرف غیرتِ ایمانی کا تقاضا ہے بلکہ حکومت اسلامی کی ذمہ داری ہے کہ وہ بسنت سمیت دیگر تمام غیر اسلامی تہواروں پر فوراً پابندی لگا دے تاکہ اس سے غیر مسلموں کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔

کتاب
العلم

قال الله تعالیٰ یرفع الله الذین آمنوا
منکم والذین اوتوا العلم درجات

کتاب العلم
(علم کے احکام ومسائل)

لاؤڈ سپیکر پر درسِ قرآن دینے کا حکم

سوال :- لاؤڈ سپیکر پر تلاوتِ قرآن، نعت خوانی یا قرآن مجید کا درس دینا بعض اوقات مخلوقِ خدا کی ایذاء رسانی کا باعث بن جاتا ہے، کیا اس طرح لاؤڈ سپیکر کا استعمال شرعاً جائز ہے؟

الجواب :- قرآنِ مجید کا درس دینا، تلاوت کرنا اور نعت خوانی وغیرہ خواہ لاؤڈ سپیکر سے ہو یا اس کے بغیر، کارِ خیر اور موجبِ اجر وثواب ہے تاہم اگر اس سے خلقِ خدا کو ایذاء پہنچتی ہو اور قرآن کی بے حرمتی ہوتی ہو تو ایسا کرنا مکروہ اور گناہ کا سبب ہے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاريؒ : وعلىٰ هذا لو قرأ على السطح فى الليل جهرًا والناس ينام يأثم اى فالاثم على القارى۔ (خلاصة الفتاوى ج۱ ص۱۰۳ فصل فى القرأة)[1]

قرآنِ مجید کے بوسیدہ اوراق کی حفاظت کا طریقہ

سوال :- قرآنِ کریم اور دیگر اسلامی کتابوں کے بوسیدہ اوراق کو جلانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جلانا جائز نہیں تو ایسے اوراق کی حفاظت کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب :- قرآنِ کریم اور دیگر دینی کتابوں کا ادب واحترام ہر مسلمان کی دینی ذمہ داری ہے، چونکہ ان کے بوسیدہ اوراق جلانے میں سوءِ ادب ہے اس لیے قرآنِ کریم اور دیگر دینی کتب کے بوسیدہ اوراق کو کسی محفوظ مقام پر دفن کر دیا جائے یا پھر دریا بُرد کر دیا جائے تو بہتر ہے، جلانا شرعاً مناسب نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدينؒ : المصحف اذا صار خلقا وتعذر القرأة منه لا

---

[1] لما قال العلامة ابن الهمامؒ : وعلىٰ هذا لو قرأ على السطح فى الليل جهرًا والناس ينام يأثم۔ (فتح القدير ج۱ ص۲۹۸ كتاب الصلوٰة فصل فى صفة الصلوٰة)
ومثلهٗ فى البحر الرائق ج۱ ص۳۴۳ كتاب الصلوٰة۔ فصل فى صفة الصلوٰة۔

يحرق بالنار، اليه اشار محمد وبه ناخذ ولا يكره دفنه وينبغي ان تلف بخرقة طاهرة و يلحد له ۔ (ردّ المحتار ج ۶ ص ۴۲۲ كتاب الحظر والاباحة۔ فصل فی البیع) [1]

کسبِ معاش کے لیے تدریس کو چھوڑنا

سوال:۔ اگر کسی شخص کا گذارہ تدریس کی تنخواہ پر مشکل ہو تو کیا ایک عالم دین تدریس کو چھوڑ کر دنیوی کاروبار شروع کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تنخواہ پر گذارہ نہ ہونا ایک مبہم حقیقت ہے، ایسی صورت میں اپنی ضروریات پر نظرِ ثانی کر کے اخراجات کو محدود کرنا چاہیئے اور غیر ضروری اخراجات سے اجتناب کرنا بہتر ہے تاکہ تدریس جیسی مقدس عبادت سے تعلق منقطع نہ ہو، تاہم اگر اہل وعیال کا نان ونفقہ تدریس کی تنخواہ سے پورا ہونا مشکل ہو اور جزوی اوقات میں متبادل ذرائع آمدن کا اختیار کرنا ممکن نہ ہو تو پھر نفقہ کی تلاش میں تدریس کو چھوڑ دینا ناجائز نہیں ہے اس لیے کہ تدریس فرض کفایہ ہے اور اہل وعیال کے نفقہ کا بندوبست کرنا فرضِ عین ہے۔

لما قال الله تعالىٰ: وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝ (سورة التوبة آیت ۱۲۲) [2]

لڑکیوں کے لیے عصری تعلیم کا حکم

سوال:۔ عصرِ حاضر میں لڑکیوں کے لیے سکول، کالج میں تعلیم حاصل کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ مستورات کی تعلیم وتعلم کے بارے میں شریعتِ مقدسہ کی رائے مثبت

---

[1] لما في الهندية: والمصحف اذا صار خلقاً لا يقرأ منه ويخاف ان يضيع يجعل في خرقة ويدفن ودفنه اولیٰ من وضعه موضعاً يخاف ان يقع عليه النجاسة او نحو ذلك ويلحد له ۔

(الفتاوىٰ الهندية ج ۵ ص ۳۲۲ الباب الخامس في آداب المسجد والقبلة والمصحف)

[2] لما قال العلامة جلال الدين السيوطیؒ: قوله تعالىٰ (وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً۔ الآية) فيها ان الجهاد فرض كفاية وان التفقه في الدين وتعليم الجهال كذلك ۔ (الاكليل في استنباط التنزيل ص ۱۲۳ سورة التوبة)

ہے بشرطیکہ حدود اللہ کی رعایت ہو۔ تاہم عصرِ حاضر میں پردہ وغیرہ کے فقدان کی بناء پر خواتین کا سکول وکالج میں تعلیم حاصل کرنا بے شمار مفاسد کے لیے راہ ہموار کرنے کا ذریعہ ہے، البتہ اگر بچیوں کو مستقل طور پر مستورات ہی کے ذریعہ تعلیم دی جائے اور مفاسد کا انسداد ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال الشیخ المحدث علی بن سلطان محمد القاریؒ : تحت قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا تعلمین ھٰذہ رقیۃ النملۃ لما علمتیھا الکتابۃ) قال الخطابی فیہ دلیل علیٰ ان تعلم النساء الکتابۃ غیر مکروہ قلت یحتمل ان یکون جائزا للسلف دون الخلف لفساد النسوان فی ھٰذا الزمان۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۸ ص۳۶۴ باب الرقی)[۱]

تعلیم وتہذیب سکھانے کے لیے کمسن بچے کو سزا دینا

سوال:- ایک بچے کی عمر دس سال ہے لیکن تعلیم وتہذیب سیکھنے میں اس کا جی نہیں لگتا، وقت ضائع کرنے کا عادی ہے، کیا ایسے بچے کو مارنا زجراً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- شریعتِ مقدسہ نے اپنی اور اہل وعیال کو تعلیم وتہذیب سکھانے کی ترغیب دلائی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا ہے کہ "اے ایمان والو! تم خود بھی جہنم کی آگ سے بچو اور اپنے اہل وعیال کو بھی بچاؤ" اور یہ تب ہو گا جب بچوں کو تعلیم وتہذیب اور ادب سکھایا جائے اور ظاہر ہے کہ تعلیم وتعلم کے لیے بعض اوقات بچوں پر سختی بھی کرنی پڑتی ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر اس بچے کا تعلیم میں جی نہیں لگتا اور وقت ضائع کرتا ہے تو زجراً اس کو سزا دینا مرخص ہے بلکہ اس میں ثواب کی بھی امید ہے، تاہم سزا میں اتنا مبالغہ نہ ہو کہ جسمانی نقصان یا دل شکنی کا ذریعہ بن جائے۔

---

[۱] رواہ الامام محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ : عن ابی سعید الخدریؓ قال قال النساء للنبی صلی اللہ علیہ وسلم غلبنا علیک الرجل فاجعل لنا یوماً من نفسک فوعدھن یوماً لقیھن فیہ فوعظھن وامرھن الخ۔ (الصحیح البخاری ج۱ ص۲۰ باب ھل یجعل للنساء یوماً علیحدۃ فی العلم)
وَمِثْلُہٗ فی سنن ابی داؤد ج۲ ص۱۸۶ باب فی الرقی۔

لما قال اللہ تبارک وتعالیٰ :۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا۔
(پارہ ۲۸ سورۃ التحریم آیت ۶) [1]

اُستاد کا شاگرد کو سزا دینا

سوال :۔ کیا استاد کے لیے تعلیم و ادب کے واسطے اپنے شاگرد کو مارنا (سزا دینا) جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ استاد کا اپنے شاگرد کو مارنے (سزا دینے) کا حق حاصل ہے کیونکہ اہلِ خانہ نے تعلیم وتادیب کے واسطے بچے کو استاد کے حوالہ کیا ہوتا ہے، لیکن اُستاد کو سزا دینے میں اتنا مبالغہ نہیں کرنا چاہیئے کہ شاگرد کو جسمانی نقصان پہنچے یا اُستاد کی سختی کی وجہ سے بچہ تعلیمی میدان ہی چھوڑ دے بلکہ شاگرد کی اصلاح کے لیے استاد اُسے معمولی سزا دے سکتا ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ : ولو امر غیرہ بضرب عبدہ حل للمامور ضربہ بخلاف الحر قال فھذا تنصیص علیٰ عدم جواز ضرب الولد بامرہ بخلاف المعلم لان المامور یضربہ نیابۃً عن الاب لمصلحۃ ۔ (رد المحتار ج۳ ص۱۹۳ باب التعزیر) [2]

دینی علوم کے طالبعلم کے نفقہ کا حکم

سوال :۔ ایک طالب علم دینی مدرسہ میں دینی علم حاصل کر رہا ہے اور اس کا باپ غنی ہے، ضعیف بھی نہیں، تو کیا والد پر اس بچے کی ضروریات پورا کرنا لازمی ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ دین کا سیکھنا ہر مسلمان مرد و عورت کی ذمہ داری ہے تاکہ وہ اپنی ضروریاتِ دین سے واقف ہو کر صحیح طریقے سے اپنی زندگی بسر کرنے کے قابل ہو سکے، جو انسان دینی علم کے حاصل کرنے کے لیے نکلا ہو اور صحیح معنوں میں علم حاصل کر رہا ہو اور

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ : وفی القنیۃ له اکراہ طفله علیٰ تعلیم قرآن و ادب و علم لفریضۃ علی الوالدین۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۴ ص۸۷ باب التعزیر)
وَمِثْلُهٗ فی الاحکام الصغار علیٰ ھامش جامع الفصولین ج۱ ص۱۰ مطلب لیس للمعلم ان یضرب۔

[2] قال العلامۃ محمد بن محمود الاستروشنیؒ : بلغ الصبی عشر سنین یضرب لاجل الصلوٰۃ (بحذف یسیر) وکذا المعلم لیس له ان یجوز الثلاث ۔
(احکام الصغار علیٰ ھامش جامع الفصولین ج۱ ص۱۰ مطلب لیس للمعلم ان یضرب)

وقت ضائع نہیں کرتا ہو تو ایسے طالب علم کے والد پر اس کی جملہ ضروریات پوری کرنا ضروری ہے۔
لما قال العلامة ابن عابدینؒ: وکذا طلبة العلم اذا کانوا عاجزین عن الکسب لایہتدون الیہ لا تسقط نفقا تہم من آبائہم اذا کانوا مشتغلین با لعلوم الشرعیة۔
(تنقیح الفتاوی حامدیة ج۱ ص۷۲) [۱]

علماءِ دین کی توہین کرنا

سوال:۔ ایک شخص جو کہ بڑا بدزبان اور بداخلاق ہے، بغیر کسی سبب وجرم کے علماءِ دین کی توہین کرتا ہے اور ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا اور گالیاں بھی دیتا ہے، تو اس شخص کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں علماءِ دین کا بہت بڑا مقام ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ (سورۃ الزمر آیت ۹) یعنی عالم اور جاہل دونوں برابر نہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علماءِ کرام کو انبیاء علیہم السلام کا وارث قرار دیا ہے۔ قرآن اور حدیث سے عالم کا مقام نمایاں ہے اور ایک عالمِ دین سے بلا وجہ بغض وحسد رکھنا یقیناً بہت بڑا جرم ہے۔ اگر کوئی بلا کسی دنیوی واُخروی سبب کے کسی عالم کی توہین کرتا ہو اور اُسے گالیاں دیتا ہو تو مُلا علی قاریؒ اور دیگر علماءؒ کے نزدیک اس کی یہ حرکت موجبِ کفر ہے، اور اگر کسی دُنیوی وجوہات سے توہین کرتا ہو تو گنہگار اور فاسق ہے۔

قال العلامة ملا علی القاریؒ: من ابغض عالماً من غیر سبب ظاہر خیف علیہ الکفر قلت الظاہر انہ یکفر لانہ اذا ابغض عالماً من غیر سبب دنیوی اُو اُخروی فیکون بغضہ لعلم الشریعة ولا شك فی کفر من انکرہ فضلاً عمن ابغضہ۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۱۷۳) [۲]

---

[۱] لما فی الہندیة: وکذا طلبة العلم اذا کانوا عاجزین عن الکسب لا یہتدون الیہ لا تسقط نفقتہم عن آبائہم اذا کانوا مشتغلین با لعلوم الشرعیة۔
(الفتاوی الہندیة ج۱ ص۵۶۳ الفصل الرابع فی نفقة الاولاد۔
کتاب الطلاق)

[۲] قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ: من ابغض عالماً من غیر سبب ظاہر خیف علیہ الکفر۔ (خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۸۸ کتاب الفاظ الکفر)

ہر سال بلاوجہ مدرسہ تبدیل کرنا

سوال:۔ دینی مدارس کے بعض طالبعلموں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ ہر سال بلکہ سال میں دو تین مدرسے بدلتے ہیں جبکہ پہلے والے مدرسے میں ان کو ہر قسم کا آرام وراحت ملتا ہے، آب وہوا وغیرہ بھی موافق ہوتی ہے، اسباق بھی بہت اچھے ہوتے ہیں، اساتذہ بھی بڑے شفیق اور مہربان ہوتے ہیں، اس سب کچھ کے باوجود مدارس کی تبدیلی کا سلسلہ جاری رہتا ہے جس کی وجہ سے مدارس پر بہت برا اثر پڑتا ہے اور ان کی ساکھ بھی متاثر ہوتی ہے، شریعتِ مطہرہ کا اس بارہ میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ تمام تر سہولیات کے باوجود مدرسہ تبدیل کرنا نعمتِ خداوندی کی ناشکری ہے جو شرعاً جائز نہیں اس لیے بلا عذرِ شرعی اس سے اجتناب کیا جائے، جن طلباء کی یہ عادت ہوتی ہے اور ان کی وجہ سے مدارسِ دینیہ متاثر ہوتے ہوں وہ عنداللہ مسئول ہوں گے۔

لقولہ تعالیٰ: لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ۔ (سورۃ ابراہیم آیت ۷)

مالِ حرام کو صدقہ کرنا موجبِ ثواب ہے یا نہیں "تعارض کا حل"

سوال:۔ جنابِ مفتی صاحب! بعض کتابوں کے مطالعہ سے ایک اشکال ذہن میں آیا ہے کہ حرام مال کو صدقہ کرنا بھی حرام ہے اور ظاہر ہے کہ معصیت کے کاموں پر کوئی اجر وثواب نہیں ہوتا جبکہ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ حرام مال کو صدقہ کرنا موجبِ اجر وثواب ہے۔ تو اب اس تعارض کا کیا حل ہوگا؟

الجواب:۔ حرام مال کو ثواب کی نیت سے صدقہ کرنا معصیت اور گناہ ہے جبکہ بلا نیتِ ثواب صدقہ کرنا امرِ شارع علیہ السلام کی تعمیل ہے جو موجبِ اجر وثواب ہے، لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں، جن کتابوں میں معصیت لکھا ہے تو تصدق مالِ حرام بہ نیتِ ثواب مراد ہے اور جن میں اجر وثواب کا قول پایا جاتا ہے اس سے مراد بلا نیتِ اجر وثواب حرام مال کو صدقہ کرنا ہے۔

لما قال العلامة انور شاہ الکشمیریؒ:۔ اقول فی دفع التعارض ان ههنا شيئان احدهما ايتمار امر الشارع والثواب عليه والثانی التصدق بمال خبيث والرجاء من نفس المال بدون لحاظ رجاء الثواب من امتثال الشارع فالثواب انما يكون على ايتمار الشارع واما رجاء الثواب من نفس المال فحرام۔
(عرف الشذی علی الجامع الترمذی ج ۱ ص۳ باب ما جاء فی فضل الطهور)

فیض الباری کی ایک عبارت پر اشکال کا ازالہ

سوال :- بخدمت محترم المقام حضرت مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ العالی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ــــ جناب والا فیض الباری جلد۳ ص۳۹۵ کی اس عبارت کا مطلب آپ سے سمجھنا چاہتا ہوں، امید ہے آپ ضرور راہنمائی فرمائیں گے۔

واعلم ان فی التحریف ثلاثۃ مذاھب ذھب جماعۃ ان التحریف فی الکتب السماویۃ قد وقع بکل نحو فی اللفظ والمعنی جمیعًا وھو الذی مال الیہ ابن حزمؒ وذھب جماعۃ الی ان ان التحریف قلیل ولعل الحافظ ابن تیمیۃؒ جنح الیہ وذھب جماعۃ الی انکار التحریف اللفظی رأسًا فالتحریف عندھم کلہ معنوی قلت یلزم علی ھذا المذھب ان یکون القرآن ایضًا محرفًا فان التحریف المعنوی غیر قلیل فیہ ایضًا والذی تحقق عندی ان التحریف لفظی ایضًا اما انہ عن عمد منھم او لمغلطۃ فاللہ تعالی اعلم۔

مخطط (خط کشیدہ) عبارت پڑھ کر سر چکرا گیا ــــ ایک طرف محفوظیتِ قرآن کریم کا بنیادی اور قطعی یا ضروری عقیدہ وانا لہ لحافظون کے ماتحت قدیمًا وحدیثًا مفسرین کا ایک ایک حرف بلکہ زیر وزبر تک کی حفاظت کی تصریح ــــ امام ابن حزمؒ کی "الملل والنحل جلد۲ ص۸۰" کا یہ ارشاد ــــ ثم مات ابو بکرؓ وولی عمرؓ .... ان لم یکن عند المسلمین اذمات عمرؓ مائۃ الف مصحف من مصر الی العراق الی الشام الی الیمن فما بین ذلک فلم یکن اقل ثم ولی عثمانؓ فزادت الفتوح فلو رام احد احصاء مصاحف اھل الاسلام ماقدر.....
واعلموا انہ لو رام احد ان یزید فی شعر النابغۃ او شعر زھیر کلمۃ او ینقص اخری ماقدر لانہ کان یفتضح الوقت وتخالفہ النسخ المبثوثۃ فکیف القرآن فی المصاحف وھی من آخر الاندلس وبلاد البربر وبلاد السودان الی آخر السند وکابل وخراسان والترک والصقالیۃ وبلاد الھند فما بین ذلک فظھر حمق الرافضۃ ومجاھراتھا بالکذب الخ وقبل ذلک فی ص۷۸ واما قولھم فی دعوی الروافض تبدیل القرآت فان الروافض لیسوا من المسلمین۔

اور علامہ خفاجیؒ اور خود قاضی عیاضؒ کی "شفاء" اور "نسیم الریاض" کے اس فرمان (ج۴ ص۵۵۳ نسیم الریاض) وکذلک نکفر من انکر القرآن کلہ او انکر حرفًا منہ او کلمۃ او غیر شیئًا منہ بابدال او زیادۃ او نقص فیہ کلامًا لیس منہ اور اس سے قبل والمرتب

فی ذٰلک المعلوم من الدین بالضرورۃ والمنکر بعد البحث وصحبۃ المسلمین کافر بالاتفاق ولا یعذر بقولہ لا ادری الخ

بہر حال یہ اور اس جیسی بیسیوں بلکہ اس سے بھی زیادہ تصریحات کے باوجود جو ہم سب طالب علموں کو معلوم ہیں، حضرت شاہ صاحبؒ کے الفاظ بالا مخطّطہ کا مقصد کیا ہے؟ ــــ خدا کرے یہ میری ناسمجھی کا کرشمہ ہو، اور آپ کوئی ایسی تسلی بخش توجیہہ سے سرفراز فرماویں کہ اطمینانِ قلبی کی دولت حاصل ہو جائے ــــ نہ جانے میری فہم و عقل کو کیا ہو گیا کہ اس سے سخت پریشان ہوں اور بار بار رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا کی دعا کر رہا ہوں۔ دو چار شخصیتیں جن سے اُن کے روحانی اثرات کی اُمید بندھی ہوئی ہے، سے اپنا دُکھ عرض کر رہا ہوں جن میں سے آنجناب سے خصوصی طور پر پُر امید ہوں، اس وقت صرف آپ ہی کو عریضہ بھیج رہا ہوں اُمید ہے جلد دستگیری فرما کر ممنون فرمائیں گے ــــ مجھے خود حاضر ہو کر تشفی حاصل کر لینی چاہیئے تھی مگر دوں ہمتی مانع ہے ــــ اگر ان الفاظ کے یہی ظاہری معنی مراد ہیں جو میں سمجھ رہا ہوں کہ قرآنِ پاک میں لفظی تحریف موجود ہے (العیاذ باللہ) کیونکہ نہ تو فیہ کا مرجع کتبِ سماویہ سابقہ بن سکتی ہیں اور اسے فیھا کر کے کاتب کے سر ڈالا جائے، تو اما انہٗ عن محمد منہم او لمغلطۃ۔ اس سے مانع ہے کیونکہ ان کفار کی تحریف تو یقیناً عن محمد تھی۔ لقولہ تعالیٰ: تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥ (سورۃ البقرۃ آیت ــــ)

تو بہر حال کیا کسی مسلمان نے تحریف کا ارتکاب کیا ہے؟ (والعیاذ باللہ) اگر ایسا ہے تو بقول شفاء ان ھٰذا المنکر اذا جوز علیٰ جمیع الامۃ الوھم والغلط منا نقلوہ ..... دخل الامۃ انہ فی جمیع الشریعۃ اذھم الناقلون لیا وللقرآن وانحلت عری الدین۔ (نسیم الریاض ص ــ)
اور اگر معاذ اللہ بات یہی ہے جو ظاہر الفاظ سے سمجھی جا رہی ہے تو حاسدین اور اعداءِ دیوبندیین نے آج تک ان اکابر کے خلاف ان الفاظ کو اچھالا کیوں نہیں؟

اللّٰھم فلا تکلنا الیٰ انفسنا طرفۃ عینٍ ولا الیٰ احد من خلقک ولا اقل من ذٰلک واصلح لنا شاننا کلہ بجاہ نبیک المصطفیٰ وحبیبک المرتضیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ من الصلوٰۃ اکملھا ومن التسلیمات افضلھا۔

ناکارہ: عبد الکریم غفرلہ ولوالدیہ از نجم المدارس کلاچی

۲۰ جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ / ۲۸ دسمبر ۱۹۹۱ء

؎ دریں کتاب پریشاں چو بینی از ترتیب
عجب مدار کہ چوں حالِ من پریشان است

حضرت شاہ صاحبؒ کا تفرد اسے نہیں کہا جا سکتا کیونکہ قطعیات یا ضروریات میں تفرد کے کیا معنی؟ اگر ان الفاظ کو کہا جائے تو اس کے خلاف حضرتؒ کی کوئی صریح عبارت موجود ہو تو اس کی نشاندہی فرما دیں تاکہ تسلی ہو جائے؟

جواب از حضرت العلامۃ مفتی محمد فرید صاحب مدظلہٗ

محترم المقام جناب قاضی صاحب دامت برکاتکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

امابعد! پس جب آپ نے مجھ جیسے کم علم اور کم عمر پر اعتماد کیا ہے تو اس بنا پر اس اشکال کے ازالہ کے متعلق عرض ہے کہ میں نے حضرت شاہ صاحبؒ کے تلمیذ تحریر حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمن صاحب کاملپوریؒ سے سنا ہے کہ "فیض الباری" ہمارے شیخؒ کی امالی ہے اور باوجود سعی بلیغ کے اس میں بہت سی بیّن غلطیاں ہیں۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قبل الرفع سماء عمر کے متعلق اور قرض میں حوالہ کی عدم صحت کے متعلق وغیرہ۔ تو ان امالی کے تفردات میں غور سے کام لینا ضروری ہے۔

اس تحریف والی عبارت کے متعلق سال کے ابتداء میں ایک سوال آیا تھا، اس کا جواب یہ لکھا گیا تھا کہ شاہ صاحبؒ نے کتبِ سماویہ (سابقہ) کے متعلق دو مذہب ذکر کیے ہیں۔ اوّل یہ کہ ان میں تحریفِ لفظی اور معنوی دونوں قسم متحقق ہوتے ہیں۔ دوم یہ کہ ان میں تحریف لفظی واقع نہیں ہوئی ہے ان میں صرف تحریفِ معنوی متحقق ہوئی ہے۔ اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ اس دوسرے مذہب پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ قرآن مجید بھی محرّف ہے کیونکہ اس میں بھی تحریفِ معنوی واقع ہوئی ہے حالانکہ قرآن مجید محفوظ ہے۔ اور اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ مذہب اوّل کو ترجیح دیتے ہیں کہ کتبِ سماویہ میں تحریفِ لفظی بھی واقع ہوئی ہے، صرف مترجم نے مؤنث کی جگہ مذکر کی ضمیر لایا ہے وحق العبارۃ: "والذی تحقق عندی ان التحریف فیہا لفظی ایضاً" الخ ھو الموفق (محمد فرید عفی عنہ)

جواب از حضرت مولانا مفتی سیف اللہ حقانی صاحب مدظلہ العالی

آپ نے فیض الباری کی جس عبارت کی نشاندہی فرمائی ہے اس کے علاوہ بھی بعض دیگر عبارتیں موردِ اعتراض ہیں، مثلاً۔

(۱) واما رفعه فکان علی ثمانین سنة ۔ وصححه الحافظ فی الاصابة وھوالذی رجع الیہ السیوطی فی مرقاة الصعود۔ (فیض الباری ج ۳ ص ۲۶۳ کتاب البیوع ۔ باب قتل الخنزیر)

جبکہ خود الاصابة فی تمیز الصحابة کی عبارت ملاحظہ کیجئے: واختلف فی عمره منذ ولد الی ان رفع فقیل ثلاث وثمانون سنة وھذا اشھر وقیل اربع وثلاثون وفی مرسل سعید بن المسیب انه عاش ثمانین ذکره من روایة علی بن زید عنه وھو ضعیف وفی مستدرک الحاکم عن فاطمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبرھا ان عیسیٰ عاش مائة وعشرین سنة فی حدیث ذکره ۔ (الاصابة فی تمیز الصحابة ج ۳ ص ۵۴ حرف العین ۶۱۲۹)

العلامة الشیخ سلیمان الجمل فرماتے ہیں: ففی زاد المعاد ما یذکر ان عیسیٰ رفع وھو ابن ثلاث وثلثین سنة لا یعرف به اثر متصل یجب المصیر الیہ قال الشامی وھو کما قال فان ذلک انما یروی عن النصاری والمصرح فی الاحادیث النبویة انه انما رفع وھو ابن مائة وعشرین سنة ثم قال ای الزرقانی مھمة ۔ وقع للحافظ جلال الدین السیوطی فی تکملة تفسیر المحلی وشرح النقایة وغیرھما من کتبه الجزم بان عیسیٰ رفع وھو ابن ثلاث وثلاثین سنة ویمکث بعد نزوله سبع سنین وما زالت التعجب منه مع مزید حفظه واتقانه وجمعه المعقول والمنقول حتی رایته فی مرقاة الصعود رجع عن ذلک ۔

(الفتوحات الالھیة ج ۱ ص ۲۸۰ سورة البقرة)

(۲) فیض الباری ج ۳ ص ۲۸۳ کتاب الکفالة میں ہے: وکذا لا تصح الکفالة فی القرض لانه من باب الاعتماد الخ ۔ حالانکہ فقہاء کرام کفالة فی القرض کو صحیح بتاتے ہیں ۔ شرح التنویر میں ہے: قلت ومن حیل تاجیل القرض کفالته مؤجلاً فیتاخر عن الاصیل لان الدین واحد ۔ وفی رد المحتار (قوله لان الدین واحد) ای فاذا تاخر عن الکفیل لزم تاخیره عن الاصیل ایضاً اذ یثبت ضمنا ما یمتنع قصداً کبیع الشرب والطریق کما فی البحر عن تلخیص الجامع لکن فی النھر عن السراج قال ابویوسف اذا اقرض رجل رجلا مالا فکفل به رجل عنه الی وقت کان علی الکفیل الی وقته وعلی المستقرض حالاً الی قوله وحاصله ان الجمھور علی انه

یتاجل علی الکفیل دون الاصیل وبه افتی العلامة قاری الهدایة وغیره (ج۴ ص۱۹۰)
وفی رد المحتار ایضاً ونقل عبارتها ویستثنیٰ ایضاً مالوکفل بالقرض مؤجلاً الیٰ
ستة مثلاً فهو علی الکفیل الی الاجل وعلی الاصیل حال الخ (ج۴ ص۳۰۵) وفی
شرح التنویر لوکفل الحال مؤجلاً ــ تاخر عن الاصیل ولوقرضاً لان الدین
واحد۔ الخ (ج۴ ص۳۱۷)

تو بظاہر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ یہ قابلِ گرفت عبارتیں جامع کے توہم پر مبنی ہیں، اسلئے
اب یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ جس عبارت کی نشاندہی آپ نے فرمائی ہے یہ بھی جامع کے توہم
پر مبنی ہے ۔ اس کے علاوہ اس عبارت کی توجیہہ بھی ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ حضرت الشیخ الانورؒ
کی یہ عبارت والذی تحقق عندی ان التحریف فیه لفظی ایضاً اما انه عن عمد
منهم او لمغلطة فالله تعالیٰ اعلم به ۔ قرآن پاک کے بارے میں نہیں ہے بلکہ کتب
سماویہ کے بارے میں ہے ۔ الشیخ الانور رحمہ اللہ تعالیٰ اس عبارت سے یہ مضمون ادا فرما
رہے ہیں کہ میرے نزدیک متحقق یہ ہے کہ کتب سماویہ سابقہ میں صرف تحریفِ معنوی نہیں
ہوئی ہے بلکہ تحریفِ معنوی کے ساتھ ان میں لفظی تحریف بھی موجود ہے ۔ اور والذی تحقق
عندی ان التحریف فیه میں فیه کا ضمیر مجرور بتاویل مذکور کتب سماویہ کو راجع کیا
جائے گا اور یہ کہا جائے گا کہ جامع نے مونث کی جگہ مذکر کی ضمیر لائی ہے ۔ وحق العبارة
والذی تحقق عندی ان التحریف فیها لفظی ایضاً الخ ۔ مگر اس توجیہہ سے جملہ
اما انه عن عمد منهم الخ مساعدۃ اور موافقت نہیں کر رہا ہے ۔ اللّٰہم ان یقال
قیل ما قیل باعتبار بعض المحرفین الذین ما علم قصدهم وعدمه
مگر وفیه ما فیه ۔ فلا سبیل ولا مخلص لا ان یتثبت بالتوهم ۔

والله اعلم ۔

استبراءِ رحم کے لیے عدت نہ ہونے پر اشکال کا ازالہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کئی دنوں سے ایک اشکال ذہن میں آ رہا ہے کہ اسلام نے مطلقہ اور بیوہ کے لیے تو عدت مقرر کی ہے مگر استبراءِ رحم کے لیے کوئی میعاد مقرر نہیں کی، شرعاً اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ برائے مہربانی میرے اس اشکال کو شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں رفع فرمائیں؟

الجواب:۔ اسلام میں طلاق اور وفات کی عدت اس لیے مقرر ہے کہ مطلقہ یا بیوہ کسی دوسرے شخص کی کھیتی رہ چکی ہوتی ہے اور ایک شخص کی کھیتی کو دوسرا شخص پانی نہیں پلا سکتا بخلاف استبراءِ رحم کے کہ وہاں صرف حمل کا احتمال ہے اور وہ واطی بالشبہ یا مولیٰ کی کھیتی نہیں اس لیے وہاں صرف استبراء کو لازم قرار دیا۔

لما قال علیہ السلام: من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یسقین ماءہ زرع غیرہ۔ (الجامع الترمذی ج۱ ص۲۱۴ باب الرجل یشتری الجاریۃ وھی حامل کتاب النکاح)

لفظ قیل کی وضاحت

سوال:۔ جناب محترم مفتی صاحب! ہم جب فقہ یا شروح حدیث و تفسیر یا دیگر دینی کتب کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان میں بعض اقوال لفظ قیل کے ساتھ ذکر ہوتے ہیں، ایسے اقوال کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ وضاحت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب:۔ جس دینی کتاب میں کوئی قول قیل کے ساتھ مذکور ہو تو وہاں یہ دیکھا جائے گا کہ سارے اقوال قیل کے ساتھ ذکر ہیں یا کہ ایک قول قال یعنی صیغہ معروف کے ساتھ ذکر ہے، اگر ایک قول صیغہ معروف کے ساتھ مذکور ہو تو صاحبِ کتاب کے نزدیک وہ قول راجح ہے اور دیگر اقوال کے ضعف کی طرف ان کا قیل یعنی صیغۂ مجہول کے ساتھ اشارہ مقصود ہوتا ہے اور اگر سارے اقوال قیل کے ساتھ ذکر ہوں تو اس صورت میں کسی قول کو ترجیح مقصود نہیں ہوتی۔

متعدد شوہروں والی عورت جنّت میں کس کے پاس ہوگی

سوال:۔ اگر کسی عورت نے یکے بعد دیگرے دو تین شادیاں کی ہوں تو وہ عورت جنت میں کس شوہر کو ملے گی؟ قرآن و سنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب:۔ جس عورت نے دنیا میں دو تین شادیاں کی ہوں وہ قیامت کے دن جنت میں کس شوہر کو ملے گی؟ تو اس بارے میں دو اقوال ہیں۔ (۱) پہلا قول یہ ہے کہ وہ جس شوہر کے پاس رہنا چاہے اس کو اختیار ہوگا۔ (۲) دوسرا قول یہ ہے کہ وہ عورت آخری شوہر کو ملے گی۔

حضرت علیؓ کو کرم اللہ وجہہ کہنے کی وجہ

سوال:۔ جناب محترم مفتی صاحب! جب ہم کسی صحابیٔ رسولؐ کا مبارک نام سنتے ہیں یا پڑھتے ہیں تو ان کے اسم گرامی کے ساتھ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اور جب حضرت علیؓ کا نام سنتے ہیں یا پڑھتے ہیں تو کرم اللہ وجہہ کہتے ہیں، اکثر علماء کرام سے بھی اسی طرح سننے میں آیا ہے، شرعاً اس کی کیا وجہ ہے؟

الجواب:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے عموماً رضی کے بجائے صیغۂ تکریم یا تو اس لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ آپ نے کبھی بتوں کے سامنے اپنے سر کو نہیں جھکایا تھا کیونکہ آپ نے بلوغت سے قبل ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ یا پھر اس لیے کہ جنگِ صفین میں بعض لوگوں نے آپ کے بارے میں سود اللہ وجہہ کے الفاظ استعمال کیے تو ان کی تردید کے لیے علماء اُمت نے آپ کے نام کے ساتھ کرم اللہ وجہہ کے الفاظ استعمال کرنا شروع کئے۔

ذبیح اللہ کون تھے؟ حضرت اسحٰق یا حضرت اسمٰعیل (علیہم السلام)؟

سوال:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اپنے کس بیٹے کو ذبح کیا تھا؟ بعض حضرت اسحاق علیہ السلام بتاتے ہیں جبکہ ہم ابھی تک یہی سنتے آرہے ہیں کہ آپ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کیا تھا، مہربانی فرما کر راہنمائی فرمائیں کہ ذبیح اللہ کون تھے؟

الجواب:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے جس بیٹے کو ذبح کیا تھا اس کے تعین میں اختلاف ہے، بعض علماء نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو ذبیح اللہ قرار دیا ہے جبکہ جمہور علماء نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبیح اللہ قرار دیا ہے۔ اور یہی راجح اور مشہور ہے۔

خدا نرادھار ہے، کا مطلب

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے اللہ الصمد کا معنیٰ "خدا نرادھار ہے" لکھا ہے۔ مہربانی فرما کر شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں لفظ "نرادھار" کی تشریح فرمائی جائے؟

الجواب:۔ ”نرادھار“ سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنیٰ ہے ”وہ ذات جو کسی کی محتاج نہ ہو اور دوسروں کا بغیر اس کے کام نہ چلتا ہو، دوسرے سب اس کے محتاج ہوں“۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ الصمد کا معنیٰ اللہ بے نیاز ہے والا ترجمہ اگرچہ درست ہے مگر آدھا ترجمہ ہے، اس لیے کہ بے نیاز اس ذات کو کہا جاتا ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو۔

لما قال المفتی محمود حسن گنگوہیؒ: مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے فرمایا کہ میں نے جیل میں ترجمۂ کلام اللہ کا مطالعہ کیا جو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا تھا۔ اس میں انہوں نے اللہ الصمد کا ترجمہ یہ کیا کہ ”خدا نرادھار ہے“۔ میں اس کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ ایک پرانا سادھو تھا میں نے اس سے پوچھا کہ نرادھا کا کیا معنیٰ ہے؟ اس نے کہا کہ آپ نے یہ لفظ کہاں سے سنا؟ یہ تو سنسکرت کا لفظ ہے، مذہب کے اونچے لوگ اس کو جانتے ہیں۔ میں نے کہا کہ سنا ہوگا کہیں سے، تم اس کے معنی بتلاؤ، کیا اس کے معنی بے نیاز کے ہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں، اس کے معنی ہیں جو کسی کا محتاج نہ ہو اور دوسروں کا بغیر اس کے کام نہ چلتا ہو، دوسرے سب اس کے محتاج ہوں، بے نیاز میں اس کے معنی آدھے آتے ہیں۔

(ملفوظات فقیہ الامت ج ۲ قسط ۷ ص ۵۴)

☐ ☐

کتاب
التفسیر

وهذا ذكر مبارك انزلنه
أفانتم له منكرون

کتاب تفسیر القرآن

(قرآن مجید کی تفسیر کا بیان)

قرآن مجید کا رسم الخط توقیفی ہے

سوال:۔ قرآن کریم میں لفظ باؤ۔ فاؤ۔ جاؤ جمع کے قوانین کے مطابق ان کلمات میں الف کیوں نہیں لکھا گیا؟

الجواب:۔ قرآنِ کریم کے رسم الخط میں مصحفِ عثمانی کا اتباع کیا گیا ہے جو کہ اصل اور بنیاد ہے جس کو کبار صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ایک خاص طریقے پر خلاف القیاس مرتب کیا گیا تھا اور یہ رسم الخط توقیفی ہے، اس لیے کسی قیاسی قانون کی وجہ سے اس میں تبدیلی جائز نہیں ہے، لہٰذا ان کلمات میں بھی مصحفِ عثمانی کا اتباع کیا گیا ہے نہ کہ قوانینِ عربیہ کا۔

لما قال احمد مصطفٰی المراغیؒ: امّا کتابة المصحف فهی تابعة للطریق التی کتب بها فی عهد عثمان رضی الله عنه الخلیفة الثالث علی ید جماعة من کبار الصحابة وتسمّی الرسم العثمانی وقد اتبع فیها نهج خاص یخالف ما اتبع فیما بعد فی کثیر من المواضع ومن ثَمّ قیل خطان لا یقاس علیهما خط العروض وخط المصحف العثمانی۔

(تفسیر مراغی ج ۱ ص۱۳ مقدمة، طریق کتابة القرآن الکریم)[۱]

تعداد حروف قرآنِ کریم

سوال:۔ قرآنِ کریم کے حروف کی صحیح تعداد کیا ہے؟

الجواب:۔ جس طرح قرآنِ کریم کی آیات میں اختلاف ہے اسی طرح حروف کی تعداد میں بھی علماء کی آراء مختلف ہیں، چند مشہور اقوال تحریر کیے جاتے ہیں:۔

(۱) امام قرطبی رحمہ اللہ اپنی مشہور تفسیر "احکام القرآن" میں سلام ابو محمد الحمّانیؒ سے نقل کرتے ہیں کہ حجّاج بن یوسف ثقفی کے زمانے میں اس کے حکم سے قرآنِ کریم کے حروف کو

---

[۱] قال عبد العظیم الزرقانیؒ: فی مسئلة رسم خط القرآن ثلاثة اقوال، الاوّل: انه توقیفی لا تجوز مخالفته ذٰلك مذهب الجمهور الخ (مناهل العرفان ج ۱ ص۳۷۷ هل رسم المصحف توقیفی؟)

شمار کیا گیا تو کل تعداد ۳۴۰۷۴۰ ہوئی۔ (احکام القرآن للقرطبی ج ۱ ص ۶۴ باب ماجاء فی ترتیب سورۃ القرآن وآیاتہ وشکلہ)

(۲) عطاء بن یسار سے منقول ہے کہ قرآن کریم کے حروف کی تعداد ۳۲۳۰۱۵ ہے۔
(البرھان فی علوم القرآن ج ۱ ص ۲۴۹ فصل فی عدد سور القرآن وآیاتہ وکلماتہ وحروفہ)

(۳) علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ نے ابن الجوزیؒ سے نقل کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حساب کے مطابق قرآن مجید کے تمام حروف ۳۲۲۶۷۱ ہیں۔
(علوم القرآن ص ۱۷۰ تعداد حروف)

تعداد آیات قرآن کریم

سوال:- قرآن کریم کی آیاتِ کریمہ کی تعداد کتنی ہے؟

الجواب:- قرآنِ کریم کی آیاتِ کریمہ کی ابتداء اور انتہاء میں اختلاف کی وجہ سے ان کی تعداد کے بارے میں بھی علماء کے درمیان اختلاف ہے تاہم اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ قرآن کریم کی آیات چھ ہزار سے زائد ہیں۔ یہاں چند مشہور علماء کرام کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں:-

(۱) علامہ شمس الحق افغانیؒ نے ابنِ جوزیؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ بشمار ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آیاتِ قرآنِ کریم کی کل تعداد ۶۶۶۶ ہے۔ (علوم القرآن ص ۱۷۰ تعداد آیات)

(۲) اہلِ مدینہ سے اس بارے میں دو قول منقول ہیں، پہلے قول کے مطابق کل آیاتِ مبارکہ ۶۲۱۷ ہیں جو حضرت نافعؒ کی طرف منسوب ہے، اور دوسرے قول کے مطابق ۶۲۱۴ ہیں۔

(۳) اہلِ مکہ کی رائے کے مطابق کل آیات ۶۲۲۰ ہیں جو کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے۔

(۴) اہلِ کوفہ کے نزدیک کل آیات ۶۲۳۳ ہیں۔

(۵) اہلِ بصرہ سے دو قول منقول ہیں جن کے مطابق کل آیات ۶۲۰۵ یا ۶۲۱۹ ہیں۔

(۶) اہلِ شام سے ۶۲۲۵ اور ۶۲۲۶ کی روایات بھی مروی ہیں۔

{ البرھان فی علوم القرآن لبدرالدین زرکشیؒ ج ۱ ص ۲۴۹ فصل فی عدد سور القرآن وآیاتہ وکلماتہ وحروفہ
مناھل العرفان از محمد عبدالعظیم زرقانیؒ ج ۱ ص ۳۳۶ تحت قولہ عدد آیات القرآن }

مکّی اور مدنی سورتوں میں فرق

سوال :- قرآنِ کریم کی بعض سورتوں کو مکی اور بعض کو مدنی کہا جاتا ہے، ان میں کیا فرق ہے ؟

الجواب :- قرآنِ کریم کی سورتیں دو قسم کی ہیں، مکّی اور مدنی، لیکن ان کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ارشاد منقول نہیں، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ کے زمانۂ اقدس میں صحابۂ کرامؓ وحی کے زمان ومکان وغیرہ کا مشاہدہ کرتے تھے لہٰذا ان کو مکّی اور مدنی کی پہچان کی ضرورت نہیں پڑی، لیکن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وصال ہوا اور صحابۂ کرامؓ کو ناسخ و منسوخ کی معرفت کی ضرورت پڑی تو اس کے بعد صحابۂ کرامؓ کو مکی اور مدنی سورتوں کا جاننا ضروری ہوا تاکہ ناسخ ومنسوخ کی معرفت میں آسانی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مکی اور مدنی سورتوں کی پہچان کے بارے میں صرف صحابۂ کرامؓ اور تابعین کے اقوال دستیاب ہوسکتے ہیں۔

شیخ محمد عبدالعظیم زرقانیؒ فرماتے ہیں: لاسبیل الی معرفة المکّی والمدنی الا بما ورد عن الصحابةؓ والتابعینؒ فی ذٰلک لانه لم یرد عن النبیؐ بیان المکّی والمدنی وذٰلک لانّ المسلمین فی زمانه لم یکونوا فی حاجة الی هٰذا البیان کیف وهم یشاهدون الوحی والتنزیل ویشهدون مکانهٗ وزمانه واسباب النزول عیاناً۔ الخ

(مناهل العرفان ج۱ ص۱۸۹ الطریق الموصلة الی معرفة المکی والمدنی)

تاہم بعدازاں مفسّرین نے مضامین اور حالات وواقعات کی روشنی میں مکی اور مدنی سورتوں کی تقسیم کی ہے جس میں ہر ایک سورۃ کی مختلف خصوصیات شمار کی گئی ہیں، بعض کے نزدیک جو سورتیں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہیں انہیں مکی کہا جاتا ہے اور جو سورتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئیں انہیں مدنی کہا جاتا ہے اس میں مکان کا اعتبار نہیں ہے چاہے جہاں بھی نازل ہوئی ہوں، یہ اصطلاح سب سے زیادہ مشہور ہے۔

اصطلاح ۲ :- جو سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں مکّی کہلاتی ہیں نزول چاہے ہجرت سے پہلے ہو یا بعد میں، اور جو سورتیں مدینہ طیّبہ میں نازل ہوئیں وہ مدنی کہلاتی ہیں اس صورت میں مکی اور مدنی سورتوں کے درمیان واسطہ ثابت ہوتا ہے اور وہ مکہ و مدینہ سے باہر والی سورتیں ہیں۔

اصطلاح ۳ :- جن سورتوں میں خطاب اہلِ مکہ کے ساتھ ہوا ہو وہ مکّی ہیں اور جن میں خطاب مدینہ والوں سے ہو وہ مدنی ہیں۔ (البرہان فی علوم القرآن ج۱ ص۱۸۷ تا ۱۹۰ النوع التاسع معرفة المکی والمدنی)

مکّی اور مدنی سُورتوں کی پہچان

سوال :- مکی اور مدنی سورتوں کی پہچان اور ان کی علامات کیا ہیں ؟

الجواب :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں کوئی روایت مروی نہیں تاہم بعد میں مفسرین حضرات نے اپنی اپنی علمی استطاعت کے مطابق علامات بتائی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں :-

مکّی سُورتوں کی علامات

(۱) جن سورتوں میں لفظ کَلَّا کا ذکر ہو وہ مکّی ہوں گی ۔
(۲) جس سورۃ میں آیتِ سجدہ ہو وہ مکّی ہوگی ۔
(۳) جس سُورۃ میں انبیاءِ کرام، اُمم سابقہ کے قصّے اور واقعات کا ذکر ہو وہ مکّی ہوگی سوائے سورۃ البقرہ کے ۔
(۴) جس سُورۃ میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کے واقعہ کا ذکر ہو وہ مکّی ہوگی سوائے سورۃ بقرہ کے ۔
(۵) جس سورۃ میں یَاَیُّھَا النَّاسُ کے ساتھ خطاب ہو مکی ہوگی ۔
(۶) جس سورۃ کی ابتداء حروفِ تہجی سے ہو مکی ہوگی سوائے سورۃ بقرہ و آلِ عمران کے ۔

مَدنی سورتوں کی علامات

(۱) جس سورۃ میں حدود اور فرائض کا بیان ہو وہ مدنی کہلاتی ہے ۔
(۲) جس سورۃ میں جہاد اور احکام جہاد کا ذکر ہو وہ مدنی کہلاتی ہے ۔
(۳) جس سورۃ میں منافقین کا ذکر ہو وہ مدنی ہوگی سوائے سورۃ العنکبوت کے ۔
(۴) جس سُورۃ میں یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے ساتھ خطاب ہو وہ مدنی کہلاتی ہے ۔

[البرھان فی علوم القرآن (بدرالدین زرکشیؒ) ج ۱ ص ۱۸۷ تا ۱۹۱ النوع التاسع معرفة المکی والمدنی
مناھل العرفان (محمد عبدالعظیم الزرقانیؒ) ج ۱ ص ۱۹۰ الطریق الموصلة الی معرفة المکی والمدنی]

تعوّذ کا حکم

سوال :- ابتدائے قرأت و تلاوتِ قرآن میں اَعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھنا فرض ہے یا سُنت یا واجب ؟

الجواب :- سورۃ نحل کی مندرجہ ذیل آیت فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝ میں تعوّذ کے حکم کی وجہ سے جب بھی کوئی مسلمان تلاوت کرے تو اس کو اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنا چاہیئے، تاہم اس آیتِ کریمہ میں امر اکثر مفسرین کے نزدیک

وجوب کے لیے نہیں صرف ندب کے لیے ہے۔

لما قال القاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ : قد صح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان یصلّی ای یتعوذ قبل القرأۃ وعلیہ انعقد الاجماع من السّلف والخلف لکنہ سنۃ عند الجمہور العلماء۔
(تفسیر مظہری ج ۵ ص۳۷۷ سورۃ النحل، تحت تفسیر الآیۃ ۹۸) [۱]

تعوّذ کی جزئیت کا حکم

سوال: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ قرآنِ کریم کا جُزء ہے یا نہیں؟

الجواب: اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ان مخصوص الفاظ کے ساتھ قرآنِ کریم کا جُزء نہیں ہے تاہم ایک دوسرے مقام پر تعوّذ کا حکم ان الفاظ کے ساتھ ہوا ہے: فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔

لما قال القرطبیؒ : اَجْمَعَ العلماء علی ان التعوّذ لیس من القرآن ولا آیۃ منہ وھو قول القاری اعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم۔ (احکام القرآن ج۱ ص۸۶، القول فی الاستعاذۃ) [۲]

تسمیہ کی جزئیت کا حکم

سوال: بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قرآنِ کریم کا جُزء ہے یا نہیں؟

الجواب: جو بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سورۃ النمل میں ہے اس پر توسب علماء کا اتفاق ہے کہ یہ قرآنِ کریم کا جزء ہے، اس کے علاوہ باقی سورتوں کی ابتداء میں جو تسمیہ لکھی گئی ہے اس کی جزئیت میں اختلاف ہے، فقہاء احناف، قراءِ مدینہ، بصرہ اور شام کے نزدیک کسی بھی سورۃ کا جُزء نہیں ہے۔

لما قال القرطبیؒ : قد اختلفت العلماء علی ھذا المعنٰی علی ثلاثہ اقوال، الاوّل لیست بآیۃ من الفاتحۃ ولا من غیرھا وھو قول مالک...... الصحیح من ھذہ الاقوال قول مالک

---

[۱] وقال محمد بن احمد القرطبیؒ : ھذا الامر علی الندب فی قول الجمھور فی کل قرأۃ فی غیر الصّلوٰۃ۔
(احکام القرآن ج ۱ ص۸۶ القول فی الاستعاذہ)
وَمِثْلُہٗ فی مختصر تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص۳۴۶ سورۃ النحل آیت ۹۸۔

[۲] قال الشیخ عبد الرحمٰن بن محمد الثعالبیؒ : اجمع العلماء علی ان قول القاری اعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم لیس بآیۃ من کتاب اللہ۔ (تفسیر الثعالبی ج ۱ ص۱۹ سورۃ الفاتحۃ)

لان القرآن لایثبت باخبار الاحاد وانما بطریقة التواتر القطعی ۔ الخ

(احکام القرآن للقرطبی ج ۱ ص۹۳ الکلام علی البسملة) [1]

تعداد آیات سورۂ فاتحہ

سوال:۔ سورۂ فاتحہ کی آیات کی تعداد کتنی ہے ؟

الجواب:۔ سورۂ فاتحہ کے بارے میں علماء کا اتفاق صرف اس بات پر ہے کہ اس کی آیات کی تعداد سات ہے جس کی وجہ سے اس کو سبع من المثانی کہا گیا ہے، تاہم فقہاء کرام کے نزدیک آیات کے تعیین میں اختلاف ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک چونکہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ مستقل آیت نہ ہونے کی وجہ سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ آیت شمار ہے، جبکہ احناف کے نزدیک صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ مستقل آیت ہو کر بِسْمِ اللّٰهِ کو جزء الفاتحہ شمار کرنے کی ضرورت نہیں ۔

قال العلامة ابوبکر الرازی الجصاصؒ : قال سعید بن جبیر سألتُ ابن عباس عن السبع المثانی فقال السبع المثانی هو ام القرآن وانما اراد بالسبع انها سبع آیات ۔

(احکام القرآن ج ۱ ص۲۸ قبل احکام سورة البقرة) [2]

فاتحۃ الکتاب کا جزءِ قرآن ہونا

سوال:۔ سورۂ فاتحہ جس طرح قرآن کریم کا جزء ہے اسی طرح تیس پاروں میں کسی پارے میں داخل ہے یا قرآنِ کریم کا مستقل حصہ ہے ؟

الجواب:۔ قرآن مجید کے پاروں کی تقسیم حجاج بن یوسف کے دور میں ہوئی ہے ،

---

[1] وقال عبد الله النسفیؒ : قراء المدینة والبصرة والشام وفقهاءها علی ان التسمیة لیست بآیة من الفاتحة ولا من غیرها من السور وانما کتبت للفصل والتبرك للابتداء بها وهو مذهب ابی حنیفة (رحمه الله) ومن تابعه الخ

(مدارك التنزیل ج ۱ ص۳ فاتحة الکتاب)

وَمِثْلُهٗ فی تفسیر روح المعانی ج ۱ ص۳۹ مباحث فی البسمله ۔

[2] قال الامام ابن جریر الطبریؒ : واما تاویل اسمها انها سبع آیات فانها سبع آیات لاخلاف بین الجمیع من القراء والعلماء وذلك ۔ (تفسیر طبری ج ۱ ص۴۸ القول فی تاویل اسماء فاتحة الکتاب)

صحابہ کرامؓ کے دور میں قرآنِ کریم یوں تیس پاروں میں تقسیم نہیں تھا تاہم صحابہ کرامؓ آپس میں اپنی اپنی سہولت کے لیے قرآنِ کریم کئی حصوں میں تقسیم کیے ہوئے تھے جن میں منزل وغیرہ کا ثبوت بڑی دلیل ہے، چونکہ پاروں کا تعین صحابہؓ کے دور میں نہیں تھا اس لیے سورۂ فاتحہ کو کسی پارے کا جزء قرار دینے کے لیے کسی روایت کا سہارا لینا بے سُود ہے، تاہم قرآن کے تیس پاروں کے حساب سے پہلا پارہ الٓمٓ سے مشہور ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سورۃ فاتحہ کسی ایک پارہ کا جزء قرار دینے کی بجائے پورے قرآن کا اجمالی خاکہ ہے۔

قال ابن جریر الطبریؒ: صح الخبر عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ھی اُم القرآن، ھی فاتحۃ الکتاب وھی السبع المثانی۔ فھذہ اسماء فاتحۃ الکتاب وسمیت فاتحۃ الکتاب لانھا یفتتح بکتابتھا المصاحف.... فھی فواتح لما یتلوھا من سور القرآن فی الکتابۃ والقرأۃ۔ (تفسیر الطبری ج ۱ ص ۷۴ القول فی تاویل اسماء فاتحۃ الکتاب)[1]

اسمائے سورۃ فاتحہ

سوال:- سورۃ فاتحہ کو کتنے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے؟

الجواب:- سورۃ فاتحہ کے متعدد اسماء ہیں جن کو مفسرین حضرات نے ذکر کیا ہے، ان میں سے چند نام درج ذیل ہیں:-

(۱) فاتحۃ الکتاب (۲) فاتحۃ القرآن (۳) اُم الکتاب (۴) اُم القرآن (۵) الکنز (۶) الوافیہ (۷) الکافیہ (۸) الاساس (۹) سورۃ الرقیۃ (۱۰) سورۃ الشفاء (۱۱) سورۃ الشافیہ (۱۲) سورۃ الحمد (۱۳) سورۃ الشکر (۱۴) سورۃ الدعاء (۱۵) سورۃ تعلیم المسئلہ (۱۶) سورۃ السؤال (۱۷) سورۃ المناجات (۱۸) سورۃ الصلوٰۃ (۱۹) سورۃ النور (۲۰) القرآن العظیم (۲۱) السبع المثانی۔ (روح المعانی ج ۱ ص ۳۴ تا ۳۸)[2]

کسی آیت کا ترجمہ شائع کرنے کا حکم

سوال:- اگر قرآنِ کریم کی کسی آیت کا ترجمہ کسی بھی زبان میں اس طریقے سے شائع کیا جائے کہ عربی

---

[1] قال العلامۃ ابو عبد اللہ القرطبی رحمہ اللہ: اجمعت الامۃ ایضاً علیٰ انہا من القرآن۔

(تفسیر قرطبی ج ۱ ص ۱۱۴ سورۃ الفاتحۃ)

[2] وذکر القرطبی اکثرھا۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۱۱۱ تا ۱۱۲ المسئلۃ الرابعۃ وفی اسماءھا وھی اثناء عشر اسماً) وذکر بعضھا ابن کثیر۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۸ سورۃ الفاتحہ)

کے الفاظ نہ لکھے گئے ہوں بلکہ آخر میں صرف آیت نمبر اور سورۃ کے نام پر اکتفاء کیا گیا ہو، کیا یہ طریقہ جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: پورے قرآن مجید یا کسی ایک سورۃ کا صرف ترجمہ شائع کرنا اگرچہ ناجائز ہے تاہم ایک یا دو آیات کا ترجمہ شائع کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

لما قال علاؤ الدین الحصکفیؒ: وتجوز کتابۃ آیۃ او آیتین بالفارسیۃ لا اکثر۔ قال ابن عابدینؒ: والظاھر ان الفارسیۃ غیر قید الخ۔ (الدر المختار علی رد المحتار ج۱ ص۳۲۶) [۱]

شیطان کی ابتدائی ذمہ داریاں

سوال: شیطان مردود اور مسخ ہونے سے پہلے فرشتوں کے ساتھ کن کن امور و مشاغل پر مامور تھا؟

الجواب: شیطان کے بارے میں مفسرین نے مختلف معمولات کا ذکر کیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابلیس فرشتوں کے ایک قبیلے سے تھا جن کو جنّ کہا جاتا ہے اور ان کو نارِ سموم سے پیدا کیا گیا تھا جبکہ فرشتے نور سے پیدا کیے گئے تھے، سریانی زبان میں شیطان کا نام عزازیل تھا اور عربی میں حارث، اور یہ جنت کے خزانچیوں میں سے تھا، آسمانِ دنیا کا رئیس تھا، آسمانِ دنیا اور زمین پر اس کی حکمرانی تھی، فرشتوں میں سب سے زیادہ اجتہاد و علم والا تھا جس کی وجہ سے اس میں تکبّر پیدا ہو گیا اور کفر کر کے مردود ہوا۔

لما قال القرطبیؒ: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان ابلیس کان من حی من احیاء الملٰئکۃ یقال لھم الجنّ خلقوا من نار السموم وخلقت الملٰئکۃ من نور وکان اسمہٗ بالسریانیۃ عزازیل وبالعربیۃ الحارث وکان من خزان الجنّۃ وکان رئیس ملٰئکۃ سماء الدنیا وکان لہ سلطانھا وسلطان الارض وکان من اشدّ الملٰئکۃ اجتھادًا و اکثرھم علمًا وکان یسوس مابین السماء والارض الخ (احکام القرآن ج۱ ص۲۹۵ تحت قولہ تعالیٰ: الّا ابلیس، البقرۃ) [۲]

---

[۱] قال ابن الھمامؒ: اوارادان یکتب مصحفًا بھا یمنع وان فعل فی آیۃٍ او آیتین لا۔ الخ (فتح القدیر ج۱ ص۲۴۸)

[۲] اسی طرح حافظ ابن کثیرؒ نے بھی مختلف روایات نقل کی ہیں جن میں مندرجہ ذیل الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے: مثلاً کان من اشدّ الملٰئکۃ اجتھادًا واکثرھم علمًا۔ کان من اشرف الملٰئکۃ واکرمھم قبیلۃً وکان خازنًا علی الجنان، کان لہٗ سلطان سماء الدنیا وکان لہٗ سلطان الارض وکان یسوس مابین السمآءِ والارض فعصٰی فمسخہ اللہ تعالیٰ شیطانًا رجیمًا۔

(تفسیر ابن کثیر ج۱ ص۷۷ سورۃ البقرۃ تحت قولہ: واعلم ما تکتمون)

حضرتِ عیسٰی علیہ السلام کا مثلِ آدمؑ ہونا

سوال:۔ سورۃ آلِ عمران آیت ۵۹ میں ارشاد خداوندی ہے: اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ، جس میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کا تمثیل اور مشبہ بتایا گیا ہے لیکن آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے تھے اور عیسٰی علیہ السلام بغیر باپ کے تھے، تو پھر یہ تشبیہ کیسے صحیح ہوسکتی ہے؟

الجواب:۔ چونکہ سیدنا حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش عادتِ مستمرہ کے خلاف ہوئی تھی جو بغیر باپ کے تھی، اور یہ ایک عجیب واقعہ تھا لیکن اس سے زیادہ عجیب تر سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش تھی جو ماں باپ دونوں کے بغیر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوئی تھی۔ تو یہاں عجیب واقعہ کی عجیب تر واقعہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور تشبیہ وتمثیل میں مشبہ کا مشبہ بہ کے ساتھ تمام وجوہات میں متحد اور یکساں ہونا لازم نہیں ہے بلکہ مشبہ بہ کی بعض صفات کا مشبہ میں پایا جانا تشبیہ اور تمثیل کے لیے کافی ہوتا ہے جیسے کسی انسان کی بہادری کی تشبیہ شیر کے ساتھ دی جاتی ہے اگرچہ من کل الوجوہ یکساں نہیں ہوتے۔

لما قال الشیخ علاؤ الدینؒ علی تحت قولہ تعالیٰ: اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ۔ قلت ھو مثلہ فی احد الطرفین فلا یمنع اختصاصہ دونہ بالطرف الاٰخر من تشبیھہ لان المماثلۃ مشارکۃ فی بعض الاوصاف ولانہ شبہ بہ فی ان لہٗ وجوداً خارجاً عن العادۃ المستمرۃ وھما فی ذٰلک نظیران لان الوجود من غیر اَبٍ وَّاُمٍّ اغرب فی العادۃ من الوجود من غیر اَبٍ فشبہ الغریب بالاغرب لیکون اقطع للخصم واحسم لمادۃ شبھتہٖ۔

(تفسیر خازن ج ۱ ص ۳۰۱ سورۃ البقرۃ) ؎

؎ وقال القرطبی رحمہ اللہ: فیہ دلیل علیٰ صحۃ القیاس والتشبیہ واقع علیٰ ان عیسٰی خلق من غیر اَبٍ کاٰدم لا علیٰ انہ خلق من تراب والشیٔ قد یشبہ بالشیٔ وان کان بینھما فرق کبیر بعد ان یجتمعا فی وصف واحد فان اٰدم خلق من تراب ولم یخلق عیسٰی من تراب فکان بینھما فرق من ھٰذہ الجھۃ ولکن شبہ ما بینھما انھما خلقا من غیر اَبٍ۔ (احکام القراٰن ج ۱ ص ۱۰۲ تحت ان مثل عیسٰی عند اللہ الخ، سورۃ البقرۃ)

وَمِثْلُہٗ فی تفسیرہ الشھیر بالصاوی ج ۱ ص ۱۵۹ سورۃ البقرۃ۔

قاتل کی توبہ کا قبول ہونا

سوال:۔ سورۂ نساء کی آیت ۹۳ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا سے معلوم ہوتا ہے کہ عمداً قتل کا ارتکاب کرنے والا ہمیشہ جہنم میں رہے گا، جبکہ حدیثِ شفاعت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم میں ہمیشہ نہیں رہے گا، اس میں کس پر عمل کیا جائے؟ اور عمداً قتل کا ارتکاب کرنے والا ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ عمداً قتل کرنے والے کے بارے میں اختلاف ہے کہ اس کی توبہ قبول ہوتی ہے یا نہیں، اور یہ شخص ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہے گا یا نہیں، تاہم جمہور اہلِ سنّت والجماعت کے نزدیک یہ شخص اگر مومن ہو تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے جہنم میں گناہوں کی سزا پانے کے بعد جنّت میں جائے گا اور ایمان کی وجہ سے ہمیشہ کیلئے جہنم میں نہیں رہے گا، لیکن یہ اُس وقت ہے کہ جب قاتل نے قتل کو حلال سمجھ کر یہ اقدام نہ کیا ہو ورنہ استحلالِ حرام کی وجہ سے ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اسی وجہ سے جمہور علماء اس آیت میں خَالِدًا کا ترجمہ مکثِ طویل سے کرتے ہیں۔[1]

لما قال الشیخ ابن کثیرؒ:۔ والذی علیه الجمهور من سلف الامة وخلفها ان القاتل له توبة فیما بینه وبین الله عزّوجل فان تاب واناب وخشع وخضع وعمل عملاً صالحًا یبدل الله سیئاته حسنات وعوض المقتول من ظلامته وارضاه عن طلابة ...... ومعنیٰ هٰذه الصیغة ان هٰذا جزائه ان جوزی علیه ۔ وبتقدیر دخول القاتل فی النار .... فلیس یخلد فیها ابدًا بل الخلود المکث الطویل وتواترت الاحادیث عن رسول اللهﷺ انه یخرج من النار من کان فی قلبه ادنیٰ مثقال ذرّة من ایمان الخ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۳۷ تحت من یقتل مؤمنًا متعمدًا)

آدم علیہ السلام کے بیٹوں میں نزاع کا سبب

سوال: حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کے درمیان جھگڑے کا سبب کیا تھا اور ان میں بہن بھائی کا امتیاز کیا تھا؟

---

[1] وقال النسفیؒ: فجزائه ای ان جازاه قال علیه السّلام هی جزائه ان جازاه والخلود قد یراد به طول القیام ۔ (مدارک التنزیل ج ۱ ص ۲۴۴ تحت قوله تعالیٰ: فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا)
ومثله فی جامع البیان للطبریؒ ج ۴ ص ۲۲۱ تحت قوله تعالیٰ: من یقتل مؤمنًا متعمّدًا۔

الجواب: اس نزاع اور جھگڑے کے سبب کے بارے میں اکثر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں جب بھی بچہ پیدا ہوتا تو ایک لڑکے اور ایک لڑکی کا جوڑا ہوتا، چونکہ آدم علیہ السلام دنیا میں پہلے انسان تھے اور اللہ تعالیٰ کو ان کی نسل باقی رکھنا منظور تھی اسلئے اللہ تعالیٰ نے ضابطہ یہ مقرر کیا تھا کہ ہر جوڑے کا آپس میں نکاح ناجائز ہوتا اور دوسرے جوڑے کے ساتھ جائز ہوتا تھا اور ان کیلئے ضرورت کی بناء پر افتراق بطون بمنزلہ افتراق نسب کے تھا۔ تو اسی طرح حضرت آدمؑ کے ایک بیٹے قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام اقلیما تھا اور وہ حسین بھی تھی اور ان کے بعد دوسرے بطن سے جو بیٹا پیدا ہوا اس کا نام ہابیل اور اس کی بہن کا نام لیوذا تھا۔ اب اصول کے مطابق جب نکاح کا وقت آیا اور اقلیما کا نکاح ہابیل سے ہونے لگا تو قابیل نے اس سے انکار کیا اور کہا کہ چونکہ یہ میرے ساتھ پیدا ہوئی لہٰذا میرا حق ہے اور یہ لیوذا سے حسین بھی ہے اس پر حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کو سمجھایا مگر وہ نہ مانا تو پھر آدم علیہ السلام نے قابیل اور ہابیل دونوں کو نذر کا حکم دیا کہ جسکی نذر قبول ہوگئی فیصلہ اس کے حق میں ہوگا، اب ہابیل کی نذر قبول ہوگئی جس پر قابیل کا غصہ مزید بڑھا اور آخر کار اس نے ہابیل کو قتل کر دیا۔

لما نقل الطبریؒ:- عن ابن عباسؓ وعن مرة وعن ابن مسعود و ناس من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یولد لآدم مولود الا ولد معه جارية فكان يزوج غلام هذا البطن جارية هذا البطن الآخر، ويزوج جاريته هذا البطن غلام هذا البطن الآخر حتی ولد له ابنان يقال لهما قابيل وهابيل وكان قابيل صاحب زرع وكان هابيل صاحب ضرع وكان قابيل اكبرهما وكان له اخت احسن من اخت هابيل وان هابيل طلب ان ينكح اخت قابيل فابى عليه وقال هي اختي ولدت معي وهي احسن من اختك وانا احق ان اتزوجها فامره ابوه ان يزوجها هابيل فابى وانهما قربا قربانا الى الله ايهما احق بالجارية الخ - (طبری ج ۴ ص ۱۸۸ سورۃ المائدۃ) [۱]

---

[۱] وقال ابن کثیرؒ: قال السدی فيما ذكر عن ابن عباس وابن مسعود وناس من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه كان لا يولد لآدم مولود الا ولد معه جارية فكان يزوج غلام هذا البطن جارية هذا البطن الآخر ويزوج جارية هذا البطن غلام هذا البطن الآخر حتی ولد له ابنان يقال لهما هابيل وقابيل وكان قابيل صاحب زرع وكان هابيل صاحب ضرع وكان قابيل اكبرهما وكان له اخت احسن من اخت هابيل وان هابيل طلب ان ينكح اخت قابيل فابى عليه وقال هي اختي ولدت معي وهي احسن من اختك وانا احق ان اتزوج بها فامره ابوه ان يزوجها هابيل فابى وانهما قربا قربانا الى الله عز وجل ايهما احق بالجارية الخ - (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۱ سورۃ المائدۃ تحت الآیۃ: واتل عليهم نبأ ابنی آدم ......) ـــ ومثله فی التفسیر المظهری للقاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ ج ۲ ص ۷۵ سورۃ المائدۃ۔

غیر ذوی العقول کے لیے ذوی العقول کے لفظ کا استعمال

سوال :۔ سورۂ اعراف آیت ۱۹۱ وَهُمْ يُخْلَقُونَ اور آیت ۱۹۳ پر وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى میں هُمْ ضمیر کا مرجع کیا ہے اور اگر بت مراد ہیں تو ذوی العقول کی ضمیر غیر ذوی العقول میں کیسے استعمال ہوتی ہے؟

الجواب :۔ ان دونوں آیتوں میں هُمْ کی ضمیر بتوں کی طرف راجع ہے جو پہلے آیت ۱۹۱ میں لفظ مَا کے ضمن میں مذکور ہے اور هُمْ ضمیر اگرچہ ذوی العقول کے لیے استعمال کی جاتی ہے لیکن چونکہ مشرکین نے بتوں کو اپنا اِلٰہ بنایا تھا اور ان کو عقلمند سمجھتے تھے، اس لیے قرآن کریم کا اسلوب بھی بطور زجر و توبیخ اُن کے عقائد کے مطابق چلا۔

لما قال الشیخ محمود الآلوسیؒ : وایراد ضمیر العقلاء مع ان الاصنام مما لایعقل انما ھو بحسب اعتقادھم فیھا واجرائھم لھا مجری العقلاء وتسمیتھم لھا الھۃ۔ (روح المعانی ج۹ ص۱۴۳)[1]

مالا یخلق میں ما کا معنیٰ و مراد

سوال :۔ سورۃ اعراف آیت ۱۹۱ میں ارشادِ ربانی ہے: اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۔

یہاں لفظ مَا سے مراد کون ہیں؟ اور لفظ مَا ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے یا غیر ذوی العقول کے لیے؟

الجواب :۔ اس آیتِ کریمہ میں لفظ مَا سے مراد ابلیس اور بت ہیں اور لفظ مَا اکثر غیر ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے تاہم بعض اوقات ذوی العقول کے لیے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔

لما قال البغویؒ : اَيُشْرِكُوْنَ مَا۔ ای ابلیس والاصنام ۔ (معالم التنزیل ج۲ ص۲۲۲ سورۃ الاعراف)[2]

لفظ عِبَادٌ کی تفسیر

سوال :۔ سورۃ الاعراف آیت ۱۹۴ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ میں عِبَادٌ سے کیا مراد ہے؟

---

[1] وقال القاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ : هُمْ ضمیر الاصنام جیئ بہ بناءً علیٰ ان تسمیتھم الٰھۃ ۔ (تفسیر مظہری ج۳ ص۴۴۴ تحت آیۃ : اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔۔ الاعراف)

[2] وقال البیضاویؒ : مَا ای الاصنام ۔ (تفسیر بیضاوی ج۳ ص۳۸ سورۃ الاعراف)

وَمِثْلُهٗ فی تفسیر المظہری ج۳ ص۴۴۴ تحت الآیۃ: اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ (الاعراف)

الجواب: لفظِ عبادٌ عبد کی جمع ہے جو بمعنیٰ مملوک ہے، اور مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کا رَد کرتے ہوئے مشرکینِ مکہ کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو اور تم نے اپنے لیے جو معبود بنا رکھے ہیں اُن میں اور تم میں کوئی فرق نہیں، جیسے تمہارا مالک اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح ان کا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور معبود ایسا ہونا چاہیئے جو عابد سے درجے میں برتر ہو۔[1]

[1] قال القاضی پانی پتیؒ: عبادٌ امثالکم ای مخلوقۃٌ مملوکۃٌ مذللۃٌ مسخرۃ لما ارید منھم۔ (التفسیر المظہری ج ۳ ص ۴۴۴ سورۃ الاعراف پارہ ۹)

فرعون کی لاش کی تحقیق

سوال: مصر کے عجائب گھر میں فراعنہ کے دَور کی ایک لاش ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ اُس فرعون کی لاش ہے جس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے مقابلہ ہُوا تھا، بعض لوگ اس کے ثبوت کے لیے سورۃ یونس کی آیت کریمہ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ کا سہارا لیتے ہیں، کیا اِس آیت کا مقصد واقعی یہ ہے کہ فرعون کی لاش محفوظ رہے گی اور وہ آج تک مصری عجائب گھر میں محفوظ ہے؟

الجواب: مصریوں کو ۱۹۲۶ء میں کچھ لاشیں ملیں جن کو دیکھ کر آثارِ قدیمہ کے بعض ماہرین نے یہ رائے ظاہر کی کہ یہ فرعون کی لاش ہے لیکن یہ بات ابھی تک پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچی کہ واقعی اُسی فرعون کی لاش ہے جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ ہُوا تھا، اس لیے کہ اُس زمانے میں مصر کا ہر بادشاہ فرعون کے نام سے پکارا جاتا تھا، جہاں تک سورۂ یونس کی آیتِ کریمہ سے اس کے لیے سہارا لینے کی کوشش ہے تو یہ ایک بے سود کوشش ہے۔ قرآنِ کریم کی اِس آیتِ کریمہ کا یہ مطلب نہیں کہ فرعون کی لاش قیامت تک محفوظ رہے گی ورنہ آج اس کی لاش ناقابلِ دید ہے اس صورت میں پھر قرآن کی تکذیب لازم آئے گی۔ حضرت تھانویؒ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: "سو بجائے نجاتِ مطلوبہ کے آج ہم تیری لاش کو پانی میں تہہ نشین ہونے سے نجات دیں گے تاکہ اُن کے لیے موجبِ عبرت ہو جو تیرے بعد موجود ہیں کہ تیری بدحالی اور تباہی دیکھ کر احکامِ الٰہیہ کی مخالفت سے ڈریں۔" (بیان القرآن ج ۵ ص ۳۰)[2]

---

[1] وقال البیضاویؒ: امثالکم من حیث انھا مملوکۃٌ مسخرۃ۔ (تفسیر بیضاوی ج ۳ ص ۳۹ سورۃ الاعراف آیت ۱۹۴)

وَمِثْلُہٗ فی معالم التنزیل للبغوی ج ۲ ص ۲۲۲ سورۃ الاعراف۔

[2] مفسرین کے ہاں ننجیک کا معنیٰ ای نُلقیك بنجوۃٍ من الارض الخ "یعنی تیری لاش کو کسی اونچی جگہ میں ڈال دیں گے"۔ (مدارک التنزیل ج ۲ ص ۱۷۵) — وقال البیضاویؒ: نلقیك علیٰ نجوۃٍ من الارض لیراك بنو اسرائیل۔ الخ (تفسیر بیضاوی ج ۳ ص ۱۰۱)

وَھٰکذا قال الزمخشری فی تفسیرہ الشھیر بالکشاف ج ۲ ص ۳۶۸ سورۃ الاعراف۔

لفظ لَاجَرَمَ کی تحقیق

سوال :۔ قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر لفظ لَاجَرَمَ کا استعمال ہوا ہے مثلاً سورۃ النحل، سورۂ مومن وغیرہ، اس کا لفظی معنیٰ کیا ہے اور صرفی و نحوی قوانین کے مطابق اس کی ترکیب کیا ہے؟ اگر لَاجَرَمَ میں لام کے ساتھ الف کو کھڑا کر کے نہ پڑھا جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ لاجرم کو الف کے بغیر پڑھنے سے چونکہ معنیٰ متغیر ہو جاتا ہے اس لیے نماز فاسد ہو جاتی ہے اور یہ احناف کے مشہور اقوال میں سے ہے۔ اس لفظ کی ترکیب صرفی و نحوی میں علماء نے متعدد توجیہات کی ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں :۔

(۱) امام سیبویہ خلیل اور جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ لاجرم خمسۃ عشر کی طرح مرکب بنائی ہے اور مجموعہ فعل ماضی کے معنیٰ میں ہے یعنی حَقَّ، اور اس کے بعد والا کلام کا مصدر باَنَّ ہے جو کہ لاجرم کا فاعل ہوتا ہے۔

(۲) بعض دوسرے علماء کے نزدیک جَرَمَ فعل ماضی بمعنیٰ ثَبَتَ و وَجَبَ ہے اور بعد والا جملہ اس کا فاعل ہے اور لَا اس میں نافیہ ہے جو ماقبل کے مضمون کی نفی کرتا ہے۔

(۳) زجاج کا کہنا ہے کہ جَرَمَ بمعنےٰ کسب ہے اور اس میں ضمیر مستتر ہے اس کا فاعل ہے جو کلام سابق کے مناسب مضمون کی طرف راجع ہے اور مابعد والا کلام جَرَمَ کا مفعول ہوگا اور لَا نافیہ ہے۔

(۴) زجاج سے یہ بھی منقول ہے کہ لَاجَرَمَ اصل میں لَا یَدُخْلَنَّکُمْ فِی الْجَرَمَ کے معنی میں ہے پھر کثرتِ استعمال کی وجہ سے لَا بُدَّ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

(۵) کسائیؒ سے منقول ہے کہ جَرَمَ میں لَا نافیہ ہے اور جَرَمَ اس کا اسم ہے مبنی بر فتحہ جیسے لَا رَجُلَ اور معنیٰ اس کا لَاصَدَّ وَلَا مَنعَ ہے۔

(تفسیر روح المعانی ج۲ ص۳۲۔ تفسیر قرطبی ج۵ ص۲۰)

حضرت یوسف علیہ السّلام اور زلیخا کے نکاح کی تحقیق

حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کے درمیان عقد نکاح ہوا تھا یا نہیں؟

الجواب:۔ حضرت یوسف علیہ السلام جب شاہِ مصر کے ہاں گئے تو عزیزِ مصر کی بیوی کے ساتھ پیش آنے والا واقعہ کی صفائی کے بعد شاہِ مصر تے آپ کو اپنے خواص میں نمایاں جگہ دی اور پھر عزیزِ مصر کے انتقال کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کو اُس کے منصب پر فائز کیا

اور اس کی بیوی جس کا نام بعض مفسرین نے زُلیخا بتایا ہے اس کا نکاح حضرت یوسفؑ کے ساتھ کر دیا۔ چونکہ عزیزِ مصر نامرد تھا اس لیے زلیخا اس وقت تک باکرہ ہی رہی۔ پھر زُلیخا سے حضرت یوسف علیہ السّلام کے تین بچے پیدا ہوئے جن کے نام افرائم، میشا اور رحمت ہیں۔

قال البغویؒ: عن ابن اسحٰقؒ قالوا ثمّ ان قطفیرای عزیزِ مصر ھلک فی تلک اللیالی فزوج الملک لیوسف راعیل امرأۃ قطفیر فلمّا دخل علیھا قال الیس ھٰذا خیرًا ما کنت تریدین متی قالت ان العزیز کان لایأتی النساء۔۔۔۔ فقرب منھا یوسف فوجدھا عذراء۔ (معالم التنزیل ج۲ ص۴۳۳) لہ

حضرت یوسف علیہ السّلام کے حیلے کی حقیقت

سوال:۔ سورۃ یوسف آیت ۰۷ میں ہے کہ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُھَا الْعِیْرُ اِنَّکُمْ لَسَارِقُوْنَ۔ اس میں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو چور ٹھہرایا گیا ہے جو دراصل بے گناہ تھے، اور سورۂ نساء آیت ۔۔۔ میں ارشادِ ربانی ہے: وَمَنْ یَّکْسِبْ خَطِیْئَۃً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ یَرْمِ بِہٖ بَرِیْئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُھْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِیْنًا۔ اس آیت سے بے گناہ پر الزام لگانا گناہ معلوم ہو رہا ہے، لہٰذا یوسف علیہ السلام نے کیوں ایسا کام کیا؟

الجواب: حضرتِ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے پاس رکھنے کا جو طریقہ اختیار کیا تھا وہ وحیِ الٰہی کے تابع تھا جس کی بعد میں اللہ تعالیٰ نے کَذٰلِکَ کِدْنَا لِیُوْسُفَ کے ساتھ تعبیر کر کے تحسین بھی فرمائی، لہٰذا اس میں حضرت یوسف علیہ السّلام پر کوئی الزام عائد نہیں ہوتا۔

لما قال احمد الصاویؒ: کذٰلِکَ کدنا لیوسف علمناہ الاحتیال۔ ای فما وقع من یوسف فی تلک الواقعۃ بوحی من اللہ تعالیٰ وحینئذٍ فلا یقال کیف نادیٰ علیٰ اخوتہ بالسرقۃ واتھمھم بھا مع انھم بریئون۔ (تفسیر صاوی ج۲ ص۲۵۲ سورۃ یوسف) ۲ہ

لہ قال القرطبیؒ: ثمّ مات قطفیرای عزیز مصر فوجدالولید بزوجۃ قطفیر راعیل فدخل بھا یوسف فوجدھا عذراء وولدت لہ والدین الخ۔ (احکام القرآن ج۵ ص۲۱۸ سورۃ یوسف)

وَمِثْلُہٗ فی تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۴۸۲ سورۃ یوسف۔

۲ہ وقال الحافظ ابن کثیر وھٰذا من الکید المحبوب المراد الذی یحبہ اللہ ویرضاہ لما فیہ من الحکمۃ والمصلحۃ المطلوبۃ الخ (تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۴۸۵ سورۃ یوسف)

وَمِثْلُہٗ فی تفسیر جامع البیان للطبری ج۸ ص۲۴ سورۃ یوسف۔

مسئلہ روح

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! روح کی حقیقت کیا ہے؟ اس مسئلہ کو وضاحت سے بیان فرمایا جائے؟

الجواب :۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے بارے میں سوال ہوا تو وحی الٰہی کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے صرف اس پر اکتفاء کیا: قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ یعنی روح بھی میرے رب کے امرِ کُنْ ہی سے ہے اور اس کی مخلوق ہے۔

اس کے بعد ہر زمانے کے فلاسفہ عقلاء اور سائنسدان، غرض ہر مذہب کے پیروکار آئے اور انہوں نے اپنی علمی بساط کے مطابق روح کے بارے میں اظہارِ خیال کیا حتیٰ کہ روح ایک مستقل موضوع بن گیا جس پر کئی کتابیں اور رسائل لکھے گئے۔

اسی طرح مفسرین حضرات میں بھی دو جماعتیں بن گئیں، بعض نے اس میں تفصیل اور گہرائی میں جانے سے گریز کیا ہے اور انہوں نے اُسی اجمال کو ترجیح دی ہے جسے کلام اللہ میں بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رُوح کے بارے میں لوگوں نے جو اختلاف کیا ہے اس کے ذکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے کہ اس پر کوئی دلیل نہیں اور انہوں نے جو تحقیقات و تفصیلات کی ہیں ان کو طِبّ اور فلسفہ سے اخذ کیا گیا ہے جس سے سلف نے قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ کے پیشِ نظر سکوت کیا ہے۔ اس لیے کہ سلف صالحین نے جب یہ دیکھا کہ مشرکین نے سوال کیا اور اس وقت وحی نازل ہو رہی تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے پھر بھی مشرکین کو تفصیلی جواب نہیں ملا تو اس مسئلے میں سکوت کرنا اولیٰ اور بہتر ہے۔

لما قال وقد اختلف الناس فی ماھیۃ الرُّوح ثمّ اختلفوا ھل الروح النفس ام ھما شیئان فلا یحتاج الیٰ ذکر اختلافھم لانہ لا برھان علیٰ شیٔ من ذٰلک وانما ھو شیٔ اخذوہ عن الطّبّ والفلاسفۃ فاما السّلف فانّھم سکتوا عن ذٰلک لقولہٖ تعالیٰ: قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ فلمّا رأوا ان القوم سألوا عن الروح فلم یجابوا والوحی ینزل والرّسول حیّ علموا ان سکوت عمّا لم یحفظ بحقیقۃ علمہ اولیٰ۔ (زاد المسیر ج ۵ ص ۸۶ سورۃ الاسراء)

اسی طرح امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی اُسی ابہام کو ترجیح دی ہے جسے قرآن میں اختیار کیا گیا ہے، وہ فرماتے ہیں قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ کی وجہ سے بہتر اس میں ابہام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل بیان نہ کرکے مبہم اس لیے چھوڑا ہے تاکہ انسان اپنے وجود پر علم رکھنے کے باوجود اپنی حقیقت سے جاہل ہو کر اپنے عجز کا اعتراف کرے۔ اور جب انسان کی اپنے نفس

کے بارے میں یہ حالت ہو تو اللہ جل مجدہ کی حقیقت کے جاننے کے بارے میں ضرور عاجز ہوگا۔

لما قال الصحیح الابہام لقولہٖ تعالیٰ: قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي۔ ای ھو امر عظیم وشأن کبیر من امر اللہ تعالیٰ مبھمًا وتارکًا تفصیلہ لیعرف الانسان علی القطع عجزہ عن علم حقیقۃ نفسہٖ مع العلم بوجودھا واذا کان الانسان فی معرفۃ نفسہٖ ھٰکذا کان بعجزہٖ عن ادراک حقیقۃ الحق اولیٰ۔ الخ (احکام القرآن للقرطبی ج۱۰ ص۳۲۴)

ان کے مقابلے میں بعض مفسرین حضرات ایسے ہیں جو روح کے بارے میں تفصیل کرتے ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ آیتِ کریمہ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي میں اجمال کو اس لیے اختیار نہیں کیا گیا کہ اُمتِ مرحومہ اس کی حقیقت کو نہیں بھانپ سکتی بلکہ یہ اجمال اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ اکثریت اس کی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتی اگرچہ بعض افراد پر یہ حقیقت کھل سکتی ہے، اور یہ ضروری نہیں کہ جس چیز سے شریعت نے سکوت کیا ہو اس کی معرفت ناممکن ہو بلکہ اکثر ایسے ہوتا ہے کہ کسی مصلحت کے پیش نظر سکوت کیا جاتا ہے جسے اکثر نہیں سمجھ سکتے۔

لما قال الامام ولی اللہ الدھلویؒ: ولیست الآیۃ نصًا فی انہ لایعلم احد من الامۃ المرحومۃ حقیقۃ الروح کما یظن ولیس کل ما سکت عنہ الشرع لایمکن معرفتہ البتۃ بل کثیرًا ما یسکت عنہ لاجل انہ معرفۃ دقیقۃ لایصلح لتعاطیھا جمھور الامۃ وان امکن لبعضھم۔ الخ (حجۃ اللہ البالغۃ ج۱ ص۱۸ باب حقیقۃ الروح)

اس کے بعد روح کے بارے میں تفصیل بیان کرتے ہوئے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:-
جاننا چاہیئے کہ روح کے متعلق اوّلاً یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیوان میں زندگی کا باعث ہوا کرتی ہے جب حیوان میں روح ڈال دی جاتی ہے تو وہ زندہ ہو جاتا ہے اور جب نکال لی جاتی ہے تو وہ مر جاتا ہے، اس کے بعد غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بدن میں ایک لطیف بھاپ ہے جو اخلاط کے خلاصہ سے پیدا ہوتا ہے..... پھر جب زیادہ غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ روح روحِ حقیقی کا مرکب ہے اور روحِ حقیقی کے بدن سے متعلق ہونے کا مادہ ہے.... اور روحِ حقیقی ایک جداگانہ چیز ہے، وہ ایک نورانی نقطہ ہے، ان تمام متغیرات سے جن میں سے بعض جوہر ہیں اور بعض عرض، اس کا رنگ ڈھنگ نرالا ہے۔

لما فی الحجۃ اللہ البالغۃ: واعلم ان الرّوح اوّل ما یدرک من حقیقتھا انھا مبدأ الحیاۃ فی الحیوان وانہ یکون حیًّا بنفخ الرّوح فیہ ویکون میتًا بمفارقتھا منہ ثم اذا امعن

فی التامل ینجلی ان فی البدن بخاراً لطیفاً متولداً فی القلب من خلاصة الاخلاط .....
ثم اذا امعن فی النظر ایضاً انجلی ان هذا الروح مطیة للروح الحقیقة ومادة لتعلقها.....
بل الروح فی الحقیقة حقیقة فردانیة ونقطة نورانیة یجل طورها عن طور هذه الاطوار المتغیرة المتغائرة التی بعضها جواهر وبعضها اعراض ۔ (حجة اللہ البالغة ج ۱ ص۱۸ باب حقیقة الروح) [1]

اصحاب کہف کے کتے کا جنت میں جانا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارے میں کہ اصحاب کہف کا کتا جنت میں جائے گا یا نہیں؟

الجواب: قرآن کریم اس مسئلے میں ساکت ہے اور ذخیرہ احادیث میں بھی اس کا ذکر نہیں ملتا، تاہم مفسرین حضرات نے چند حیوانات ایسے بتلائے ہیں جو جنت میں جائیں گے اور اصحاب کہف کے کتے کو بھی ان کی فہرست میں شمار کیا ہے۔

لما قال العلامة اسمٰعیل حقی البرسوی رحمہ اللہ: وروی انہ یدخل الجنة مع المؤمنین علی ما قال مقاتل عشرة من الحیوانات تدخل الجنة ناقة صالح علیہ السلام وعجل ابراہیم علیہ السلام وکبش اسمٰعیل علیہ السلام وبقرة موسیٰ علیہ السلام وحوت یونس علیہ السلام وحمار عزیر علیہ السلام ونملة سلیمان علیہ السلام وھدھد بلقیس وکلب اصحاب الکہف وناقة محمد صلی اللہ علیہ وسلم فکلھم یصیرون علی صورت کبش و یدخلون الجنة ۔ (روح البیان ج ۵ ص۲۲۶ سورة الکہف) [2]

صاحب موسیٰ علیہ السلام کا بشر ہونا

سوال: حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جس شخص کے پاس جاکر استفادہ کرنے کا حکم ہوا تھا وہ انسان تھا یا کوئی

---

[1] وقال احمد مصطفیٰ المراغی رحمہ اللہ:۔ ان الروح جسم نورانی حی متحرك من العالم العلوی مخالف بطبعه لهذا الجسم المحسوس سار فیه سریان الماء فی الورد والدهن فی الزیتون والنار فی الفحم لایقبل التبدل والتفرق والتمزق یفید الجسم المحسوس الحیاة وتوابعها مادام صالحاً لقبول الفیض وعدم حدوث ما یمنع السریان والاحداث الموت ۔ واختاره الرازی وابن القیم ۔ (تفسیر مراغی ج ۱۵ ص۸۹ آراء العلماء فی الروح)

[2] وقال العلامة محمود الآلوسی رحمہ اللہ: وجاء فی شأن کلبهم انه یدخل الجنة یوم القیامة فعن خالد بن معدان لیس فی الجنة من الدواب الا کلب اصحاب الکهف وحمار بلعم ۔ (روح المعانی ج ۱۵ ص۲۲۶ تحت وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ ۔ الکہف)
وَمِثْلُهٗ فی تفسیر جمل ج ۳ ص۱۲ سورة الکہف ۔

فرشتہ تھا؟

الجواب:۔ اس بارے میں ایک ضعیف قول یہ ہے کہ یہ شخص فرشتہ تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس سے استفادہ کرنے کا حکم ہوا تھا، لیکن یہ قول بہت ہی کمزور اور غیر معتمد بہ ہے اور جمہور علماء کے نزدیک یہ حضرتِ خضرؑ تھے جو حضرتِ آدم علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور فرشتہ نہ تھے بلکہ انسان تھے۔

لما قال الشیخ آلوسی رحمہ اللہ: قولہ تعالیٰ: عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا۔ الجمهور على انه الخضر بفتح الخاء۔ وقيل الياس وقيل ملك من الملٰئكة وهو قول غريب باطل كما فى شرح مسلم والحق الذى تشهد له الاخبار الصحيحة هو الاول الخ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۳۱۹) لہ

نبوتِ خضر علیہ السلام

سوال:۔ خضر علیہ السلام نبی تھے یا ویسے اللہ تعالیٰ کے کوئی نیک بندے تھے؟

الجواب: حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت ورسالت اور ولایت میں اختلاف ہے بعض علماء کے نزدیک وہ اللہ تعالیٰ کے ولی اور نیک بندے تھے، اور بعض دیگر حضرات کا قول یہ ہے کہ وہ نبی تھے جس پر وہ مختلف شواہد اور دلائل پیش کرتے ہیں۔

لما قال الحافظ ابن کثیرؒ: تحت قولہ تعالیٰ: وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ۔ وفيه دلالةٌ من قال بنبوة الخضر عليه السلام وقال آخرون كان رسولاً وقيل بل كان ملكاً وذهب كثيرون الى انه لم يكن نبيّاً بل كان وليّاً۔ فالله اعلم۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۹۹ سورۃ الکہف آیت ۸۲)

وقال الرازی رحمہ اللہ: قال الاكثرون ان ذٰلك العبد كان نبيّاً واحتجوا عليه بوجوه الخ۔ (تفسیر کبیر ج ۲۱ ص ۱۴۸ سورۃ الکہف آیت ۶۵) ؎۲

لہ وقال القرطبی رحمہ اللہ: هو الخضر عليه السلام فى قول الجمهور ...... وقيل كان ملكاً امر الله موسىٰ ان يأخذ عنه مما حمله من علم الباطن والاول الصحيح۔ (تفسیر قرطبی ج ۶ ص ۱۶ سورۃ الکہف آیت ۸۳)

؎۲ وقال القرطبی رحمہ اللہ: والخضر نبى عند الجمهور وقيل هو عبد صالح غير نبى والآية تشهد بنبوته لان بواطن افعاله لا تكون الا بوحى۔ (تفسیر احکام القرآن للقرطبی ج ۱۱ ص ۱۶ سورۃ کہف آیت ۶۵)

وقال ابوحیان الاندلسی رحمہ اللہ: والجمهور على ان الخضر نبى وكان علمه معرفته بواطن قد اوحيت اليه الخ۔ (تفسیر البحر المحیط ج ۶ ص ۱۴۷ سورۃ الکہف آیت ۶۵)

حیاتِ خضر علیہ السلام کی تحقیق

سوال: حضرتِ خضر علیہ السلام اب بھی زندہ ہیں یا فوت ہوچکے ہیں؟

الجواب: حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کے بارے میں علماء ۲ دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ بعض محدثین کا قول یہ ہے کہ وہ فوت ہوچکے ہیں، اور وہ اس پر مختلف دلائل پیش کرتے ہیں لیکن ان کے مقابلے میں جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ حضرتِ خضر علیہ السلام ابھی تک زندہ ہیں، اور یہی صوفیائے کرام کا قول ہے۔

لما قال العلامۃ آلوسیؒ: وذھب جمھور العلماء الی انہ حیٌّ موجود بین اظھرنا وذٰلک متفقٌ علیہ عند الصوفیۃ۔

قال النوویؒ: وقال ابن صلاح ھو حیٌّ الیوم عند جماھیر العلماء والعامۃ معھم فی ذٰلک وانما ذھب الی انکارہ بعض المحدثین۔ الخ (روح المعانی ج ۵ ص ۲۹۵ سورۂ کہف آیت ۶۵)

وقال الثعالبیؒ: والخضر شرب من ماء الحیاۃ فھو حیٌّ الی ان یخرج الدجال وانہ الرجل الذی یقتلہ الدجال۔ (تفسیر ثعالبی ج ۲ ص ۲۸۸ سورۃ الکھف آیت ۶۰)

وقال القرطبیؒ: الصحیح انہ حیٌّ علی ما نذکرہ من الدلائل۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۱ ص ۴۱ سورۃ الکھف آیت ۸۲)

تاہم چونکہ مسئلہ اختلافی ہے اور دونوں طرف محققین علماء موجود ہیں، اور اس سے کسی عقیدے کا تعلق بھی نہیں، اس لیے اس کے بارے میں وہی راستہ اختیار کرنا چاہیے جس کو قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں مجدد الف ثانی رحمہ اللہ سے نقل کرکے فریقین کے اشکالات کو رفع کیا ہے، وہ یہ ہے کہ "حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے عالمِ کشف میں خود خضر علیہ السلام سے اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں اور الیاس علیہم السلام ہم دونوں زندہ نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ قدرت بخشی ہے کہ ہم زندہ آدمیوں کی شکل میں متشکل ہوکر لوگوں کی امداد مختلف صورتوں میں کرتے ہیں" یہ ایک ایسا حل ہے کہ اس سے جانبین کے استدلات اور شواہد کی رعایت ہو جاتی ہے۔

ولا یمکن حل ھٰذا الاشکال الا بکلام المجدد للالف الثانیؒ فانہ حین سئل عن حیاۃ الخضرؑ ووفاتہ توجہ الی اللہ سبحانہ متعلماً من جنابہ عن ھٰذا الامر فریٔ الخضرؑ حاضراً عندہ فسئلہ عن حالہ فقال انا والیاس لسنا من الاحیاء لکن اللہ سبحانہ اعطی لنا قوۃ نتجسد بھا ونفعل بھا افعال الاحیاء من ارشاد الضال واغاثۃ الملھوف اذا شاء اللہ وتعلیم اللدنی واعطاء النسبۃ لمن

شاء اللہ تعالیٰ۔ (تفسیر مظہری ج ۶ ص ۶۲ سورۃ الکہف آیت ۸۲)

ذوالقرنین کون تھا؟

سوال: قرآن کریم میں ذوالقرنین کا ذکر آیا ہے، یہ شخص کون تھا؟

الجواب: ذوالقرنین کے متعلق قرآن کریم میں جو وضاحت ہے وہ صرف اتنی ہے کہ وہ ایک نیک اور عادل بادشاہ تھا جس نے مشرق و مغرب میں پہنچ کر ان ممالک کو فتح کیا اور ان میں عدل و انصاف کی حکومت قائم کی، اس مہم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر قسم کا سامان اور ضروریات اس کو عطا کیے گئے تھے، اس نے فتوحات کرتے ہوئے مختلف اطراف کے اسفار کیے، جن میں مشرقِ اقصیٰ، مغربِ اقصیٰ اور شمالی کوہستان کے ممالک شامل ہیں، اس سفر کے دوران اُس نے دو پہاڑوں کے درمیانی دَرے کو آہنی دیوار سے بند کر دیا جہاں سے یاجوج ماجوج نکل کر وہاں کے باشندوں کو تکالیف پہنچاتے اور ہراساں کرتے تھے۔ چونکہ قرآن کریم کا نزول ضروریات کے مطابق ہوتا تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اُس وقت جو سوال ہوا تھا اُس کے سائلین کی تشفی مذکورہ جواب سے ہوگئی تھی، اس لیے قرآنِ مجید میں ذوالقرنین کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ ذکر نہیں کیا گیا اور نہ ہی ذخیرۂ احادیث میں اس کے بارے میں کوئی خاص ذکر ملتا ہے، البتہ اس بارے میں تاریخی اور اسرائیلی روایات ملتی ہیں، لیکن چونکہ ذوالقرنین کی تعیین کے بارے میں تاریخی روایات مختلف ہیں اس لیے چند اقوال ملاحظہ ہوں:۔

(۱) بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد اسکندر مقدونی یونانی ہے جو عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے گذرا ہے، اور اسی کو علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے ترجیح دی ہے۔

لما قال: والاقرب عندی لالزام اھل الملل والنحل۔۔۔۔ اختیار انّہ الاسکندر بن فیلفوس غالب دار۔ الخ۔ (روح المعانی ج ۶ ص ۳۰ سورۂ کہف آیت ۸۴)

(۲) اسی طرح امام رازیؒ نے اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے اسی قول کو ذکر کرکے اس پر دلائل پیش کیے ہیں، اور اخیر میں کہتے ہیں، والقول الاوّل اظھر لما ذکرنا۔ الخ

(تفسیر کبیر ج ۲۱ ص ۱۶۵ سورۂ کہف آیت ۸۳)

لیکن حافظ ابن کثیرؒ نے اس قول کی بڑی سختی سے تردید کی ہے کہ اسکندر مقدونی کافر و مشرک تھا اور حکیم ارسطو اس کا استاد تھا اور جس شخص کا ذکر قرآنِ کریم میں آیا وہ اتفاقاً مومن تھا، بلکہ بعض کے نزدیک تو نبی تھا، لہٰذا اس کو اسکندر مقدونی کہنا غلط ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۹۷ خبر ذوالقرنین)

(۳) بعض مؤرخین اور مفسرین کے نزدیک ذوالقرنین سے مراد ابوکرب شمّر بن عبیر حمیری تھا، اور وہ اس پر بنوحمیر کے شعراء کے قصائد سے استدلال کرتے ہیں جن میں ذوالقرنین کی تعریف کی گئی ہے، اسی قول کو ابوریحان بیرونی نے ترجیح دی ہے۔ (تفسیر کبیر، روح المعانی)

(۴) اور اکثر متقدمین کے نزدیک ذوالقرنین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معاصر تھا، حج کے موسم میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس کی ملاقات ہوئی اور خضر علیہ السلام اس کے وزیر یا مشیر تھے۔

(۵) جدید دور کے محققین اور تاریخ القرآن کے ماہرین مثلاً مولانا حفظ الرحمٰنؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ وغیرہ کا مؤقف یہ ہے کہ قرآن میں مذکور ذوالقرنین سے مراد فارس کا وہ بادشاہ ہے جسے یہود خورس، یونانی سائرس، فارسی گورش، اور عرب کیخسرو کہتے ہیں۔ اس پر وہ قرآن کریم سے اور تاریخی شواھد اور اسرائیلی روایات سے دلائل قائم کرتے ہیں۔

(قصص القرآن ج ۳ ص۱۱۷ تا ۱۸۹ ذوالقرنین)

لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ کی تفسیر

سوال:۔ شیخ سعدیؒ نے فرمایا ہے ؎

سگِ اصحابِ کہف روزے چند :: پئے نیکاں گرفت مردم شُد

جس میں اصحابِ کہف کے کُتّے کا انسان بننا معلوم ہوتا ہے، لیکن اس سے ذہن میں کچھ خدشات پیدا ہوتے ہیں کہ اصحابِ کہف کا کتا کیسے انسان بنا؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ تو پھر اس کُتے میں کیسے تبدیلی آئی کہ وہ انسان بن گیا؟

الجواب:۔ قرآنِ کریم اور ذخیرۂ احادیث میں یہ بات کہیں نہیں ملتی کہ اصحابِ کہف کا کُتا انسان بن گیا ہو، اور نہ ہی شیخ سعدیؒ کی یہ مراد ہے بلکہ شیخ سعدیؒ نیک بندوں کی صحبت کے اچھے اثرات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب کُتے نے (جو کہ نجس حیوان ہے) نے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی صحبت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اس کا ذکر فرمایا۔ جب کُتے کو نیکوں کی صحبت سے اتنا بلند رتبہ ملتا ہے تو مومن مؤحد جب ایسا کرے گا تو وہ ضرور اس رُتبے کا مستحق بنے گا۔

لما قال محمد بن احمدؒ۔ قلتُ اذا کان بعض الکلاب قد نال ھٰذہ الدرجۃ العلیا بصحبتہ ومخالطتہٖ الصلحاء والاولیاء حتّٰی اخبر اللہ تعالیٰ بذٰلک فی کتابہ جلّ وعلا فما ظنّک بالمؤمنین الخ۔ (قرطبی ج۱۰ ص۳۷۱ سورۃ الکہف آیت ۱۸)

اور مردم شُد کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ کُتا انسانوں کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا یہ نہیں کہ انسان بن گیا ع ای مردماں داخل جنت شد۔ (روح البیان ج۵ ص۲۲۶ سورۃ الکہف آیت ۱۸)

اور لا تبدیل لخلق اللہ میں خلق سے مراد دین اور فطرت سلیمہ ہے۔

لما قال اسماعیل ابن کثیرؒ:۔ قال بعضھم لا تبدلوا خلق اللہ فتغیروا الناس عن فطرتھم التی فطرھم اللہ علیہا وھو معنیٰ حسنٌ۔ (تفسیر ابن کثیر ج۳ ص۴۴۷ سورۃ الروم آیت ۳۰) ۱ہ

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کی تحقیق

سوال:۔ بعض لوگ حضرت ایوب علیہ السلام کی طرف ایک خاص بیماری کی نسبت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس بیماری کی وجہ سے اُن کے جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے، یہ واقعہ کہاں تک صحیح ہے؟ اور قرآن وحدیث کی رُو سے اس کی کیا حقیقت ہے؟

الجواب:۔ اس بارے میں قرآنِ کریم میں صرف اتنی تصریح موجود ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک شدید بیماری لاحق ہوگئی تھی جس سے نجات کے لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دُعا کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفاء عطا فرمائی۔ لیکن اس بیماری کے تعین کے بارے میں قرآنِ کریم ساکت ہے، اسی طرح ذخیرۂ احادیث بھی اس کے تعین سے خاموش ہے، البتہ بعض آثار سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے جسم کے ہر حصے پر پھوڑے نکل آئے تھے جن کی وجہ سے لوگ نفرت کا اظہار کرتے تھے، لیکن محققین مفسرین نے ان آثار کی صحت سے انکار کیا ہے، اُن کا کہنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر بیماری تو آسکتی ہے لیکن انہیں کسی ایسی بیماری میں مبتلا نہیں کیا جاتا جو عوام کی نفرت کا سبب بنے۔ لہٰذا حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کوئی خاص بیماری نہ تھی بلکہ عام بیماری تھی، اور جن آثار میں ان کی طرف کیڑوں کی نسبت کی گئی ہے اُن پر روایۃً ودرایۃً اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

لما قال محمود الآلوسیؒ: وکل ھٰذہ الاقوال عندی متضمنۃٌ ما لا یلیق بمنصب الانبیاء علیہم السلام۔ (تفسیر روح المعانی ج۲۳ ص۲۰۶) ۲ہ

۱ہ وقال حافظ الدین النسفیؒ: لا تبدیل ای ماینبغی ان تبدل تلک الفطرۃ او تغیر وقال الزجاج معناہ لا تبدیل لدین اللہ ویدل علیہ ما بعدہٗ۔ (مدارک التنزیل ج۳ ص۲۷۲ سورۃ الروم آیت ۳۰)

۲ہ ولا شک ان ھٰذا الحدیث من اخبار الاحاد التی تصادم اساس الدین الصحیحۃ من ان الانبیاء یجب ان لا یکون فیھم من الامراض ما یتقزز الناس منھم۔ (تفسیر مراغی احمد مصطفیٰ ج۲۳ ص۱۲۵)

حضرت داؤد علیہ السّلام اور اسرائیلی روایات

سوال:۔ قرآن کریم کی سورۃ صٓ میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کے متعلق تفسیر جلالین میں بمحبّۃ تلك المرأۃ کے ساتھ تفسیر کی گئی ہے۔ اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے توقف کو ترجیح دی ہے۔ اسی طرح تفسیر روح البیان میں لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کے بیان کرنے والے کے لیے حد مقرر کی تھی۔ اس واقعہ میں کہاں تک صداقت ہے؟

الجواب:۔ جلالین اگرچہ ایک بہترین تفسیر ہے لیکن بعض مقامات پر اس کی تفسیر قابلِ مواخذہ ہے جن میں سے ایک مذکورہ جگہ بھی ہے، انبیاء علیہم السلام کی طرف ایسی نسبت موجب تنقیص ہے جس سے انبیاء کرام محفوظ ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ محققین مفسّرین نے اس واقعہ سے انکار کیا ہے، چنانچہ حافظ اسماعیل بن کثیر رحمۃ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔

قد ذکر المفسّرون ھٰھنا قصّۃً اکثرھا ماخوذٌ من الاسرائیلیات ولم یثبت فیھا عن المعصوم حدیث یجب اتباعہٗ ...... فالاولیٰ ان یقتصر علیٰ مجرد تلاوۃ ھٰذہٖ الآیۃ وان یرد علمھا الی اللہ عزّوجلّ۔ الخ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۵۷ سورہ صٓ)

اور علّامہ احمد مصطفٰی رحمہ اللہ اس بارے میں لکھتے ہیں :۔

انّما جاء من القصص عن ذکر التسبب فی مجیٔ الملکین ممایخل بمنصب النبوّۃ وفیہ نسبۃ الکبائر الی الانبیاء فیجب علینا ان نطرحہٗ اذ یبطل الوثوق بالشرائع۔ الخ

(تفسیر مراغی ج ۲۳ ص ۱۱۱ سورۃ صٓ)

علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حد مقرر کرنے کی جو بات ہے یہ کسی روایت سے ثابت نہیں اور بصورتِ ثبوت اُن کے اجتہاد پر محمول ہے جس کی اتباع کرنا ضروری نہیں۔ علّامہ آلوسی رحمہ اللہ اس موقعہ پر تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

قال علیؓ علیٰ ما فی بعض الکتب من حدّث بحدیث داوٗد علیہ السلام علیٰ مایرویہ القصاص جلدتہٗ مائۃ وستّین وذٰلک حد الفریۃ علی الانبیاءؑ۔ وھٰذا اجتھاد منہ کرّم اللہ وجھہٗ الا ان الزین العراقی ذکران الخبر نفسہٗ لم یصح عن الامیر رضی اللہ عنہ۔ (تفسیر روح المعانی ج ۲۳ ص ۱۵۸ سورۃ صٓ)

لہٰذا اس آیت کی وہ تفسیر قابلِ قبول ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر سے

معلوم ہوتی ہے۔

عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما قال ما اصاب داؤد ما اصابہ بعد القدر الامن عجب بہ من نفسہ وذلک انہ قال یارب ما من ساعۃ من اللیل ولا نہار الا وعابد من آل داؤد یعبدک یصلی لک ویسبح اویکبر وذکر اشیاء فکرہ اللہ وقال یا داؤد ان ذلک لم یکن الا بی فلولا عونی ما قویت علیہ وجلالی لاکلنک الی نفسک یوما قال یارب فاخبرنی بہ فاصابتہ الفتنۃ ذلک الیوم۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک ج۲ ص۴۳۳)

جن کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض امور مثلاً حسنِ انتظام اور ہر وقت عبادت میں شغل سے ایک نوع اعجاب کی وجہ سے بطور عتاب یہ واقعہ پیش آیا۔

تعداد ازواج حضرت داؤد علیہ السلام

سوال:۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد کتنی تھی؟

الجواب: حضرت داؤد علیہ السلام کی بیویوں کی تعداد مؤرخین اور مفسرین نے ایک سو (۱۰۰) بتائی ہے، لیکن یہ کوئی انوکھی بات نہیں، اس لیے کہ اُن کی شریعت میں تعداد ازواج کے بارے میں کوئی خاص حد مقرر نہیں تھی کہ جس کی پابندی کی جاتی۔

لما قال الحافظ ابن کثیر رحمہ اللہ: وکانت لداؤد مائۃ امرأۃ منہم امرأۃ وریا ام سلیمان التی تزوجہا بعد الفتنۃ وقد ذکرا لکلبی نحوہذا۔ (البدایۃ والنہایۃ ج۲ ص۱۵) [1]

اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ کی تفسیر

سوال:۔ سورۂ ص کی آیت ۷۵ اَسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ، میں لفظ عالین سے بعض لوگ جماعت پنج تن پاک مراد لیتے ہیں اور ان لوگوں کے نزدیک پنج تن پاک سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرتِ فاطمہؓ، حضرت علیؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ ہیں، اور ان کو حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ

---

[1] وقال القرطبیؒ: وفی التفسیر لہ تسع وتسعون امرأۃ۔ قال ابن العربیؒ: ان کان جمیع ہن احرارًا فذلک شرعہ وان کن اماءً فذلک شرعنا والظاہر ان شرع من تقدم قبلنا لم یکن محصورًا بعدد وانما الحصر فی شریعۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم لضعف الابدان وقلۃ الاعمار۔ (احکام القرآن للقرطبی ج۱۵ ص۱۶۱ سورۃ ص)

وَمِثْلُہٗ فی تفسیر جلالین ج۲ ص۳۸۱ سورۃ ص۔

کرنے سے مُستثنیٰ کیا گیا تھا، کیا واقعۃً کوئی ایسی جماعت تھی جسے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے مُستثنیٰ کیا گیا ہو؟

الجواب:۔ حضرت آدم علیہ السّلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں کو دیا گیا تھا جس میں فرشتوں کے علاوہ کوئی اور داخل نہیں تھا، جبکہ پنج تن پاک کی جماعت اُس وقت پیدا ابھی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ کسی تفسیرِ قرآن یا حدیث میں یہ بات نہیں ملتی کہ یہاں عَالِیْن سے مراد پنج تن پاک ہوں جبکہ اس آیت کی جو تفسیر ہے وہ یوں ہے کہ جب ابلیس لعین نے حضرت آدم علیہ السّلام کو سجدہ کرنے کے حکم سے انکار کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس! تُو نے میری اس خاص مخلوق کو سجدہ کیوں نہ کیا جبکہ یہ میرا حکم تھا، تو نے اب تکبّر کیا یا تو پہلے سے متکبّر تھا۔

لما قال العلامة محمود الآلوسیؒ: استکبرت من غیر استحقاق اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ۔ او کنت مستحقاً للعلو فائق فیہ۔ وقیل المعنیٰ احدث لك الاستکبار ام لم تزل منذ کنت من المستکبرین الخ۔ (روح المعانی ج ۲۳ ص۲۲۶ سورۃ صٓ)

لفظ اعداء اللہ کی تفسیر

سوال:۔ کیا سورۃ حٰمٓ السجدہ کی مندرجہ ذیل آیات وَیَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ۔ حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ (آیت ۱۹، ۲۰) سے یہود و نصاریٰ، مشرکین، دہریہ وغیرہ ہی مراد ہیں یا جو لوگ کلمہ پڑھ کر حدود اللہ سے تجاوز کرتے ہیں اور خدا و رسول کی نافرمانی کرتے ہیں وہ بھی اس میں داخل ہیں؟

الجواب:۔ کسی آیت کے مفہوم کے بارے میں قطعی طور پر یہ فیصلہ کرنا کہ اس سے یہی مراد ہے کوئی اور نہیں، یہ تب ہو سکتا ہے جب الفاظ کی دلالت کا اس پر قطعی یقین ہو دوسرا احتمال نہ ہو یا اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تصریح موجود، اِن دونوں صورتوں کے علاوہ قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ تاہم آیت کا سیاق و سباق، موقع و محل کی مناسبت اور قرآن کی دوسری شہادتیں ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے عقلِ سلیم والا شخص کسی آیت کے مفہوم کے بارے میں بطورِ ظنِ غالب

لہ وقال ابن الجوزیؒ: استکبرت بنفسك حین ابیت السجود اَمْ کُنْتَ مِنَ الْعَالِیْنَ۔ ای من قوم یتکبرون فتکبرت علی السجود لکونك من قوم یتکبرون۔ (زاد المسیر ج ۷ ص۱۵۷ سورۃ صٓ)

وَمِثْلُہٗ قال الصابونی فی صفوۃ التفاسیر ج ۳ ص۶۵ سورۃ صٓ۔

یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ یہاں یہی مراد ہے۔

اب زیرِ غور آیتِ کریمہ کے بارے میں مذکورہ بالا امور کو مدِ نظر رکھ کر جب سوچا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اعداء اللہ سے مراد کفّار و مشرکین ہیں، مؤمنین عاصین مراد نہیں ہیں ــــــ

(۱) سیاق و سباق: سورۃ کی ابتداء سے ہی کفّار و مشرکینِ عرب کے ساتھ تین باتوں پر گفتگو چل رہی ہے۔ قرآنِ کریم کا منزّل من اللہ ہونا، اثباتِ توحید، اثباتِ رسالت، اور مختلف دلائل و براہین سے ان مسائل کو ثابت کیا گیا ہے اور اس کے بعد وَیَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَاءُ اللّٰہِ کے ساتھ ان ہی کفّار کے عقوبات کا ذکر ہو رہا ہے۔

(۲) مقامی قرائن یہاں پر یہ ہیں کہ یہاں پر اعداء اللہ کی تین نشانیاں بتلائی گئی ہیں جو کہ کفّار کے ساتھ خاص ہیں، ایک یہ کہ وَلٰکِنْ ظَنَنْتُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَعْلَمُ کَثِیْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ دوسری اعضاء کی شہادت اور تیسری فَالنَّارُ مَثْوًی لَّھُمْ۔

(۳) یہ کہ لفظ اعداء اللہ کا اطلاق قرآنِ کریم میں کفّار ہی پر ہوتا ہے، چند مقامات ملاحظہ ہوں: ۱۔ ذٰلِکَ جَزَاءُ اَعْدَاءِ اللّٰہِ النَّارُ (حٰم السجدۃ آیت ۲۸) ۲۔ فَاِنَّ اللّٰہَ عَدُوٌّ لِّلْکٰفِرِیْنَ (بقرہ ۹۸) ۳۔ لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَاءَ (الممتحنہ ۱) ۴۔ وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِیْنَ ۝ (الفرقان ۳۱) ۵۔ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔ (الانعام ۱۱۲)

اِس کے برعکس قرآنِ کریم میں جب اللہ تعالیٰ مؤمنین سے مخاطب ہوتے ہیں تو اولیاء یا ولی کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، مثلاً ۱۔ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ (البقرہ ۲۵۷) ۲۔ اَللّٰہُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ (آل عمران ۶۸) ۳۔ اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ (المائدہ ۵۵) ۴۔ اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (یونس ۶۲)

اِن تمام شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ اعداء اللہ سے مراد کفّار ہیں نہ کہ مؤمنین فاسقین۔

اب مفسّرین کے اقوال ملاحظہ ہوں:۔

علامہ حافظ الدین نسفیؒ فرماتے ہیں: (ویوم یحشر اعداء اللہ) ای الکفار من الاوّلین والآخرین ۝ (تفسیر مدارک ج ۴ ص ۹۲ سورۃ حٰم السجدہ آیت ۱۹) [۱]

---

[۱] علامہ ابوحیان اندلسیؒ فرماتے ہیں: واعداء اللہ ھم الکفار من الاوّلین والآخرین۔ (البحر المحیط ج ۷ ص ۴۹۱ حٰم السجدۃ ۱۹)

وَمِثْلُہٗ فی احکام القرآن ج ۵ ص ۳۵ سورۃ حٰم السجدۃ آیت ۱۹۔

منافقین کی لکڑی سے تشبیہ

سوال: سورۂ منافقون کی آیت ۴ کَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ کا معنیٰ اور مطلب کیا ہے؟

الجواب: اس سے پہلے منافقین کی بحث چل رہی ہے، اس آیت میں اللہ کریم نے منافقین کے بے عقل اور بے ایمان ہونے کی لکڑی کے ساتھ تشبیہ دی ہے جو کتنی ہی موٹی کیوں نہ ہو لیکن بے جان ہوتی ہے یہی حالت منافقین کی ہے کہ اگرچہ ظاہری طور پر یہ جسیم وجسیم نظر آتے ہیں لیکن اندر سے خالی ہوتے ہیں۔

لما قال الامام فخر الدین الرازیؒ: والخشب لا تعقل ولا تفهم فکذٰلک اھل النفاق کانھم فی ترک التفھم والاستبصار بمنزلة الخشب۔ (تفسیر کبیر ج ۳۵ ص ۱۵ سورۃ المنافقون آیت ۴) لہ

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا عموم پر حمل کرنا

سوال: اگر کوئی شخص سورۃ الم نشرح کی آیت ۴ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۔ کے بارے میں یہ کہے کہ اس سے مراد صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ ہر وہ شخص جو زندگی کے تشکیلی دور میں محنت سے کام لے کر بلند مرتبہ حاصل کرے وہ بھی اس بلندی اور رفعت میں داخل ہے، کیا اس آیت سے یہ مفہوم مراد لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ ورفعنا لک ذکرک میں کاف واحد مخاطب کی ضمیر ہے اسلئے اس آیت میں خطاب خصوصی طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے لہٰذا اس کو عام کرنا اور ہر شخص کو اس میں داخل کرنا صحیح نہیں۔ یہاں رفعتِ ذکر سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی اذان، کلمہ تشہد وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ذکر کرنا ہے جو کسی اور کے لیے حاصل نہیں ہو سکتا۔

لما قال محمد بن احمدؒ: تحت ھٰذہ الآیة روی عن الضحاک عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال یقول لہ لا ذُکرتُ الا ذُکرتَ معی فی الاذان والاقامة والتشھد ویوم الجمعة علی المنابر الخ۔ (احکام القرآن للقرطبی ج ۲۰ ص ۱۰۶ سورۃ الانشراح ۴) لہ۲

لہ وقال القاضی البیضاوی رحمہ اللہ: ای مشبّھین باخشاب منصوبة مسندة الی الحائط فی کونھم اشباحاً خالیة عن العلم والنظر۔ (تفسیر بیضاوی ج ۵ ص ۳۳۲ سورۂ منافقون آیت ۴)

وَمِثْلُہٗ فی تفسیر معالم التنزیل للبغوی ج ۴ ص ۳۴۵ سورۂ منافقون آیت ۴۔

لہ۲ وقال المحلی رحمہ اللہ: بان تذکر مع ذکری فی الاذان والاقامة والتشھد الخطبة وغیرھا۔ (تفسیر جلالین ج ۲ ص ۵۰۲ سورۃ الانشراح۔ آیت ۴)

وَمِثْلُہٗ فی تفسیر روح المعانی ج ۳۰ ص ۱۶۹ سورۃ الانشراح، آیت ۴۔

قرآنِ کریم کو چُومنا

سوال:۔ اکثر لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ قرآنِ کریم اٹھاتے اور رکھتے وقت اسے چُومتے ہیں، کیا قرآنِ کریم کو چومنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سلف صالحین اور صحابۂ کرامؓ کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ قرآنِ کریم کو چُومتے تھے اور اس میں قرآنِ کریم کی تعظیم وتکریم مضمر ہے، لہٰذا ایسا کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: روی عن عمرؓ انہ کان یأخذ المصحف کل غداۃ ویقبلہ ویقول عہد ربی ومنشور ربی عزوجل وکان عثمان رضی اللہ عنہ یقبل المصحف ویمسحہ علی وجہہ۔ (الدر المختار علی رد المحتار ج۵ ص۲۴۶ کتاب الحظر والاباحۃ ۔ باب الاستبراء وغیرہ)

ختمِ قرآن کے وقت سورۂ اخلاص کو تین مرتبہ پڑھنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! بعض اساتذہ ناظرہ قرآن مجید یا حفظ القرآن کی تکمیل کرنے والے طالب علم کو اس بات کی تلقین کرتے ہیں کہ قرآنِ مجید ختم کرتے وقت سورۂ اخلاص کو تین بار پڑھے، کیا یہ طریقہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ فقہاء کے ہاں مختلف فیہ ہے، بعض مشائخ کے ہاں ایسا کرنا مستحسن نہیں جبکہ اکثر مشائخ کے ہاں ایسا کرنا مستحسن ہے، البتہ اگر ختمِ قرآن فرض نماز میں ہو تو ایک بار سے زیادہ نہ پڑھے۔

قال العلامۃ ابراھیم الحلبیؒ: قرأۃ قل ھو اللہ احد ثلث مرات عند ختم القرآن لم یستحسنھا بعض المشائخ وقال الفقیہ ابو اللیثؒ ھذا شئ استحسنہ اھل القرآن وائمۃ الامصار فلا بأس بہ الا ان یکون الختم فی المکتوبۃ فلا یزیدہ علی مرۃ۔
(کبیری ص۴۹۶ اما القرأۃ خارج الصلوٰۃ)[۱]

---

[۱] وفی الھندیۃ: قرأۃ قُلْ ھُوَ اللہُ اَحَدٌ ثلاث مرات عقیب الختم لم یستحسنھا بعض المشائخ واستحسنھا اکثر المشائخ لجبر نقصان دخل فی قرأۃ البعض الا ان یکون ختم القرآن فی الصلوٰۃ المکتوبۃ فلا یزید علی مرۃ واحدۃ کذا فی الغرائب۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۳۱۷ الباب الرابع فی الصلوٰۃ والتسبیح وقرأۃ القرآن والذکر والدعاء ورفع الصوت عند قرأۃ القرآن)۔

قرأتِ سبعہ میں قرآن کریم پڑھنا

سوال: جناب مفتی صاحب! میں نے ایک مسجد میں ایک مولانا صاحب کی اقتداء میں نماز پڑھی جنہوں نے عام قرأت کے علاوہ قرأتِ سبعہ میں تلاوتِ قرآن پاک کرکے نماز پڑھائی، کیا اس صورت میں مقتدیوں کی نماز ہوگئی یا نہیں؟ نیز قرأتِ سبعہ تواتر سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: جو قرأت ہم تک پہنچی ہیں ان میں بعض متواتر ہیں، بعض مشہور اور بعض احاد اور شاذ کی حد تک پہنچ چکی ہیں، جہاں تک قرأتِ سبعہ کا تعلق ہے تو یہ قراءِ سبعہ سے ثابت ہے البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ثبوت جمہور کے نزدیک حدِ تواتر تک نہیں پہنچا ہے جبکہ بعض تواتر کے قائل ہیں، جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو قرأت سبعہ میں ہوجاتی ہے۔

قال العلامة السیوطیؒ، قال فی اول کتابه النشر کل قرأة وافقت العربیة ولو بوجه ووافقت احد المصاحف العثمانیة ولو احتمالاً وصح سندها فهی القراءة الصحیحة التی لایجوز ردها ولایحل انکارها بل هی من الاحرف السبعة التی نزل بها القرآن ووجب علی الناس قبولها سواء کانت عن الائمة السبعة ام عن العشرة ام عن غیرهم من الائمة المقبولین۔
(الاتقان فی علوم القرآن ج ۱ ص۷۵ النوع الثانی ـــ معرفة التواتر والمشهور)[۱]

قرأتِ عشرہ کا ثبوت

سوال: جناب مفتی صاحب! قرأتِ سبعہ کا تو تواتر سے ثبوت ہے، اس کے علاوہ جو شخص عشرہ میں قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہو تو خاطی شمار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: قرأتِ عشرہ اگرچہ تواتر سے ثابت نہیں مگر اس کا ثبوت حدِ شہرت کو پہنچا ہوا ہے، اس میں قرآن پڑھنے والے کو خاطی کہنا درست نہیں اس لیے کہ اس کی زد میں کبار تابعینؒ و صحابہ کرامؓ آتے ہیں۔

---

[۱] قال صاحب مناهل العرفان: وجاء اقتصاره علی هؤلاء السبعة مصادفة واتفاقاً من غیر قصدٍ ولاعمدٍ ذلك انه اخذ علی نفسه الا یروی الا عن اشتهر بالضبط والامانة وطول العمر فی ملازمة القراءة واتفاق الاراء علی الاخذ عنه والتلقی منه ...... بل کل قراءة توافرت فیها الارکان الثلاثة للضابط المشهور وجب قبولها۔ (مناهل العرفان ج ۱ ص۴۱۲ اعداد القرأت)

قال صاحب مناهل العرفان: الاوّل المتواتر...... والثانی المشهور...... وهٰذان النوعان هما الله ان یقرأ بهما مع وجوب اعتقادهما ولا یجوز انکار شیٔ منهما۔ (مناهل العرفان ج ا ص ۴۲۳ البحث الحادی عشر فی القرأت والقرأ والشبهات التی اثیرت فی هٰذا المقام) [۱]

مقام محمود سے کیا مراد ہے

سوال: اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (سورۃ الاسراء آیت ۷۹) سے کیا مراد ہے؟ کیا مقام محمود جنت میں کوئی جگہ ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی جائے گی یا کوئی اور خاص مقام ہے؟

الجواب: جمہور علماء امت، صحابۂ کرام و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے اس مقام کی تفسیر یوں منقول ہے کہ اس سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ ہے، یہ بلند مرتبہ کسی بھی دوسرے نبی یا رسول کو حاصل نہ ہوگا، چنانچہ بعض روایات بھی اس قول کی تائید کرتی ہے۔

قال العلامۃ ابن الجوزیؒ: قولہٗ مقامًا محمودًا وھوالذی یحمدہ لاجلہ جمیع اھل الموقف وفیہ قولان احدھما انہ الشفاعۃ للناس یوم القیامۃ۔ قالہ ابن مسعود وحذیفۃ بن الیمان وابن عمر وسلمان الفارسی وجابر بن عبد اللّٰہ والحسن وھی روایۃ ابن ابی نجیح عن مجاھد والثانی یجلسہ علی العرش یوم القیامۃ روی ابو وائل عن عبد اللّٰہ انہٗ قرأ ھٰذہ الایۃ وقال

---

[۱] قال العلامۃ جلال الدین السیوطیؒ: اعلم ان القاضی جلال الدین البلقینیؒ قال القرأۃ تنقسم الی المتواتر واحاد وشاذ فالمتواتر القرأت السبعۃ المشھورۃ والاحاد قرأت الثلاثۃ التی ھی تمام العشر ویلحق بھا قرأۃ الصحابۃ والشاذ قرأۃ التابعین...... قال الدانی وائمۃ القرأ لا تعمل فی شیٔ من حروف القرآن علی الافشاء واللغۃ والاقیس فی العربیۃ بل علی الاثبت فی الاثر والاصح فی النقل واذا ثبت الروایۃ لم یردھا قیاس عربیۃ ولافشو لغۃ لان القرأۃ سنۃ متبعۃ یلزم قبولھا والمصیر الیھا۔
(الاتقان فی علوم القرآن ج ا ص ۷۵ النوع الثانی...... معرفۃ المتواتر والمشھور والاحاد...الخ)

يقعده على العرش وكذلك روى الضحاك عن ابن عباس وليث عن مجاهد۔
(تفسير زاد المسير ج ۵ ص۷۶ قول تعالیٰ: عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ)[1]

دورانِ تلاوت حضور انور کا نام آنے پر درود پڑھنے کا حکم

سوال:۔ اگر قرآن کریم کی تلاوت کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی اسم گرامی آجائے تو کیا اُسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام پڑھنا ضروری ہے یا کہ تلاوت سے فارغ ہوکر پڑھا جائے؟

الجواب:۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنتے ہی شرعاً درود وسلام پڑھنا واجب ہے مگر دورانِ تلاوتِ قرآن بہتر یہ ہے کہ تلاوت کو جاری رکھا جائے اور تلاوت سے فارغ ہونے کے بعد درود پڑھا جائے تاہم اگر دورانِ تلاوت ہی درود پڑھ لیا جائے تب بھی جائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدينؒ: ولو قرأ القرآن فمر على اسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقرأة القرآن على تاليفه ونظمه افضل من الصلوٰة على النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذٰلك الوقت فان فرغ ففعل فهو افضل والا فلا شئ عليه ۔ (رد المختار ج ۱ ص۵۱۹ مطلب فی المواضع التی تكره فيها الصلوٰة على النبی)[2]

---

[1] قال العلامة آلوسیؒ: مقاماً محموداً والمراد بذلك المقام مقام الشفاعة العظمى فی فصل القضاء حيث لا احد الا وهو تحت لوائه صلی اللہ علیہ وسلم فقد اخرج البخاری وغيره عن ابن عمر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول ان الشمس لتدنو حتى يبلغ العرق نصف الاذن فبينما هم كذلك استغاثوا بآدم فيقول لست بصاحب ذٰلك ثم موسىٰ فيقول كذلك ثم محمد فيشفع فيقضى الله تعالى بين الخلق فيمشى حتى يأخذ بحلقة باب الجنة فيومئذٍ يبعثهُ الله تعالى مقاماً محموداً يحمده اهل الجمع كلهم ۔ (تفسير روح المعانی ج ۵ ص۱۴۰ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ)

[2] قال العلامة قاضيخانؒ: رجلٌ يقرء القرآن فسمع اسم النبی صلی اللہ علیہ وسلم ذكر لنا طفیؒ انهٗ لا يجب عليه الصلوٰة والتسليم لان قرأة القرآن على النظم والتاليف افضل من الصلوٰة عليه صلی اللہ علیہ وسلم فاذا فرغ من القرأة ان صلّ على النبی صلی اللہ علیہ وسلم كان حسناً وان لم يصل فلا شئ عليه ..... الخ (فتاوىٰ قاضی خان ج۴ ص۳۷۷ كتاب الحظر والاباحة)

وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج ۵ ص۳۱۶ كتاب الكراهية الباب الرابع فی الصلوٰة والتسبيح ..... الخ

اذان کے دوران قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا

سوال:۔ زید ایک دن مسجد میں قرآن کریم کی تلاوت کر رہا تھا کہ اذان شروع ہوگئی تو ایک صاحب نے اس کو سختی سے منع کیا، تو کیا اذان کے دوران قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا ممنوع ہے؟

الجواب:۔ اذان کے وقت اگرچہ تلاوتِ قرآن ممنوع نہیں تاہم بہتر یہ ہے کہ اذان شروع ہوتے ہی تلاوت بند کر دی جائے اور اذان کو سنکر اس کا جواب دیا جائے۔

قال القاضی خانؒ: ولو سمع القاری الاذان فالافضل له ان یمسك عن القرأة ویسمع الاذان۔ الخ۔ (فتاوٰی قاضیخان ج۴ ص۳۷۷ کتاب الحظر والاباحة)[۱]

قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا افضل ہے یا درود شریف پڑھنا؟

سوال:۔ دو آدمیوں کی ایک جگہ اس مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی کہ تلاوتِ قرآن افضل ہے یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف بھیجنا افضل ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا افضل ہے، دوسرے نے کہا کہ قرآنِ کریم کی تلاوت افضل ہے۔ ازراہِ کرم آپ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہماری راہنمائی فرمائیں؟

الجواب:۔ مولانا عبدالحی لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ اوقاتِ مکروہہ یعنی جن اوقات میں نماز پڑھنا شرعاً مکروہ ہے ان اوقات میں تلاوتِ قرآن کے علاوہ دیگر تسبیحات واذکار اور درود شریف پڑھنا افضل ہے، اس کے علاوہ دیگر اوقات میں تلاوتِ قرآنِ پاک کرنا افضل ہے۔

لما قال الشیخ عبد الحی الکھنوی رحمه الله، القرآن افضل الاذکار لانه کلام الله تعالی کما فی الحصن الحصین لکن فی الاوقات التی یکره الصلوٰة فیها کما بعد صلوٰة الصبح الی طلوع الشمس فالتسبیح والدعا والصلوٰة علی النبی

---

[۱] وفی الهندیة: ولا ینبغی ان یتکلم السامع فی خلال الاذان والاقامة ولا یشتغل بقرأة القرآن ولا بشیء من الاعمال سوی الاجابة ولو کان فی القرأة ینبغی ان یقطع ویشتغل بالاستماع والاجابة۔ (الفتاوی الهندیة ج۱ ص۵۷ الباب الثانی فی الاذان، ومما یتصل بذلك اجابة المؤذن)

وَمِثْلُهٗ فی البدائع الصنائع ج۱ ص۱۵۵ فصل وَاَمّا بیان مایجب علی السامعین ... الخ۔

علی اللہ علیہ وسلم فیہا افضل من قرأۃ القرآن وکان السلف یستحبون فی ذلک الوقت ولا یقرأن۔ (نفح المفتی والسائل ص۱۱۲ ما یتعلق بقرأۃ القرآن) ؎۱

قرآنِ کریم کے بوسیدہ اوراق کو جلانا جائز نہیں

سوال:- جناب مفتی صاحب! زید اور بکر کے درمیان قرآنِ کریم کے بوسیدہ اوراق کے بارے میں بحث ہوئی، زید نے کہا کہ قرآنِ کریم کا وہ نسخہ جو بوسیدہ ہوچکا ہو تو اُس کو جلانا جائز ہے اور دلیل میں حضرت عثمانؓ کا عمل پیش کیا، جبکہ بکر نے کہا کہ مطلقاً قرآنِ کریم کو جلانا جائز نہیں اگرچہ بوسیدہ ہوچکا ہو، ازراہِ کرم قرآن وحدیث کی روشنی میں صحیح صورتحال سے ہمیں مطلع فرمائیں؟

الجواب:- فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ جب قرآنِ کریم کا کوئی نسخہ بوسیدہ ہوجائے اور تلاوت کے قابل نہ رہے تو اس کو جلایا نہ جائے بلکہ کسی محفوظ مقام میں دفن کردیا جائے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں بکر کا قول درست ہے۔ جہاں تک اس بارے میں حضرت عثمانؓ کے عمل کا تعلق ہے تو محدثین نے اس کے مختلف جوابات ذکر کیے ہیں، قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ نے اوّلاً ان اوراق کو پانی سے دھویا پھر آگ سے جلایا، گویا کہ آپؓ نے مصحف کو نہیں بلکہ ان صاف اوراق کو جلایا تھا۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وفی الذخیرۃ المصحف اذا صار خلقاً وتعذر القرأۃ منہ لا یحرق بالنار الیہ أشار محمد وبہ نأخذ۔ (رد المحتار ج۶ ص۴۲۲ کتاب الحظر والاباحۃ۔ فصل فی البیع) ؎۲

؎۱ قال العلامہ ابراھیم الحلبیؒ: وسئل البقالی عن قرأۃ القرآن فی الاوقات التی نھی عن الصلوٰۃ فیہا اَھی افضل ام الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والذکر والتسبیح فقال الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والذکر والتسبیح افضل۔۔۔الخ (حلبی کبیری ص۴۹۶ تتمات فیما یکرہ من القرآن فی الصلوٰۃ ومالایکرہ وفی القرأۃ خارج الصلوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۵ ص۳۱۶ کتاب الکراھیۃ۔ الباب الرابع فی الصلوٰۃ والتسبیح۔۔۔الخ

؎۲ وَفِی الھندیۃ: المصحف اذا صار خلقاً وتعذرت القرأۃ منہ لا یحرق بالنار أشار الشیبانی (ای محمد) الی ھذا فی السیر الکبیر وبہ ناخذ۔ (الفتاوٰی الھندیۃ ج۵ ص۳۲۳ کتاب الکراھیۃ۔ الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلۃ والمصحف۔ الخ)

نیکر پہننے والوں کے سامنے قرآن کی تلاوت کرنا بے ادبی ہے

سوال:- جناب مفتی صاحب! میں ایک فوجی خطیب ہوں، فوجی قانون یہ ہے کہ صبح سویرے فوجی جوان نیکر و بنیان پہن کر پریڈ کے لیے اسمبلی میں آتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی رانیں ننگی ہوتی ہیں، اس حالت میں مجھے ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت کرنے کو کہا جاتا ہے، کیا اس حالت میں ان کے سامنے قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:- باتفاق علماءِ امت مرد کی ران عورت (ستر) ہے، اس کو بلا عذرِ شرعی ننگا رکھنا ناجائز و حرام ہے، جس جگہ لوگ ناجائز اور حرام امور میں مشغول ہوں تو وہاں قرآنِ مجید کی تلاوت کرنا یا اس کا درس دینا بے ادبی ہے، اس لیے صورتِ مسئولہ میں فوجیوں کے سامنے قرآنِ مجید کی تلاوت سے اجتناب کیا جائے اور فوجیوں کو سترِ عورت کی تلقین کی جائے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: سلامك مکروه علی من ستسمع ..... ومن بعد ما ابدی یسن و یشرع و دع کافرایضاً مکشوف عورة ..... ومن هو فی حال التغوط اشنع - (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۶۱۶ باب ما یفسد الصلوٰة وما یکره فیها ـ مطلب المواضع التی یکره فیها السلام)[۱]

بوسیدہ قرآنِ مجید دفنانا جائز ہے

سوال:- جو مصاحفِ قرآنیہ بوسیدہ ہو جائیں اور تلاوت کرنے کے قابل نہ رہیں تو ان قرآنی نسخوں کا کیا کیا جائے؟ از روئے شرع اس کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب:- فقہاءِ کرام نے لکھا ہے کہ جو قرآنی نسخہ اتنا بوسیدہ ہو کہ اس پر تلاوت کرنا ناممکن ہو جائے تو اس کو مسلمان میت کی طرح قابلِ احترام اور محفوظ مقام پر دفن کیا جائے تاکہ پاؤں تلے آنے سے بچ سکے، تاہم اگر کسی بوری وغیرہ میں ڈال کر اور ساتھ بھاری پتھر رکھ کر دریا برد کر دیا جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

قال العلامة الحصکفیؒ: المصحف اذا صار بحال لا یقرأ فیه یدفن کالمسلم، قال

---

[۱] وفی الهندیة: ولا یسلم علی الذی یتغنی والذی یبول والذی یطیر الحمام ولا یسلم فی الحمام ولا علی العاری اذا کان متزرا ولا یجب علیهم الرد ..... الخ (الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۳۲۶ کتاب الکراهیة ـ الباب السابع فی السلام وتشمیت العاطس) ومثله فی البحر الرائق ج ۸ ص۲۰۷ کتاب الکراهیة -

ابن عابدینؒ (تحت قولہٗ یدفن) ای یجعل فی خرقۃ طاھرۃ ویدفن فی محل غیر ممتھن لایوطأ۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۱۷۷ کتاب الطھارۃ۔قبل باب المیاہ فی ابحاث الغسل) لہ

جس کمرے میں قرآنِ مجید ہو اُس کی چھت پر چڑھنا

سوال:۔ تقریباً ہر مسلم گھرانے میں قرآنِ کریم کے نسخے ضرور ہوتے اور لوگ بوقتِ ضرورت مکان کی چھت پر چڑھتے بھی ہیں، تو کیا جس مکان میں قرآنِ مجید موجود ہو اُس کی چھت پر چڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاءِ کرام کی واضح عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس مکان میں قرآنِ کریم کا نسخہ موجود ہو اُس کی چھت پر اگر پیشاب کر دیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، جب قرآنِ مجید کی موجودگی میں مکان کی چھت پر پیشاب کرنا قبیح امر نہیں تو مکان کی چھت پر صرف چڑھنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہوگا۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ:۔ فھذا کما لو بال علیٰ سطح بیت فیہ مصحف وذٰلک لایکرہ۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۶۱۵)

قیامت کے دن کی مقدار کے اختلاف میں تطبیق

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کئی دنوں سے ایک سوال ذہن میں آرہا ہے کہ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی مدت ایک آیت میں ایک ہزار سال فرمائی ہے اور ایک دوسری آیت میں پچاس ہزار سال کا ذکر ہے جبکہ یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ قیامت کا دن ایک ہی ہے تو پھر اس مختلف مدت کو بیان کرنے کا کیا مقصد ہے؟ ازراہِ کرم میرے اس اشکال کو دور فرمائیں؟

الجواب:۔ اگرچہ ان دونوں آیات میں ظاہری تعارض ہے مگر حقیقی نہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ مختلف مدت لوگوں کے جرائم کے تفاوت کی وجہ سے بیان کی ہے کہ لوگوں کو قیامت کے دن کی سختی سے سخت مدت میں بھی امتداد نظر آئے گی۔

لہ وفی الھندیۃ: المصحف اذا صار خلقاً لایقرأ منہ ویخاف ان یضیع یجعل فی خرقۃ طاھرۃ و یدفن ودفنہ اولیٰ من وضعہ موضعاً یخاف ان یقع علیہ النجاسۃ او نحو ذٰلک ۔۔۔ الخ (الفتاوی الھندیۃ ج ۵ ص۳۲۳ کتاب الکراھیۃ۔ الباب الخامس فی آداب المسجد والقبلۃ والمصحف الخ)

قال الشیخ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ :۔ یہ دونوں آیتیں یوم قیامت کے بارے میں ہیں، اور تطبیق دونوں میں یہ ہے کہ مختلف لوگوں کو اشتداد کے تفاوت سے امتداد میں تفاوت محسوس ہوا کرتا ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۵ کتاب ما یتعلق بتفسیر القرآن) [1]

ابلیس بھی حکم سجدہ کا مکلّف تھا

سوال :۔ قرآن کریم کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ..... الخ میں حکم صرف فرشتوں کو تھا جبکہ ابلیس فرشتوں کی جنس سے نہ تھا تو پھر اللہ تعالیٰ نے اُس کو سجدہ نہ کرنے پر ملعون کیوں کر دیا؟

الجواب :۔ ظاہر آیت میں تو اگرچہ صرف فرشتوں کا ذکر ہے مگر یہ صرفاً تغلیباً ہے ورنہ حکم ابلیس کو بھی ہوا تھا جس پر اللہ تعالیٰ کا عتاب اور سوال و جواب قرینہ ہے، بسا اوقات قیام قرینہ سے کسی شخص پر آمر کا حکم لاگو ہو جاتا ہے۔

قال الشیخ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ :۔ یاں حکم اس کو بھی ہوا تھا اور جس امر پر قرینہ قائم ہوتا ہے اس کی تصریح کی حاجت نہیں ہوا کرتی، اور یہاں قرینہ قصہ میں موجود ہے وہ یہ کہ جب اس پر عتاب کی حکایت بیان فرمائی گئی، خود اس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی مامور تھا، دوسرے سورۂ اعراف میں یہ آیت مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ اس میں امر کا ہونا مصرح ہے، پہلی دلیل عقلی دوسری دلیل نقلی۔ (امداد الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۲ کتاب ما یتعلق بتفسیر القرآن) [2]

مَعِيْشَةً ضَنْكًا کی تفسیر

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے کہ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا۔ (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص ذکر خداوندی سے اعراض کرے

---

[1] قال ابن عباس رضی اللہ عنہ: ھو یوم القیامۃ جعلہ اللہ علی الکافرین مقدار خمسین الف سنۃ ثم ید خلون النار للاستقرار۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۸ ص ۲۸۲ سورۃ المعارج)
وَ مِثْلُهٗ فی بوادر النوادر ج ۲ ص ۳۷۹ حصہ سوم نوادر، تیسرا نادرۃ۔

[2] قال مولانا محمد ادریس الکاندھلوی: ابلیس اگرچہ ملائکہ میں سے نہیں کما قال اللہ تعالیٰ، کان من الجن مگر خطاب سجود بتبعیت ملائکہ بالاولیٰ داخل تھا۔ (معارف القرآن ج ۱ ص ۹۲ سورۃ البقرۃ)
وَ مِثْلُهٗ فِیْ تفسیر ماجدی سورۃ البقرۃ ج ۱ ص ۱۰۴

تو اس کی زندگی (معیشت) تنگ ہوگی، حالانکہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ کفار و فجار جو دینِ الٰہی کے دشمن ہیں اُن کی زندگی بہت آسودہ ہوتی ہے، اُن کے پاس مال و دولت کی فراوانی ہوتی ہے، تو پھر اس آیت میں زندگی (معیشت) کی تنگی کا کیا مطلب ہے؟

الجواب:۔ اسلام دشمن اور خدا کے باغی اگرچہ ظاہری طور پر دنیا میں کافی آسودہ حال اور خوش و خُرم نظر آتے ہیں مگر حقیقت میں ان کے دل تنگ ہوتے ہیں اور ان کی یہ خوشی و مُسرت ظاہری اور دکھاوے کی ہوتی ہے، اسی طرح آیت مذکورہ میں بھی باطنی تنگی مراد ہے نہ کہ ظاہری تنگی مراد ہے۔

قال الشیخ محمد ادریس کاندھلویؒ: دنیا میں تو اس طرح کہ تحقیق اس کی زندگی تنگ ہوگی، راحت اور سکون اور اطمینان سے خالی ہوگی۔ کافر کے دل پر حرص اور ترقی کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ دن رات ننانوے کے پھیر میں رہتا ہے اور دولت و عزت و وجاہت کے زوال کے خطرات ہر وقت اس کی نظروں کے سامنے رہتے ہیں، بڑا ہی خوش قسمت ہے وہ دولتمند جس کو دن رات میں دو تین گھنٹے سونا نصیب ہو جائے، جب راحت اور سکون ہی نصیب نہ ہوا تو دولت سے کیا فائدہ ہوا، ظاہر میں بیشمار دولت ہوتی ہے مگر قناعت کی دولت سے دل خالی ہوتا ہے اور حیرانی اور پریشانی سے لبریز ہوتا ہے ...... الخ

(معارف القرآن جلد ۴ ص۵۹۸) [1]

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً الخ کی تفسیر

سوال:۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (سورۃ النور آیت ۳) اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ زانیہ کے ساتھ نیک مسلمان کا نکاح صحیح نہیں جبکہ فقہ کی کتابوں میں صراحتاً لکھا ہوا ہے کہ یصح نکاح الحبلیٰ من الزنا۔ اور اسی طرح بعض واقعات رونما بھی ہو چکے ہیں کہ کسی زانیہ سے ایک نیک متقی و پرہیزگار شخص نے نکاح کیا ہے، کیا ایسا نکاح

---

[1] قال العلامۃ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ:۔ ایں تنگی متعلق بقلب است ہر گز کسے را از اعصاۃ نخواہید دید کہ در ولش شگفتگی و فراخی باشد سراسر از پریشانی و تکدر پر فی باشد۔ اھ (امداد الفتاوٰی ج۵ ص۱۶ کتاب ما یتعلق بتفسیر القرآن)

صحیح نہیں، اگر صحیح ہے تو پھر آیتِ کریمہ کا کیا مطلب ہے ؟

الجواب:- اگرچہ اس آیتِ کریمہ کے بارے میں مفسرینِ عظام نے مختلف تاویلات اور اقوال بیان کیے ہیں لیکن جمع بین الروایات کے تحت یہ قول زیادہ راجح معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے مقصود اخبار ہے نہ کہ حکم شرعی، یعنی زانیہ عورت عادتاً کسی صالح مرد سے نکاح کرنے میں رغبت نہیں رکھتی اور نہ کوئی صالح مرد کسی زانیہ سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتا ہے، اس لیے کہ پاکدامنی اور عفت سے محبت ایک طبعی امر ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک زانیہ کا نکاح حکمِ شرعی کے تحت جائز اور صحیح ہے۔

قال القاضی ثناء اللہ الپانی پتی:- وعند الائمة الثلاثة نکاح الزانی والزانیة صحیح ففی تفسیر هٰذه الایة قال بعضهم معناه الاخبار کما هو ظاهر الصیغة والمعنی ان الزانی لاجل فسقه لایرغب غالبًا فی نکاح الصالحات والزانیة لایرغب فیها الصلحاء فان المشاکلة علة الالفة والتضاد والمخالفة سبب للنفرة والافتراق وکان حق المقابلة ان یقال والزانیة لاتنکح الا من زانٍ او مشرك لکن المراد بیان احوال الرجال فی الرغبة فیهن لما ذکرنا انها نزلت فی استیذان الرجال من المؤمنین۔

(تفسیر المظهری ج ۶ ص ۴۴۲ سورة النور)

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ سے مراد نماز ہے

سوال:- آجکل ذکری فرقہ کے لوگ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ، اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وغیرہ آیاتِ قرآنی سے نفسِ ذکر کے اثبات کے لیے استدلال کرتے ہیں، کیا واقعی ان کا یہ استدلال صحیح ہے؟ یا اس سے نماز ہی مراد ہے؟

الجواب:- احادیثِ صحیحہ اور اجماعِ امت اس بات کی توضیح کرتی ہیں کہ ان آیات سے مراد نمازِ معہود ہے، اس سے صرف ذکرِ الٰہی مراد لے کر نماز کی نفی کرنا تحریف فی القرآن کے مترادف ہے جس سے کفر لازم ہو جاتا ہے۔

قال العلامة ابو البرکات عبد اللہ بن محمد النسفی رحمه اللہ: (ویقیمون الصلوٰة) ای یؤدونها فعبر عن الاداء بالاقامة لان القیام بعض ارکانها کما عبر عنه بالقنوت وهو القیام وبالرکوع والسجود والتسبیح لوجودها

فیہا ـ .... الخ (تفسیر نسفی ج ۱ ص۱۳ (ویقیمون الصّلوٰۃ) [۱]

خارج نماز تلاوتِ قرآن سننا واجب نہیں

سوال:۔ خارج نماز جو تلاوتِ قرآن حکیم ہوتی ہے تو کیا اس کا سننا واجب ہے یا نہیں؟ اگر واجب ہے تو رمضان المبارک میں جو قاری صاحبان اور حفاظ کرام لاؤڈ اسپیکر پر تلاوت کرتے ہیں اور لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے تلاوتِ قرآن نہیں سن سکتے تو اس پر کون گنہگار ہوگا؟

الجواب:۔ اس بارے میں دو طرح کے اقوال موجود ہیں، ایک وجوب کا ہے اور دوسرا عدم وجوب کا، متاخرین فقہاء کرام نے آسانی اور سہولت کے لیے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے، لہٰذا خارج از نماز قرآن کریم کی تلاوت سننا واجب نہیں تاہم مستحب ضرور ہے۔

وحکی ابن المنذرؒ: الاجماع علیٰ عدم وجوب الاستماع والانصات فی غیر الصلوٰۃ والخطبۃ وذٰلک ان یجابھما علیٰ کل من یسمع احداً یقرأ فیہ حرج عظیم لانہ یقتضی ان یترک لہ المشتغل بالعلم علمہ والمشتغل بالحکم حکمہ والمتاعان مساومتھما و تعاقدھما وکل ذی شغل شغلہ۔ (تفسیر المنار ج ۹ ص۵۵۲، ۵۵۳) [۲]

وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ الخ کا حکم منسوخ ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارے محلے میں ایک پڑھا لکھا آدمی ہے، نماز پنجگانہ کا پابند ہے لیکن رمضان کے مہینے میں روزے نہیں رکھتا بلکہ فدیہ دیتا

---

[۱] قال ابن عباسؓ: ویقیمون الصلوٰۃ ای یقیمون الصلوٰۃ بفروضھا۔ وقال الضحاکؒ عن ابن عباسؓ اقامۃ الصلوٰۃ اتمام الرکوع والسجود والتلاوۃ والخشوع والاقبال علیہا فیہا۔ وقال قتادۃؓ: اقامۃ الصلوٰۃ المحافظۃ علیٰ مواقیتہا ووضوءھا ورکوعھا و سجودھا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص۱۲ سورۃ البقرۃ)

(اقیموا الصلوٰۃ) امرھم ان یصلّوا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص۸۴)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المنثور ج ۱ ص۶۲ سورۃ البقرۃ۔

[۲] قال الجصاصؒ فی تفسیر الآیۃ: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا ..... المؤمن فی سعۃ من الاستماع الیہ الا فی صلوٰۃ مفروضۃ۔ (احکام القرآن ج ۳ ص۳۹)

جان چھڑانے کی کوشش کرتا ہے جبکہ وہ توانا اور تندرست ہے اور اپنے اس عمل پر قرآن حکیم کی آیتِ مبارکہ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۔ (سورۃ البقرہ آیت ــ) سے استدلال کرتا ہے، تو کیا صحت اور تندرستی کے باوجود فدیہ دے کر روزہ چھوڑنا جائز ہے؟

الجواب: ۔ حالتِ صحت میں فرض روزہ رکھنے کے علاوہ کوئی اور عمل چاہے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو بارگاہِ الٰہی میں مقبول نہیں، جہاں تک آیت مذکورہ کا تعلق ہے تو یہ حکم ابتداءِ اسلام میں تھا لیکن بعد میں فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ سے منسوخ ہوگیا، لہٰذا موصوف کا مذکورہ آیتِ مبارکہ سے فدیہ کے جواز کا استدلال صحیح نہیں ہے۔

لما قال الحافظ ابن كثير: (وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مسكين) فكان من شاء صام ومن شاء اطعم مسكينًا فاجزا ذٰلك عنه ثم ان الله عزّوجل انزل الآية الاخرٰى (شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ) الٰى قوله (فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ) فاثبت صيامه على المقيم الصّحيح ورخص فيه للمريض والمسافر وثبت الاطعام للكبير الّذى لا يستطيع الصّيام۔ (تفسير ابن كثير ج ۱ ص ۲۱۴ سورۃ البقرۃ)[۱]

آیاتِ قرآنی کا صرف ترجمہ شائع کرنے کی حیثیت

سوال: ۔ جناب مفتی صاحب! آجکل اخبارات اور رسائل وجرائد میں بغیر

---

[۱] حدثنا ابن حميد قال ثنا جرير عن منصور عن ابراهيم عن علقمة فى قوله (وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ) قال كان من شاء صام ومن شاء افطر واطعم نصف صاع مسكينًا فنسخها (شهر رمضان....) الٰى قوله (فمن شهد منكم الشهر فليصمه)

عن مغيرة عن ابراهيم بنحوه وزاد فيه قال فنسخها هٰذه الآية وصارت الآية الاولٰى للشيخ الذى لا يستطيع الصّوم يتصدق مكان كل يوم على مسكين نصف صاع۔

ثنا ابن ادريس قال سألت الاعمش عن قوله (وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين)

فحدّثنا عن ابراهيم عن علقمة قال نسخها (فمن شهد منكم الشهر فليصمه)۔ (جامع البيان ج ۲ ص ۱۳۳ سورۃ البقرۃ)

وَمِثْلُهٗ فى الدر المنثور ج ۱ ص ۳۲۲ سورة البقرة۔

عربی متن کے قرآنی آیات کا اُردو ترجمہ شائع کرتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ جبکہ اس طرح کرنے میں قرآنِ کریم کی توہین بھی ہے؟

الجواب: ۔ علماء امت کا اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ بغیر عربی متن کے قرآنِ کریم کا ترجمہ شائع کرنا حرام و ناجائز ہے، اس قسم کے عمل سے اجتناب کیا جائے (اس موضوع پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا رسالہ "جواہر الفقہ" شائع ہو چکا ہے، مزید تفصیل کے لیے وہاں مراجعت کریں)۔ البتہ ایک دو آیتوں کا صرف ترجمہ شائع کرنا اس میں داخل نہیں، ہاں اگر اس کے شائع کرنے سے قرآن مجید کی توہین مقصود ہو تو پھر تو یہ اور بھی ناجائز اور حرام ہے جس سے بچنا از حد ضروری ہے۔

قال الشیخ ابن الهمام رحمه الله: وفی الکافی ان اعتاد القرأة بالفارسیة او اراد ان یکتب مصحفاً بها یمنع وان فعل فی اٰیة او اٰیتین لا فان کتب القرآن وتفسیر کل حرف وترجمته جاز۔ اھ

(فتح القدیر ج۱ ص۲۴۸ باب صفة الصلوٰة)[1]

سب سورتوں کے نام توقیفی ہیں

سوال: ۔ جناب مفتی صاحب! قرآنِ کریم کی ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتوں کے نام جو مشہور ہیں اس کا ثبوت آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے یا کہ علماء کرام نے اپنی طرف سے یہ نام رکھے ہیں؟

الجواب: ۔ قرآن مجید کی تمام سورتوں کے نام توقیفی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بحکمِ الٰہی خود ان کے نام رکھے ہیں، علماء کرام کا اس میں کوئی عمل دخل نہیں۔

قال الامام ولی الدین محمد بن عبد الله الخطیب العمری رحمه الله: ۔ عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تجعلوا بیوتکم مقابر ان الشیطٰن

---

[1] قال العلامة الحصکفی رحمه الله: وتجوز کتابة اٰیة او اٰیتین بالفارسیة لا اکثر۔ (قال الشامی) والظاهر ان الفارسیة غیر قید الخ۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج۱ ص۴۵۳، مطلب فی حکم القرأة بالفارسیة او التوراة والانجیل)

ينفر من البيت الذی يقرأ فيه سورة البقرة۔ رواہ مسلم (مشکوٰۃ مترجم اردو ج ۱ ص ۴۵۸ فضائل القرآن)[۱]

قصہ ہاروت و ماروت کی تحقیق

سوال:۔ سورۂ بقرہ میں ہاروت و ماروت کے ناموں سے جو قصہ مشہور ہے، بعض علماء اس کی سختی سے تردید کرتے ہیں جبکہ بعض تفاسیر میں اس قصہ کا باسند تذکرہ ملتا ہے، اس قصہ کی اصل حقیقت کیا ہے؟

الجواب:۔ ہاروت و ماروت ایک اسرائیلی واقعہ ہے، اگرچہ بعض مفسرین نے اس کو صحیح اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے مگر منتہیٰ کے اعتبار سے یہ اسرائیلی واقعہ ہے جس کے بارے میں مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ اسرائیلیات کی نہ تصدیق کریں اور نہ تکذیب، بلکہ اس بارے میں توقف سے کام لیں۔

قال الشیخ مفتی محمد شفیعؒ: **الجواب**: قصہ ہاروت و ماروت کا تفسیر معالم التنزیل وغیرہ میں بہت مفصل لکھا ہے، مگر یہ سب اسرائیلی روایات سے لکھا گیا ہے، نیچے کی سندیں اگرچہ قوی بھی ہیں مگر منتہائے سند سب کا اسرائیلی روایات پر ہونا ہے جن کا حکم یہ ہے کہ نہ ان کی تصدیق کی جاوے نہ تکذیب۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اس قصہ کا ثبوت کسی روایت میں ہے نہیں اور اسرائیلی روایات میں ہے ان کا اعتبار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(امداد المفتین ج ۲ ص ۲۲۳ کتاب التفسیر)[۲]

---

[۱] قال الشیخ المفتی محمد شفیعؒ: **سوال**: زید کہتا ہے کہ سورۃ بقرہ نام خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں رکھا علماء نے خود یہ نام رکھ لیا ہے، یہ قول صحیح ہے یا نہ؟

الجواب: زید کا قول غلط ہے، متعدد احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نام سورتوں کے مروی ہیں، حدیث مسلم میں ہے: اقرؤا الزهراوين البقرة وسورة اٰل عمران۔ الحديث (رواہ مسلم) مشکوٰۃ۔

ان الشیطن ينفر من البيت الذی يقرؤ فيه سورة البقرة۔ الحديث (رواہ مسلم مشکوٰۃ شریف) واللہ اعلم

(عزیز الفتاویٰ ج ۱ ص ۱۳۴ کتاب السنۃ والبدعۃ)

[۲] قال العلامۃ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ: وهذه القصة من اخبار الاحاديل من الروايات الضعيفة الشاذة ولا دلالة عليها فی القراٰن لشیٔ...... وبعد اسطر:۔ قال العاصی ان هذه الاخبار لم يرو منها شیٔ صحيح ولا سقيم عن النبی صلی اللہ عليه وسلم۔ قال وهذه الاخبار من كعب اليهود وافترائهم۔ الخ

(التفسیر المظہری ج ۱ ص ۱۰۹ سورۃ البقرۃ)

ومثله فی معارف القراٰن للشیخ محمد ادریس کاندھلویؒ ج ۱ ص ۱۹۱۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبیحہ کا گوشت کس نے کھایا تھا

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلے کے بارے میں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے جس مینڈھے کو ذبح کیا تھا اُس کا گوشت کس نے کھایا تھا؟ لوگوں سے اس بارے میں بہت کچھ سننے کو ملتا ہے۔

الجواب : حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبیحہ کے گوشت کے بارے میں صاحب تفسیر صاوی نے لکھا ہے کہ یہ گوشت درندو پرند نے کھایا تھا اس لیے کہ اس کا پکانا مشکل بلکہ ناممکن تھا کیونکہ جنتی گوشت پر آگ اثر انداز نہیں ہوتی۔

قال العلامة الصاوی رحمہ اللہ : وبقی قرناہ معلقین علی الکعبة الیٰ ان احترق البیت فی زمن ابن الزبیر ومابقی من الکبش اکلته السباع والطیور لان النار لاتؤثر فیھا ھو من الجنة ۔ (حاشیة العلامة الصاوی علی الجلالین ج ۴ ص ۳۴۳ سورة الصافات) [1]

آیت کریمہ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا کی تحقیق وتشریح

سوال :- پاکستان میں اس وقت قرآن وسُنت پر مبنی نظام نافذ نہیں ہے، معاشی نظام سودی اور رزق حرام ہے، ملک پر کفریہ انگریزی قانون نافذ ہے۔ قرآن مجید کے پ ۵ رکوع ۱۱ کی پہلی آیت کی تشریح میں علامہ عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "بعض مسلمان ایسے بھی ہیں کہ دل سے تو سچے مسلمان ہیں مگر کافروں کی حکومت میں ہیں اور ان سے مغلوب ہیں اور کافروں کے خوف سے اسلامی باتوں کو کھل کر نہیں کر سکتے نہ حکمِ جہاد کی تکمیل کر سکتے ہیں، سو اُن پر فرض ہے کہ وہاں سے

---

[1] قال العلامة سلیمان بن عمر العجیلی الشافعی الشھیر بالجمل رحمہ اللہ : وقد بقی قرناہ معلقین علی الکعبة الیٰ ان احترق البیت فی زمن .... ومن المعلوم المقرر ان کل ماھو من الجنة لاتؤثر فیہ النار فلم یطبخ لحم الکبش بل اکلته السباع والطیور تامل ۔ (التفسیر الجمل ج ۳ ص ۵۴۹ سورة الصافات)

وَمِثْلُهٗ فی بدائع الزھور فی وقائع الدھور ص ۸۰ قصة ذبح اسمٰعیل علیہ السلام ۔

ہجرت کریں الخ"۔ اور یہی مضمون شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمہ اللہ کی تفسیر موضح القرآن میں بھی ہے، آپ فرماتے ہیں: "فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جس ملک میں مسلمان کھلا نہ رہ سکیں وہاں سے ہجرت فرض ہے"۔ تو آیا پاکستان کے مسلمانوں پر اس آیت کی رو سے اس کفری نظام کی وجہ سے ہجرت فرض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ہجرت دارالحرب اور دارالکفر سے کی جاتی ہے جبکہ پاکستان دارالمسلمین ہے جس میں مسلمانوں کو جملہ دینی امور اور تبلیغ وجہاد کو عملی طور پر ادا کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں لیکن ایمانی کمزوری کی وجہ سے پاکستانی قوم اپنے فرائض کی ادائیگی میں روایتی غفلت کا شکار ہے اور آیت کریمہ کی تفسیر وتشریح وہی ہے جو ان اکابرین نے کی ہے۔ اور اسی مقام پر علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "کافروں کے خوف سے اسلامی باتوں کو کھل کر نہیں کر سکتے نہ حکمِ جہاد کی تکمیل کر سکتے ہیں تو ہجرت ان لوگوں پر فرض ہے"۔ لہٰذا فرائض کی انجام دہی کی صورت میں مذکورہ آیتِ کریمہ کی رو سے پاکستان سے ہجرت فرض نہیں ہے بلکہ یہی لازمی ہے کہ اس نظام کو دور کر کے اس کی بجائے شرعی نظام کا نفاذ کیا جائے۔ (تفسیر عثمانی ص ۱۲۳ پ۵ سورۃ النساء ع ۱۱) [1]

قبل المسخ شیطان کا فرشتوں سے افضل ہونا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارے میں کہ بارگاہِ الٰہی سے نکالے جانے سے پہلے شیطان کا علم فرشتوں سے زیادہ تھا یا نہیں، نیز اُس وقت شیطان افضل تھا یا فرشتے؟

الجواب: شیطان کے بارے میں تفسیر ابن کثیر میں مختلف عبارات مذکورہ ہیں جس سے واضح ثبوت ملتا ہے کہ شیطان قبل المسخ من اشراف الملائکۃ، خازن الجنۃ، سلطان

---

[1] قال العلامۃ قاضی ثناء اللہ الفانی فتی ؒ: الم تکن ارض اللہ واسعۃً فتہاجروا فیہا۔ یعنی کنتم قادرین علی الخروج من مکۃ الی ارض لاتمنعون فیہا من اظہار الاسلام ومخالفۃ الکفار واعلاء کلمۃ اللہ کما فعل المہاجرون الی المدینۃ والحبشۃ ونصب فتہاجروا علی جواب الاستفہام۔ (التفسیر المظہری ج ۲ ص ۲۰۸ پ۵ سورۃ النساء)
وَمِثْلُہٗ فی تفسیر روح المعانی ج ۲ ص ۱۳۶ پ۵ سورۃ النساء۔

سماء الدنیا والارض اور علم واجتہاد میں فرشتوں سے بڑھ کر تھا۔

قال العلامۃ عماد الدین ابن کثیرؒ: کان من اشرھم ای اشر الملٰئکۃ اجتہادًا واکثرھم علمًا۔ کان من اشراف الملٰئکۃ من ذوالاجنحۃ الاربعۃ کان من اشراف الملٰئکۃ واکرمھم قبیلۃً وکان خازنًا علی الجنان، کان لہٗ سلطان السماء الدنیا وکان لہٗ سلطان الارض وکان یسوس ما بین السماء والارض فعصیٰ فمسخہ اللہ شیطانًا رجیما، کان ابلیس رئیس ملائکۃ سماء الدنیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص۷۵ سجود الملٰئکۃ لآدم) [۱]

سوال: جناب مفتی صاحب! وَاللّٰہُ اَنۡۢبَتَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا (الآیۃ) اور ڈارون کا نظریۂ ارتقاء

ایک آدمی یہ کہتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام روح ڈالے جانے سے پہلے بھی زندہ تھے مگر ان کی شکل وصورت حیوان کی تھی اور اس حیوانی شکل میں بھی وہ جمادات ونباتات کے مراحل سے گذر کر پہنچے تھے۔ اور اپنے اس عقیدہ پر استدلال کے لیے وہ قرآن کریم کی یہ آیت پیش کرتا ہے کہ وَاللّٰہُ اَنۡۢبَتَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ نَبَاتًا۔ (سورۃ نوح پ۲۹) اس آیت کے مطابق تو حضرت آدم علیہ السلام کی جسمانی تخلیق کا ان مراحل سے گذر کر حیوان کی شکل تک پہنچنے سے ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کی تائید ثابت ہوتی ہے، شریعت مقدسہ کی روشنی میں اس آیت سے اس عقیدہ کے لیے استدلال کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مذکورہ بالا آیتِ کریمہ سے ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کو ثابت کرنا سراسر تحریف اور غلط ہے جبکہ تحریف فی القرآن شرعًا کفر ہے۔ علاوہ ازیں دیگر آیات حضرت آدمؑ

---

[۱] قال العلامۃ بدر الدین محمد بن عبد اللہ الشبلی الحنفیؒ: قلت وقد ذکر الطبری فی تاریخہ قول ابن عباسؓ قال قال ابن عباسؓ کان ابلیس من اشرف الملٰئکۃ واکرمھم قبیلۃ وکان خازنا علی الجنان وکان لہٗ سلطان السماء الدنیا وکان لہٗ سلطان الارض۔ (آکام المرجان فی احکام الجان ص۱۵۵ الباب فی بیان ھل کان ابلیس من الملٰئکۃ)

وَمِثْلُہٗ فی حیاۃ الحیوان الکبریٰ للدمیریؒ ج ۱ ص۲۹۸ سورۃ الجن)

کی تخلیق میں واضح ثبوت ہیں جس میں نظریۂ ارتقاء کا شبہ بھی نہیں ہے بلکہ اس آیتِ کریمہ میں غور و فکر کرنے سے اس نظریہ کی نفی ثابت ہوتی ہے۔

قال العلامة جلال الدین سیوطیؒ: وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ ای خلقکم مِنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا اذ خلق اباکم آدم منها۔ (تفسیر جلالین، سورۃ نوح پ ۲۹ آیت ۱۷)

قال العلامة شبیر احمد العثمانیؒ: "یعنی زمین سے خوب اچھی طرح جماؤ کے ساتھ پیدا کیا۔ اول ہمارے باپ آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے، پھر نطفہ جس سے بنی آدم پیدا ہوتے ہیں، غذا کا خلاصہ ہے جو مٹی سے نکلتی ہے۔ (تفسیر عثمانی ص۷۵۷ پ۲۹ سورۃ نوح آیت ۱۷) [1]

مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ہ کی تفسیر اور مصداق

سوال:۔ قرآن مجید کی بعض پشتو تفاسیر میں سورۃ والناس کی آیت مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ہ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے: "چه پیریان او سړی دی، په انسان کښے بد عتیان، مشرکان، پیران او مُلیان دی"۔ کیا اس آیتِ کریمہ کی یہ تفسیر و ترجمہ اور مصداق صحیح ہے؟ کیا الناس کا ترجمہ سړی صحیح ہے؟

الجواب:۔ آیتِ کریمہ من الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ہ کا ترجمہ بزبانِ پشتو یہ ہے: "چه د جناتو نه او د انسانانو نه"، تاکہ مرد و زن دونوں اس میں داخل ہوں، اور مرد و زن دونوں انسان اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اس لیے ان دونوں کو آدمی منسوب ہوتے آدمؑ کا ترجمہ بھی کیا جاتا ہے، اس لیے آدمی میں مرد اور عورتیں دونوں داخل ہیں، اور "سړی" کے ساتھ ترجمہ میں عورتیں تغلیباً داخل ہوں گی، اس لیے "سړی" کے ساتھ ترجمہ کرنا بھی درست ہے۔

حضرت شیخ الهند رحمہ اللہ نے اس آیت مبارکہ کا ترجمہ یوں کیا ہے: "جنوں میں اور آدمیوں میں"۔

---

[1] قال العلامة قاضی ثناء اللہ الفانی فتی رحمہ اللہ: وَاللّٰهُ اَنْبَتَكُمْ.....ای انشأکم فاستعیر الانبات للانشاء لانہ ادل علی الحدوث، مِنَ الْاَرْضِ بان خلق اباکم آدم منها او بانہ خلقکم من النطف والنطف من الغذاء المنبت من الارض نَبَاتًا.....تقدیرہ واللہ انبتکم فنبتم نباتًا فاقتصر اکتفاء بالدلالة الالتزامیة۔
(التفسیر المظهری ج۱۰ ص۷۶ سورۃ نوح)
وَمِثْلُهٗ فی تفسیر البحر المحیط ج۸ ص۳۴۰ سورۃ نوح۔

اور انسانوں میں اس کا مصداق وہ لوگ ہیں جو وسوسے ڈالتے ہیں لوگوں کے دلوں میں، خواہ وہ ہر طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔

فوائد عثمانیہ میں لکھا ہے: "شیطان جنوں میں بھی ہے اور آدمیوں میں بھی۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا۔ (سورۃ انعام ع ۱۴، ۱۲)"۔ (تفسیر عثمانی ص ۸۰۷ سورۃ الناس) [1]

آیت کریمہ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمَانَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الخ کی تحقیق

سوال:۔ قرآن مجید کے پشتو کے ایک ترجمہ میں آیت کریمہ اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمَانَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے: "چہ دا کاغذ د سلیمانؑ نہ دے" مطلب دا دے: "چہ امداد غواړئ صرف په نوم د اللہ چہ بے حد مہربان او رحم د هغه خوئی دے"۔ تو کیا حضرت سلیمانؑ خود اس آیت سے ابتداء کر رہے ہیں یا ملکہ سباء کو حکم دے رہے ہیں کہ تم استعانت علی اسم اللہ یعنی بسم اللہ پڑھو؟

الجواب:۔ اس آیت میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم ملکہ سباء کو نہیں ہے بلکہ یہ حضرت سلیمانؑ کی طرف سے استعانت باسم اللہ تعالیٰ علی الغیر ہے جیسا کہ عام طور پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہر نیک کام کے شروع میں پڑھی جاتی ہے جو کہ باعث خیر و برکت ہے۔

قال العلامة القرطبیؒ: لانه بدأ فيه بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، وقد قال صلی اللہ علیہ وسلم كل كلام لا يبدأ فيه بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فَهُوَ اجذم۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۳ ص ۱۹۱ سورۃ النمل) [2]

---

[1] قال العلامة مراد علی: "مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ" له پیریانو او سړو نه یعنی له شیطانانو د جن او انس څخه۔ (تفسیر یسیر فوق الیسر ج ۲ ص ۱۰۵۱ سورۃ الناس)

وَمِثْلُهٗ فی تفسیر عثمانی کابلی پشتو ج ۲ ص ۱۷۸۲ سورۃ الناس۔

[2] قال العلامة الآلوسیؒ: وكتابة البسملة فی اوائل الكتب مما جرت به سُنَّة نبینا صلی اللہ علیہ وسلم بعد نزول هٰذه الآية بلا خلاف..... عن الشعبیؒ قال كان اهل الجاهلية يكتبون باسمك اللّٰهم فكتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول ما كتب باسمك اللّٰهم حتی نزلت بسم اللہ مجرٖها ومرسٰها فكتب بسم اللہ ثم نزلت (ادعوا اللہ وادعوا الرحمٰن) فكتب بسم اللہ الرحمٰن ثم نزلت آية النمل الخ۔ (تفسیر روح المعانی ج ۷ ص ۱۹۵ سورۃ النمل)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المنثور ج ۶ ص ۳۵۴ سورۃ النمل۔

لَعَمْرُكَ (سورۃ الحجر) جملہ قسمیہ ہے

سوال :- قرآن مجید کے بعض پشتو تراجم میں سورۃ الحجر کی آیت ۷۲ میں لَعَمْرُكَ کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے "اللہ دے ژوندے ساتی تا رائے نبیؐ)" تو کیا یہ جُملہ قسمیہ ہے یا دعائیہ ؟

الجواب :- لَعَمْرُكَ جملہ قسمیہ ہے، یہ مبتداء ہے جس کی خبر محذوف وجوبًا ہے اور انّھم اور اس کی خبر جواب القسم ہے، تقدیر عبارت اسی طرح ہے لعمرك قسمی۔

قال المحشی لجلالین : قوله لعمرك آه لعمرك مبتداء محذوف الخبر وجوبًا وانّھم ومافی حیزہ جواب القسم تقدیرہ لعمرك قسمی اوبمعنی انّھم والعمر والعمرك بالفتح والضم هوالبقاء الا انّھم التزموا الفتح فی القسم۔

(ھامش الجلالین ص۲۱۴ سورۃ الحجر ع ۵) لہ

تفسیر جواہر القرآن کا پڑھنا پڑھانا

سوال :- تفسیر جواہر القرآن (مؤلف شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان رحمہ اللہ) کا مطالعہ کرنا یا مطالعہ کر کے پڑھانا کیسا ہے ؟

الجواب :- تفسیر جواہر القرآن کا پڑھنا پڑھانا تفسیر کشاف کے پڑھنے اور پڑھانے جیسا ہے۔ یہ تفسیر العالم العارف حضرت العلامہ مولانا حسین علی الفنجابی رحمہ اللہ کے تفسیری نکات و فوائد اور افادات کا مجموعہ ہے۔ حضرت الشیخ قدس سرہ العزیز کے فہم فی القرآن تفسیری فوائد و نکات اور مسئلہ توحید میں استغراق کو علماء دین نے بنظرِ استحسان دیکھا ہے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب غورغشتوی قدس سرہ العزیز اس تفسیر

لہ قال العلامۃ القاضی ثناء اللہ الفانی فتیؒ : لعمرك یا محمد وحیاتك قسمی وهو لغۃ فی العمر یختص به القسم لایثار الاخف فیه لانه کثیر الدور علی الالسنۃ - قال البغویؒ : روی عن ابی الجوزاء عن ابن عباس قال ماخلق اللہ نفسًا اکرم علیه من محمد صلی اللہ علیه وسلم وما اقسم بحیٰوۃ احد الا بحیاته۔ (التفسیر المظھری ج ۵ ص۳۱ سورۃ الحجر)

وَمِثْلُهُ فی تفسیر القرطبی ج ۵ ص۳۹ سورۃ الحجر۔

کی تقریظ میں رقمطراز ہیں : إنی نظرتُ فی هٰذا التفسیر وکررت النظر والمطالعة فوجدته بحمد الله ومنّه نافعًا مفیدًا للنّاس مبارکًا ۔
(تقریظ مولانا نصیر الدین غورغشتوی ؒ علی تفسیر جواہر القرآن ج ۱ ص۸) [1]

سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی اور شیطان کی بادشاہت کا قصہ

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء تفسیر اس مسئلے کے بارے میں کہ بعض لوگ درس قرآن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان ؑ نے اپنی انگوٹھی اپنی بیوی کے ساتھ غسل کے وقت اتار کر رکھ لی تھی پھر شیطان نے حضرت سلیمان ؑ کی شکل میں آکر انگوٹھی لی اور بادشاہ بن گیا، پھر سلیمان ؑ ایک مچھیرے کے ہاں ملازم ہوگئے، پھر چالیس دن بعد شیطان نے تخت چھوڑ کر خاتم سلیمانی دریا میں پھینک دی اور سلیمان ؑ اسے مچھلی کے پیٹ سے نکال کر پھر بادشاہ بن گئے اور شیطان کو دریا بُرد کر دیا، تو کیا یہ واقعہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب :- اس واقعہ کی بنیاد ایک اسرائیلی روایت پر قائم ہے جو کہ جھوٹ اور سراسر غلط ہے، شیطان کسی بھی نبی علیہ السلام کی شکل میں ظاہر نہیں ہوسکتا اور نہ اپنی شکل کسی نبی علیہ السلام کی شکل جیسی بنا سکتا ہے ۔

قال الامام محمد بن سیرین التابعی ؒ : انّ الشّیطٰن یتمثل فی الرّؤیا بکلّ شیءٍ الّا بالله تعالیٰ وملٰئکته ورسله ۔ (منتخب الکلام فی تفسیر الاحلام علیٰ ہامش تعطیر الانام ج ۲ ص ۵) [2]

---

[1] قال العلامة محمد یوسف البنوری ؒ : وفی اثناء ذٰلک تتابعت تراجم القرآن وفوائده التفسیریة بعضها صحیحة من اهل الحق کتقریرات ترجمة القرآن افادها العالم العارف مولانا الشیخ حسین علی الفنجابی ؒ طال بقائه من تلامذة قطب العصر مولانا المحدث ابی مسعود رشید احمد کنگوهی الدیوبندی ؒ ۔ (البیان لمشکلات القرآن ص ۳۹)

وَمِثْلُهٗ فی مقدمة لامع الدراری لمحمد زکریا السهارنفوری ج ۱ ص ۱۵)

[2] قال العلامة شبیر احمد العثمانی ؒ : اکثر مفسرین نے آیت کی تفسیر دوسری طرح کی ہے اور اس موقع پر بہت سے بے سروپا قصے سلیمان علیہ السلام کی انگشتری اور جنوں کے نقل کئے ہیں ابن کثیر ؒ لکھتے ہیں : وقد رویت هٰذه القصّة مطولة عن جماعة من السلف رضی الله عنهم وکلها متلقاة من قصص اهل الکتٰب ۔ (تفسیر عثمانی ص ۶۰۲ سورۃ صٓ)

وَمِثْلُهٗ فی التفسیر المظهری ج ۸ ص ۱۸۱ پ ۲۳ سورۃ صٓ ۔

پشتو زبان میں قرآن کریم کی معتبر تفاسیر

سوال:۔ پشتو زبان میں قرآنِ کریم کی بہت سی تفاسیر لکھی گئی ہیں جن میں مختلف باتیں لکھی گئی ہیں مثلاً پیروں اور مقبروں پر جانا جائز نہیں، مُردے نہیں سنتے، دعا بعد السنت جائز نہیں ہے وغیرہ وغیرہ، لہٰذا مطالعہ کے لیے پشتو زبان میں کون سی ایسی تفسیر ہے جس کا پڑھنا پڑھانا مفید ہو؟

الجواب:۔ تفسیر معارف القرآن (از مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ) اور تفسیر عثمانی (از علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ترجمہ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ) کا پشتو زبان میں ترجمہ شائع ہو چکا ہے یہ دونوں معتبر تفاسیر ہیں، ان کا پڑھنا پڑھانا مفید ہے۔[1]

حضرت یوسفؑ کی برأت میں شیر خوار بچے کا گواہی دینا

سوال:۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے خلاف زلیخا نے جو بے بنیاد الزام تراشی کی تھی تو آپؑ کی برأت میں جس نے گواہی دی تھی اور جس کا قرآن مجید میں بھی ذکر ہے کہ وَشَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا۔ (سورۃ یوسف آیت ۲۶) تو یہ شاہد کون تھا؟ کوئی بالغ آدمی تھا یا چھوٹا بچہ؟

الجواب:۔ وہ گواہ نابالغ اور شیر خوار بچہ تھا "تفسیر بیان القرآن" میں ہے: "اس موقع پر اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے جو کہ شیر خوار بچہ تھا اور یوسفؑ کے معجزہ سے بول پڑا تھا، آپؑ کی برأت اور نزاہت پر شہادت دی"۔ (تفسیر بیان القرآن ج ۵ ص ۶ سورۃ یوسف)[2]

---

[1] اس کے علاوہ مندرجہ ذیل تفاسیر بھی معتبر اور مطالعہ کے لیے مفید ہیں:۔
(۱) تفسیر حبیبی لمولانا الحاج حبیب الرحمٰن خلف الرشید شیخ المفسرین مولانا محمود حسنؒ۔
(۲) موضح القرآن، بیضاوی، فتح الرحمٰن، روح البیان، ابن کثیر، فتح البیان۔
(۳) تفسیر حسینی (پشتو) ترجمہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ، پشتو ترجمہ مُلّا عبد اللہ۔

[2] وَشَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا ای ابن عمها وروی انه کان فی المهد وعلی هامش الجلالین قوله روی انه ای الشاهد کان فی المهد صبیا۔ وفی الحدیث لم یتکلم فی المهد الا اربعة وذکر منها شاهد یوسف۔ رواه احمد عن ابن عباس۔ (حاشیہ جلالین ج ۱ ص ۱۹۲ سورۃ یوسف پ ۱۲)
وَمِثْلُهٗ فی تفسیر عثمانی ج ۱ ص ۳۱۶ فائدہ ع ۴ ۵ سورۃ یوسف پ ۱۲۔

سورۃ الحج کا سجدۂ ثانیہ عند الحنفیہ

سوال :- سورۃ الحج میں دو سجدے ہیں، پہلا سجدہ عند الحنفیہ کیا جاتا ہے اور دوسرا سجدہ نہیں کیا جاتا، تو یہ دوسرا سجدہ کیوں نہیں کیا جاتا، اور نماز کے باہر اور اندر اس سجدہ کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- امداد الفتاوی ج ۱ ص ۲۷۳ میں لکھا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک سجدۂ اولیٰ واجب ہے اور دوسرا سجدہ ثابت نہیں لیکن حنفیہ نے یہ کلیہ لکھا ہے کہ مسائل اختلافیہ میں اختلاف کی مراعات افضل ہے بشرطیکہ اپنے مذہب کے مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے، سو اس قاعدہ کی بناء پر نماز کے خارج کو تو دوسرے سجدہ کا کرلینا بہتر ہوگا، البتہ نماز کے اندر چونکہ سجدۂ زائدہ بغیر سبب خلاف موضوع صلوٰۃ ہے اس لیے نماز کے اندر نہ کیا جاوے البتہ ایک خاص طریق سے کر لیا جاوے تو اس مکروہ کے ارتکاب سے بھی محفوظ رہے گا اور وہ طریق یہ ہے کہ سجدۂ ثانیہ کی آیت پڑھ کر فوراً رکوع میں چلا جائے تو سجدہ صلوٰۃ میں یہ سجدہ بھی ادا ہو جائے گا"، بہرحال دوسرا سجدہ عند الحنفیہ ثابت نہیں بلکہ وہ سجدۂ صلوٰۃ ہے۔ (امداد الفتاویٰ)

قال العلامۃ الکاسانیؒ : ولنا ماروی عن ابی رضی اللہ عنہ انہ عد السجدات التی سمعہا من رسول اللہ ﷺ وعد فی الحج سجدۃ واحدۃ وقال عبد اللہ بن عباسؓ وعبد اللہ ابن عمرؓ سجدۃ التلاوۃ فی الحج ھی الاولیٰ والثانیۃ سجدۃ الصلاۃ وھو تأویل الحدیث وھذا لان السجدۃ متی قرنت بالرکوع کانت عبارۃ عن سجدۃ الصلاۃ کما فی قولہ تعالیٰ : فَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ ۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۹۳ فصل واما بیان مواضع السجدۃ)[1]

وقیل من راق (الآیۃ) کا پشتو ترجمہ

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ سورۃ القیامۃ کی آیت ۲۷ وقیل من راق کا پشتو زبان میں کیا گیا مندرجہ ذیل ترجمہ صحیح ہے یا نہیں ؟ "او اوبہ وئیلے شی چہ څوک غواړی

---

[1] قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ : منہا اولی الحج اما ثانیۃ فصلاتیۃ لاقتر انہا بالرکوع ۔ وقال ابن عابدینؒ : لان السجدۃ متی قرنت بالرکوع کانت عبارۃ عن السجدۃ الصلاتیۃ کما فی قولہ تعالیٰ : وَاسْجُدِیْ وَارْکَعِیْ ۔ بدائع ۔

(الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج ۱ ص ۵۶۵ باب سجود التلاوۃ)

ومثلہ فی حاشیۃ الطحطاوی ج ۱ ص ۳۹۲ باب سجود التلاوۃ ۔

هغه به او وائي چه د مونږه غواړم د مريض خپلوان به تيوس او کړي چه څوک غواړي نو هغه به او وائي چه د مونږه غواړم "

الجواب: علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے "اور لوگ کہیں کون ہے جھاڑنے والا" علامہ عثمانیؒ فائدہ میں لکھتے ہیں "ایسی مایوسی کے وقت طبیبوں اور ڈاکٹروں کی کچھ نہیں چلتی، جب لوگ ظاہری علاج و تدبیر سے عاجز آجاتے ہیں تو جھاڑ پھونک اور تعویذ گنڈوں کی سوجھتی ہے، کہتے ہیں کہ میاں کوئی ایسا شخص ہے جو جھاڑ پھونک کر کے اس کو مرنے سے بچالے۔ اور بعض سلف نے کہا کہ "من راق" فرشتوں کا کلام ہے۔ جو ملک الموت کے ساتھ روح قبض کرنے کے وقت آتے ہیں، وہ آپس پوچھتے ہیں کہ کون اس مردے کی روح کو لے جائے گا، رحمت کے فرشتے یا عذاب کے؟ اس تقدیر پر "راق" "رقی" سے مشتق ہوگا جس کے معنی "اوپر چڑھنے کے ہیں"۔ رقیۃ سے نہ ہوگا جو فسوں کے معنی میں ہے۔ (تفسیر عثمانی ص۷۶۸ سورۃ القیمۃ پ۲۹) [1]

حضرت سلیمانؑ کا اپنے گھوڑوں کو قتل کرنے کے واقعہ کی تحقیق

سوال: بعض مفسرین حضرات سلیمانؑ کا یہ واقعہ ذکر کرتے ہیں کہ آپؑ اپنے گھوڑوں کی دیکھ بھال میں مصروف تھے کہ آپ سے عصر کی نماز قضاء ہوگئی جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے گھوڑوں کو قتل کرنا شروع کر دیا جس پر اللہ تعالیٰ نے سورج کو روک دیا اور آپ نے نماز پڑھ لی۔ اب سوال یہ ہے کہ ان گھوڑوں کا اس میں کیا قصور تھا، اور کیا واقعی سورج روک لیا گیا تھا؟

الجواب: گھوڑوں کے قتل کے بارے میں مفسرین کی دو رائے ہیں۔ ایک رائے یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے جہاد کے لیے پرورش کئے گئے تیز و سبک رفتار

---

[1] قال العلامة ثناء الله الپانی پتی رحمه الله: وقيل من راق - اي قال حاضر والمحتضر من يرقيه مما به من الترقية كذا قال قتادة او قالت الملئكة الموت ايكم يرقى بروحه ملئكة الرحمة او ملئكة العذاب من الرق كذا قال سليمان التيمي ومقاتل بن سليمان - (التفسير المظهري ج ۱۰ ص۱۴۵ سورة القيامة)

ومثله في معالم التنزيل (تفسير البغوي) ج۴ ص۴۲۴ سورة القيامة)

گھوڑے پیش کئے گئے، تو ان گھوڑوں کا معائنہ کرتے ہوئے عصر کی نماز میں تاخیر ہوگئی تو آپؑ نے کہا کہ کوئی مضائقہ نہیں، دونوں کا کرنا عبادت ہے، کیونکہ جہاد بھی تو ذکر اللہ میں داخل ہے۔ تو جہاد کے اسی جوش و جذبے سے سرشار ہوکر ان گھوڑوں کے واپس لانے کا کہا اور غایت محبت و اکرام سے ان کی گردنیں اور پنڈلیاں پونچھنے اور صاف کرنے لگے۔ اور مفسرین کی دوسری رائے یہ ہے کہ مال کی محبت کی وجہ سے انہوں نے نماز میں غفلت محسوس کی تو شدتِ غیرت اور غلبۂ حُبِ الٰہی میں تلوار لے کر ان کو قتل کر دیا تاکہ یہ نماز میں تاخیر کا کفارہ ہو جائے۔ شاید اُن کی شریعت میں گھوڑوں کی قربانی جائز تھی اور اسی بناء پر آپ نے ان گھوڑوں کو قتل کر دیا۔ اور مشہور یہی ہے کہ سورج واپس ہوا اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے نماز پڑھ لی تھی۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: "اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے سامنے اصیل اور تیز و سبک رفتار گھوڑے جہاد کیلئے پرورش کئے گئے پیش کئے گئے تو ان کے معائنے میں عصر کی نماز میں دیر لگی... لیکن پھر بھی سلیمانؑ یہ کہنے لگے اگر ایک طرف یادِ خدا سے بظاہر علیحدگی رہی تو دوسری جانب جہاد کے گھوڑوں کی محبت اور دیکھ بھال بھی تو اللہ ہی کی یاد سے وابستہ ہے، جب جہاد کا مقصد اعلاءِ کلمۃ اللہ ہے تو اس کے معدات و مبادی کا تفقد کیسے ذکر اللہ کے تحت میں داخل نہ ہوگا، تو اسی جہاد کے جوش و افراط میں حکم دیا کہ ان گھوڑوں کو پھر واپس لاؤ، چنانچہ واپس لائے گئے اور غایت محبت و اکرام سے ان کی گردنیں اور پنڈلیاں پونچھنے اور صاف کرنے لگے۔ بعض مفسرین نے یہ تفسیر کی ہے کہ مال کی محبت نے مجھ کو اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل کر دیا، تو شدتِ غیرت اور غلبۂ حبِ الٰہی میں تلوار لیکر ان کی گردنیں اور پنڈلیاں کاٹنا شروع کر دیں تاکہ وہ فی الجملہ کفارہ اس غفلت کا ہو جائے، شاید ان کی شریعت میں قربانی گھوڑے کی جائز ہوگی۔" (تفسیر عثمانی ص ۶۰۶ پ ۲۳ سورۃ ص)[1]

---

[1] قال العلامة ثناء الله الپانی پتیؒ: "رُدّوها علیّ" بتقدیر القول عطف علی قال انی احببت وقال ردّوها ای الصافنات علی فردّوها علیه..... مسحًا ای یمسح السیف مسحًا..... عن ابی بن کعبؓ عن النبی صلی الله علیه وسلم قال قطع سوقها واعناقها بالسیف وکان ذلك باذن الله تعالیٰ توبةً عما غفل من ذکره وتقربًا الیه وطلبًا لمرضاته..... قال بعض المفسرین انه ذبحها وتصدق بلحومها وکان لحوم الخیل حلالًا کما هو فی شریعتنا عند الجمهور خلافًا لابی حنیفه فانه قال یکره..... قال البغوی حکی عن علیؓ کرم الله وجهه فی قوله ردّوها علیّ..... ردّوها ای الشمس علی فردّوها علیه حتیٰ صلی العصر فی وقتها..... وقال الزهری وابن کیسان یمسح سوقها واعناقها بیده یکشف الغبار عنها حبًا لها وشفقة علیها الخ (تفسیر مظہری ج ۸ ص ۱۷۶ سورۃ ص)

ومثلهٗ فی معالم التنزیل (تفسیر بغوی) ج ۴ ص ۳۸ سورۃ ص۔

وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا (الآیۃ) کی تفسیر

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے تفسیر اس آیت کے بارے میں کہ اَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلّٰہِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰہِ اَحَدًا، اس میں مساجد سے کیا مراد ہے؟ عام مساجد یا عبادت مراد ہے؟

الجواب:- اس آیت میں مساجد سے مراد حال اور محل دونوں ہے، اس لیے بعض مفسرین نے محل یعنی مساجد اور بعض نے حال یعنی عبادت مراد لیا ہے اور دونوں لازم و ملزوم ہیں اس لیے دونوں ہی مراد ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے:- "اور ان وحی شدہ مضامین میں سے ایک یہ ہے کہ جتنے سجدے ہیں وہ سب اللہ کا حق ہے۔۔ سو اللہ کے ساتھ کسی کی عبادت مت کرو" (تفسیر بیان القرآن جلد۲ ص۴۹ پ۲۹ سورۃ الجن)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اس آیت کا ترجمہ یوں کیا ہے: "اور یہ کہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کی یاد کے واسطے ہیں، سو مت پکارو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو"۔ اور فوائد عثمانیہ میں یہ لکھا ہے: "یوں تو خدا کی ساری زمین اس امت کے لیے مسجد بنا دی گئی ہے لیکن خصوصیت سے وہ مکانات جو مسجدوں کے نام سے خاص عبادتِ الٰہی کے لیے بنائے جاتے ہیں اُن کو اور زیادہ امتیاز حاصل ہے، وہاں جا کر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ہستی کو پکارنا ظلمِ عظیم اور شرک کی بدترین صورت ہے" (تفسیر عثمانی ص۷۶۷ پ۲۹ سورۃ الجن، آیت ۱۸) [۱]

عوام الناس کیلئے تفہیم القرآن کا مطالعہ کرنا صحیح نہیں

سوال:- جناب مفتی صاحب! ایک مشکل اور دینی نوعیت کے مسئلہ کی وضاحت کیلئے گذارش ہے کہ میرے اکثر احباب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی "تفہیم القرآن" کا

---

[۱] قال العلامۃ قاضی ثناء اللہ الفانی فتی رحمہ اللہ: وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰہِ عطف علیٰ ان لو استقاموا علی الوحی بہ قیل المراد بالمساجد المواضع التی بنیت للصلوٰۃ۔۔۔ فامر اللہ المؤمنین ان یخلصوا للہ الدعوات اذا دخلوا المساجد الخ۔
(التفسیر المظھری ج۱۰ ص۹۲ پ۲۹ سورۃ الجن)
ومثلہٗ فی تفسیر مواھب الرحمٰن للسید امیر پ۲۹ ج۲۹ ص۱۳۸۔

مطالعہ بڑے ذوق اور شوق سے کرتے ہیں اور "قرآن فہمی" کے لیے اسے حرفِ آخر سمجھتے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ "تفہیم القرآن" کا مطالعہ کرنا کیسا ہے؟ کیا واقعی اس میں وہ باتیں ہیں جن کی ہمارے علماء کرام نے نشاندہی کی ہے؟ برائے مہربانی مدلل جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب: سید ابوالاعلیٰ مودودی ایک آزاد خیال شخص تھا اور اس نے "تفہیم القرآن" بھی اپنی اسی آزاد خیالی پر مبنی خود ساختہ اصولوں کے تحت لکھی ہے۔ اس نے خود لکھا ہے کہ "اس کام میں میرے پیشِ نظر علماء محققین کی ضروریات نہیں ہیں ...... میں نے اس کتاب میں ترجمے کا عام طریقہ چھوڑ کر آزاد ترجمانی کا طریقہ اختیار کیا ہے ...... میں نے اس میں قرآن کے الفاظ کو اردو کا جامہ پہنانے کے بجائے یہ کوشش کی ہے کہ قرآن کی ایک عبارت کو پڑھ کر جو مفہوم میری سمجھ میں آتا ہے اور جو اثر میرے دل پر پڑتا ہے اسے حتی الامکان صحت کے ساتھ اپنی زبان میں منتقل کر دوں۔"

(دیباچہ تفہیم القرآن ج ۱ ص ۵ تا ص ۱۰)

لہٰذا اس خود ساختہ ترجمانی کی بنا پر مودودی صاحب نے ترجمہ اور تفسیر میں کافی ٹھوکریں کھائی ہیں جس کی وجہ سے حضرات انبیاء علیہم السلام اور صحابۂ کرامؓ کی شان میں گستاخی کے مرتکب بھی ہوئے ہیں، بطور نمونہ چند مقامات کی نشاندہی کی جاتی ہے:۔

(۱) الحمد للّٰہ رب العٰلمین کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔" (تفہیم القرآن ج ۱ ص ۴۳) ــــــ مودودی صاحب نے آیتِ کریمہ کے ترجمہ میں الحمد کے الف لام استغراقی اور جنسی کو نظر انداز کیا ہے جبکہ دیگر تمام مترجمین نے الف لام کا لحاظ رکھتے ہوئے الحمد کا ترجمہ "سب تعریفیں الخ" کے ساتھ کیا ہے۔ آپ کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم میں بعض الفاظ بے فائدہ ہیں، حالانکہ قرآن مجید کا کوئی لفظ بھی بے فائدہ نہیں ہے۔

(۲) اسی آزاد خیالی کی بناء پر انہوں نے حضرات انبیاء علیہم السلام کی شانِ عالی میں توہین آمیز کلمات لکھے ہیں، مثلاً:۔

(الف) حضرت داؤد علیہ السلام کے فعل میں خواہشِ نفس کا کچھ دخل تھا اور وہ کوئی ایسا فعل تھا جو حق کے ساتھ حکومت کرنے والے کسی فرمانروا کو زیب نہ دیتا تھا۔ (تفہیم القرآن ج ۴ ص ۳۲۷)

(ب) حضرت یونس علیہ السلام سے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں الخ (تفہیم القرآن ج ۲ ص ۳۱۲)

(ج) حضرت نوح علیہ السلام اپنی بشری کمزوریوں سے مغلوب اور جاہلیت کے جذبہ کا شکار ہو گئے تھے۔ (بحوالہ مودودی مذہب ص ۲۶) ــــــ تو مودودی صاحب کے ان اغلاط کی وجہ سے عوام الناس کے لیے تفہیم القرآن کا مطالعہ کرنا صحیح نہیں بلکہ باعثِ گمراہی ہے۔

كتاب
ما يتعلق
بالحديث

کتاب مایتعلّق بالاحادیث

(احادیث مبارکہ کے بیان میں)

کتابت اور تدوینِ حدیث

سوال:۔ کتابت اور تدوینِ حدیث کا کام کب سے شروع ہوا ہے؟

الجواب:۔ جزوی طور پر تو صحابۂ کرامؓ کے دور میں بھی کتابتِ حدیث کا خیال رکھا جاتا تھا لیکن باضابطہ طور پر تدوینِ حدیث کے لیے دو چیزیں رکاوٹ بنتی تھیں۔ ایک تو قرآن حکیم کے ساتھ التباس کے خوف کی وجہ سے انہیں منع کیا گیا تھا، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ صحابۂ کرامؓ کو اللہ تعالیٰ نے قوتِ حافظہ کا وافر حصہ عطا فرمایا تھا جس کی وجہ سے انہیں تدوینِ حدیث کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی تھی، لیکن جب تابعینؒ کا دور آیا اور مختلف فرقے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر نمودار ہونے لگے جو دین میں اپنی طرف سے کچھ داخل کرنا اور مرضی کے خلاف کو دین سے نکالنا کوئی گناہ نہیں سمجھتے تھے، اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ احادیثِ نبوی کی باضابطہ طور پر تدوین کی جائے تاکہ صحیح اور سقیم کا امتیاز ہو۔ چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان حالات اور ضروریات کے پیشِ نظر ایک فرمان جاری کیا جس میں اہلِ علم کو یہ پیغام تھا کہ وہ احادیثِ نبوی کو جمع کریں، پھر اس فرمان کی روشنی میں علماء کرام نے احادیث کو جمع کرنے کا کام شروع کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ چونکہ ۱۰۱ھ میں وفات پا گئے تھے اسلئے معلوم ہوا کہ کتابت و تدوینِ حدیث کا کام باقاعدگی سے پہلی صدی کے اواخر اور دوسری صدی کی ابتداء میں شروع ہوا ہے۔

لما قال ابن حجرؒ: اعلم علّمنی وایاك ان آثار النبیؐ لم تکن فی عصر اصحابه وکبار تبعهم مدوّنة فی الجوامع ولا مرتّبةً لامرین احدهما انهم کانوا فی ابتداء الامر قد نهوا عن ذٰلك کما ثبت فی صحیح مسلم خشیة ان یختلط بعض ذٰلك بالقرآن العظیم وثانیهما لسعة حفظهم وسیلان اذهانهم ولان اکثرهم کانوا لا یعرفون الکتابة ثم حدث فی اواخر عصر التابعین تدوین الآثار وتبویب الاخبار لما انتشر العلماء فی الامصار وکثر الابتداع من الخوارج والروافض ومنکری الاقدار الخ (هدی الساری مقدمہ فتح الباری ج۱ ص۴، الفصل الاوّل)

اسی طرح ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں ہے : وکان اول من امر بتدوین الحدیث وجمعہ بالکتابۃ عمر بن عبد العزیزؒ خوف اندراسہ اخرج ابو نعیم فی تاریخ اصبہان عن عمر بن عبد العزیزؒ انہ کتب الی اہل الآفاق انظروا الی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاجمعوہ ۔ (ارشاد الساری للعسقلانیؒ ج ۱ ص۷ فی الفصل الثانی فی ذکر اول من دون الحدیث والسنن)

اقسامِ حدیث

سوال :- حدیث کی کل کتنی قسمیں ہیں ؟

الجواب :- رواۃ کی تعداد کے اعتبار سے حدیث کی چار قسمیں ہیں : متواتر۱، مشہور۲، عزیز۳، غریب۴ ۔

متواتر :- وہ حدیث ہے جسے ہر دور میں اتنے راویوں نے نقل کیا ہو کہ جن کا جھوٹ پر اتفاق کرنا از روئے عقل محال ہو۔

مشہور :- وہ حدیث ہے جس کے راوی محدود ہوں جو تواتر کی حد تک نہ پہنچے ہوں اور ہر دور میں کم از کم تین راوی ہوں ۔

عزیز :- وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر دور میں دو سے کم نہ ہوں ۔

غریب :- وہ حدیث ہے جس کی سند میں کسی بھی دور میں ایک راوی آیا ہو۔

لما قال العلامہ ابن حجر العسقلانیؒ : الخبر ای الحدیث اما ان یکون لہ طرق بلا حصر عدد معین او مع حصر بما فوق الاثنین او بہما او بواحد فالاول المتواتر وھو المفید للعلم الیقینی بشروطہ والثانی المشہور والثالث العزیز والرابع الغریب ۔ الخ (نخبۃ الفکر ص۱ فی البحث اقسام باعتبار عدد رواۃ) لہ

لہ وقال العلامۃ شبیر احمد العثمانیؒ : الخبر اما ان یرویہ جماعۃ یبلغون فی الکثرۃ مبلغاً تحیل العادۃ تواطئہم علی الکذب فیہ اولا فالاول المتواتر والثانی خبر الآحاد ---- وخبر الاحاد ان کانت رواتہ فی کل طبقۃ ثلاثۃ فاکثر یسمّٰی مشہوراً ، وان کانت رواتہ فی بعض الطبقات اثنین ولم تنقص فی سائرہا عن ذلک یسمّٰی عزیزاً ، وان انفرد فی بعض الطبقات او کلہا راو واحد یسمّٰی غریباً ۔ الخ (مقدمۃ فتح الملہم ج ۱ ص۶ فی بیان اقسام الحدیث باعتبار عدد رواۃ)

حدیث کی اقسام باعتبارِ صفات

سوال:- حدیثِ مقبول کی باعتبارِ صفات کل کتنی قسمیں ہیں؟

الجواب:- حدیثِ مقبول کی باعتبارِ صفات چار قسمیں ہیں۔ صحیح لذاتہ[۱]، صحیح لغیرہ[۲]، حسن لذاتہ[۳]، حسن لغیرہ[۴]۔

(۱) **صحیح لذاتہ:** اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کے تمام ناقلین تام الضبط ہوں، سند متصل ہو اور اس میں کسی قسم کی علّت یا شذوذ نہ پایا جاتا ہو۔

(۲) **صحیح لغیرہ:-** وہ حدیث ہے جس میں مذکورہ شرائط اعلیٰ درجے کی نہ ہوں، تاہم اس نقصان کا جبیرہ کثرتِ سند یا کسی اور صفت سے کر دیا گیا ہو۔

(۳) **حسن لذاتہ:-** وہ حدیث ہے جس میں مذکورہ بالا شرائط کا کوئی جبیرہ نہ کیا گیا ہو۔

(۴) **حسن لغیرہ:-** وہ حدیث ہے جس میں قبولیت اور مردودیت برابر ہوں لیکن کسی قرینہ کی وجہ سے جانبِ قبولیت کو ترجیح دی گئی ہو۔

لما قال الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ: وخبر الاحاد بنقل عدل تام الضبط متصل السند غیر معلل ولا شاذ هو الصحیح لذاته لانه اما ان یشتمل من صفات القبول علی اعلاها اولا الاول الصحیح لذاته۔ والثانی ان وجد ما یجبر ذلك القصور ککثرة الطرق فهو الصحیح ایضاً لکن لا لذاته وحیث لا جبیرة فهو الحسن لذاته۔ وان قامت قرینة ترجح جانب قبول ما یتوقف فیه فهو الحسن ایضاً لکن لا لذاته۔ الخ (شرح نخبة الفکر ص۲۶)[۱]

---

[۱] وقال العلامة شبیر احمد العثمانیؒ:- والمقبول ینقسم الی اربعة اقسام: صحیح لذاته[۱]۔ صحیح لغیره[۲]۔ حسن لذاته[۳]۔ حسن لغیره[۴]۔ وذلك لان الحدیث ان اشتمل من صفات القبول علی اعلیٰ مراتبها فهو الصحیح لذاته۔ وان لم یشتمل علی اعلیٰ مراتبها فان وجد فیه ما یجبر ذلك القصور الواقع فیه فهو الصحیح لا لذاته بل لغیره۔ وان لم یوجد فیه ما یجبر ذلك القصور الواقع فیه فهو الحسن لذاته وان کان فی الحدیث ما یقتضی التوقف فیه لکن وجد ما یرجح جانب قبوله فهو الحسن لا لذاته بل لغیره۔ الخ (مقدمة فتح الملهم ج ۱ ص۹ فی بحث ان خبر الاحاد ینقسم الی قسمین المقبول والمردود)

ومثله فی قواعد التحدیث للقاسمیؒ ص۸۲-۱۰۲ فی الباب الرابع فی معرفة انواع الحدیث۔ فی بیان اقسام الصحیح وبیان الحدیث الحسن۔

شاذ کی تعریف

سوال:۔ شاذ کس قسم کی روایت کو کہا جاتا ہے ؟

الجواب:۔ شاذ کے بارے میں محدثین کی مختلف عبارات منقول ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ شاذ کی تعریف اہل فن کے مابین مختلف فیہ ہے ، چنانچہ علماء حجاز کی ایک جماعت کے نزدیک شاذ اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس میں ثقہ راوی دوسرے ثقات کی مخالفت کرے۔

اور حافظ ابویعلیٰ خلیلی کے نزدیک شاذ اس روایت کو کہا جاتا ہے جس کی صرف ایک سند ہو اور ایک ہی راوی سے نقل کیا ہو چاہے وہ ثقہ ہو یا نہ ہو، لہٰذا اس تقدیر پر شذوذ صرف تفرد سے عبارت ہے۔

اور حاکم کے نزدیک شاذ وہ روایت ہے جسے کوئی ثقہ راوی انفرادی طور پر نقل کرے، اور اس کا کوئی متابع نہ ہو۔

تاہم محققین کے نزدیک شاذ وہ روایت ہے جس کو ثقہ راوی راجح روایت سے مخالف نقل کرے۔

لما قال العلامة شبیر احمد عثمانیؒ: بعد ما فصل الاقوال المذکورة۔ والمعتمد فی حد الشاذ بحسب الاصطلاح انہ ما یرویہ الثقة مخالفاً لمن ھو ارجح منہ۔ الخ

(مقدمة فتح الملھم ج ۱ ص۱۱ فی بیان الشاذ والمحفوظ والمنکر والمعروف)[۱]

امام ابوحنیفہؒ تابعی تھے

سوال:۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کسی صحابی سے ملاقات اور اس سے روایت ثابت ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ سیر اور تاریخ کی کتابوں میں یہ بات واضح الفاظ کے ساتھ مذکور ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو کئی بار دیکھا ہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ جب کوفہ تشریف لائے تو اس زمانے میں امام اعظم رحمہ اللہ کی ان سے ملاقات ہوئی ہے اور کئی

---

[۱] وقال الحافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ: وعرف من ھذا التقریر ان الشاذ ما رواہ المقبول مخالفاً لمن ھو اولیٰ منہ وھذا ھو المعتمد فی تعریف الشاذ بحسب الاصطلاح۔ الخ

(نزھة النظر شرح نخبة الفکر ص۴۲ فی بحث الشاذ والمنکر)

ومثلہ فی قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث ج ۱ ص۱۳۰ فی ذکر انواع تختص بالضعیف۔

صحابہ سے روایت بھی کی ہے۔

لما قال الحافظ الذہبی رحمہ اللہ: فی ذکر الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ ولد سنۃ ثمانین فی حیاۃ صغار الصحابۃ ورأی انس رضی اللہ عنہ لما قدم علیہم الکوفۃ۔

(سیرۃ اعلام النبلاء ج۶ ص۳۹۱ فی ذکر سوانح ابی حنیفۃ)

قال العلامۃ ابن حجرؒ: وفی فتاوی شیخ الاسلام ابن حجر انہ ادرک جماعۃ من الصحابۃؓ کانوا بالکوفۃ بعد مولدہ بہا سنۃ ثمانین فہو من طبقۃ التابعین ولم یثبت ذلک لاحد من ائمۃ الامصار المعاصرین۔ (الخیرات الحسان ص۲۸ الفصل السادس) ؎۱

شیعوں سے روایت کرنے کا حکم

سوال:۔ صحاح ستہ میں شیعوں سے روایات کیوں لی گئی ہیں جبکہ ان پر دینی امور میں کوئی اعتبار نہیں؟

الجواب:۔ جو شخص متواترات اور ضروریات دینیہ سے انکار نہ کرے اور نہ اپنی طرف سے دین میں ایسی باتیں داخل کرے جن کو ضروریاتِ دین کے برابر اہمیت حاصل ہو، اور اس کے ساتھ ساتھ صاحبِ ضبط و تقویٰ بھی ہو تو اس کی روایت کو قبول کیا جاسکتا ہے۔ چونکہ شیعوں میں کئی فرقے ہیں اور ان کے عقائد میں بھی فرق ہے، اس لیے اگر کوئی شخص اہلِ تشیع میں سے ہو لیکن اس کے اندر مذکورہ باتیں نہ پائی جائیں تو اس سے روایت لینا جائز ہے، بشرطیکہ وہ روایت اس کے مخصوص عقائد و نظریات وغیرہ کی تائید میں نہ ہو۔

چونکہ سلف صالحین کے زمانے میں شیعہ برادری کے مختلف فرقے تھے جن میں بعض اگرچہ غالی قسم کے بھی تھے لیکن بعض معتدل بھی تھے جو صحابۂ کرامؓ پر طعن و تشنیع سے گریز کرتے تھے بلکہ وہ صرف حضرت علیؓ کی فضیلت کے قائل تھے جس کی وجہ سے وہ ثقاہت سے خارج

؎۱ وایضاً ذکر الذہبیؒ فی تذکرۃ الحفاظ: رأی انساً غیر مرۃ لما قدم علیہم الکوفۃ۔

(تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۱۶۸ فی ذکر ابوحنیفۃ الامام اعظمؒ)

قال الشیخ محمد عاشق الٰہی البرنیؒ: ذکر الاحادیث الثلاثۃ ابوالمؤید الخوارزمی فی جامع المسانید ج۱ ص۸۳ تا ۸۵ والمؤفق المکی فی المناقب ص۲۸ تا ۳۰ والسیوطی فی تبییض الصحیفۃ ص۲۷ والصالحی فی عقود الجمان ص۵۴، ۵۶ وھی ھذہ ۱ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم ۲ الدال علی الخیر کفاعلہ ۳ ان اللہ یحب اغاثۃ اللہفان۔ (التعلیق علی الخیرات الحسان ص۲۷، ۲۸ الفصل السادس)

نہیں تھے، اسی بناء پر محدثین نے ان کی روایات کو نقل کیا ہے۔

لما قال العلامۃ ابن حجر العسقلانیؒ: فالمعتمد ان الذی ترد روایۃ من انکر امراً متواتراً من الشرع معلوماً من الدین بالضرورۃ وکذا من اعتقد عکسہ فاما من لم یکن بھذہ الصفۃ وانضم الی ذلک ضبطہ لما یرویہ مع ورعہ وتقواہ فلا مانع من قبولہ۔ (نخبۃ الفکر ص۶۵) [۱]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شعر سننے کا ثبوت

سوال:۔ عن عمرو بن شرید عن ابیہ قال استنشدنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھل تروی من شعر امیہ بن ابی الصلت شیئاً۔ فانشدتہ مائۃ قافیۃ فجعلت کلما مررت علی بیتٍ قال ھیہ۔ الخ

اس روایت کا حدیث کی معتبر کتابوں سے حوالہ مطلوب ہے؟

الجواب:۔ مذکورہ بالا روایت جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شعر سننا ثابت ہے کو ذیل کی کتابوں نے روایت کیا ہے: رواہ الامام مسلم بن حجاج فی صحیحہ، ولفظہ ھکذا۔

عن عمرو بن الشرید عن ابیہ قال ردفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوماً فقال ھل معک من شعر امیۃ بن ابی الصلت شیئاً، قلت نعم قال ھیہ فانشدتہ بیتاً فقال ھیہ ثم انشدتہ بیتاً فقال ھیہ حتی انشدتہ مائۃ بیتٍ۔ وفی روایۃ استنشدنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخ

---

[۱] قال العلامۃ شبیر احمد العثمانی رحمہ اللہ: التشیع فی عرف المتقدمین ھو اعتقاد تفضیل علی رضی اللہ عنہ علی عثمان رضی اللہ عنہ وان علیاً کان مصیباً فی حروبہ وان مخالفہ مخطئ مع تقدیم الشیخین وتفضیلھما وربما اعتقد بعضھم ان علیاً رضی اللہ عنہ افضل الخلق بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا کان معتقداً ذلک ورعاً دیناً صادقاً مجتھداً فلا ترد روایتہ لھذا لاسیما ان کان غیر داعیۃ۔ الخ (مقدمۃ فتح الملہم ص۱۵۲ روایات اھل البدع والاھواء)

وقال العلامۃ النووی رحمہ اللہ: فی المبتدعین ومنھم من قال تقبل اذا لم یکن الداعیۃ ولا تقبل اذا کان داعیۃ وھذا مذھب الاکثرین من العلماء وھو الاعدل الصحیح۔ الخ۔ (نووی شرح صحیح مسلم ج۱ ص۶ فی باب وجوب الروایات عن الثقات وترک کذابین والتحذیر من الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

وزادان کا د بُسلم - الخ (الجامع الصحیح المسلم ج ۲ ص ۲۳۹ کتاب الشعر)

عَلَیکُم بِسُنَّتِی کا ثبوت

سوال:۔ حدیث "تم اپنے اوپر میرے طریقے کو لازم رکھنا اور خلفاء راشدین کے طریقے کو بھی، اور اس پر خوب مضبوطی سے ڈٹے رہنا اور دین میں نئی باتیں گھڑنے سے بچے رہنا اس لیے کہ دین میں نئی باتیں ایجاد کرنا بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" اس روایت کا ماخذ بتا کر ممنون فرمائیں؟

الجواب:۔ یہ روایت حدیث کی مختلف کتابوں میں مذکور ہے، چنانچہ العلامہ ولی الدین محمد بن عبداللہ الخطیب نقل کرتے ہیں:۔

عن العرباض بن ساریۃ رضی اللہ عنہ فی روایۃٍ طویلۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فعلیکم بسنّتی وسنّۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسّکوا بھا وعضوا علیھا بالنّواجذ وایّاکم ومحدثات الامور فان کلّ محدثۃٍ بدعۃ وکلّ بدعۃٍ ضلالۃ - الخ

(مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۰ فی باب الاعتصام بالکتاب والسنّۃ - الفصل الثانی) [۱]

تلاوتِ قرآن مجید کی فضیلت

سوال:۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں مہاجرین کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا اور ان میں بعض اپنے ننگے جسموں کو دوسروں کے ذریعے چھپائے ہوئے تھے اور ایک قاری ان میں قرآن پڑھ رہا تھا، اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور کھڑے ہوئے اور فرمایا تم کیا کر رہے تھے؟ اس روایت کا حدیث کی معتبر کتابوں سے حوالہ مطلوب ہے؟

الجواب:۔ اس روایت کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے سُنن ابی داؤد میں نقل کیا

---

[۱] وذکر محمد بن عیسٰی الترمذی رحمہ اللہ: ایضًا عن العرباض بن ساریۃ رضی اللہ عنہ انہٗ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وایّاکم ومحدثات الامور فانّھا ضلالۃ فمن ادرک ذٰلک منکم فعلیہ بسنّتی وسنۃ الخلفاء الراشدین والمھدیین - الخ

(جامع الترمذی ج ۲ ص ۹۶ فی الباب الاخذ بالسنّۃ واجتناب عن البدعۃ)

وَمِثْلُہٗ فی سنن ابن ماجۃ ج ۱ ص ۵ فی باب اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین -

ہے، حدیث کے الفاظ ملاحظہ ہوں :۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال جلست فی عصابۃ من ضعفاء المہاجرین وانّ بعضھم لیستتر ببعض من العری وقاری یقرأ علینا اذ جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام علینا فلمّا قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکت القاری فسلّم ثمّ قال ما کنتم تصنعون قلنا یا رسول اللہ انّہ کان قاری لنا یقرء علینا فکنّا نستمع الی کتاب اللہ تعالیٰ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحمد للہ الّذی جعل من اُمّتی من اُمرت ان اصبر نفسی معھم قال فجلس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسطنا لیعدل بنفسہٖ فینا ثم قال بیدہٖ ھٰکذا فتحلّقوا وبرزت وجوھھم لہ قال فما رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرف منھم احدًا غیری فقال رسول اللہ ؐ ابشروا یا معشر صعالیک المہاجرین بالنور التّام یوم القیٰمۃ تدخلون الجنّۃ قبل اغنیاء النّاس بنصف یوم وذٰلک خمس مائۃ سنۃ ۔

(سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۶۰ کتاب العلم، فی باب القصص)

تسبیح فاطمی کا حدیث سے ثبوت

سوال :۔ آنحضرت صلی اللہ نے اُم الحسنین سیّدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو جس تسبیح کی تلقین فرمائی تھی کیا وہ کتب احادیث سے ثابت ہے ؟

الجواب :۔ تسبیح فاطمہ کو اکثر کتب حدیث میں نقل کیا گیا ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے درج ذیل الفاظ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے :۔

لما قال محمد بن اسماعیل البخاریؒ : حدثنا سلیمان بن حرب قال حدثنا شعبۃ عن الحکم عن ابن ابی لیلیٰ عن علیؓ ان فاطمۃ اشکت ما تلقی فی یدھا من الرحی فاتت النبیّ صلّی اللہ علیہ وسلم تسئلہ خادمًا فلم تجدہ فذکرت ذٰلک لعائشۃؓ فلما جاء اخبرتہٗ قال فجاءنا وقد اخذنا مضاجعنا فذھبت اقوم فقال مکانک فجلس بیننا حتّٰی وجدت برد قدمیہ علٰی صدری فقال الا ادلکما علٰی ما ھُوَ خیر لکما من خادم اذا اویتما الی فراشکما او اخذتما مضاجعکما فکبرا ثلٰثًا وّ ثلٰثین وسبحا ثلٰثًا وّ ثلٰثین واحمدا ثلٰثًا وّ ثلٰثین فھٰذا خیر لکما من خادم وعن شعبۃؒ عن خالد عن ابن سیرینؒ

قال التسبیح اربع وثلثون۔ (الجامع الصحیح البخاری ج ۲ ص ۹۳۵ باب التسبیح والتکبیر عند المنام) [۱]

سورۂ حشر کی فضیلت کے بارے میں روایت

سوال:۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی شخص فجر اور مغرب کے بعد سورۂ حشر کی آخری تین آیات کو تین بار پڑھے تو اس کے لیے فرشتے استغفار کرتے ہیں۔ یہ حدیث کونسی کتاب میں مذکور ہے اور اس کا راوی کون ہے؟

الجواب:۔ یہ روایت بعض کتب حدیث میں موجود ہے اور اس کے راوی حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ ہیں، حدیث درج ذیل ہے:۔

لما روی محمد بن عیسٰی الترمذیؒ: عن معقل بن یسار رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من قال حین یصبح ثلاث مرات اعوذ باللہ من السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم فقرأ ثلاث آیات من آخر سورۃ حشر وکل اللہ بہ سبعین الف ملک یصلون علیہ حتی یمسی وان مات فی ذٰلک الیوم مات شہیدًا۔ ومن قالہا حین یمسی کان بتلک المنزلۃ۔ الخ (جامع سنن الترمذی ج ۲ ص ۱۲۰ ابواب فضائل القرآن) [۲]

فضائل سورۂ الملک

سوال:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بعض صحابہؓ نے لاعلمی کی وجہ سے ایک قبر پر خیمہ نصب کیا تو اس قبر سے سورۂ ملک کی تلاوت کی آواز آرہی تھی، پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا۔ کیا یہ واقعہ کسی حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ واقعہ حدیث سے ثابت ہے اور محدثین نے اسے نقل کیا ہے،

---

[۱] قال الترمذیؒ: حدثنا ابوالخطاب زیاد بن یحیٰی البصری قال حدثنا ازہر السمان عن ابن عوف عن ابن سیرین عن عبیدۃ عن علی قال شکت الی فاطمۃ مجل یدھا من الطحین فقلت لو اتیت اباک فسألتہ خادمًا فقال الا ادلکما علٰی ما ھو خیر لکما من خادم اذا اخذتما مضاجعکما تقولان ثلاثًا وثلثین وثلاثًا وثلثین واربعًا وثلثین من تحمید وتسبیح وتکبیر۔ الخ (الجامع الترمذی ج ۲ ص ۱۷۸ باب ماجاء فی التسبیح والتکبیر والتحمید عند المنام)

وھٰکذا روی ابوداؤد عن حفص بن عمرو ومسدد ج ۲ ص ۳۴۲ باب فی التسبیح عند النوم۔

[۲] وھٰکذا رواہ الشیخ ولی الدین العراقی فی مشکٰوۃ المصابیح ج ۱ ص ۱۸۸ کتاب فضائل القرآن، الفصل الثانی۔

چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں :۔

حدثنا محمد عبد الملك بن ابی الشوارب قال حدثنا يحيى بن عمرو بن مالك النكری عن ابيه عن ابی الجوزاء عن ابن عباس رضی الله عنهما قال ضرب بعض اصحاب النبی ﷺ خباءه على قبر وهو لا يحسب انه قبر فاذا فيه قبر انسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها فاتى النبی ﷺ فقال يا رسول الله انی ضربت خبائی على قبر وانا لا احسب انه قبر فاذا فيه انسان يقرأ سورة الملك حتى ختمها فقال النبی ﷺ هی المانعة هی المنجية تنجيه من عذاب القبر۔ (سنن الترمذی ج ۲ ص ۱۱۷ ابواب فضائل القرآن) [۱]

لاجمعۃ ولا تشریق کی تحقیق

سوال:۔ "لاجمعة ولا تشريق الا فی مصر جامع" یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟ ائمہ حدیث اور محققین کے ہاں اس کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب:۔ اس حدیث کو محدثین نے مختلف طریقوں سے نقل کیا ہے جن میں سے بعض طریقے اگرچہ ضعیف ہیں لیکن تمام طریقے ضعیف نہیں بعض صحیح بھی ہیں لہٰذا تمام طرق کو ضعیف قرار دینا درست نہیں، جیسے مصنف ابن ابی شیبہؒ کی سند: حدثنا جرير عن منصور عن طلحة عن سعد بن عبيدة عن ابی عبد الرحمٰن انه قال علی رضی الله عنه لاجمعة ولا تشريق الا فی مصر جامع کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے درایۃ میں تصریح کی ہے کہ: وَسَنَدُهٗ صَحِيحٌ۔ (درایۃ ج ۱ ص ۲۱۴ باب الجمعۃ) [۲]

اختلاف اُمتی رحمۃ کا ثبوت

سوال:۔ اختلاف اُمتی رحمۃٌ حدیث ہے یا نہیں؟ اگر حدیث ہے تو کس درجہ کی ہے؟

الجواب:۔ اس حدیث کی صحت کے بارے میں محدثین نے اختلاف کیا ہے، بعض اس کو منقطع اور بلا اصل و بلا سند ٹھہراتے ہیں، تاہم بعض محدثین نے اس کی تصحیح بھی کی ہے چنانچہ مُلا علی قاری حنفی رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: زعم كثير من الائمة انه لا اصل له

---

[۱] وهكذا اروی الشيخ ولی الدين العراقی۔ (مشكوٰة المصابيح ج ۲ ص ۱۸۷ كتاب فضائل القرآن الفصل الثانی)

[۲] قال حافظ بدر الدين عينیؒ: وسنده صحيحٌ۔ (عمدة القاری ج ۶ ص ۱۸۸ باب الجمعة فی القری والمدن)
وَمِثْلُهٗ فی فيض الباری ج ۲ ص ۳۳۱ باب الجمعة فی القریٰ۔

لکن ذکرہ الخطابی فی غریب الحدیث مستطرداً واشعر بان لہ اصلاً و عنہ۔ وقال السیوطیؒ اخرجہ المقدسی فی الحجۃ والبیہقی فی الرسالۃ الاشعریۃ بغیر سند۔

وقال الزرکشیؒ: اخرجہ نصر المقدسی فی کتاب الحجۃ مرفوعاً والبیہقی فی المدخل عن القاسم بن محمد۔ (الموضوعات الکبریٰ ص۵۱ حدیث نمبر ۱۶۰) [1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود کو گرانے کا عزم اور اس کی تحقیق

سوال:- کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی روایت ثابت ہے جس کا مضمون یوں ہو کہ "میرا دل چاہتا ہے کہ اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دوں" اگر یہ روایت آپؐ سے ثابت ہو تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ کب کیا تھا اور یہ کیسے ہوا؟ جبکہ خودکشی شریعت میں حرام ہے۔

الجواب:- یہ روایت بعض کتبِ حدیث میں موجود ہے، اور یہ واقعہ فترۃ الوحی کے زمانے میں پیش آیا تھا، اس روایت کو علامہ قسطلانیؒ نے امام زہریؒ سے یوں نقل کیا ہے:۔

وَفَتَرَ الوحی فترۃً حتی حزن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زاد فی التعبیر من طریق معمر عن الزہریؒ فیما بلغنا حزناً غدا منہ مراراً کی یتردیٰ من رؤس شواھق الجبال فکلما اوفی بذروۃ جبل لکی یلقی نفسہ تبدّیٰ لہ جبریل فقال یا محمد انک رسول اللہ حقاً فیسکن لذٰلک جاشہ وتقر نفسہ فیرجع واما ارادتہ علیہ السلام القاء نفسہ من رؤس شواھق الجبال فحزناً علیٰ ما فاتہ من الامر الذی بشر بہ ورقۃ۔ (ارشاد الساری ج ۸ ص۴۲۷ سورۃ اقراء باسم ربک الذی خلق o ۔ صحیح ابن حبان ج ۱ ص۱۲۰ ۔ البدایۃ والنہایۃ ج۳ ص۴ باب کیف بدأ الوحی)

اور اس سے خودکشی ثابت نہیں ہوتی بلکہ یہ تو عشق و محبت مع اللہ کا درجہ ہے، جیسے کہ ایک ایک شخص کے دل میں تڑپ ہو کہ اللہ کی راہ میں قربان ہو جائے اور پھر جہاد کو چلے اور کفار کے

---

[1] وقال علاؤ الدین علی الھندیؒ: رواہ نصر المقدّسی فی الحجّۃ والبیہقی فی رسالۃ الاشعریۃ بغیر سند واوردہ الحلیمی والقاضی حسین وامام الحرمین وغیرھم ولعلّہ خرج بہ فی بعض کتب الحفاظ التی لم تصل الینا۔ قال المناوی فی الفیض (ج ۱ ص۲۶۹) لم اقف لہ علیٰ سند صحیح وقال الحافظ العراقی سندہٗ ضعیف۔ (کنز العمال ج۔ ۱ ص۱۳۶ کتاب العلم)

وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار (علی الدر المختار ج ۱ ص۶۸ مطلب فی حدیث اختلاف اُمتی رحمۃ۔

ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے آخر شہید ہو جائے تو اس کو خود کشی نہیں کہا جاتا جو باعث عتاب ہو بلکہ یہ باعثِ اجر ہوتی ہے، یا یہ ابتدائی وقت تھا جب خودکشی سے ممانعت نہیں ہوئی تھی۔

اور قاضی عیاضؒ نے اس وقت پر حمل کیا ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی دعوت پیش کی تو کفار نے اسے جھٹلایا اور انکار کر بیٹھے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت غمگین ہوئے۔ چنانچہ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا (سورۃ الکہف آیت ۶) میں بھی اس کی طرف اشارہ ہے۔

لما قال القسطلانیؒ: وحمله القاضی عیاضؒ علیٰ انه لما اخرجه من تکذیب من بلغه کقوله تعالیٰ: فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ... الخ ولم یرد بعد شرع عن ذٰلك فیعترض به۔

(ارشاد الساری ج ۸ ص ۲۷ م سورۃ اقرأ باسم ربك الذی خلق)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز اور طلوعِ آفتاب کا ثبوت

سوال:۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں سر مبارک رکھ کر آرام فرما رہے تھے کہ اتنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عصر کی نماز فوت ہوگئی یعنی سورج غروب ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نماز کے بارے میں پوچھا کہ نماز ادا کی ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا نہیں، اسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی جس کی وجہ سے سورج دوبارہ طلوع ہوا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا کی۔ کیا یہ روایت صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس روایت کو امام طبرانیؒ نے المعجم الکبیر میں اسماء بنتِ عمیسؓ سے یوں روایت کیا ہے:۔

عن اسماء بنت عمیس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی الظہر بالصہباء ثم ارسل علیاًؓ فی حاجته فرجع وقد صلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم العصر فوضع النبیؐ رأسه فی حجر علیؓ رضی اللہ عنه فنام فلم یحرکه حتی غابت الشمس فقال النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰهم ان عبدك علیاًؓ احتبس بنفسه علی نبیه فرد علیه الشمس قالت فطلعت علیه الشمس حتی رفعت علی الجبال وعلی الارض وقام علی فتوضاء وصلی العصر ثم غابت وذٰلك بالصہباء۔

(المعجم الکبیر للطبرانیؒ ج ۲۴ ص ۱۴۵)

لیکن اس روایت کی صحت کے بارے میں محدثین نے اختلاف کیا ہے، چنانچہ علامہ

ابن الجوزی، امام ابن تیمیہ اور امام احمد رحمہما اللہ وغیرہ نے اس کو موضوعات اور بلا اصل روایات میں شمار کیا ہے۔ اور امام طحاویؒ، قاضی عیاضؒ وغیرہ نے صحت پر قول کیا ہے اور طبرانی کی مذکورہ بالا روایت کو بھی صحیح روایات میں شمار کیا گیا ہے۔

لما قال محمود الآلوسیؒ: وھذا الخبر فی صحته خلاف فقد ذکرہ ابن الجوزیؒ فی الموضوعات وقال انه موضوع بلا شك وقال الامام احمد لا اصل له وافرد ابن تیمیةؒ تضیفًا فی الرد علی الروافض وذکر الحدیث بطرقه ورجاله وانه موضوع وصححه الطحاوی والقاضی عیاضؒ والطبرانیؒ۔ (روح المعانی ج۲۳ ص۱۹۴ مطلب فی تفسیر قوله تعالیٰ: فطفق مسحًا)

ابوالشیخ کے حالاتِ زندگی

سوال:۔ حدیث من صلّٰی علی عند قبری فسمعته ومن صلی علی نائیًا ابلغته کی سند میں ابوالشیخ آیا ہے اس کا نام، اس کے والد کا نام، اساتذہ اور حالاتِ زندگی کو تحریر کیا جائے؟

الجواب:۔ ابوالشیخ کا نام عبداللہ اور ان کے والد کا نام محمد بن جعفر ہے اور مشہور ابوالشیخ کے نام سے ہیں، ان کے اساتذہ بہت ہیں جن میں سے چند کے اسماء درج ذیل ہیں: الزاہد محمود بن الفرج، ابراہیم بن سعدان، محمد بن عبداللہ بن الحسن، محمد بن اسد المدنی، احمد بن محمد، ابوبکر ابن ابی عاصم، اسحٰق بن اسماعیل الرملی، ابوخلیفہ الجمحی، احمد بن الحسن الصوفی، ابویعلیٰ الموصلی، ابوعروبہ الحرانی۔

حافظ ابن مردویہؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ابوالشیخ ثقہ مامون تھے اور انہوں نے احکام وتفسیر میں کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

ابوبکر خطیبؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں: کان حافظاً ثبتاً متقنًا۔

بعض علماء سے یوں منقول ہے کہ ہم جب بھی ابوالشیخ کے ہاں جاتے تو وہ نماز میں مشغول ہوتے تھے۔

ابونعیمؒ کا کہنا ہے کہ وہ بلند پایہ علماء میں سے تھے، انہوں نے احکام وتفسیر میں کئی کتابیں تصنیف کیں اور وہ اپنے شیوخ سے علم پھیلاتے تھے اور ساٹھ سال تک تصنیف کرتے رہے، وہ با اعتماد تھے۔

لما قال الذہبیؒ: ابوالشیخ حافظ اصبہان وسند زمانه الامام ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر الانصاری صاحب المصنفات السائرة ویعرف بابی الشیخ سمع من جدہ

لامہ الزاھد محمود بن الفرج، ابراھیم بن سعدان، محمد بن عبد اللہ بن الحسن، محمد بن اسد المدنی، احمد بن محمد، ابوبکر ابن ابی عاصم، اسحاق بن اسماعیل الرملی، ابوخلیفۃ الجمحی، احمد بن الحسن الصوفی، ابویعلی الموصلی، ابوعروبۃ الحرانی ــ قال ابن مردویۃ ثقۃ مامون صنف التفسیر والکتب الکثیر فی الاحکام وغیر ذلک۔ وقال ابوبکر الخطیب کان حافظاً ثبتاً متقناً۔ وروی بعض العلماء قال ما دخلنا علی ابی الشیخ الا وھو یصلی۔ قال ابونعیمؒ ھو احد الاعلام صنف الاحکام والتفسیر وکان یفید عن الشیوخ و یصنف لھم ستین سنۃً وکان ثقۃً ووقع لنا الکثیر من کتب ابی الشیخؒ۔ الخ

(تذکرۃ الحفاظ ج۳ ص۹۴۵)

مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ کی تحقیق

سوال:۔ مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر کسی شخص کو ایسی حالت میں موت آئے کہ وہ توحید و رسالت پر ایمان رکھتا ہو تو یہ شخص جنتی ہے۔ اگر صرف اس عقیدے کی بناء پر جنت میں جانا ہو سکتا ہے تو پھر دیگر اعمال کا کیا فائدہ؟

الجواب:۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو دل سے معبودِ برحق مانے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچا رسول مانے اور زبان سے بھی اس عقیدے کا اظہار کرے تو ایسا شخص جنت میں جانے کا اہل بن جاتا ہے صرف زبانی کلمہ پڑھنا مراد نہیں ہے، اور دوسرے اعمال کا ذکر اس لیے نہیں ہوا کہ اس حدیث کا تعلق اس زمانے سے ہے جب دوسرے اعمال فرض نہیں ہوئے تھے جبکہ ایمان کا دارومدار صرف توحید و رسالت اور قیامت پر تھا، اسی وجہ سے دوسرے اعمال کا بے فائدہ ہونا لازم نہیں آتا۔ اور دخولِ جنت سے مراد دخولِ اولیٰ اس صورت میں ہو سکتا ہے جب کسی گناہ کا ارتکاب نہ کیا ہو یا بصورتِ کوتاہی کے توبہ کرلی ہو یا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے معاف کیا ہو۔ یا دخول جنت سے مراد دخولِ اُخروی ہے جو اعمال میں کوتاہی کی سزا بھگتنے کے بعد ہوگا، یا دخل الجنۃ کا معنیٰ استحق دخول الجنۃ ہے۔

لما قال العلامۃ ملا علی القاری الحنفی رحمہ اللہ: دخل الجنۃ دخولاً اولیاً ان لم یصدر عنہ ذنب بعد الایمان او اذنب وتاب اوعفا اللہ عنہ او دخولاً اخرویاً فان اللہ لا یضیع اجر من احسن عملاً او معناہ استحق

دخول الجنة - (مرقاة المفاتیح ج ۱ ص ۲۰۱ کتاب الایمان)

وقال النووی رحمہ اللہ: قلنا نحمله علی انه غفرله او اخرج من النار بالشفاعة ثم ادخل الجنة فیکون معنیٰ قوله دخل الجنة ای دخلها بعد مجازاته بالعذاب وهذا لابد من تاویله لما جاء فی ظواهر کثیرة من عذاب بعض العصاة۔ (شرح النووی علی صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۲)

حدیث لولاک لما... کی تحقیق

حدیث لولاک لما خلقت الافلاک کے بارے میں ملا علی القاری رحمہ اللہ نے موضوع ہونے کا قول کیا ہے، اور ان کے علاوہ بعض علماء نے اس کو بلا سند روایات میں شمار کیا ہے، جبکہ بعض حضرات نے دیلمی رحمہ اللہ کے حوالے سے مرفوع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، لہٰذا اس کے بارے میں تسلی بخش جواب سے سرفراز فرمائیں؟

الجواب: اگرچہ اس حدیث کے الفاظ کے بارے میں محدثین حضرات نے کلام کیا ہے لیکن معنیٰ ومضمون کے اعتبار سے یہ ثابت ہے اور ایک حقیقت نفس الامری ہے جو کہ دوسری روایات سے ثابت ہے اور جن علماء سے انکار منقول ہے وہ بھی الفاظ ہی کے بارے میں ہے معنیٰ کے بارے میں نہیں ہے۔ چنانچہ خود ملا علی قاری رحمہ اللہ اس کے بارے میں رقمطراز ہیں کہ اگرچہ علامہ صنعانی رحمہ اللہ نے اسے موضوع کہا ہے لیکن معنیٰ کے اعتبار سے ثابت ہے۔

حدیث لولاک لما خلقت الافلاک قال الصغانی انه موضوع کذا فی الخلاصة لکن معناه صحیح فقد روی الدیلمی رحمہ اللہ عن ابن عباس رضی اللہ عنهما مرفوعاً اتانی جبریل فقال یا محمد لولاک ما خلقت الجنة ولولاک ما خلقت النار وفی روایة ابن عساکر لولاک ما خلقت الدنیا۔ (موضوعات کبیر ص ۵۹ حرف اللام)[1]

---

[1] قال العلامة شهاب الدین قسطلانی رحمہ اللہ: قال اللہ تبارک وتعالیٰ لآدم یا آدم یا ابا محمد ارفع راسک فرفع راسه فرئ نور محمد فی سرادق العرش فقال یا رب ما هذا النور قال هذا نور نبی من ذریتک اسمه فی السماء احمد وفی الارض محمد لولاه ما خلقتک ولا خلقت سماءً ولا ارضاً۔ (مواهب اللدنیة ج ۱ ص ۸۳)

وروی فی حدیث طویل عن سلمان رضی اللہ عنه ولقد خلقت الدنیا واهلها لأعرفهم کرامتک ومنزلتک عندی ولولاک ما خلقت الدنیا۔

(مواهب اللدنیه ج ۱ ص ۸۳)

ومثله فی سبل الهدیٰ والرشاد ج ۱ ص ۷۵۔

مہاجرین وانصار میں عقد مواخات اور انصار کا مہاجرین کو بیوی کی پیشکش

سوال: صحابہ کرامؓ جب مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ طیبہ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین کے درمیان عقدِ مواخات یعنی بھائی بندی اور بھائی چارہ قائم کیا تو جن انصار صحابہؓ کی دو بیویاں تھیں انہوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کو ایک بیوی کی طلاق کے بعد پیشکش کی۔ کیا یہ روایت حدیث کی کتابوں سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہجرت فرمانے کے بعد مدینہ طیبہ جاکر مہاجرین وانصار کے درمیان مواخات یعنی بھائی بندی اور بھائی چارے کا رشتہ قائم فرمایا اور اس پر انصار نے اپنے خلوص وجذبۂ ایمانی سے بھرپور طریقے پر عمل کیا جو حدیث کی کتابوں میں تفصیلی طور پر مذکور ہے۔ اسی جذبۂ ایثار اور اخلاص ہی کی وجہ سے حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنے مہاجر بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اپنی نصف جائیداد اور ایک بیوی کی پیشکش کی جو کہ اُن کے انتہائی ایثار کا اظہار تھا، لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ظاہری طور پر خلافِ مروّت سمجھتے ہوئے حضرت سعد بن ربیعؓ کی پیشکش قبول کرنے سے معذرت کی۔

لما روی محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ: لما قدموا المدینة آخی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بین عبدالرحمٰن بن عوف وسعد بن الربیع فقال لعبد الرحمٰن انی اکثر الانصار مالاً فاقسم مالی نصفین ولی امرأتان فانظر اعجبهما الیك فسمها لی اطلقها فاذا انقضت عدتها فتزوجها قال بارك اللہ لك فی اهلك ومالك۔ (صحیح بخاری ج۱ ص۵۳۳ باب اخاء النبی صلی اللہ علیه وسلم بین المهاجرین والانصار)[1]

اشعة اللمعات کی ایک عبارت کی تشریح

سوال:۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے "اشعة اللمعات ج۲ ص۱۵۴" میں کتاب فضائل القرآن، باب آداب التلاوت" کے تحت ایک حدیث کی تشریح کی ہے جس کا

---

[1] روی الامام محمد بن عیسٰی الترمذیؒ: عن انس رضی اللہ عنه آخی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بین عبدالرحمٰن بن عوف وسعد بن الربیع فقال هلم اقاسمك مالی نصفین ولی امرأتان فاطلق احداهما فاذا انقضت عدتها فتزوجها۔ الخ (جامع الترمذی ج۲ ص۱۵ باب المواسات۔ ابواب البر والصلة)

مطلب سمجھ میں نہیں آرہا، ازراہ کرم فارسی کی مندرجہ ذیل عبارت کی وضاحت فرمائیں:۔

"ومقصود وی صلی اللہ علیہ وسلم رفع حرج ومشقت وتکلیف در استقصائے رعایت تجوید بمرتبۂ غایت است وتنبیہ برتحری حسبۃً واخلاص درعمل لوجہ اللہ وتفکّر در معانی وشدّت اہتمام بآں اگرچہ درتحسین الفاظ وتجوید کلمات نہ باقصا الغایۃ کوشد زیرا کہ استقصاء واہتمام بثانی بامساہلہ وتقصیر دراول چنداں نفع نکند واعتناء بثانی بامساہلہ دراول ضرر نیارد"۔۔۔؟

الجواب: ۔ یہاں پر تلاوتِ قرآن کی دو صورتیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اگر کوئی کلامِ پاک کے معانی ومطالب میں غور وفکر نہ کرے بلکہ صرف الفاظ کی تحسین اور کلمات کی تجوید میں کوشش کرے تو اس میں کوئی خاص فائدہ نہیں۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی کلامِ الٰہی کی تلاوت اخلاص کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کرے اور اس کے معانی ومطالب پر غور وفکر کرے اگرچہ انتہائی طور پر قوانینِ تجوید اور تحسینِ الفاظ حاصل نہ ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور حاصل اس کا یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی تلاوت میں بنیادی چیز اخلاص وللّٰہیت اور تفکّر وتدبّر ہے جب یہ حاصل ہوں تو تلاوت کا ثواب مکمل طور پر حاصل ہوگا، اور جب اخلاص اور تفکّر نہ ہو تو اگرچہ تحسین وتجوید سے پڑھا جائے اس میں کوئی خاص فائدہ نہیں۔

بشّروا ولا تنفّروا کی تحقیق

سوال: ۔ اصولِ تبلیغ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح کی کوئی روایت منقول ہے کہ نفرت نہ دلانا محبت پیدا کرنا، پہلے توحید ورسالت کی دعوت دینا جب اس کو مان لیں تو پھر نماز پنجگانہ بتانا؟

الجواب: ۔ مذکورہ پورے الفاظ کسی ایک روایت میں نہیں ملتے تاہم متعدد روایات سے یہ باتیں ثابت ہیں، ایک روایت میں یوں ہے:۔

بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابا موسیٰ ومعاذًا رضی اللہ عنہما الی الیمن فقال یسّرا ولا تعسّرا وبشّرا ولا تنفّرا۔ الخ (الجامع الصحیح البخاری ج۲ ص۶۲۲ کتاب المغازی / صحیح مسلم ج۲ ص۸۲ کتاب الجہاد)

اور دوسری روایت میں یوں ہے:۔

اِنّک ستأتی قومًا من اھل الکتاب فاذا جئتھم فادعوھم الیٰ ان یشھدوا ان لآ الٰہ الّا اللہ وانّ محمّدًا رسول اللہ فان ھم اطاعوا بذٰلک فاخبرھم انّ اللہ قد فرض علیکم خمس صلوٰۃ فی کلّ یومٍ ولیلۃٍ۔ الخ (الجامع الصحیح البخاری ج۲ ص۶۲۳ کتاب المغازی / صحیح مسلم ج۱ ص۳۶ کتاب الایمان)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے کی سزا

سوال:۔ تیسیر الباری ترجمہ صحیح بخاری میں پارہ اوّل حدیث ۱۰۸ کے تحت لکھا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جو تم سے بہت سی حدیثیں بیان نہیں کرتا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور انورؐ نے فرمایا جو کوئی جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے۔ متن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نادانستہ ایسا ہو جائے تو بالاجماع وہ گنہگار نہ ہوگا۔ جوینیؒ نے کہا کہ جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر عمداً جھوٹ باندھے وہ کافر ہو گیا، علیؒ نے کہا کہ کافر تو نہیں ہوا مگر سخت گنہگار رہا، اس حدیث کے صحیح مطلب و مفہوم سے روشناس فرما کر ممنون فرمائیں؟

الجواب:۔ اس حدیث کا مفہوم تو ظاہر ہے کہ جان بوجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والے کی سزا جہنم ہے، باقی اگر کوئی غلطی سے یا بھول کر اس فعل کا ارتکاب کرے تو بااجماع علماء یہ شخص گنہگار نہیں ہوگا، اسی وجہ سے حکم کے ساتھ بالعمد کی قید لگائی گئی ہے اور جو روایات مطلق ہیں وہ اس مقید پر محمول ہیں البتہ کذب عمداً کے مرتکب کے کفر کے بارے میں اختلاف ہے لیکن جمہور کے ہاں جب تک حلال نہ سمجھے کافر نہ ہوگا، اگرچہ گناہِ عظیم ہونے میں شک نہیں مگر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔

لما قال النوویؒ: ان الاجماع والنصوص المشهورة فی الکتاب والسنّة متوافقة ظاهرة علیٰ انّهٗ لا اثم علی النّاسِ والغالط فلو اطلق النّبی صلی الله علیه وسلم لتوهم انهٗ یأثم النّاس ایضًا فقیّدهٗ واما الرّوایات المطلقة فمحمولة علی المقیّدة بالعمد ...... ثمّ قال ولکن لا یکفر بهٰذا الکذب الا ان یستحله هٰذا هوا لمشهور من مذاهب العلماء۔ الخ

(نووی شرح صحیح مُسلم ج ۱ ص۸ باب النهی عن الحدیث)

مُرتد عن الاسناد کی حدیث کی تحقیق

سوال:۔ مندرجہ ذیل حدیث "عن النّبیّ صلی الله علیه وسلم انهٗ قال المُرتد علیٰ نوعین مُرتد عن الدّین ومُرتد عن الاسناد اما المُرتد عن الدین فهو یُصلح بالتوبة واما المرتد عن الاسناد فهو لا یُصلح اصلاً فهو کالبیضة المنتة" ایک قلمی نسخے میں نظر سے گذری، مگر اشتباہ اس میں یہ ہے کہ حقوق دو قسم کے ہیں، حقوق اللہ اور حقوق العباد، حقوق اللہ تو توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں اور حقوق العباد بندوں کے راضی کرنے سے معاف

ہو جاتے ہیں اور توبہ کے ذریعے تو کافر و فاسق کی اصلاح ہوتی ہے۔ مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں: "وتوبۃ الکافر ومقبولۃ" لہٰذا اس حدیث کے بارے میں وضاحت فرمائیں کہ محدثین کے ہاں اس کی کیا حیثیت ہے، صحیح ہے یا موضوع؟

الجواب: اساتذہ کرام اور والدین کا احترام قرآن و حدیث سے ثابت ہے لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ نافرمان شاگرد کی توبہ قبول نہ ہو، لقولہ تعالیٰ: لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا (سورۃ زمر آیت ۵۳) اور اسی طرح غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ۔ (سورۃ المؤمن آیت ۳) لہٰذا توبہ قبول ہو جاتی ہے۔

باقی چونکہ اس روایت کی سند مذکور نہیں اور نہ ہی کسی مخرج پر حوالہ دیا گیا ہے، لہٰذا صحت و ضعف کے اعتبار سے تفصیل نہیں لکھی جا سکتی تاہم بظاہر وضع کے آثار اس میں نمایاں ہیں جن میں کتاب اللہ، سنتِ رسولؐ اور اجماعِ اُمت سے تعارض شامل ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا

سوال: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ معراج کی رات میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کیا یہ حدیث ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب: اس حدیث کو امام مسلمؒ نے نقل کیا ہے: حدثنا هداب بن خالد و شيبان بن فروخ قال اخبرنا حماد بن سلمة البنانى وسليمان التيمى عن انس بن مالك رضى الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتيت وفى رواية هداب مررت على موسىٰ ليلة اسرى عند الكثيب الاحمر وهو قائم يصلى فى القبر۔

(الجامع الصحیح المسلم ج ۲ ص ۲۶۸ باب فضائل موسیٰ علیہ السلام[1])

نسبت الی الغیر پر وعید اور اس کی توجیہہ

سوال: اس حدیث کی وضاحت فرما کر ممنون فرمائیں: "حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنے

---

[1] عن انس بن مالك ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اتيت ليلة اسرى بى على موسىٰ عليه السلام عند الكثيب الاحمر وهو قائم يصلى فى قبره۔ (نسائی ج ۱ ص ۲۴۲ کتاب قیام اللیل و تطوع النهار۔ ذکر صلوٰۃ نبی اللہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام .... الخ)

والد کے سوا کسی دوسرے شخص کو والد کہا اور وہ جانتا بھی ہو کہ یہ شخص اس کا باپ نہیں ہے تو ایسے شخص پر جنت حرام ہے؟

الجواب:۔ یہ حدیث امام مسلم بن حجاج نے صحیح مسلم میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے نقل کی ہے:۔

عن ابی بکر رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من ادّعیٰ الیٰ غیر ابیہ وھو یعلم انّہٗ غیر ابیہ فالجنۃ علیہ حرامٌ ۔

ائمہ حدیث نے اس روایت کی مختلف توجیہات کی ہیں:۔

(۱) یہ کہ جو شخص اس کام کو حلال سمجھ کر کرے گا تو اس پر جنت حرام ہے۔

(۲) یہ کہ حرام بمعنی ممنوع ہے تو ایسے شخص پر جنت میں دخول اول ممنوع ہوگا جو فائزین اور سلامتی والوں کے لیے ہے اور سزا پانے کے بعد داخل ہوگا۔

لما قال النوویؒ: الاوّل انّہٗ حرام علیٰ من فعلہٗ مستحلاً لہٗ ۔ والثانی ان جزائہ انہا محرمۃٌ علیہ اوّلاً عند دخول الفائزین الخ ۔ (شرح النووی علیٰ صحیح مسلم ج۱ ص۵۷ باب بیان حال ایمان من رغب عن ابیہ وھو یعلم) [۱]

نماز میں اشارۂ ممنوعہ کی حقیقت

سوال:۔ ابو داؤد شریف میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من اشار فی صلوتہٖ تفھم عنہ فلیعد لھا یعنی الصلوٰۃ (ج۱ ص۱۴۳)"۔ کیا یہ حدیث اشارہ بالسبابہ کی روایت سے معارض ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ بالسبابہ کے لیے مستقل عنوان باب الاشارۃ فی التشھد کے تحت روایات کو جمع کیا ہے، اور مذکورہ روایت کو باب الاشارۃ فی الصلوٰۃ میں نقل کیا ہے، لہٰذا اس اشارہ سے مراد وہ اشارہ ہوگا جو سلام کے جواب

---

[۱] فالمراد من استحل ذٰلک مع علمہ بالتحریم وعلی الروایۃ المشھورۃ فالمراد کفر النعمۃ وظاھر اللفظ غیر مرادٍ وانّما ورد علیٰ سبیل التغلیظ والزجر لفاعل ذٰلک او المراد باطلاق الکفران فاعلہ فعل فعلاً شبیھاً بفعل اھل الکفر ۔ الخ (فتح الملھم بشرح صحیح مسلم ج۱ ص۲۳۶ باب بیان حال ایمان من رغب عن ابیہ وھو یعلم)

یاکسی دوسری ضرورت کے لیے کیا جائے۔

لما قال الشیخ خلیل احمد السہارنفوری رحمہ اللہ: الاشارۃ المذکورۃ فی ھذا الحدیث محمولۃ علی الاشارۃ فی الصلوٰۃ للحاجۃ کرد السلام وغیرہ۔

(بذل المجہود شرح ابوداؤد ج ۲ ص۱۰ باب الاشارۃ فی الصلوٰۃ)

فقیہ اور عابد کے تقابلی موازنہ کی روایت

سوال: - فقیہٌ واحد اشد علی الشیطٰن من الفِ عابد۔ یہ حدیث ہے یا کوئی عربی مقولہ ہے؟ اگر حدیث ہے تو حدیث کی کس کتاب میں مذکور ہے؟

الجواب: - یہ عبارت ایک حدیث کے الفاظ ہیں اور اکثر کتب احادیث میں بروایت عبداللہ ابن عباسؓ ذکر کئے گئے ہیں:-

روی محمد بن عیسٰی الترمذیؒ بسندہ ابن عباس رضی اللہ عنہما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقیہٌ وَّاحدٌ اَشدّ علی الشیطٰنِ من الفِ عابد۔

(جامع الترمذی ج ۲ ص۹۳ باب ماجاء فی عالم المدینۃ) [1]

حضرت علیؓ اور قوتِ حافظہ والی روایت

سوال: - ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قوتِ حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چند کلمات اور اسماءِ حسنٰی بتلائے جن کے ورد سے حضرت علیؓ کی حافظہ کی کمزوری ختم ہوگئی، پھر بعد میں کسی صحابی کے پوچھنے پر حضرت علیؓ نے وہ کلمات بتائے۔ اس روایت کا حوالہ بتائیں؟

الجواب: - امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ روایت ان کلمات کے ساتھ (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ضعفِ حافظہ کی دوری کے لیے فرمائے تھے) نقل کی ہے:-

عن ابن عباسٍ رضی اللہ عنہ مختصراً، شکی علی رضی اللہ عنہ تفلّت القراٰن عن صدرہ

---

[1] وکذا ذکرہ ولی الدین محمد بن عبد اللہ عن ابن عباسٍ رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقیہٌ واحد اشدّ علی الشیطٰن من الفِ عابدٍ۔

(مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص۳۴ کتاب العلم۔ الفصل الثانی)

وَمِثْلُہٗ فی سنن ابن ماجۃ ج ۱ ص۲۰ باب فضل العلماء والحث علٰی طلب العلم۔

الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا ابا الحسن افلا اعلّمك كلماتٍ ینفعك اللہ بهن وینفع بهن من علّمته ویثبت ما تعلّمت فی صدرك قال اجل یا رسول اللہ فعلّمنی قال اذا كان لیلة الجمعة فان استطعت ان تقوم فی ثلث اللیل الآخر فانها ساعة مشهودة والدعاء فیها مستجابٌ فان لم تستطع فقم فی وسطها فان لم تستطع فقم فی اوّلها ۔ فَصَلِّ ركعاتٍ تقرء فی الركعة الاولی فاتحة الكتاب وسورة یٰسٓ وفی الركعة الثانیة فاتحة الكتاب وحٰمٓ الدخان وفی الركعة الثالثة بفاتحة الكتاب والٓمٓ تنزیل السجدة ۔ وفی الركعة الرابعة بفاتحة الكتاب وتبارك المفصّل، سورة الملك ۔ فاذا فرغت من التشهد فاحمد اللہ واحسن الثناء علی اللہ و صَلِّ عَلَیَّ واحسن وعلی سائر النبیین واستغفر للمؤمنین والمؤمنات ولاخوانك الذین سبقوك بالایمان ثم قل فی آخر ذٰلك اللّٰهم ارحمنی بترك المعاصی ابدًا ما ابقیتنی وارحمنی ان اتكلف مالا یعنینی وارزقنی حسن النظر فی ما یرضیك عنّی اللّٰهمّ بدیع السمٰوٰت والارض ذوالجلال والاكرام والعزّة التی لا ترام اسئلك یا اللہ یا رحمٰن بجلالك ونور وجهك ان تلزم قلبی حفظ كتابك كما علّمتنی وارزقنی ان اتلوه علی النحو الذی یرضیك عنّی اللّٰهمّ بدیع السمٰوٰت والارض ذوالجلال والاكرام والعزّة التی لا ترام اسئلك یا اللہ یا رحمٰن بجلالك ونور وجهك ان تنور بكتابك بصری وان تطلق به لسانی وان تفرّج به عن قلبی وان تشرح به صدری وان تغسل به بدنی ۔ فانه لا یعیننی علی الحق غیرك ولا یؤتیه الّا انت ولاحول ولا قوة الّا باللہ العلیّ العظیم ۔ یا ابا الحسن تفعل ذٰلك ثلاث او خمسة وسبعًا تُجب باذن اللہ والذی بعثنی بالحق ما اخطاء مؤمنًا ۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۹۶ باب دعاء الحفظ)

انچاس کروڑ گنا ثواب کی حدیث

سوال:۔ بعض حضرات تبلیغ میں جانے والوں کے لیے جو فضائل بیان کرتے ہیں اُن میں ایک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلنے والوں کو ایک روپے کے خرچ کرنے پر اُنچاس کروڑ روپے کا اجر و ثواب ملے گا۔ کیا یہ کسی حدیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ بات کسی مستقل روایت سے ثابت نہیں، تاہم چند روایات کے مجموعی مضامین کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلنے والے کے اعمال میں بہت زیادہ تضاعف ہوتا ہے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے ایک روپے کے عوض ۴۹ کروڑ کا

ثواب ملتا ہے۔ اس بارے میں ابن ماجہ کی ایک روایت ہے جو آٹھ صحابہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من ارسل بنفقۃ فی سبیل اللہ واقام فی بیتہ فلہ بکل درھم سبع مائۃ درھم ومن غزیٰ بنفسہٖ فی سبیل اللہ وفی وجہ ذٰلک فلہ بکل درھم سبع مائۃ الف درھم۔ (ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۹۸ باب فضائل النفقۃ فی سبیل اللہ)

اور دوسری روایت کو امام ابوداؤدؒ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الصلوٰۃ والصیام والذکر یضاعف علی النفقۃ فی سبیل اللہ عزوجل بسبع مائۃ ضعف۔ (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۴۵ باب تضعیف الذکر فی سبیل اللہ)

یہاں پہلی روایت میں یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکل کر خرچ کرے اس کو ایک روپیہ کے عوض سات لاکھ روپے کا ثواب ملے گا۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نماز، روزہ، ذکر اللہ کا ثواب انفاق فی سبیل اللہ کی نسبت سات (۷۰۰) سو گنا زیادہ ہے۔ اب پہلی حدیث کے سات لاکھ کو دوسری حدیث کے سات سو روپے سے ضرب دی جائے تو انچاس ۴۹ کروڑ ہی بنتا ہے۔

۷۰۰۰۰۰ × ۷۰۰ = ۴۹۰۰۰۰۰۰۰

تاہم یہ ثواب صرف تبلیغ میں نکلنے سے خاص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے راستہ کے ہر مسافر کا یہ حکم ہے، البتہ تبلیغ بھی سبیل اللہ کا ایک شعبہ ہے۔

ولد الزنا لایدخل الجنۃ کی تحقیق

سوال:۔ درج ذیل حدیث ولد الزنا لایدخل الجنۃ کی محدثین کے ہاں صحت اور ضعف کے اعتبار سے کیا حیثیت ہے؟ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟

الجواب:۔ اس حدیث کے متعلق اکثر حفاظ حدیث کی رائے یہ ہے کہ اس کا شمار موضوع روایات میں ہوتا ہے اور حدیث کے ذخائر میں اس کی صحت کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

لما قال عبدالرحمٰن الاثری الشافعیؒ: ولد الزنا لایدخل الجنۃ یدور علی الالسنۃ ولم یثبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ بل قال القاضی مجدالدین شیرازی فی سفر السعادۃ ھو باطل۔ (تمییز الطیب من الخبیث ص ۲۰۷) [۱]

---

[۱] وقال ایضاً: ذکر فی المصنوع فی احادیث الموضوع ولد الزنا لایدخل الجنۃ لا اصل لہٗ۔ (تمییز الطیب من الخبیث ص ۳۹۱) ومثلہٗ فی موضوعات کبریٰ للملا علی القاریؒ ص ۳۵۱ احادیث فی ولد الزنا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اجنبیہ سے غنا کی روایت

سوال:۔ عن عائشۃ رضی اللہ عنہ قالت کانت عندی امرأۃ تسمعی فدخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھی علی تلک الحال ثمّ دخل عمر ففرّت فضحک رسول اللہ فقال عمر رضی اللہ عنہ ما یضحک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محدثہ فقال واللہ لا اخرج حتی اسمع ماسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسمعتہٗ ۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ اس روایت کو بعض محدثین نے موضوعات میں شمار کیا ہے اور اس کی سند میں ابوالفتح البغدادی ہے جو محدثین کے ہاں متکلم فیہ ہے، اور بعض نے اسے واھی الحدیث ساقط الروایۃ تک کہا ہے ۔

لما قال ابن الجوزی رحمہ اللہ : قال الخطیب ابوالفتح البغدادیؒ واھی الحدیث ساقط الروایۃ واصل الحدیث باطل ۔ (کتاب الموضوعات لابن الجوزیؒ ج۳ ص۱۱۶ باب فی اباحۃ الغناء)

گائے کے گوشت کی حلت و حرمت کی تحقیق

سوال:۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گائے کا دودھ پیو کیونکہ اس میں دوا ہے اور اس کے گھی میں شفاء ہے اور بچو اس کے گوشت سے اس لیے کہ اس میں بیماری ہے ؟

الجواب:۔ گائے کے دودھ میں شفاء ہونے کے بارے میں تو روایات موجود ہیں جن کو حافظ عبداللہ نیشاپوریؒ نے مستدرک میں نقل کیا ہے :۔

انّ اللہ تعالیٰ لم ینزل داءً الا انزل لہٗ شفاءً الا الحرام فعلیکم بالبان البقر فانّھا ترعم من کل شجر ۔ (مستدرک حاکم ج۴ ص۱۹۷ کتاب الطب)

لیکن گائے کے گوشت سے ممانعت کی روایت نہیں مل سکی بلکہ اس کے برعکس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل مبارک سے اس کی حلت ثابت ہے، اور اگر منع کی روایت ثابت ہو جائے تو نہی طبع پر محمول ہو گی ۔

لما روی الامام مسلم بن حجاجؒ فی صحیحہ : عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انّ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم بلحم بقر فقیل ھذا ما تصدق بہٖ علی بریرۃ

فقال هو لها صدقۃٌ ولنا ھدیۃ۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۴۵ باب اباحۃ الھدیۃ للنبیّ صلی اللہ علیہ وسلم ولبنی ھاشم وبنی المطلب۔۔۔ الخ) [1]

منجیات و مُہلکات کی تشریح

سوال: ۔ ثلث مُنجیاتٌ وثلث مھلکاتٌ فامّا المنجیات فتقوی اللہ فی السّرّ والعلانیۃ والقول بالحق فی الرضا والسخط والقصد فی الغناء والفقر، وامّا المھلکات فھویً متبع وشحٌ مطاعٌ واعجاب المرء بنفسہٖ وھو اشدھنّ۔ اِس حدیث کا حوالہ اور تشریح ارسال کریں؟

الجواب: ۔ یہ حدیث صاحبِ مشکوٰۃ المصابیح نے جلد ۲ ص ۴۳۴ پر شعب الایمان للبیہقی کے حوالے سے نقل کی ہے۔

تشریح: ۔ اس روایت میں مقصود یہ ہے کہ دنیا اور آخرت دونوں میں ہلاکت سے بچنے اور نجات پانے کے لیے ضروری ہے کہ مومن میں تین صفات موجود ہوں۔ (۱) خوفِ خدا: یعنی ہر حالت میں خوفِ خدا اس کے دل میں ہو۔ (۲) قول بالحق: یعنی ہر حالت میں حق بات پر ڈٹا رہے خواہ کوئی خوش ہو یا ناراض، دوست ہو یا دشمن، کسی کو بھی ملحوظِ خاطر رکھے بغیر سچ بات کرے۔ (۳) قصد: اعتدال اور میانہ روی خرچ کرنے میں، چاہے فراخیٔ رزق ہو یا فقر و فاقہ، ہر حالت میں افراط و تفریط یعنی اسراف اور بخل دونوں سے بچے اور ان کے درمیانی حالت کو اختیار کرے۔

مُہلکات: ۔ اسی طرح دُنیوی و اُخروی ہلاکتوں سے بچنے کے لیے بھی تین چیزیں ایسی ہیں جن سے بچنا چاہیئے۔ (۱) ھوٰی متبع یعنی نفس کی خواہشات کی پیروی، اسلئے کہ خواہشاتِ نفسانیہ کی مخالفت اکبرالمنجیات میں سے ہے جیسے کہ اتباعِ خواہشاتِ نفسانیہ اکبرالمہلکات میں سے ہے۔ (۲) شح: یعنی بُخل کہ انسان کی طبیعت میں بُخل مل جائے

---

[1] وعن جابر رضی اللہ عنہ قال ذبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن عائشۃؓ بقرۃ یوم النحر۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۲۴ باب جواز الاشتراک فی الھدی واجزاءٌ البدنۃ والبقرۃ کل واحدۃ منھما عن سبعۃ الخ)

وَمِثْلُہٗ فی سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۵۱ باب فی ھدی البقر۔

پھر اسی کے مطابق چلتا رہے، اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ بخل ہے جو حرص کے ساتھ مقرون ہو۔

(۳) اعجاب المرء بنفسہ:۔ یعنی خود بینی پیدا ہو جائے تو اپنے اعمال، احوال، جمال یعنی ہر کمال پر گھمنڈ کرے اور یہ سب سے زیادہ مہلک خصلت ہے، اس کا وبال بھی سب سے زیادہ اور نقصان بھی سب سے زیادہ ہے۔ (مرقاۃ شرح مشکوۃ ج۹ ص۳۱۸ باب الغضب والکبر الفصل الثالث)

اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّیْن کی تحقیق

سوال:۔ حدیث اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّیْن کے بارے میں محدثین کی کیا رائے ہے؟ یہ صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے تو کتاب کا حوالہ دے کر ممنون فرمائیں؟

الجواب:۔ مندرجہ بالا حدیث کو امام احمد بن حسین بیہقیؒ نے "شعب الایمان" میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے، اور امام بیہقیؒ کی تحقیق کے مطابق اس روایت کا متن تو مشہور ہے لیکن تمام اسناد ضعیف ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:۔

ھذا الحدیث شبہ مشھور واسنادہ ضعیف وقد روی من اوجہ کلھا ضعیفۃ۔ (شعب الایمان للبیہقی ج۲ ص۲۵۴)

اور علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے بھی جامع بیان العلم وفضلہ ج ص۸ میں امام زہریؒ سے نقل کیا ہے۔

اسی طرح امام غزالی رحمہ اللہ نے احیاء علوم الدین میں نقل کیا ہے۔ (جلد ۱ ص۹)

تاہم ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسے موضوعات کے زمرے میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ھذا حدیث لا یصح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وقال ابن حبانؒ ھذا الحدیث باطل لا اصل لہ۔ (الموضوعات لابن الجوزی ج۱ ص۲۱۶ کتاب العلم۔ باب طلب العلم ولو بالصین)

امتِ محمدیہ کے تہتّر فرقوں کا ثبوت

سوال:۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت تہتّر ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ کیا یہ کسی صحیح حدیث کا مفہوم ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ ایک صحیح حدیث کا مفہوم ہے جسے محدثین نے مختلف سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود و نصاریٰ ۷۱ یا ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور میری اُمت

تہتّر ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہوگی ۔

لما روی الترمذی ؒ : عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال تفرقت الیہود علی احدیٰ و سبعین او اثنتین وسبعین فرقۃ والنصاریٰ مثل ذٰلک وتفترق اُمّتی علی ثلاث وسبعین فرقۃ ھٰذا حدیث حسن صحیح ۔ (جامع السنن للترمذی ج ۲ ص ۹۲)

وقال عبد القاہر بن محمد البغدادی ؒ : قد رواہ عن النبیؐ جماعۃٌ من الصحابۃ کانس بن مالکؓ وابی ہریرۃؓ وابی درداءؓ وجابرؓ وابی سعید الخدریؓ وابی بن کعبؓ وعبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ وابی امامۃؓ وواثلۃ بن اسقعؓ وغیرہم ۔ (الفرق بین الفرق ص ۹ الباب الاول فی بیان الحدیث الماثور) [۱]

تفرق کی تحقیق

سوال :۔ مندرجہ ذیل حدیث تفترق اُمّتی ثلاث وسبعین فرقۃ ... الخ میں افتراق سے کیا مراد ہے ؟

الجواب :۔ اس حدیث میں تفرق اور تقسیم سے مراد وہ تفرق ہے جو اصولِ دین میں واقع ہوا ہو اور فروعی اختلاف اس سے مراد نہیں، اس لیے کہ جن فرقوں کا فروع میں اختلاف ہو وہ سب اصول اور بنیادی عقائد میں متحد ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو کفر و گمراہی کی نسبت نہیں کرتے ، اور جو لوگ اصولِ دین میں متفرق ہوں وہ ایک دوسرے کو کافر و گمراہ کہتے ہیں ۔

لما قال الشیخ خلیل احمد السہارنفوری ؒ : والمراد من ھٰذا التفرق ، التفرق المذموم الواقع فی اصول الدین واما اختلاف الامۃ فی فروعہ فلیس بمذموم بل من رحمۃ اللہ سبحانہٗ فانک تریٰ ان الفرق المختلفۃ فی فروع الدین متحدون فی الاصول ولا یضلّون بعضہم بعضاً ۔ واما المتفرقون فی الاصول فیکفر بعضہم بعضاً ویضلّون ..... الخ (بذل المجہود شرح ابی داؤد ج ۱۸ ص ۱۱۷ اول کتاب السنۃ ۔ باب شرح السنۃ)

---

[۱] عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تفرقت الیہود علی احدیٰ وسبعین فرقۃ تفترق اُمّتی علی ثلاث و سبعین فرقۃً ۔

(ابن ماجۃ ص ۲۸۷ ابواب الفتن ۔ باب افتراق الامم)

لا تعلموھن الکتابۃ کی تحقیق

سوال :۔ لا تنزلوھن الغرف ولا تعلموھن الکتابۃ ۔ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اس روایت کو امام بیہقی رحمہ اللہ نے "شعب الایمان" میں، اور حافظ ابو عبد اللہ حاکم نے اپنی "مستدرک" میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نقل کیا ہے۔

عن عائشۃ رضـ قالت قال رسول اللہ لا تنزلوھن الغرف ولا تعلموھن الکتابۃ یعنی النساء وعلموھن المغزل وسورۃ النور۔ ھٰذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔
(مستدرک حاکم ج۲ ص۳۹۶ تفسیر سورۃ النور۔ النھی عن تعلیم الکتابۃ للنساء)

تاہم بعض علماء نے اس کی عدم صحت پر قول کیا ہے۔

لما قال ابن الجوزی رحـ : ھٰذا الحدیث لا یصح عن رسول اللہ۔ وقد ذکرہ ابو عبد اللہ النیشا بوری رحـ فی صحیحہٖ والعجب کیف خفی علیہ امرہٗ۔

قال ابو حاتم ابن حبان رحـ : کان محمد بن ابراھیم الشامی (راوی الحدیث) یضع الحدیث علی الشامیین لا یحل الروایۃ عنہٗ الا عند الاعتبار روی احادیث لا اصول لھا من کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل الاحتجاج بہٖ۔
(کتاب الموضوعات لابن الجوزی رحـ ج۲ ص۲۶۹ باب تعلیم النساء سورۃ النور ومنعھن من سکنی الغرف وتعلیم الکتابۃ)[1]

---

[1] قال الشیخ السعید بن بسیونی زغلول تحت حدیث ابی ھریرۃ لا تعلموا النساء الکتابۃ لا تسکنوھن الغرف۔۔۔الخ ومن حدیث عائشۃ رضـ من طریق محمد بن ابراھیم الشامی عن شعیب بن اسحاق الدمشقی عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ رضـ لا تسکنوھن الغرف ولا تعلموھن الکتابۃ و علموھن المغزل وسورۃ النور۔

قال ابن الجوزی رحمہ اللہ : ھٰذا حدیث لا یصح وقد ذکرہ الحاکم فی صحیحہ۔ واعلہ ابن الجوزی رحـ بمحمد بن ابراھیم الشامی۔ قال ابو حاتم بن حبان کان محمد بن ابراھیم الشامی یضع الحدیث علی الشامیین لا یحل الروایۃ عنہ الا عند الاعتبار روی احادیث لا اصول لھا من کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یحل الاحتجاج بہٖ۔

(حاشیۃ مسند الفردوس الدیلمی ج۵ ص۱۹ رقم حدیث ۷۳۱۲)

امام مہدیؑ کے بارے میں روایات کی تحقیق

سوال:۔ کیا مہدی علیہ السلام کے آنے کے بارے میں جو باتیں زبان زدِ عام ہیں یہ صحیح روایات سے ثابت ہیں یا کوئی عام واقعہ ہے جس نے شہرت پائی ہے؟

الجواب:۔ امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں واقعات درست اور صحیح روایات سے ثابت ہیں اور احادیث کی اکثر کتابوں میں مستقل باب کے تحت روایات کو جمع کیا گیا ہے جن میں امام مہدی علیہ السلام کے حالات تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں مثلاً جامع ترمذی، سُنن ابو داؤد، سُنن ابن ماجہ، مستدرک حاکم، مسند احمد ابن علم، مسند ابو یعلی، مسند ابن ابی شیبہ، طبقات، صحیح ابن حبان وغیرہ۔

اور مجموعی لحاظ سے امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں روایات تواتر کی حد کو پہنچی ہوئی ہیں، چنانچہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے تواتر کو یوں نقل کیا ہے:۔

قال ابو الحسن الآمدی فی مناقب الشافعی تواترت الاخبار بان المہدی من ھٰذہ الاُمّۃ وان عیسٰی علیہ السلام یُصلّی خلفہ۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۴ باب نزول عیسٰی ابن مریم علیہما السلام)[1]

اللہ طاق ہے، کی روایت کی تحقیق

سوال:۔ حدیث "اللہ تعالیٰ کی ذات طاق ہے اور طاق چیز کو پسند کرتی ہے لہٰذا اے اہلِ قرآن! تم طاق نماز یعنی وتر پڑھا کرو"۔

دریافت طلب بات یہ ہے کہ یہ روایت کتبِ حدیث کی کون سی کتاب میں مسطور ہے؟ ذرا وضاحت سے روشناس فرمائیں؟

الجواب:۔ یہ روایت حدیث کی اکثر کتابوں میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے یوں منقول ہے:۔

قال الامام محمّد بن عیسٰی الترمذیؒ : بسندہٖ عن علیؓ قال الوتر لیس کصلوٰتکم المکتوبۃ

---

[1] ونقل عن الشوکانی: انّہا متواترۃ بلا شکّ ولا شبہۃ بل یصدق وصف التواتر علیٰ ما ھو دونہا علیٰ جمیع الاصطلاحات المحررۃ فی الاصول۔ (الاذاعۃ ص ۱۱۳)

ومثلہٗ فی عقد الدرر فی اخبار المنتظر للعلّامہ یوسف بن یحیٰی المقدّسی الشافعی ص ۱۵۔

ولکن سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ وترٌ یحب الوتر فا وتروا یا اھل القرآن۔ (جامع الترمذی ج ۱ ص۱۰۶ باب ماجاء ان الوتر لیس بحتم) [۱]

شھرا عید لا ینقصان کی تحقیق

سوال: درج ذیل حدیث: شھرا عید لا ینقصان رمضان وذوالحجۃ کا مطلب اور مفہوم کیا ہے؟ ذرا وضاحت کے ساتھ اس کی تحقیق سے نوازیں؟

الجواب: شھرا عید لا ینقصان کے بارے میں ائمہ حدیث سے مختلف توجیہات منقول ہیں لیکن مشہور اور قریب الی الفہم جو توجیہات ہیں وہ درج ذیل ہیں:۔

(۱) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ ماہ رمضان اور ذوالحجہ ایک سال میں دونوں ۲۹ دن کے نہیں آتے، اگر ایک ۲۹ دن کا آئے تو دوسرا ضرور ۳۰ دن کا آئے گا۔

(۲) امام اسحٰق بن راہویہ اور امام بخاری رحمہم اللہ اس کا مطلب واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بظاہر عدد ایام کے اعتبار سے رمضان اور ذوالحجہ کے مہینے اگرچہ ۲۹ دن کے آئیں لیکن باعتبار اجر و ثواب ۳۰ دن کے برابر ہوں گے۔

(سنن ترمذی ج ۱ ص۸۵ باب ماجاء شھرا عید لا ینقصان) [۲]

انا نبی وآدم بین الماء والطین کی تحقیق

سوال:۔ ایک واعظ سے میلاد شریف کے وعظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوّلین و آخرین ہونے کے بارے میں یہ الفاظ سنے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انا نبی وآدم بین الماء والطین، کیا یہ روایت بایں الفاظ ثابت ہے؟ اور کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] ونقل ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانیؒ فی سننہ بسندہ عن علیؓ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا اھل القرآن اوتروا فانّ اللہ وترٌ یحب الوتر۔
(سنن ابی داؤد ج ۱ ص۲۰۷ باب تفریع ابواب الوتر۔ باب استحباب الوتر)
ومثلہٗ فی سنن ابن ماجہ ج ۱ ص۸۳ باب ماجاء فی الوتر۔

[۲] نقل ھٰذین التوجیھین ابو عیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ فی متن سنن ترمذی ج ۱ ص۱۴۸ باب ماجاء شھرا عید لا ینقصان)

اوّلین و آخرین نبی ہیں ؟

الجواب: نصوصِ صریحہ اور اجماعِ اُمت سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اوّلین اور آخرین پیغمبر ہیں، لیکن جہاں تک مذکورہ الفاظ کا تعلق ہے تو یہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ روایت ثابت نہیں، البتہ معنیٰ کے اعتبار سے روایت کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

عن ابی هريرة قال قالوا يا رسول الله متى وجبت لك النبوة قال و آدم بين الروح والجسد، رواه الترمذی۔ (شرح طیبی ج ۱۱ ص ۳۵۳ باب فضائل سید المرسلین) [۱]

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ الخ کی تحقیق

سوال: جناب مفتی صاحب! ہمارے سکول کی دیوار پر ایک حدیث ان الفاظ کے ساتھ لکھی ہوئی ہے طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة۔ کیا یہ حدیث کسی کتاب میں موجود ہے یا نہیں ؟

الجواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلم مرد اور عورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے اور اس حدیث کو صحیح اور مستند کتابوں نے ذکر کیا ہے مگر مذکورہ بالا حدیث میں مسلمة کا لفظ زائد ہے۔

لما ورد في الحديث: عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم طلب العلم فريضة على كل مسلم وواضع العلم عند غير اهله كمقلد الخنازير الجوهرة واللؤلوء والذهب۔ (ابن ماجة ص۲۰ باب فضل العلماء والحث على طلب العلم) [۲]

اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُہَا کی تحقیق

سوال: جناب مفتی صاحب! میں نے ایک عالمِ دین سے وعظ میں سُنا ہے کہ

---

[۱] قال العلامة ملا على القاری رحمہ اللہ: ای وجبت لی النبوة والحال ان آدم بين الروح والجسد يعنى انه مطروح على الارض وصورة بلا روح والمعنى انه قبل تعلق روحه بجسده۔ (مرقات ج ۱۱ ص ۵۸ باب فضل سيد المرسلين۔ الفصل الثانی)

[۲] عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم طلب العلم فريضة على كل مسلم واضع العلم عند غير اهله كمقلد الخنازير الجوهر واللؤلو والذهب۔ (مشكوٰة ص ۳۴ كتاب العلم۔ الفصل الثانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں، کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

الجواب: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب میں بہت ساری روایات مروی ہیں مگر مندرجہ بالا روایت کے الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، علماء حدیث نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔

قال العلامۃ مُلّا علی القاریؒ: حدیث "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا" (الحدیث) رواہ الترمذی فی جامعۃ وقال انہ منکر، وکذا قال البخاری وقال انہ کذب لا اصل لہ وکذا قال ابوحاتم ویحیٰ وسعید۔ (موضوعات الکبریٰ ص۸۱ حدیث ۲۵۱) [1]

ابوحنیفۃ سراج اُمّتی کی تحقیق

سوال: محترم مفتی صاحب! میں ایک دن الدر المختار کا مقدمہ مطالعہ کر رہا تھا کہ اس میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق دیگر روایات کے علاوہ ایک یہ روایت بھی نظر سے گذری جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ابوحنیفۃ سراج اُمتی" (رواہ ابواللیث) کیا یہ روایت صحیح ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے؟

الجواب: امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں جو روایات ذکر کی جاتی ہیں اگرچہ اُن میں سے بعض میں آپؒ کی منقبت اور فضیلت کی طرف اشارہ ملتا ہے مگر اکثر روایات موضوع اور غیر ثابت شدہ ہیں، ان ہی میں سے ایک یہ روایت بھی ہے، مذہب حنفی کے مشہور و معروف محدّث اور فقیہ مُلّا علی قاری رحمہ اللہ نے اس کو موضوع کہا ہے۔

قال العلامۃ مُلّا علی القاریؒ: حدیث: "ابوحنیفۃ سراج اُمتی" موضوعٌ باتفاق المحدّثین۔ (موضوعات الکبریٰ ص۲۷ حرف الھمزۃ۔ رقم الحدیث ۱۴۳) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابن الجوزیؒ: قال یحیٰی بن معین ھٰذا الحدیث کذب لیس لہ اصل، وقال ابن عدیؒ: ھٰذا الحدیث موضوع یعرف بابی الصلت۔ (الموضوعات ج ۱ ص۳۵۲ باب فضائل علی علیہ السلام)

[2] قال العلامۃ ابن الجوزیؒ، حدیث "یکون فی اُمتی رجل اسمہ النعمان وکُنیۃ ابوحنیفۃ ھو سراج اُمتی" قال الخطیب: ھٰذا حدیث موضوع تفرد بروایۃ البورقی۔ قال وحدثت عن ابی عبد اللہ الحاکم انہ قال، وضع ابوعبد اللہ البورقی من المناکیر عن الثقاۃ مالا یحصی وافحشہا ھٰذا الحدیث۔ (الموضوعات لابن الجوزیؒ ج ۲ ص۴۸ باب فضل ابی حنیفۃؒ)

مانقول فی ھٰذا الرجل کا مطلب

سوال :۔ قبر میں سوال وجواب کے بارے میں جو روایت مروی ہے اس میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں "ما تقول فی ھٰذا الرّجل"۔ ھٰذا اسم اشارہ ہے جس سے معلوم ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سامنے ہوں گے جبکہ آپؐ تو مدینہ منورہ میں اپنے روضۂ اطہر میں آرام فرما ہیں، قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت مطلوب ہے ؟

الجواب :۔ محدثینِ عظام نے ان الفاظ کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں، بعض کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ مبارک پیش کی جاتی ہے، بعض یہ کہتے ہیں کہ درمیان سے حجابات ہٹا دیئے جاتے ہیں، جبکہ علامہ ابن حجرؒ کی رائے یہ ہے کہ بدون کشف حجاب اور بدون شبیہ کے سوال کیا جائے گا، اور یہ بصورتِ امتحان زیادہ قوی ہے۔

قال ابن حجرؒ: ولا یلزم من الاشارۃ ما قیل من رفع الحجب بین المیت وبینہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی یراہ ... اقوی فی الامتحان ... الخ (مرقاۃ شرح المشکوٰۃ)

علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل کی تحقیق

سوال :۔ مندرجہ ذیل حدیث "علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل" کو واعظین حضرات بہت شد ومد سے بیان کرتے ہیں اور اس سے علماء کی فضیلت ثابت کرتے ہیں، کیا یہ روایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے یا نہیں اور اس کا درجہ کیا ہے ؟

الجواب :۔ محدثین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے جبکہ بعض علماءؒ نے اس کو موضوع قرار دیا ہے، تاہم صرف فضیلت العلم کے طور پر بیان کرنا ممنوع نہیں ؟

قال العلامۃ طاھر بن علی الھندی رحمہ اللہ : وعلماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ قال شیخنا والزرکشی رحمہ اللہ لا اصل لہٗ ولا یعرف فی معتبر وروی بسند ضعیف۔

(تذکرۃ الموضوعات ص۲۰) [1]

---

[1] قال العلامۃ ملا علی القاری رحمہ اللہ : علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ قال الدمیریؒ والعسقلانیؒ لا اصل لہٗ۔ وکذا قال الزرکشیؒ وسکت عنہ السیوطی۔ (موضوعاتِ کبریٰ ص۱۵۹ رقم حدیث ۶۱۔

رب کاسیۃ فی الدنیا عاریۃ فی الاخرۃ کی تحقیق

سوال:- بخاری شریف کی "کتاب العلم" میں ایک حدیث ہے کہ رب کاسیۃ فی الدنیا عاریۃ فی الاٰخرۃ۔ (الحدیث) اس حدیث کا مطلب کیا ہے؟ میں نے بہت کوشش کی مگر سمجھ میں کچھ نہیں آیا؟

الجواب:- علماء علم حدیث نے ان الفاظ کی مختلف تاویلات اور مقاصد بیان کئے ہیں (۱) بہت سی عورتیں دنیا میں اعمال کے اعتبار سے خوب اچھی معلوم ہوتی ہیں مگر اپنی دیگر بداعمالیوں کی وجہ سے آخرت میں اعمال سے ننگی (خالی) ہوں گی (۲) مگر مناسب مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ بہت ساری عورتیں اگرچہ بظاہر بدن پر کپڑے پہنے ہوتی ہیں جو اتنے باریک ہوتے ہیں کہ ان کا سارا بدن نظر آتا رہتا ہے، تو ایسی عورتوں کو ننگا ہونے کی آخرت میں سزا ہوگی۔

قال الشیخ محمد زکریا السہارنپوریؒ: اور حقیقی معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ بہت سی عورتیں دنیا میں جو لباس پہنتی ہیں وہ شرعاً معتبر نہیں ہوتا مثلاً اندر سے بدن اس میں نظر آتا ہے، تو ایسی عورتوں کو ننگی ہونے کی سزا آخرت میں ملے گی۔ (تقریر بخاری ج۱ ص۱۹۳ باب العلم والعظۃ باللیل)

انا من نور اللہ والمؤمنون منی کی تحقیق

سوال:- جناب مفتی صاحب! کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے نور میں سے نور مانتے ہیں اور دلیل کے طور پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں: انا من نور اللہ والمؤمنون منی۔ کیا یہ حدیث صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذاتِ اقدس کے اعتبار سے بشر ہیں اور آپ میں بشریت کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں لہٰذا آپؐ کو باعتبارِ ذات نور کہنا صحیح نہیں۔ جہاں تک مذکورہ روایت کا تعلق ہے تو محدثینِ عظام نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے۔

قال العلامۃ طاہر بن علی الہندیؒ: وفی الذیل "کنتُ نبیاً وآدم بین الماء والطین وکنت نبیاً ولا آدم ولا ماء ولا طین" قال ابن تیمیۃ موضوع وھو کما قال وکذلک حدیث "انا من نور اللہ والمؤمنون منی" الخیر فی وفی امتی الیٰ یوم القیامۃ" قال ابن حجر لا اعرفہ۔ (تذکرۃ الموضوعات ص۸۶ فضل الرسول وخصائلہ) [۱]

---

[۱] قال العلامۃ ملا علی قاریؒ: حدیث "انا من نور اللہ والمؤمنون منی" قال العسقلانیؒ: انہ کذب مختلق۔ وقال الزرکشیؒ: لا یعرف۔ وقال ابن تیمیۃ موضوع۔

(الموضوعات الکبریٰ للملا علی قاریؒ ص۷۳)

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا ثبوت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک صاحب نے دوسرے سے کہا کہ اگر کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے تو کیا تم مان لوگے؟ تو دوسرے آدمی نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا، دونوں کا اس بات پر اختلاف ہے۔ آنجناب سے استدعا ہے کہ ان کے اس اختلاف کو دور فرمائیں؟

الجواب:۔ ابوداؤد اور دیگر کتب احادیث میں **بالفاظ صریح ذکر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے** لہٰذا اس سے انکار نہ کیا جائے، اور بلا عذر شرعی کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے اجتناب ضروری ہے۔

اخرج الامام ابوداؤد: عن حذیفة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم سباطة قوم فبال قائماً ثمّ دعا بماء فمسح علیٰ خفیه۔

(ابوداؤد ج ۱ ص باب البول قائماً) [1]

سبحان من زین الرجال باللحی الخ کی تحقیق

سوال:۔ سبحان من زین الرجال باللحی وزین النساء بالذوائب (الحدیث) سُنتے چلے آرہے ہیں، برائے مہربانی اس حدیث کا حوالہ درکار ہے؟

الجواب:۔ یہ حدیث کتب احادیث میں مختلف الفاظ کے ساتھ مذکور ہے مثلاً:۔

قال الامام السرخسیؒ: روی عن النبی انه قال ان الله تعالیٰ ملٰئکة تسبیحهم سبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالقرون والذوائب۔ (المبسوط ج ۲۶ ص۶۷ کتاب الدیات) [2]

---

[1] اخرج الامام الزیلعیؒ: عن حذیفة رضی الله عنه قال: کنت مع النبی صلی الله علیه وسلم فانتهیٰ الیٰ سباطة قوم، فبال قائماً فتنحیت فقال اُدنه فدنوت حتیٰ قمت عند عقبه فتوضاء ومسح علیٰ خفیه۔

(نصب الرایة بحواله مسلم ج ۱ ص۱۶۳ کتاب الطهارت)

[2] قال العلامة عبدالرؤف المناویؒ: سُبحان من زین الرجال باللحی والنساء بالذوائب۔

(کنوز الحقائق علیٰ هامش الجامع الصغیر ج ۱ ص۱۴۲)

وَمِثلُهٗ فی مسند الفردوس للدیلمیؒ ج ۲ ص۹۔

انبیاء کرامؑ کا اپنی قبروں میں نماز پڑھنا

سوال:۔ محترم مفتی صاحب! ایک عالمِ دین نے واقعۂ معراج بیان کرتے ہوئے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے معراج کی رات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر کے پاس نماز پڑھتے دیکھا۔ تو کیا یہ روایت صحیح ہے؟ نیز کیا انبیاء کرام کے لیے بعد الوفات بھی نماز پڑھنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ مرنے کے بعد انسان کسی کے اعمال کرنے کا مکلف نہیں رہتا یعنی نماز وغیرہ پڑھنا اس پر لازم نہیں ہوتا البتہ اللہ تعالیٰ کے بعض نیک بندوں کا اس طرح کرنا ذوقی امور پر محمول ہے، جہاں تک مذکورہ حدیث کا تعلق ہے تو یہ بسندِ صحیح جناب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، چنانچہ امام مسلم بن قشیرؒ فرماتے ہیں:۔

عن انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتیت وفی روایۃ مررتُ علی موسیٰ لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائمٌ یصلّی فی قبرہٖ۔ (الجامع الصحیح المسلم ج۲ ص۲۶۸ باب فضائل موسیٰ علیہ السلام)[1]

لاصلوٰۃ لجار المسجد الخ کا مطلب

سوال:۔ ہم نے علماء دین سے سُنا ہے کہ نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے مگر حدیث شریف لاصلوٰۃ لجار المسجد الا فی المسجد، سے معلوم ہوتا ہے کہ نوافل بھی مسجد ہی میں پڑھنے ضروری ہیں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اگر نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہیں تو پھر حدیث کا مطلب کیا ہے؟

الجواب:۔ علماء حدیث نے اس روایت کو فرائض پر محمول کیا ہے کہ فرائض مسجد ہی میں پڑھنا ضروری ہیں اور نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہیں۔

عن النبی صلّی اللہ علیہ وسلم لاصلوٰۃ لجار المسجد الّا فی المسجد اھ

نقل الشیخ المفتی عزیز الرحمٰن عن السراج المنیر: ھٰذا محمول علی الفریضۃ وما الحق بھا ففعلھا فی المسجد افضل وما عدا ذٰلک ففعلہ فی البیت افضل من فعلہ فی المسجد۔ (السراج المنیر بحوالہ عزیز الفتاویٰ ج۱ ص۱۴۰)[2]

---

[1] ۳۲۳۸۶۔ مررت لیلۃ اسری بی علی موسیٰ عند الکثیب الاحمر وھو قائمٌ یصلی فی قبرہ (کنز العمال ج۱۱ ص۵۱۱)

[2] قال العلامۃ المفتی عزیز الرحمٰن رحمہ اللہ: حدیث اول معمول بہا ہے اس طریقہ سے کہ حدیث کو محمول کریں گے فرائض پر اور جو اس کے حکم میں ہو اور نوافل گھر میں پڑھنا افضل ہے۔ (عزیز الفتاویٰ ج۱ ص۱۴۰ کتاب مایتعلق بالحدیث)

من صلّ علیّ عند قبری الخ کی تحقیق

سوال :۔ بعض لوگ سماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر کے قائل نہیں اور وہ اِس حدیث من صلّ علیّ عند قبری سمعتُہٗ ومن صلّ علی نائیاً اُبلغتہ کوضعیف کہتے ہیں، کیا واقعی یہ روایت ضعیف اور نا قابلِ حُجت ہے ؟

الجواب :۔ اس حدیث کے بارے میں اگرچہ بعض حضرات نے تضعیف کا قول کیا ہے مگر اکثر محدثین نے اس کی توثیق کی ہے لہٰذا یہ روایت سماع النبیؐ فی القبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں قابلِ حُجت ہے۔

کما ذکر العلامۃ ابوالطیب محمد شمس الدین العظیم آبادیؒ : تحت ذٰلك الحدیث۔ قال ابن القیمؒ وقد صح اسناد ھٰذا الحدیث وسألت شیختا ابن تیمیۃ عن سماع یزید بن عبد اللہ من ابی ھریرۃ فقال کانہ ادرکہ وفی سماعہ منہ نظر انتھیٰ کلامہ۔ وقال النوویؒ فی الاذکار ورِیاض الصالحین : اسنادہ صحیح۔ وقال ابن حجرؒ : رواتہ الثقات۔ اھ (عون المعبود ج ۶ ص ۲۲ کتاب المناسك) لہ

حدیث قال لایبیع بعضکم الخ کی وضاحت

سوال :۔ جناب مفتی صاحب ! مَیں نے ایک کتاب میں ایک حدیث پڑھی ہے جو کہ کچھ اس طرح ہے : عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لایبیع بعضکم علیٰ بیع بعضٍ ۔ اس کا کیا مطلب ہے ؟

الجواب :۔ یہ روایت امام ترمذیؒ نے جامع الترمذی، کتاب البیوع میں نقل کی اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں :۔

(۱) عاقدین کے درمیان بیع تام ہو چکی ہو اور ایک دوسرا آدمی آکر بائع سے یہ کہے کہ میں تمہیں اِس چیز کی زیادہ قیمت دیتا ہوں تم اس آدمی سے بیع فسخ کر کے یہ چیز مجھے دے دو۔

(۲) دوسرا مطلب یہ ہے کہ دونوں کے درمیان بات چیت چل رہی ہے اور بائع مشتری پر چیز فروخت کرنے پر آمادہ بھی ہے کہ تیسرا آدمی آکر بائع سے یہ کہے کہ مجھ سے زیادہ رقم لے کر عقدِ بیع میرے ساتھ کر دو ـــــ اس حدیث کی رُو سے یہ دونوں صورتیں ناجائز وحرام ہیں۔

سوال: حدیث "قال جاء رسول اللہ ﷺ بیتنا و انا صبی" اور فقہی روایات میں تطبیق

عن عبد اللہ بن عمر بن ربیعة قال جاء رسول اللہ ﷺ بیتنا و انا صبی صغیر فذهبت العب فقال ای لی یا عبد اللہ تعال اعطیك فقال رسول اللہ ما زدت ان تعطیه قالت اردت ان اعطیه تمرًا قال اما انك لم تعطی لكتبت علیك كذبةً (در منثور ج ۳ ص ۲۹۱)

اور علامہ ابن عابدینؒ نے اس سے اپنے بچے کے ساتھ کذب کو مستثنیٰ کیا ہے: قال ابن عابدینؒ: قال رسول اللہ كل كذب مكتوبٌ لا محاله الا ثلاثة الرجل مع امرأته او ولده والرجل یصلح بین اثنین والحرب۔ (ردالمحتار ج ۴ ص ۳۲۷ قبیل احیاء الموات)

تو ان دونوں روایتوں میں تطبیق کس طرح ہو گی؟

الجواب: اس تعارض بین الروایات کے حل میں تطبیق یہ ہے کہ حدیث اول میں کذب سے مراد کذب صحیح ہے اور حدیث ثانی میں کذب صوری مراد ہے جسے تعریض کہا جاتا ہے، کذب عینی اور حقیقی مراد نہیں ہے۔

قال العلامة الشامیؒ: قوله قال ای صاحب المجتبیٰ وعبارته قال كل كذب مكتوب لا محالة الا ثلاثة الرجل مع امرأته او ولده والرجل یصلح بین اثنین والحرب فان الحرب خدعة قال الطحاوی وغیره هو محمول علی المعاریض لان عین الكذب حرامٌ ...... فالاستثناء فی الحدیث لما فی الثلاثة من صورة الكذب وحیث ابیح التعریض لحاجة لا یباح لغیرها لانه یوهم الكذب وان لم یكن اللفظ كذبًا قال فی الاحیاء نعم المعاریض تباح بغرض حقیقی كتطییب قلب الغیر بالمزاح ...... جاز الكذب ...... قال الشارح ابن الشحنة نقل فی البزازیة انه اراد به المعاریض لا الكذب الخالص۔ (ردالمحتار علی الدر المختار ج ۵ ص ۲۷۵ قبیل احیاء الموات) [1]

---

[1] قال العلامة سید احمد الطحطاویؒ: والمراد التعریض عبارة المجتبیٰ الطحاوی وغیره هو ای الحدیث محمول علی المعاریض لان الكذب حرام اھ وظاهره ان التعریض لا یباح الا فی هذه الصور۔ (حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار ج ۴ ص ۲۱۱ قبیل احیاء الموات)

ومثله فی حاشیة كشف الاستار علی الدر المختار ج ۲ ص ۲۵۴ فصل فی البیع قبیل باب احیاء الموات۔

احادیث وحی غیر متلو ہیں

سوال :- احادیث کو وحی الٰہی قرار دیا جاتا ہے اور جیسے علماء دین وحی غیر متلو کہتے ہیں حالانکہ احادیث تو رسول اللہ ؐ کا کلام ہے تو اُسے وحی کیسے قرار دیا جا سکتا ہے، اس کی دلیل کیا ہے ؟

الجواب :- احادیث بھی قرآن کریم کی طرح وحی ہیں جسے علماء کرام وحی غیر متلو کہتے ہیں، تو جب الفاظ اور معنیٰ دونوں منجانب اللہ منزل ہوں تو اُسے وحی متلو کہتے ہیں جو کہ قرآن مجید ہے اور جب معنی اللہ تعالےٰ کی جانب سے اور الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں تو اسے وحی غیر متلو اور احادیث کہتے ہیں، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ :-

(۱) وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى ہ (سورۃ النجم آیت ۳-۴)

(۲) وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا ہ (سورۃ الزمر آیت ۵۱) [1]

کسی غیر کو باپ بنانے اور حدیث "فالجنۃ علیہ حرام" میں اس کی حرمت کی تحقیق

سوال :- حضرت اسامہ بن زید رضؓ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس کسی نے غیر کو اپنا باپ بنایا اور وہ جانتا بھی ہو کہ یہ میرا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے، تو کیا حدیث میں لفظ حرام سے حرمتِ ابدی مراد ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اس حدیث میں جنت کے حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو اس گناہ کو حلال بھی سمجھے تو اس پر جنت ہمیشہ کے لیے حرام ہوگی اور جو حلال نہ سمجھے تو اس پر جنت کے حرام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس پر جنت کا دخولِ اولیٰ فائزین اور اہل السلامہ کے ساتھ حرام ہے، جہنم میں سزا کاٹنے کے بعد اُسے جنت میں داخل کیا جائے گا۔

قال العلامۃ محی الدین النوویؒ : قولہ فالجنۃ علیہ حرام ...... احدھما انہ

---

[1] قال العلامۃ مُلّا جیون المستدل لایخلوا ما ان یتمسک بالوحی او غیرہ والوحی امّا متلوٌّ و هو الکتٰب او غیرہ وهو السنۃ ۔ (نور الانوار ص۶ تقسیم اصول الشرع)

وَمِثْلُہٗ فی کشف الاسرار علی المنار ج ۱ ص۱ تقسیم اصول الشرع ۔

محمول علیٰ من فعله مستحلاً لهٗ والثانی ان جزاءہ انها محرمة علیه اولاً عند دخول الفائزین واهل السلامة ثمّ انهٗ قد یجازی فیمنعها عند دخولهم ثم یدخلها بعد ذٰلك وقد لا یجازی بل یعفوا الله سبحانه وتعالیٰ عنه۔

(نووی شرح مسلم ج ۱ ص۵۷ باب حال ایمان من رغب عن ابیه وقد یعلم) [۱]

حدیث "بعثنی بالحق لایقبل الله صدقة" میں قبول کی تحقیق

سوال :۔ مندرجہ ذیل حدیث مبارک

"والذی بعثنی بالحق لا یقبل الله صدقة من رجل وله قرابات محتاجون الیٰ صلته و یصرفها الیٰ غیرہ" میں عدم قبول سے کیا مراد ہے ؟

الجواب :علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے:

عن ابی هریرة مرفوعًا الی النبیؐ انه قال یا امة محمد والذی بعثنی بالحق لایقبل الله صدقة من رجل وله قرابة محتاجون الیٰ صلته یصرفها الیٰ غیرهم والذی نفسی بیدہ لاینظر الله الیه یوم القیامة۔ اور پھر علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے عدم قبول سے مراد عدم ثواب لیا ہے، اگرچہ فرض کے ذمہ سے سبکدوش ہوجائے گا ۔

قال العلامة ابن عابدین رحمه الله : والمراد بعدم القبول عدم الاثابة علیها وان سقط بها الفرض لان المقصود منها سد خلة المحتاج ۔الخ

(رد المحتار علیٰ هامش الدر المختار ج۲ ص۷۵ قبیل باب صدقة الفطر) [۲]

---

[۱] قال العلامة شبیر احمد العثمانی رحمه الله : قوله "فالجنة علیه حرام" الخ ۔ اما محمول علیٰ من فعله مستحلاً او علیٰ ان جزاءہ انها محرمة علیه اوّلاً عند دخول الفائزین واهل السّلامة ویمکن العفو عنه بفضل الله سبحانهٗ وتعالیٰ ۔

(فتح الملهم شرح صحیح مسلم ج۱ ص۲۳۶ باب حال ایمان من رغب الخ)

وَمِثْلُهٗ فی ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری للقسطلانیؒ ج۹ ص۴۵۵ باب من ادعیٰ الیٰ غیر ابیه ۔ کتاب الفرائض ۔

[۲] قال الطحطاویؒ : قوله لاتقبل صدقة الرجل ۔ ای لایثاب علیها وان سقط الفرض ومثل الرجل المرأة کذا فی کتابة الدر ۔ (طحطاوی علی المراقی ص۳۹۴ باب المصرف)

وَمِثْلُهٗ فی البنایة فی شرح الهدایة ج۳ ص۲۱۴ قبیل باب صدقة الفطر۔

حدیث بئر بضاعۃ کی تحقیق اور احناف کا جواب

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء حدیث اس حدیث کے بارے میں جو مشکوٰۃ ج ۱ ص۵۲ الفصل الثانی، باب احکام المیاہ میں ذکر ہے کہ عن ابی سعید الخدریؓ قال قیل یا رسول اللہ انتوضأ من بئر بضاعۃ وھی بئر یلقی فیہ الحیض و لحوم الکلاب الخ۔ رواہ احمد والترمذی وابو داؤد والنسائی۔- کیا یہ حدیث احمد، ترمذی، ابو داؤد اور نسائی میں اسی عبارت کے ساتھ مذکور ہے اور پھر احناف کے ہاں اس حدیث کا کیا جواب ہے؟

الجواب:- حدیث بئر بضاعۃ مسند احمد میں ج ۳ ص۱۵ ۴۱ پر بسند ابی سعید الخدریؓ اور سنن ترمذی کی ج ۱ ص۲۱ باب ماجاء ان الماء لاینجسہ شئ، اور ابو داؤد کی ج ۱ ص۱۱ باب ماجاء فی بئر بضاعۃ اور سنن النسائی کی ج ۱ ص۶۲ کتاب المیاہ باب ذکر بئر بضاعۃ میں ادنیٰ لفظی تغیر کے ساتھ مذکور ہے، اور احناف نے اس حدیث کے مختلف جوابات ذکر کیے ہیں کہ اس کنوئیں کا پانی باغات کو دیا جاتا تھا اس لیے اس کا حکم جاری پانی کا تھا یا پھر کنواں بڑا تھا اور یہ ناپاکی کنوئیں میں اثر پذیر نہیں تھی جس کی وجہ سے اس کے رنگ، طعم اور بو میں فرق آتا ہو۔

قال العلامۃ ابو جعفر الطحاویؒ: فقالوا اما ما ذکرتموہ من بئر بضاعۃ فلا حجۃ لکم فیہ لان بئر بضاعۃ قد اختلف فیھا ما کانت فقال قوم کانت طریقاً للماء الی البساتین فکان الماء لایستقر فیھا فکان حکم ماءھا کحکم ماء الانہار..... فلاینجس ماؤہ الا ان یغلب علی طعمہ او لونہ او ریحہ او یعلم انہا فی الماء الذی یؤخذ منہا فان علم۔ (شرح معانی الآثار للطحاوی ج ۱ ص۱۶ کتاب الطہارۃ، باب مایقع فیہ النجاسۃ) لـہ

لـہ قال الشیخ محمود حسن الدیوبندیؒ: قال اھل المعانی فی الاصول الاصل فی اللام ان یکون للعھد مالم تکن قرینۃ صارفۃ فاللام فی قولہ الماء ا ہ للعھد الخارجی والمعھود ھو الماء فی بئر بضاعۃ یعنی الماء الذی فی بئر بضاعۃ لاینجس لا ان مطلق الماء لاینجس وعدم نجس مادہ لانہ کان جاریاً فی البساتین وحکم الجاری..... واجاب الطحاوی بان السوال عن حکم الماء کان بعد اخراج النجاسات من بئر بضاعۃ الخ۔ (التقریر للترمذی فی کتاب الترمذی ص۵ باب ماجاء ان الماء لاینجسہ شئ۔ کتاب الطہارۃ) ومثلہ فی اعلاء السنن ج ۱ ص۱۷۷ حدیث بئر بضاعۃ، کتاب احکام المیاہ۔

حدیث لا تشدوا الرحال الخ کی تشریح

سوال:۔ لا تشدوا الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد مسجدی ھٰذا و مسجد الاقصیٰ و مسجد الحرام۔ یہ ایک حدیث ہے، اس کے مطابق ان تینوں مساجد کے علاوہ ثواب کی نیت سے دوسری جگہوں کے لیے سفر کرنا اور سامان باندھنا جائز نہیں ہے، کیا واقعی مسئلہ اسی طرح ہے یا اس حدیث کا کچھ اور مطلب ہے؟

الجواب:۔ حدیث کے الفاظ سے تو بظاہر یہی مطلب نکلتا ہے لیکن حقیقت میں اس کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ مذکورہ جگہوں کے علاوہ اعمال میں ثواب کی زیادتی کی نیت سے سفر کرنا ممنوع ہے۔ اور اس حدیث میں علتِ نیتِ تقرب اور ثواب سفر الی ھٰذہ المساجد ہیں، دوسرے اماکن اس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، لہٰذا اس حدیث میں زیارتِ قبور، تعلیم و تعلم اور تبلیغ دین وغیرہ کے لیے سفر کرنے میں کوئی ممانعت نہیں کیونکہ زیارتِ قبور اور تعلیم و تعلم وغیرہ کی نیت سے کئے جاتے ہیں نہ کہ خاص ثواب کی نیت سے، اور اس پر جو ثواب ملتا ہے وہ ان الگ وجوہات سے ملتا ہے۔

قال الحافظ ابن حجر العسقلانیؒ: ومنها ان المراد حکم المساجد فقط وانہ لا تشدوا الرحال الی مسجد من المساجد للصلوٰۃ فیہ غیر ھٰذہ الثلاثۃ واما قصد غیر المساجد لزیارۃ صالح اوقریب اوصاحب اوطلب علم او تجارۃ اونزھۃ فلا یدخل فی النھی ویؤیدہ ما روی احمد۔ الخ

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۳ ص ۵۳ کتاب التہجد، باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکہ والمدینہ)[1]

---

[1] قال العلامۃ عینیؒ: وقال شیخنا زین الدین من احسن محامل ھٰذا الحدیث ان المراد منہ حکم المساجد فقط وانہ لا یشد الرحل الی مسجد من المساجد غیر ھٰذہ الثلاثۃ فاما قصد غیر المساجد من الرحلۃ فی طلب العلم و فی التجارۃ والتنزہ وزیارۃ الصالحین والمشاھد وزیارۃ الاخوان ونحو ذٰلک فلیس داخلاً فی النھی وقد ورد ذٰلک مصرحاً بہ فی بعض طرق الحدیث الخ۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۵۴، باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکہ والمدینہ، کتاب التہجد)

ومثلہٗ فی فیض الباری علی صحیح البخاری ج ۲ ص ۴۳۳ کتاب التہجد، باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد مکہ والمدینہ۔

حدیث المولود حتی یبلغ الحنث ما یعمل من حسنۃ الخ اور فقہی روایت میں تطبیق

سوال:۔ واخرج ابن مردویۃ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ المولود حتی یبلغ الحنث ما یعمل من حسنۃ اثبت لوالدہ او لوالدیہ وان عمل سیئۃً لم یکتب علیہ ولاعلی والدیہ فاذا بلغ الحنث وجری علیہ القلم الخ درمنثور (تفسیر معارف القرآن ج ۲ ص۲۲۱)
اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وقد قالوا حسنات الصبی لہ لا لابویہ بل لہما ثواب التعلیم۔ (رد المحتار حاشیۃ الدر المختار ج ۱ ص۴۲۶)
وفی خلاصۃ الفتاوٰی: الصبی اذا عمل من الحسنات قبل ان یجری علیہ القلم کان ثوابًا لہٗ لا لِاَبَوَیۡہِ ولو علم الوالد تلک الطاعۃ کان للوالد ثواب التعلیم۔ (خلاصۃ الفتاوٰی ج۴ ص۱) ثواب مذکورہ بالا حدیث اور ان فقہی روایات میں تطبیق کس طرح ہوگی؟

الجواب:۔ یہاں دفع تعارض میں یہ کہنا ممکن ہے کہ حدیث میں ثواب سے مراد ثواب التسبب ہے اور فقہاء کی عبارات میں ثواب سے مراد ثواب العمل ہے، جیساکہ مرقاۃ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

قال العلامۃ مُلا علی قاری رحمہ اللہ: (الا من صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح) ....واما الثلاثۃ المذکورۃ فانہا اعمال تحدث بعد وفاتہ فلا تنقطع عنہ لانہ سبب تلک الاعمال وفی مقام اٰخر قال وفی معناہ کتب العلوم الشرعیۃ فیکون لہ ثواب السبب۔ (مرقاۃ المفاتیح علی مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص۲۶۹ کتاب العلم۔ الفصل الاوّل) [1]

---

[1] وقال العلامۃ رافعی رحمہ اللہ: ھٰذا قول عامۃ المشائخ وقال بعضہم ینتفع المرء بعلم ولدہ بعد موتہ ویکون لوالدہ اجر ذٰلک من غیر ان ینقص من اجر الولد شیٔ اھ سندھی۔ (التقریرات للرافعی ج ۱ ص۱۱۹ کتاب الجنائز)
وَمِثۡلُہٗ فی شرح الطیبی علی مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص۳۶۱ کتاب العلم۔ الفصل الاول۔

یتبع المیت ثلاثۃ اھلہ الخ (الحدیث) کی تشریح

سوال:۔ ریاض الصالحین جلد ا صـ۱۷۱، رقم حدیث ۴۶۱ میں جو حدیث حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ یتبع المیت ثلاثۃ اھلہ ومالہ وعملہ فیرجع اثنان ویبقٰی واحدٌ یرجع اھلہ ومالہ ویبقٰی عملہ۔ متفقٌ علیہ۔ اس حدیث میں عمل اور اہل تو واضح ہے لیکن مال سے کیا مراد ہے جو اس سے واپس آتا ہے؟

الجواب :۔ اس حدیث میں مالہ سے مراد غلام، کنیز، خیمے، زائد از کفن چادریں، چارپائی وغیرہ اور وہ سامان جو تدفین کے وقت قبرستان میں کام آتے ہیں اور پھر واپس کئے جاتے ہیں۔

قال العلامۃ ملا علی القاریؒ: یتبعہ اھلہ ای اولادہ واقاربہ واھل صحبتہ ومعرفتہ ومالہ کالعبید والاماء والدابۃ والخیمۃ ونحوھا قال المطہر اراد بعض مالہ وھو ممالیکہ وقال الطیبیؒ: اتباع الاھل علی الحقیقۃ واتباع المال علی الاتساع فان المال حینئذٍ لہ نوع تعلق بالمیت من التجھیز والتکفین ومؤنۃ الغسل والحمل والدفن فاذا دفن انقطع تعلقہ بالکلیۃ وعملہ فیرجع اھلہ ومالہ ویبقٰی عملہ۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۹ صـ۳۵۶ کتاب الرقاق الفصل الاول) [۱]

مقدمہ صحیح مسلم میں ضمائر خطاب کا مرجع

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! صحیح مسلم کے مقدمہ میں "جو عبارات خطاب کے ضمائر سے ذکر کئے ہیں، مثلاً یرحمک اللہ لما سھل الانتصاب لما سئلت وغیرھا۔

---

[۱] قال العلامۃ ابن حجر العسقلانیؒ: قولہ یتبعہ اھلہ ومالہ وعملہ ھٰذا یقع فی الاغلب ورب میت لایتبعہ الاعملہ فقط والمراد من یتبع جنازتہ من اھلہ ورفقتہ ودوابہ علٰی ماجرت بہ عادۃ العرب واذا انقضٰی امر الحزن علیہ رجعوا سواء اقاموا بعد الدفن ام لا۔۔۔۔۔۔ قال الکرمانیؒ: التبعیۃ فی حدیث انسؓ بعضھا حقیقۃ وبعضھا مجازٌ فیستفاد منہ استعمال اللفظ الواحد فی حقیقۃ ومجازہ۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۱ صـ۳۱۵ کتاب الرقاق الفصل الاول)

وَمِثْلُہٗ فی حاشیۃ مشکوٰۃ المصابیح للعلامۃ تبریزی ج ۲ صـ۴۴۰ کتاب الرقاق الفصل الاول)

تو ان ضمائر خطاب کا مرجع کون ہے، حل فرما کر ممنون فرمائیں؟

الجواب:۔ مقدمہ مسلم شریف میں جتنے ضمائر خطاب کے آئے ہیں اُن کا مرجع یا تو امام مسلمؒ کا کوئی شاگرد ہے یا کوئی دوست معاصر! جیسا کہ مسلم شریف کے سبب تالیف اور ضرورت کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔

قال الشیخ المفتی محمد فرید مد ظلہ العالی: ذکر فی بعض حواشی مسلم ان المخاطب لھٰذا اما بعض تلامذتہ واما معاصرہ المصاحب لہ۔

(فتح المنعم شرح مسلم ص۱۷) [۱]

مُہرِ نبوت میں لکھائی کی تحقیق

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کندھوں کے درمیان جو مہرِ نبوت تھی تو اس میں کوئی چیز لکھی ہوئی تھی یا نہیں؟

الجواب:۔ مہرِ نبوت میں کیا لکھا ہوا تھا، اور تھا بھی یا نہیں! علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ علامہ ابن حبانؒ وغیرہ نے اس بات کی تصحیح کی ہے کہ اس پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا، جبکہ بعض دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سر فانت المنصور لکھا ہوا تھا، مگر بعض دوسرے اکابر کی رائے یہ ہے کہ یہ روایتیں ثبوت کے درجہ کو نہیں پہنچی ہیں اور مہرِ نبوت پر کچھ بھی تحریر نہیں تھا۔

قال العلامۃ ملا علی قاریؒ: وقال العسقلانیؒ وروایۃ کانت مثل الکوکب او کرکبۃ عنز او کشامۃ خضراء او سوداء مکتوب فیھا محمد رسول اللہ او سر فانک المنصور لم یثبت منھا شیٔ وتصحیح ابن حبان۔ (جمع الوسائل فی شرح الشمائل ج۱ ص۷۲ باب ما جاء فی خاتم النبوۃ) [۲]

---

[۱] قال محمد طاھر رحیمی: اس کا مخاطب ابو اسحٰق ابراہیم راوی صحیح مسلم ہے اور یہ سبب تالیف کی طرف اشارہ ہے کہ تم لوگوں کا یہ مطالبہ ہوا کہ میں احادیث متداولہ بن اسانید سمیت ایک ایسا مختصر سا مجموعہ مدون کروں۔ الخ

(عمدۃ المفہم فی حل مقدمہ مسلم ص۲۳)

[۲] اخبرنا نصر بن الفتح بن سالم الربعی العابد بسمرقند: حدثنا رجاء ابن مرجی الحافظ حدثنا اسحاق بن ابراھیم القاضی بسمرقند حدثنا ابن جریج عن عطاء عن ابن عمر قال کان خاتم النبوۃ فی ظھر رسول اللہ مثل البندقۃ من لحم علیہ مکتوب محمد رسول اللہ۔

(الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ج۸ ص۸۲ رقم حدیث: ۶۲۶۹ باب ذکر حقیقۃ الخاتم)

ومثلہٗ فی خصائل ترمذی شرح شمائل ترمذی ص۲۸ باب ما جاء فی خاتم النبوۃ۔

سوال:۔ حدیث فانها تذهب حتی تسجد تحت العرش الخ کی تشریح

بخاری شریف کی ایک حدیث ہے: عن ابی ذرؓ قال کنت مع النبیؐ فی المسجد عند غروب الشمس فقال یا ابا ذر اتدری این تغرب الشمس قلت اللّٰہ ورسولہ اعلم قال فانها تذهب حتی تسجد تحت العرش فذلک قولہ تعالیٰ: وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ○ (سورۃ یٰسٓ) اب سوال یہ ہے کہ تمام ممالک کے اوقات جدا جدا ہیں۔ مثلاً یہاں پاکستان میں رات ہے تو کئی دوسرے ممالک میں دن ہوتا ہے، اب اگر ہم یہاں سے رات کے بارہ بجے یہ خبر نشر کریں کہ سورج عرش کے نیچے سجدے میں ہے تو اس وقت دنیا کے کئی ممالک میں صبح کے آٹھ بجے ہوں گے وہاں کے لوگ کہیں گے کہ یہاں تو سورج چمکتا ہوا دکھائی دے رہا ہے لہٰذا یہ بات درست نہیں کہ اس وقت سورج عرشِ الٰہی کے نیچے سجدے میں ہے۔ تو براہِ مہربانی حدیث کی تشریح فرمائیں؟

الجواب:۔ رفع اشکال کے لیے علماء امت نے اس حدیث کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔ مثلاً علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سورج کی روح اوپر جاکر سجدہ کرتی ہے جو کہ سورج کی حرکت کے ساتھ معارض نہیں ہے خصوصاً جبکہ یہ غروب بہ نسبت معظم معمورہ کے مراد ہے۔ اور بعض علماء نے یہ توجیہہ کی ہے کہ چونکہ عرش تمام کائنات کے اوپر ہے اور سورج اپنی رفتار کے وقت ضرور عرش کے نیچے سے گذرے گا اس لیے اس میں کوئی بات خلافِ عقل نہیں ہے البتہ ماوراء العقل ضرور ہے، چونکہ یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی ہے جس کا تعلق وحی سے ہے اس لیے ہم اس کے ادراک اور مشاہدہ کے مکلف نہیں ہیں بلکہ ہمیں اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔

قال العلامۃ بدر الدین العینی رحمہ اللہ: الارضوان السبع فی ضرب المثال کقطب الرحی والعرش العظیم ذاتہ کالرحی فاینما سجدت الشمس سجدت تحت العرش وذلک مستقرها۔۔۔۔۔۔۔ السمٰوٰت والارضون وغیرها من جمیع العالم تحت العرش فاذا سجدت الشمس فی ای موضع یصح ان یقال سجدت تحت العرش۔۔۔۔۔۔۔۔ لاینکر ان یکون لها استقرار تحت العرش من حیث لا ندرکہ ولا نشاهدہ وانما اخبر

عن غیب فلا نکذبه ولا نکفره ان علمنا لا یحیط به۔ (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۱۵ ص۱۱۹ باب صفۃ الشمس والقمر بحسبان۔ کتاب بدء الخلق) [۱]

حدیث مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ الخ کا مطلب

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! کئی دنوں سے ایک سوال ذہن میں کھٹک رہا ہے کہ حدیث مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کفّار کے ساتھ مطلقاً مشابہت اختیار کرنا ممنوع ہے، حالانکہ آجکل بہت سارے امور میں مسلمان کفّار کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، تو اس حدیث کا کیا مطلب ہے؟

الجواب:۔ حدیث کے یہ الفاظ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، مگر اس میں کفّار کے ساتھ مطلقاً مشابہت اختیار کرنا مراد نہیں بلکہ ان امور میں مشابہت اختیار کرنا مراد ہے جو ان کے مذہبی اور دینی شعار یا رسم ورواج ہوں، جیسے زنار وغیرہ پہننا۔

قال العلامۃ طیبی رحمہ اللہ: (قوله مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ) هٰذا عام فی الخلق والخلق والشعار واذا کان الشعار اظهر فی التشبیه ذکر فی هٰذا الباب۔ (شرح طیبی ج ۸ ص۲۱۹ کتاب اللباس۔ الفصل الثانی) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ قسطلانی رحمہ اللہ: والجواب ان الارضین السبع فی ضرب المثال کقطب رحی والعرش العظیم ذاته بمثابة الرحی فاینما سجدت الشمس سجدت تحت العرش۔۔۔الخ (ارشاد الساری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص۲۵۸ باب صفۃ الشمس والقمر۔ کتاب بدء الخلق)

ومثلهٗ فی عون الباری لحل ادلة البخاری ج ۴ ص۱۰ غروب الشمس سجودها تحت العرش۔

[۲] قال العلامۃ ظفر احمد العثمانی رحمہ اللہ: ان امور میں تشبّہ جو کفّار کا مذہبی شعار یا دینی رسم اور قومی رواج ہے، جیسے زنار وغیرہ پہننا یا مجوس کی خاص ٹوپی جو ان کے مذہب کا شعار ہے اس میں تشبّہ حرام بلکہ بعض صورتوں میں کفر ہے۔ (امداد الاحکام ج ۱ ص۲۸۶ کتاب ما یتعلق بالحدیث والسنۃ)

ومثلهٗ فی مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۸ ص۲۵۵ کتاب اللباس۔ الفصل الثانی۔

تطبیق بین الاحادیث

سوال:۔ داڑھی کو خضاب کرنے کے بارے میں درج ذیل چند احادیث بندہ کے علم میں ہیں جن کی وجہ سے کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر سکتا، قبل ازیں حرمت کی وجہ یہ گردانتا تھا کہ چونکہ خضاب وسمہ حرام ہے کہ یہ جرم پکڑتا ہے جس کی وجہ سے وضو میں خلل پڑتا ہے، اب دورِ جدید کی کالی مہندی میں یہ علت نہیں پائی جاتی لہٰذا اس کا استعمال جائز ہوگا، لیکن احادیث میں ترجیح نہیں دے سکتا اور آپ سے رجوع کرنا ضروری سمجھتا ہوں لہٰذا آپ سے استدعا ہے کہ مدلل جواب سے مستفید فرما کر ممنون فرمائیں، احادیث درج ذیل ہیں:۔

(۱) عن ابی ذرؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان احسن ما غیّر بہ الشیب الحناء والکتم۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی)

(۲) عن ابن عباسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال یکون فی آخر الزمان یخضبون بھٰذا السواد کحواصل الحمام لایجدون رائحۃ الجنۃ۔ (رواہ النسائی و ابوداؤد)

(۳) عن ابن عباسؓ قال مر علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل قد خضب بالحناء فقال ما احسن ھٰذا قال فمر آخر قد خضب بالحناء والکتم فقال صلی اللہ علیہ وسلم ھٰذا احسن من ھٰذا ثم مر آخر قد خضب بالصفرۃ فقال ھٰذا احسن من ھٰذا کلہ۔ (رواہ ابوداؤد)

(۴) عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غیروا ولاتشبھوا بالیھود۔ (رواہ الترمذی)

الجواب:۔ احادیث میں کوئی تعارض نہیں، وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ممانعت محمول ہے خالص سیاہ خضاب پر اور احادیث الاجازۃ محمول ہے غیر خالص سیاہ خضاب پر۔

(ھٰذا مایفھم من معتبرات الفقہ)

ثلاثٌ مُهلِکَاتٌ کی تحقیق وتشریح

سوال: جناب مفتی صاحب! مندرجہ ذیل حدیث کی صحت الفاظ اور تشریح فرماویں، اور تکمیل بھی فرمادیں، حدیث شریف یہ ہے: "ثلاثٌ مهلکاتٌ۔ اوّل حصہ یاد نہیں دوسرا اور تیسرا حصہ غالباً یہ ہے: ھواءٌ متبع واعجاب المرء بنفسہ؟

الجواب: مکمل حدیث یہ ہے: عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ثلٰثٌ منجیاتٌ وثلٰثٌ مھلکاتٌ۔ فاما المنجیات فتقوی[1] اللہ فی السر والعلانیۃ والقول[2] بالحق فی الرضاء والسخط، والقصد[3] فی الغنی والفقر۔ واما المھلکات فھوی[1] متبع وشح[2] مطاع واعجاب[3] المرأ بنفسہٖ وھواشدّھن۔ (بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ ج ۲ باب الغضب والکبر)

مختصر تشریح درج ذیل ہے: (منجیات) ۱ (خوف)

ارشادِ نبویؐ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا وآخرت میں ہلاکت سے بچانے اور نجات دلانے کے لیے ضروری ہے کہ مومن میں تین صفات موجود ہوں، یہ تین صفات جس شخص میں بھی پائی جائیں گی وہ ہلاکت سے محفوظ اور کامیابی سے ہمکنار رہے گا۔

پہلی[1] صفت یہ ہے کہ اعلانیہ اور تخلیہ دونوں حالتوں میں وہ اللہ سے ڈرتا ہو۔ ظاہر ہے کہ جس آدمی کے دل میں خوفِ خداوندی اس درجہ میں موجود ہو کہ وہ اعلانیہ اور تخلیہ دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ سے یکساں طور پر ڈرتا ہو وہ یقیناً دینی اور دنیوی دونوں قسم کی تباہیوں سے محفوظ اس بنا پر رہے گا کہ اس سے نہ تو حقوق اللہ تلف ہوئے ہوں گے اور نہ حقوق العباد۔ وہ دونوں حالتوں میں حدود اللہ کا پابند رہے گا۔ اور ہلاکت وتباہی میں وہی لوگ مبتلاء ہوتے ہیں جو حدود اللہ کو بُری طرح پامال کرتے رہتے ہیں، اور کامیابی سے بھی اس بناء پر وہ ہمکنار رہے گا کہ ایسے لوگوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہی نے دنیا میں اچھی زندگی اور آخرت میں جنّت کا وعدہ فرمایا ہے: وامامن خاف مقام ربہٖ ونھی النفس عن الھوٰی فان الجنۃ ھی الماوٰی۔ (الآیہ) "جو لوگ کل قیامت کے دن خدا کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈریں اور خواہشات نفس کی ناجائز پیروی کو چھوڑ دیں، اُن کے ٹھکانے کی جگہ جنّت ہی ہے۔" دنیا میں اچھی زندگی کا وعدہ اس آیت کریمہ میں موجود ہے: من عمل صالحاً مِنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّہٗ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً۔ (الآیہ) "جو شخص (خوفِ خداوندی کی وجہ سے) عمل صالح کا پابند ہو خواہ مرد ہو یا عورت، اُسے ہم دُنیا میں اچھی زندگی دیں گے۔"

۲۔ (قول بالحق)

دوسری صفت جس پر نجات کا مدار ہے ہر حالت میں قول بالحق، حق بات کہنی ہے، خواہ کوئی اس سے خوش ہو یا ناراض، دوست کے ساتھ ہو یا دشمن کے ساتھ، ارشادِ نبوی کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عدل وانصاف کے اصولوں کو کسی حالت میں بھی نہ چھوڑا جائے، نہ حق بات کہنے سے سرِمو انحراف کیا جائے بلکہ حق گوئی کو ہر وقت اپنا شعار بنایا جائے، خواہ دشمن قوم سے سابقہ کیوں نہ پڑے، یہ بھی ایک ایسی بہترین صفت اور انسانی کمال ہے کہ نہ صرف یہ کہ مومن اور مسلم کے لیے دنیا وآخرت میں ذریعۂ نجات اور کامیابی کی ایک کنجی ہے بلکہ بلا امتیاز مذہب اور قوم ونسل کے جس شخص یا قوم میں بھی یہ صفت پائی جائے گی وہ بین الاقوامی عزت کے مستحق اور عام وخواص، دوست ودشمن سب کے دلوں میں ایسے لوگ محبوب ہی ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم اپنے ماننے والوں کو عدل وانصاف پر قائم رہنے کا تاکیدی حکم دیتا ہے، اور اس سے کسی حالت میں بھی پیچھے ہٹنے کی اجازت نہیں دیتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ۔ (الآیہ) "اے ایمان والو! خدا کی خاطر حق کے گواہ بن کر عدل وانصاف پر ہمیشہ قائم رہو"۔ اور وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا۔ (الآیہ) "کسی قوم کے ساتھ بغض وعناد تمہیں ظلم اور بے انصافی پر آمادہ نہ کرے"۔ اور كُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ۔ (الآیہ) "تمہیں حکم ہے کہ سچّے اور حق گو لوگوں کے ساتھ رہو"۔

(۳) **اعتدال**: تیسری وہ صفت جس پر انسانی نجات کا دارومدار ہے اعتدال ہے، ارشادِ نبوی کا مقصد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ انسان ہر حالت میں خواہ فراخیٔ رزق کی حالت ہو یا فقر وفاقہ اور تنگدستی کی حالت ہو اعتدال کو ملحوظ رکھے، نہ بے جا اسراف اور فضول خرچی کرے نہ بخل اور کنجوسی کو اپنا شعار بنائے کہ خرچ ہی نہ کرے۔ راہِ اعتدال کو اپنانے سے ایک طرف تو انسان کی اقتصادی حالت پر خراب اثر نہیں پڑے گا اور معاشی زندگی میں مشکلات سے دوچار نہ ہوگا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے:

مَا افْتَقَرَ مَنِ اقْتَصَدَ۔ "صاحبِ اعتدال آدمی کبھی فقر وفاقہ میں مبتلا نہیں ہوتا"۔ اور دوسری طرف وہ اُس مہلک بیماری سے بھی محفوظ رہتا ہے جو شُح کے نام سے موسوم ہے، جس کا ذکر مہلکات کی فہرست میں آئے گا۔ یہی وہ صفت ہے جسے قرآنِ کریم نے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی نشانی قرار دیا ہے، ارشادِ ربانی ہے: وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا۔ (الآیہ) "اللہ تعالیٰ کے نیک بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ مقدارِ مطلوب سے کمی کرتے ہیں بلکہ دونوں کے درمیان راہِ اعتدال پر رہتے ہیں"۔

یہ تو منجیات کی مختصر تشریح ہوئی، اب ذیل میں مہلکات کی مختصر تشریح کی جاتی ہے:-

مُہلکاتؒ | **ہوائے نفس** : انسان کو دُنیوی و اُخروی دونوں قسم کی ہلاکتوں میں ڈالنے والی صفتیں بھی تین تین ہیں، ان سے اگر انسان اپنے آپ کو محفوظ نہ رکھے تو خطرہ ہے کہ کسی نہ کسی ہلاکت میں مبتلا ہو جائے ــــ پہلی صفت ہوائے نفس کی ناجائز پیروی اور خواہشات کی اتباع ہے جس کو حدیث میں ھویٰ متبعؐ کے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ "ہوائے نفس" ایسی مہلک اور خطرناک بیماری ہے کہ جب ایک دفعہ انسان اس میں مبتلا ہو جائے تو اس کی صحت خطرے میں پڑ جاتی ہے، ہدایتِ الٰہی کے تمام دروازے اس پر بند ہو جاتے ہیں اور گمراہی کے تمام دروازے اس کے لیے کھل جاتے ہیں، بالآخر انسان کو ہلاکت کے کسی نہ کسی گڑھے میں گرنا ہی پڑتا ہے، دنیا میں گمراہی کا شکار ہوگا اور آخرت میں جہنم کے سوا کوئی بھی جائے پناہ اُسے نہیں ملے گی، مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ ہوں:۔

(۱) اَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَّخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهٖ غِشٰوَةً ؕ فَمَنْ يَّهْدِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ٥ (سورۃ) "کیا تم بتلا سکتے ہو کہ جن لوگوں نے خواہش نفس کو اپنا خدا اور معبود بنایا ہے جس کے پیچھے وہ چل پڑے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اُنکے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے اور آنکھوں پر پردہ ڈال کر علم کے باوجود انہیں گمراہ بنایا ہے، تو خدا کے سوا کوئی دوسرا ہے جو انہیں راہ حق دکھاسکے؟ تم اس پر غور کیوں نہیں کرتے ہو؟"

(۲) فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۙ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى (سورۃ) "جو لوگ اللہ تعالیٰ کے حکم سے باغی ہو کر سرکشی کی روش اختیار کریں اور دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیں تو وہ یہاں سے پلٹ کر جہنم ہی میں جانے والے ہیں"

(۲) شحِ مطاع : دوسری مہلک اور تباہ کن صفت انسان کے لیے حرص اور بخل کی اطاعت ہے، یہ خصلت بھی ایسی بری خصلت ہے کہ جب یہ نفسِ انسانی میں راسخ ہو کر اُسے اپنا محکوم اور تابع بنا دے تو پھر اس سے آزادی غیر معمولی جہاد کے بغیر ناممکن نہیں تو سخت دشوار ضرور ہو جاتی ہے۔ اس کے تابع اور محکوم انسان تمام زندگی میں لازمی طور پر حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو بُری طرح پامال کرتا رہے گا، جس کا انجام اس کے حق میں ہلاکت اور تباہی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اسی بناء پر قرآن کریم واضح الفاظ میں یہ اعلان کیا ہے کہ: وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥ (سورۃ) "وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو بخل اور حرص کی اطاعت سے محفوظ رہے"

اور جو لوگ حرص اور بخل کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں اُنہیں قرآنِ کریم نے یہ تنبیہ کی ہے کہ اگر یہاں امتحان کی چند روزہ زندگی میں اس کا ازالہ نہ کیا گیا تو آخرت میں تم سخت ہلاکت اور تباہی میں

میں مبتلا ہو کے رہو گے ۔ ارشاد ربانی ہے : وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (سورۃ ع) "جو لوگ خدا کی دی ہوئی نعمت مال پر بخل کرتے ہیں وہ یہ گمان نہ کریں کہ بخل ان کے لیے مفید ثابت ہو گا، یہ بخل ان کے لیے انتہائی مضر ہے، قیامت کے روز بخل کیا گیا مال (ایک اژدہا بن کر) ان کے گلے میں بصورت طوق پڑا رہے گا"۔ بخل اور حرص کے مابین تلازم ہے، ایک ہو گا تو دوسرا بھی اس کے ساتھ رہے گا۔ اور جو انجام ایک کا ہو گا دوسرے کا بھی وہی انجام ہو گا۔

(۳) اعجاب نفس : تیسری وہ صفت جو نہ صرف انسان کے لیے مہلک ہے بلکہ مہلکات کی فہرست میں صدر کا مقام رکھتی ہے ۔ اعجاب خود بینی اور تکبر کی صفت ہے۔ خود بینی اور تکبر کو تمام مہلکات سے بڑھ کر مہلک اس لیے قرار دیا گیا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے انسان میں بندگیٔ رب کا بالکل مفقود ہو جاتا ہے اور وہ اطاعت خداوندی کے لیے تیار نہیں ہوتا بلکہ رفتہ رفتہ یہ صفت اُسے خود خدائی اور الوہیت و ربوبیت کے خواب دکھانے لگتی ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ خدائی کا دعویٰ کر لیتا ہے ۔ فرعون نے اسی کی وجہ سے أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ کا نعرہ بلند کیا تھا۔ نمرود بھی اسی کی بدولت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقابلے میں أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ کہہ گیا تھا، ابوجہل اسی کی "برکت" سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے لیے تیار نہ ہو سکا "غزوہ حنین" میں اعجاب ہی کی بدولت مسلمانوں کو پہلی شکست مل گئی ۔ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ۝ (سورۃ ع) اعجاب اور تکبر ہی وہ صفت ہے جو بہت جلد انسان سے اپنی حقیقت کو بھلا دیتی ہے اور آہستہ آہستہ خدائی کے دعویٰ کے لیے تیار کرتی رہتی ہے ۔

میرے ناقص علم میں اس وقت حدیث کی جو مختصر تشریح تھی وہ عرض کر دی گئی ہے، پوری تشریح کے لیے مزید وقت درکار ہے ۔ بہر حال حدیث کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن ارشادات میں سے ہے جو جوامع الکلم کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں ۔

کتاب
السلوک

بسم الله الرحمن الرحيم
ثم جعلناك على شريعة من الامر فاتبعها

کتاب السّلوک

(تصوّف کے احکام و مسائل)

شریعت اور طریقت کی حقیقت

سوال:۔ شریعت اور طریقت ایک ہی چیز ہے یا دونوں میں کوئی فرق ہے؟

الجواب:۔ شریعت احکامِ تکلیفیہ کے مجموعہ کا نام ہے، چاہے اعمالِ ظاہری ہوں یا اعمالِ باطنی، اسی وجہ سے متقدمین علماء کی اصطلاح میں لفظ فقہ امرِ مجموع کے مترادف سمجھا گیا تھا چنانچہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے فقہ کی یہ تعریف منقول ہے:

"ھو معرفۃ النفس مالھا وما علیھا ہے"۔ (توضیح وتلویح ص۲۸ بحث تعریف فقہ)

البتہ متاخرین علماء نے اس میں ذراسی تبدیلی کی ہے یعنی اعمالِ ظاہری کو شریعت اور اعمالِ باطنی کے طریقوں کو طریقت میں تقسیم کیا ہے لیکن حقیقت میں دونوں ایک ہی چیز ہیں اس لیے جو شخص طریقت کو شریعت سے جدا سمجھتا ہے وہ گمراہی میں مبتلا ہے۔

لما قال مجدد الف ثانیؒ: ظاہر را بظاہر شریعت و باطن را بباطن شریعت کہ عبادت از حقیقت است متجلی و متنزین دارند چہ حقیقت و طریقت عبارت از حقیقت شریعت است، و طریقت آں حقیقت نہ آنکہ شریعت امری دیگر است و طریقت و حقیقت دیگر کہ الحاد و زندقہ است۔ (مکتوبات دفتر اول مکتوب ۵۷ جلد ا ص۷۳) [1]

بیعت کی حقیقت

سوال:۔ بعض لوگ بیعت کو صرف جہاد سے مخصوص مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیری مریدی کے نام سے جو بیعت مروج ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ ایک خود ساختہ رسم ہے، کیا واقعی یہ بات درست ہے؟

الجواب:۔ مرتبہ احسان اور تزکیہ نفس ہر مسلمان پر لازم ہے، اس زمانے میں

---

[1] قال الشاہ غلام علیؒ: در بیان آنکہ کمالاتِ الٰہیہ در ہر خاندان برنگ دیگر ظہور نمودہ اند لیکن معیار آنہا شریعت است۔ (مکتوباتِ شاہ غلام علی ص۹۳ مکتوب ہفتاد و پنجم)

وَمِثْلُہٗ فی المرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ا ص۵۲۶ کتاب العلم۔ الفصل الثالث۔

مرتبہ احسان اور تزکیۂ نفس تصوف سے ہی حاصل ہوتا ہے اور اس بات پر اکثر مشائخ متفق ہیں، اور مرتبہ احسان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: الاحسان ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ اور بیعتِ مسنونہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے ثابت ہے۔

لما قال خطیب ولی الدین التبریزیؒ: الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۱۱ کتاب الایمان، الفصل الاول)

وقال شاہ ولی اللہ محدث الدھلویؒ: واستفاض عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الناس کانوا یبایعونہ تارۃً علی الھجرۃ والجھاد وتارۃً علیٰ اقامۃ ارکان الاسلام۔ الخ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۱۵ پہلی فصل) [1]

پابندِ شریعت شخص کی بیعت کا حکم

سوال:- کیا کسی کامل مُرشد سے بیعت کرنا سنت ہے یا واجب؟ اس بارے میں راہنمائی فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب:- اگر کوئی پابندِ شریعت مرشد مل جائے تو باطنی صفائی کے لیے اس کی بیعت کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب اور سنت ہے، اس لیے کہ اپنی اصلاح کی فکر کرنا ضروری ہے۔

کما قال الشاہ ولی اللہ الدھلویؒ: فاعلم ان البیعۃ سنۃ ولیست بواجبۃ۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۲۱ دوسری فصل) [2]

---

[1] قال العلامۃ فقیر اللہ الحنفیؒ: وھی سنۃ لیست بواجبۃ لان الناس بایعوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتقربوا بھا الی اللہ تعالیٰ وما وجدنا الدلیل علیٰ تاثم تارکھا ولم ینکر احد من الائمۃ المھدیین من الصحابۃ والتابعین علیٰ تارکھا فکان الاجماع السکوتی علیٰ انھا لیست بواجبۃ اھ (قطب الارشاد ص۵۴۳ بحث تکرار البیعۃ ماثورہ)

[2] قال العلامۃ فقیر اللہ الجلال آبادیؒ: وھی سنۃ لیست بواجبۃ، لان الناس بایعوا النبیؐ الخ۔ (قطب الارشاد ص۵۴۳ بحث تکرار البیعۃ ماثورہ)
ومثلہٗ فی انوار القدسیۃ ص۵

مرشد کے لیے شرائط کا تذکرہ

سوال:۔ کسی کو بیعت کرنے والے مُرشد میں کیا کیا شرائط ضروری ہیں یا ہر شخص کسی کو بیعت کر سکتا ہے؟

الجواب:۔ مرشد چونکہ فیض حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے اور وصول الی اللہ میں مدد دیتا ہے اس لیے علماءِ حق نے اس اہم منصب کے لیے مندرجہ ذیل شرائط ذکر کی ہیں:۔ (۱) وہ شخص عالم ہو (۲) متقی ہو (۳) زاہد فی الدنیا اور آخرت میں رغبت والا ہو (۴) اَمر بالمعروف ونہی عن المنکر کرتا ہو (۵) مشائخ کا صحبت یافتہ ہو۔ جس شخص میں یہ شرائط پائی جائیں تو اس سے بیعت ہونا یا اس کا کسی کو بیعت کرنا جائز ہے، ان شرائط کی عدم موجودگی میں کسی کو بھی بیعت لینے حق حاصل نہیں۔

لما قال الشاہ ولی اللہ الدھلوی رحمہ اللہ:۔ فشرط من یاخذ البیعة امور احدھا علم الکتٰب والسنة، والشرط الثانی العدالة والتقوٰی، والشرط الثالث ان یکون زاھداً فی الدنیا راغباً فی الاٰخرة، والشرط الرابع ان یکون امراً بالمعروف ناھیا عن المنکر، والشرط الخامس ان یکون صحبت المشائخ وتأدب بھم دھراً طویلاً واخذ منھم النور الباطن والسکینة۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۲۳ تا ۳۰ الفصل الاول حکمتِ بیعت)[1]

عورت کے لیے بیعت کا حکم

سوال:۔ کیا پیری مریدی میں زنانہ کے لیے بیعت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کی صورت کیا ہوگی خصوصاً جبکہ عورت غیر محرم ہو؟

الجواب:۔ آجکل مشائخ سے جو بیعت کی جاتی ہے وہ دراصل بیعتِ توبہ ہے لہٰذا جب کسی شیخ میں جملہ شرائط موجود ہوں اور پردہ کا بھی اہتمام ہو تو خواتین کا مرشد سے

---

[1] قال الشاہ غلام علی رحمہ اللہ: پیر کسے است کہ تبع سنت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم باشد ظاہراً و باطناً و تارک بدعت و بر عقیدہ بزرگانِ سلف مانند حضرت غوث الثقلین رح و شیخ الاسلام گنج شکر رح مستقیم بود و از علم ضروری فقہ بہرہ داشتہ باشد الخ۔

(مکتوبات شاہ غلام علی رح ص۱۰۹ مکتوب ہشتاد و پنجم رسالہ اول)

وَمِثْلُہٗ فی مرصاد العباد للشیخ نجم الدین کبرٰی ص۱۵۸

سے بیعت ہونا جائز اور مرخص ہے۔

کقولہ تعالیٰ: یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَاءَکَ الْمُؤْمِنَاتُ یُبَایِعْنَکَ عَلٰی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ۔
(سورۃ الممتحنۃ آیت ۱۲)

لیکن یہ بیعتِ توبہ ہوگی اور اس میں ہاتھوں کو مس نہیں کیا جائے گا اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لیتے وقت ان کے ہاتھوں کو مس نہیں کیا تھا۔

کما ذکرہ الامام البخاریؒ: انّ عائشۃؓ زوج النبیّ اخبرتہ انّ رسول اللہ کان یمتحن من ھاجر الیہ من المؤمنات بھٰذہ الایۃ بقول اللہ: یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَاءَکَ الْمُؤْمِنَاتُ یُبَایِعْنَکَ الیٰ قولہ غفور رحیم ـــ قال عروۃ قالت عائشۃؓ فمن اقرّ بھٰذا الشرط من المؤمنات۔ قال لھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد بایعتک کلامًا ولا واللہ ما مسّت یدہ ید امرأۃٍ قط فی المبایعۃ۔ (الجامع الصحیح البخاری ج۲ ص۷۲۶ سورۃ الممتحنۃ۔ باب اذا جاءکم المؤمنٰت)

باقی رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو کس طرح بیعت فرمایا کرتے تھے، تو بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے برتن میں عورتوں کے ہاتھوں کو ڈال کر مس کیا ہے، جیسا کہ علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں ابن مردویہؒ سے نقل کیا ہے۔
(روح المعانی جلد ۲۸ ص۸۱ پ۲۸ آیت ۱۲ سورۃ الممتحنۃ)

مگر اس کی تصحیح میں تامل کیا ہے۔

مشائخ صوفیاء کرام کے ہاں عورتوں کو بیعت کرنے کا طریقہ مختلف چلا آرہا ہے بعض مشائخ پانی میں ہاتھ ڈال کر عورتوں سے بیعت لیا کرتے تھے، جیسا کہ شاہ کلیم اللہ جان آبادیؒ کے خلیفہ خاص شیخ نظام الدین اورنگ آبادیؒ نے "نظام القلوب ص۵" میں ذکر کیا ہے۔ مگر اس بات پر تمام مشائخ صوفیاء متفق ہیں کہ اگر نامحرم عورت بیعت ہونا چاہتی ہو تو پردہ میں بیٹھ کر بیعت لی جائے گی۔

کما قال مجدد الف ثانیؒ: نوشتہ بودند بعضی عورت طلب مشغولی می نمایند اگر محارم اند چہ مانع است والا در پردہ بنشیند و طریقہ را اخذ نمایند۔ (مکتوبات جلد ۱ ص۴۸۰ دفتر اول حصہ چہارم مکتوب ۲۵۶)[۱]

---

[۱] قال محمد عبد اللہ الخانی الخالدی النقشبندیؒ، وقال رضی اللہ عنہ مجیبًا لمن سألہ عن طریق التعلیم للنساء ان کانت المرأۃ محرمۃ فای مانع والا فتجلس وراء الحجاب وتاخذ الطریقۃ۔ (البھجۃ السنیۃ فی آداب الطریقۃ النقشبندیۃ ص۴۲ فصل فی بیان مایتعلق بالاخذ والشروع فی سلوک الطریقۃ العلمیۃ)

بدعتی پیر کی بیعت کرنے کا حکم

سوال :- کیا کسی بدعتی اور ناقص پیر سے بیعت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- پیر و شیخ چونکہ وصول الی اللہ کا ذریعہ ہوتا ہے اس لیے اس کے انتخاب میں احتیاط کرنی چاہیئے ، بدعتی اور ناقص پیر کی بیعت کرنا اپنے آپ کو تباہی کے دھلانے تک لے جانے کے مترادف ہے اس لیے ایسے کسی بھی پیر سے بیعت نہیں کرنی چاہیئے ، کیونکہ شرائطِ ارشاد میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ شیخ کا عقیدہ و عمل بھی ٹھیک ہو اگر عمل و عقیدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ و سنت کے مطابق نہ ہو تو وہ شخص شیخ یا پیر نہیں ہو سکتا ۔

کما قال مجدد الف ثانیؒ : وقوی ترین اسباب فتور در طلب انابت شیخ ناقص است کہ بسلوک و جذبہ کار را تمام ناکردہ بمسند شیخی خود را کشیدہ طالب را صحبت او سم قاتل است و انابت او مرضِ مہلک ۔ (مکتوباتِ مجدد الف ثانی جلد ۱ ص۱۴۴ مکتوب ۶۱) [1]

بیعت توڑنے کا حکم

سوال :- میں نے ایک پیر سے بیعت کی تھی اب اس میں کچھ خلافِ سنت و شریعت امور پیدا ہو چکے ہیں تو کیا میں اس کی بیعت توڑ سکتا ہوں یا نہیں ؟

الجواب :- شیخ اور مرشد کے انتخاب میں احتیاط سے کام لینا چاہیئے اور غیر متبع سنت شخص سے بیعت نہیں کرنا چاہیئے ، جو شخص شریعت پر عمل نہیں کرتا وہ شیخ ناقص ہے اور اس کی بیعت توڑنے میں کوئی قباحت نہیں ۔

کما قال مجدد الف ثانیؒ : وقوی ترین اسباب فتور در طلب انابت شیخ ناقص است کہ بسلوک و جذبہ کار را تمام ناکردہ بمسند شیخی خود را کشیدہ طالب را صحبت او سم قاتل است و انابت او مرض مہلک ۔ (مکتوباتِ مجدد الف ثانیؒ جلد ۱ ص۱۴۴ مکتوب ۶۱) [2]

---

[1] و [2] قال شاہ ولی اللہ محدث الدھلوی رحمہ اللہ : والشرط الثانی العدالۃ والتقوٰی فیجب ان یکون مجتنباً عن الکبائر غیر مصر علی الصغائر ۔
(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۲۸ دوسری فصل، شروط دوم مرشد)
ومثلہٗ فی المرصاد العباد ص۱۵۸

فائدہ نہ ہونے کی صورت میں بیعت توڑنا

سوال :- کسی مرشد سے بیعت کرنے کے بعد اس سے فائدہ حاصل نہ ہوتا ہو تو بیعت توڑنا کیسا ہے اور اگر فائدہ ہوتا ہو تو پھر توڑنا کیسا ہے ؟

الجواب :- کسی مُرشد سے بیعت کرنے کے بعد اگر کوئی فیض حاصل نہ ہوتا ہو تو دوسرے کسی متبع سنت مرشد سے تجدید بیعت جائز ہے اور اگر فائدہ حاصل ہوتا ہو تو پھر بیعت توڑنا صحیح نہیں اس سے آدمی میں بے برکتی پیدا ہو جاتی ہے اور ایسا شخص مشائخ کے فیض سے محروم ہو جاتا ہے ۔

کما قال شاہ ولی اللہ محدث دھلویؒ : فاعلم ان تکرار البیعۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماثور وکذلك عن الصوفیۃ اما من شخصین فان کان بظهور خلل فی من بایعہ فلا بأس وکذلك بعد موتہ او غیبتہ المنقطعۃ واما بلا عذر فانہ یشبہ المتلاعب ویذهب بالبرکۃ ویصرف الشیوخ عن تعهدہ ۔
(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۳۵ حکمت تکرار بیعت) [1]

بدعتی پیر کی بیعت توڑنے کا حکم

سوال :- میں نے ایک پیر سے بیعت کی تھی بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مشرکانہ و مبتدعانہ عقائد رکھتا ہے اب اس کی بیعت توڑنا میرے لیے جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- ایک مسلمان کے لیے عقیدہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے ، جو شیخ مشرکانہ و مبتدعانہ عقائد رکھتا ہو وہ شیخ ناقص ہے اور شیخ ناقص سے بیعت حرام ہے ۔ لہٰذا اس قسم کے عقائد رکھنے والے شخص کی بیعت توڑنے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ بیعت توڑنا ضروری ہے ۔

لما قال مجدد الف ثانی رحمہ اللہ : وقوی ترین اسباب فتور در طلب انابت شیخ ناقص است کہ سلوک وجذبہ کار را تمام ناکردہ بمسند شیخی خود را کشیدہ طالب را صحبت او سم قاتل

---

[1] قال الشاہ غلام علیؒ ؛ قال العلامۃ فقیر اللہؒ اما من الشخصین فا لکان بظهور الخلل فیمن تبعہ فلا بأس ۔ (قطب الارشاد ص۵۴۲ بحث تکرار البیعۃ ماثور)

است و انابت او مرض مہلک۔ (مکتوبات مجدد الف ثانی جلد اول ص ۱۴۴ مکتوب ع ۶۱) ؎۱

مرشد کی وفات کے بعد دوسرے مرشد کی بیعت کرنا

سوال:- اگر کسی کا مرشد فوت ہوجائے تو کیا وہ کسی دوسرے متبع شریعت مُرشد سے بیعت کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- مرشد کی وفات کے بعد کسی متبع شریعت مرشد سے بیعت ہونا صحیح ہی نہیں بلکہ ضروری ہے تاکہ وصول الی اللہ کا مرتبہ حاصل ہوسکے۔

لما قال شاہ ولی اللہؒ: وکذلك بعد موته وعبیته المنقطعة۔

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۳۵ حکمت تکرار بیعت) ؎۲

ذکرِ حدادی کا طریقہ اور اس کی حقیقت

سوال:- جناب مفتی صاحب! صوفیاءؒ کے ہاں ذکرِ حدادی کی ایک اصطلاح مشہور ہے، اس کی شرعی حقیقت کیا ہے؟

الجواب:- ذکرِ حدادی اسلاف سے منقول ہے کہ دوزانو بیٹھ کر کلمہ لَاإِلٰہ کو دل سے ادا کرے اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور لفظ إِلَّا اللہ کو تصور میں آسمان سے پکڑے اور دونوں ہاتھوں سے دل پر ضرب لگائے، ذکر کا یہ طریقہ ذکرِ حدادی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

کما قال الولی الکامل شیخ نظام الدینؒ: طریقِ ذکر حدادی دوزانو بنشینند چنانچہ ہر دو سریں بر زمین باشد و کلمہ لَاإِلٰہ را از دل کشیدہ ہر دو دست دراز کردہ بطرف آسمان برو لفظ إِلَّا اللہ از آسمان گرفتہ ہر دو دست بستہ بر دل سخت ضرب کنند۔

؎۱ قال شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ: والشرط الثانی العدالة والتقوٰی۔
(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص ۲۸ دوسری فصل، شروط دوم مُرشد)
وَمِثْلُهُ فی المرصاد العباد ص ۱۵۸

؎۲ قال العلامة الشاہ الشکارپوریؒ: وکذلك بعد موته والغیبة المنقطعة۔
(قطب الارشاد ص ۵۴۳ تکرار البیعة ماثور)
وَمِثْلُهُ فی مکتوباتِ مجدد الف ثانیؒ ج ۲ ص ۱۲۵ مکتوب ۶۳۔

فائدہ بسیار و تاثیر بے شمار است۔ (نظام القلوب ص۲۳)

صلوٰۃ معکوس کا حکم

سوال:۔ صلوٰۃ معکوس پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ صلوٰۃ معکوس اصل میں ایک مجاہدہ ہوتا ہے اور مجاہدہ میں نقل ضروری نہیں۔ اگرچہ مشائخ چشت میں اس کا ذکر تو پایا جاتا ہے مگر دوسرے ادلہ سے یہ ثابت نہیں، تاہم اس کو نماز مجازاً کہا جاتا ہے۔

لما قال شاہ ولی اللہؒ، وللچشتیۃ صلوٰۃ تسمّی صلوٰۃ المعکوس لم نجد من السنۃ ولا اقوال الفقہا ما نشدہا بہ فلذالک حذفناھا والعلم عند اللہ۔

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۸۶ صلوٰۃ المعکوس)

ذکر میں دل پر ضربیں لگانا

سوال:۔ بعض صوفیاء کرام ذکر میں دل پر ضربیں لگاتے ہیں کیا ذکر کرتے وقت ایسا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شرعی اعتبار سے ذکر میں ضرب برائے تصفیۂ باطن اور بطور علاج کیا جاتا ہے کوئی ضروری عمل نہیں مگر جائز ہے، علماء راسخین نے ضرب مع الذکر کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

کما قال شاہ ولی اللہؒ:۔ فمنہ اسم الذات اما بضربۃٍ واحدۃٍ وصفتہ ان یقول اللہ بالشد والمد والجہر بقوۃِ القلب والحلق جمیعاً ثم یلبث حتی یعود الیہ نفسہ ثم یفعل ھکذا وھکذا۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۵۸ چوتھی فصل مشائخ جیلانیہ)[1]

ذاکرین پر وجد طاری ہونے کا حکم

سوال:۔ بعض ذاکرین پر دورانِ ذکر وجد طاری ہو جاتا ہے، کیا ذکر کرنے وقت انسان پر وجد کا طاری ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ذاکر پر وجد و جذب کا آنا حق ہے اور اس کے متعدد اسباب ہیں، اس لیے اگر وجد کی حالت میں مسجد کی بے حرمتی اور شور و غل نہ ہو تو جائز ہے لیکن یہ کسی کمال

---

[1] قال العلامۃ شکارپوریؒ: او بضربۃ بان یقول اللہ بالشد والمد والجہر بقوۃ القلب الخ (قطب الارشاد ص۵۴۹ الطرق الی اللہ تعالیٰ بعدد انفاس المخلوقات) ومثلہٗ فی نظام القلوب ص۱۵

کی دلیل نہیں بلکہ ضعف کی دلیل ہے۔ تاہم عصرِ حاضر میں ذاکرین پر وجد کا آنا ایک رسم بن چکا ہے جو کمال کی دلیل سمجھی جاتی ہے اس لیے علماء نے اس سے منع کیا ہے۔

کما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: التحقیق القاطع للنزاع فی امر الرقص والسماع یستدعی تفصیلاً ذکرہ فی العوارف المعارف واحیاء العلوم وخلاصتہ ما اجاب بہ العلامۃ النحریر ابن کمال پاشا بقولہ ؎

ما فی التواجد ان حققت من حرج ولا التمایل ان اخلصت من بأس
فقمت تسعی علی رجل وحق لمن مولاہ ان یسعی علی الرأس

الرخصۃ فیما ذکر من الاوضاع

(رد المحتار ج۳ ص۲۵۹ کتاب البیوع۔ باب المرتد)

ذکر میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ معانقہ کرنے کا حکم

سوال:۔ ایک شخص کا دعویٰ ہے کہ میں نے ذکر کے دوران اللہ تعالیٰ کے ساتھ معانقہ کیا ہے، کیا اس کا یہ دعویٰ صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس دعویٰ سے ایمان پر کیا اثرات پڑ سکتے ہیں؟

الجواب: اگر اس سے مراد مراقبہ یا خواب میں اللہ تعالیٰ سے معانقہ کرنا مراد ہو تو جائز ہے اور اگر اس سے مراد حالتِ بیداری میں ہو تو یہ ناممکن ہے اس لیے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا محال ہے لہٰذا اس قسم کے دعویٰ سے ایمان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

لما قال العلامۃ ملا علی القاریؒ: بعد بحثٍ طویل۔ والحاصل ان الامۃ قد اتفقت علی انہ تعالیٰ لا یراہ احد فی الدنیا بعینہ۔ (شرح فقہ الاکبر ص۱۲۳ رؤیۃ الباری جل شانہ فی الدنیا)[۲]

---

[۱] قال العلامۃ داماد افندی رحمہ اللہ: وفی التسهیل فی الوجد مراتب و بعضہ یسلب الاختیار فلا وجہ للانکار بلا تفصیل۔ (مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر ج۲ ص۵۵۲ فصل فی المتفرقات)

ومثلہٗ فی طحطاوی شرح مراقی الفلاح ص۱۷۴ کتاب الکراهیۃ۔

[۲] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: ان الامام رضی اللہ عنہ قال رأیت رب العزۃ فی المنام تسعاً وتسعین مرۃ۔

(رد المحتار ج۱ ص۵۱ مطلب یجوز تقلید المفضول مع وجود الافضل)

دلائل الخیرات کے وظیفہ کا حکم

سوال:۔ بعض صوفیاء دلائل الخیرات کا ورد کرتے اور سالکین کو بھی اس کی اجازت دیتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور اس سے کیا کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں؟

الجواب:۔ دلائل الخیرات کا اکثر حصہ چونکہ درود شریف پر مشتمل ہے اس لیے اسے بطور وظیفہ پڑھنا جائز ہے بلکہ ثواب کا کام اور رحمتوں کے نزول کا ذریعہ ہے اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا باعثِ اجر و ثواب ہے۔

کما ذکر مسلم بن حجاجؒ: عن ابی ہریرةؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال من صلی علیّ واحدة صلی اللہ علیہ عشراً۔ (صحیح مسلم ج۱ ص۱۷۵ باب صلوٰة علی النبیؐ بعد التشہد)[1]

عملیات میں اجازتِ شیخ کا حکم

سوال:۔ کیا اوراد وظائف اور عملیات کیلئے شیخ کی اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟ جبکہ بعض لوگ تعویذات اور دیگر عملیات میں اجازتِ شیخ کو ضروری تصور کرتے ہیں؟

الجواب:۔ اوراد و وظائف کے صرف پڑھنے میں تو کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں البتہ اگر شیخ کی اجازت ہو تو ان میں برکات اور فیض جاری ہوتا ہے۔

لما قال العلامة السیوطیؒ: الاجازة من الشیخ غیر شرط فی جواز التصدی للاقراء والافادة فمن علم من نفسہ الاھلیة جازلہ ذٰلک وان لم یجزہ احد۔ الخ (الاتقان فی علوم القرآن ج۱ ص۱۳۵ الفصل الثالث فی کیفیة الاخذ بافراد القرأة)[2]

---

[1] قال الخطیب ولی الدین تبریزیؒ: وعن ابی ہریرة قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی علیّ واحدة صلی اللہ علیہ عشراً۔
(مشکوٰة ج۱ ص۳ باب الصلوٰة علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفضلہا)

وَمِثْلُہٗ فی القول البدیع ص۱۰۹

[2] قال العلامة جلال آبادی رحمہ اللہ: الاجازہ من الشیخ غیر شرط فی جواز التصدی للافادة والاقراء فمن علم من نفسہ الاھلیة جازلہٗ ذٰلک وان لم یجزہ احد، الخ۔ (قطب الارشاد ص۶۴۳ الخاتمة فی ذکر الاجازة)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاوٰی ج۵ ص۵۵۳ کتاب السلوک۔

مشائخ کا مریدین پر توجہ دینا

سوال :۔ سلسلہ تصوف میں شیخ کا اپنے مریدین پر توجہ دینا ضروری سمجھا جاتا ہے اور اس کو کمال کی بنیاد تصور کیا جاتا ہے، شرعاً مشائخ کا اپنے مریدین پر توجہ دینا کیسا ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے ؟

الجواب :۔ مشائخ کا اپنے مریدین پر توجہ دینا جائز ہے جو کہ علماء ربانیین سے منقول ہے، اور اس کا طریقہ اپنے مرشد سے سیکھنا چاہیئے جیسا کہ بعض بزرگوں نے اپنی کتابوں میں اس کا تذکرہ کیا ہے ۔

لما قال شاہ ولی اللہؒ : اما هذه التصرفات عند کبرائهم اصحاب الفناء فی الله والبقاء به فلها شان عظیم واما عند سائرهم فالتاثیر فی الطالب یتوجه الشیخ الیٰ نفسه الناطقة ویصادمها بالهمة التامة القویة ثم یستغرق فی نسبة بالجمعیة وهذا الخ ۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۱۱۲ چھٹی فصل تصرفات نقشبندیہ) [1]

مہمان کے لیے اوراد و وظائف چھوڑنے کا حکم

سوال :۔ اگر کسی شخص کا اوراد و وظائف کا معمول ہو تو مہمان آنے کی صورت میں وہ اسے چھوڑ سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ اگر کسی شخص کا کوئی مہمان آجائے تو وہ دو قسم کا ہوگا یا تو اکثر آتا رہتا ہوگا یا کبھی کبھار آتا ہوگا، اگر مہمان اکثر آتا رہتا ہو تو پھر یہ شخص اپنے نفلی معمولات کو قضاء نہ کرے اور اگر کبھی کبھار آتا ہو تو اپنے معمولات چھوڑ کر مہمان کے ساتھ بیٹھنا بہتر ہے ۔

لما قال حافظ الدین محمد بن بزاز الکردریؒ : نزل به ضیف وله ورد من النفل فان کان ینزل کثیراً فالورد افضل والافالاشتغال بالضیف افضل ۔

(فتاویٰ بزازیہ علیٰ هامش الهندیة ج۴ ص۲۸ کتاب الصلوٰة ۔نوع فیما یکره) [2]

---

[1] قال فقیر الله جلال آبادیؒ : والتصرفات الموجبة للکمال عند کبر المشائخ وسائرهم تصرفات اصحاب الفنا فی الله والبقائه ولها شان عظیم فالتاثر فی باطن الطالب ان یتوجه الشیخ الیٰ نفسه الناطقة ویصادمها بالهمة التامة القویة الخ

(قطب الارشاد ج۲ ص۱۶۰۶ وللنقشبندیة تصرفات)

[2] قال عالم بن العلاء الانصاریؒ : رجل نزل به ضیف وله ورد من صلوٰة التطوع فان کان هذا الرجل کثیر الضیافة لا یترك ورده ۔ (فتاویٰ تاتارخانیہ ج۱ ص۶۳۳ کتاب الصلوٰة الفصل الثانی عشر)

مجلسِ ذکر میں مشائخ کی ارواح کا آنا

سوال:۔ بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ مجلسِ ذکر میں مشائخ کی ارواح آتی ہیں، اس سے تو تجسد الارواح صحیح معلوم ہوتا ہے، کیا شریعتِ مقدسہ کی روشنی میں یہ عقیدہ صحیح ہے؟

الجواب: انبیاء و اولیاء اللہ کی ارواح دنیا میں آسکتی ہیں۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی تصانیف میں اس کا جواز لکھا ہے، لیکن اس کو عوامی عقیدہ نہیں بنانا چاہیئے کیونکہ اس طرح کی حکایات بعض اوقات مفضی الی الشرک ہوسکتی ہیں۔

کما قال العلامۃ آلوسیؒ: فقد وقعت رؤیتہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہ لغیر واحد من الکاملین من ھٰذہ الامۃ۔ (روح المعانی ج۲۲ ص۳۵ سورۃ الاحزاب آیت ۴۰)[1]

چالیس دن کے چِلّہ کا حکم

سوال:۔ بعض صوفیاء کرام چالیس دن کے چِلّہ کا اہتمام کرتے ہیں، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس کو وضاحت سے بیان فرمائیں؟

الجواب:۔ اگر تو اس چِلّہ سے مقصود عبادتِ الٰہی ہو اور یہ چِلّہ طیبات کی تحریم سے بھی خالی ہو تو اس کے جواز میں کوئی شک نہیں، اور چالیس دن کا تعین اس لیے کرتے ہیں کہ جو عبادت چالیس دن تک خلوصِ نیت سے کی جائے وہ راسخ ہو جاتی ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓی اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِہٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ (سورۃ البقرہ آیت ۵۱)

علامہ ابو عبداللہ القرطبیؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: وبھذا استدل الصوفیۃ علی الوصال وان افضلہ اربعون یومًا۔ (تفسیر قرطبیؒ ج۱ ص۳۹۶ سورۃ البقرۃ)

اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: عن انس بن مالکؓ قال

---

[1] قال العلامۃ جلال الدین السیوطیؒ: ولا یمتنع رؤیۃ ذاتہ الشریفۃ بجسد وروحہ وذٰلک لانہ صلی اللہ علیہ وسلم وسائر الانبیاء احیاء ردت الیھم ارواحھم بعد ما قبضوا واذن ھم بالخروج من قبورھم والتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی۔ (الحاوی للفتاوی ج۲ ص۲۶۳ القول بامکان رؤیۃ النبی فی الیقظۃ)

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی للہ اربعین یومًا فی جماعۃ یدرک التکبیر الاولیٰ کتب لہٗ براٰتان براۃٌ من النار وبراۃٌ من النفاق ۔ (الجامع الترمذی ج۲ ص۳۳ ابواب الصلوٰۃ) اس میں بھی چالیس دن کو خصوصیت حاصل ہے ۔

مشائخ کرام سے اس کے جواز کی تصریحات اور شرائط بھی منقول ہیں، جیسے روزہ رکھنا، شب بیداری، کم بولنا اور کم کھانا وغیرہ ۔

لما قال شاہ ولی اللہؒ : قال المشائخ من اراد الدخول فی الاربعینیۃ یلزمہ مراعات امور دوام الصیام ودوام القیام وتقلیل الکلام والطعام والمنام والصحبۃ مع الانام والمواظبۃ فی الوضوء فی حالات الیقظۃ وعند المنام وربط القلب مع الشیخ علی الدوام وترک الغفلۃ رأسًا ۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۸۳ شرائط چلہ نشینی)

اولیاء اللہ کی پہچان

سوال :- جناب مفتی صاحب ! شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں اولیاء اللہ کی پہچان کیا ہے؟

الجواب :- ہر وہ مسلمان جو شریعت کا پابند ہو، متقی پرہیزگار ہو، صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اولیاء اللہ یعنی اللہ کے دوستوں میں سے ہے ۔

لما قال العلامۃ تفتازانیؒ : الولی ھو العارف باللہ تعالیٰ وصفاتہ حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانھماک فی اللذات والشھوات ۔ (شرح العقائد ص۱۰۵ تحت قول النسفی وکرامات الاولیاء حق) [1]

کافروں میں اولیاء کا حکم

سوال :- بعض لوگ کہتے ہیں کہ کافروں میں بھی اولیاء ہوتے ہیں، یہ بات کہاں تک صحیح ہے ؟

الجواب :- اگر ان لوگوں کی اولیاء سے مراد صاحبِ توجہ وتصرف ہو تو یہ کافروں میں بھی ہوتے ہیں جنہیں اولیاء الشیطان کا نام دیا جاسکتا ہے اور اگر اولیاء سے ان کی مراد

---

[1] قال العلامۃ اشرف علی التھانویؒ : ھو العارف باللہ تعالیٰ وصفاتہ حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانھماک فی اللذات والشھوات ۔ (کشاف اصطلاحات الفنون ج۲ ص۱۵۲۸ فی التحقیق لفظ مولی الموالاۃ ۔ الولی)

ومِثلُہٗ فی النبراس ص۴۷۵ کرامات الاولیاء حق ۔

عرفی و اصطلاحی اولیاء الرحمٰن ہوں تو یہ صرف مومنوں میں ہوتے ہیں کافروں میں نہیں۔

کما قال اللہ تبارک وتعالیٰ: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ۝ (سورۃ یونس آیت ۶۲، ۶۳) [1]

اولیاء اللہ کا جمع ہونا

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ جمع ہوتے ہیں، کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب: صوفیاء کرام کے نزدیک اولیاء اللہ بعض اوقات جمع ہوتے ہیں لیکن یہ سب باتیں کشف اور مخفی امور ہیں فتویٰ اور قلم سے اس کا حق ادا نہیں ہو سکتا، البتہ صوفیاء کے نزدیک یہ باتیں موجود ہیں کہ غوث کی موجودگی میں زندہ اولیاء جمع ہوتے ہیں اور بعض وفات شدہ اولیاء کی ارواح بھی موجود ہوتی ہیں، لیکن ان سب باتوں کو عوامی جہالت سے بچانا چاہیئے۔

اس پر مفصل بحث کرتے ہوئے علامہ عبد العزیز سلجماسی مالکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
حضرت نے فرمایا کہ دیوان اسی غارِ حرا میں لگتا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے عبادت کیا کرتے تھے، غوث غار کے باہر اس طرح بیٹھتا ہے کہ مکہ اس کے دائیں شانہ کے پیچھے ہوتا ہے الخ (ابریز ص ۵۱۹ چوتھا باب، دیوان صالحین)

حضرت نے فرمایا کہ گذشتہ لوگوں میں سے بعض کاملین بھی دیوان میں حاضر ہوتے ہیں۔ (ابریز ص ۵۲۱ چوتھا باب۔ دیوان صالحین)

فرمایا کہ کبھی کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس مجلس میں شرکت فرماتے ہیں۔
(ابریز ص ۵۲۳ چوتھا باب۔ دیوان صالحین)

فوت شدہ اولیاء اللہ کی نسبت معلوم کرنا

سوال: کیا کوئی شخص کسی فوت شدہ ولی اللہ کی نسبت معلوم

---

[1] قال العلامۃ التفتازانیؒ: الولی ھو العارف باللہ تعالیٰ وصفاتہ حسب ما یمکن المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانھماک فی اللذات والشھوات۔
(شرح العقائد ص ۱۰۵ تحت قول النسفیؒ وکرامات الاولیاء حق)
وَمِثْلُہٗ فی شرح المقاصد ج ۵ ص ۷۲ شمول قدرۃ اللہ تعالیٰ۔

کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کوئی سالک اور متقی و پرہیز گار شخص مراقبہ کے ذریعے فوت شدہ اولیاء اللہ کی نسبت معلوم کر سکتا ہے، اور مشائخ نقشبندیہ کو اس میں مہارت حاصل ہے۔

لما قال شاہ ولی اللہؒ: اَمّا الاطلاع علیٰ نسبۃ اھل اللہ فطریقہ ان یجلس بین یدیہ ان کان حیًّا او قبرہ ان کان میتًا ویفرغ نفسہٗ عن کل نسبۃ ویفضی بروحہ الیٰ روح ھذا الشخص زمانا الخ۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۱۱۶ طریقہ اطلاع نسبت اہل اللہ) [1]

ولایت کے لیے بیعت ہونے کا مسئلہ

سوال:۔ کیا ولایت، طریقت و بیعت کے بغیر مل سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی متبع شریعت شیخ سے بیعت ہونا ایک مستحب امر ہے، حصولِ ولایت کے لیے جتنے ذرائع ہیں کسی سے بیعت ہونا ان میں ایک کامیاب ذریعہ ہے جو لوگ اس کو شرط قرار دیتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔

ایک مرشد کی موجودگی میں دوسرے سے بیعت ہونا

سوال:۔ اگر کوئی شخص پہلے مرشد کی موجودگی میں دوسرے مرشد سے بیعت کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اور مرشد کی وفات کے بعد بیعتِ ثانیہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ طریقت و بیعت چونکہ اخذِ فیض کے لیے کی جاتی ہے، تو اگر پہلی جگہ سے بیعت کے بعد فیض کے حصول کا یقین نہ ہو تو دوسری جگہ بیعت کرنا جائز ہے، لیکن اس کو عادت نہیں بنانا چاہیئے کیونکہ اس سے بے برکتی پیدا ہوتی ہے اور مرشد سے فیوض و برکات کا حصول مشکل ہو جاتا ہے۔

کما قال الشیخ التھانویؒ وشاہ ولی اللہؒ: اور جب شیخ کی موجودگی میں بیعتِ ثانیہ جائز ہے تو اس کی وفات کے بعد تو بطریقِ اولیٰ جائز ہو گی۔

لما قال شیخ الطائفۃ مجدد الف ثانیؒ: بدانکہ کہ مقصود حق است و پیر وسیلہ است بوصول

---

[1] قال العلامۃ الشکارپوریؒ: واَمّا الاطلاع علی النسبۃ اھل اللہ فطریقہ ان یجلس بین یدیہ ان کان حیًّا وعند قبرہ ان کان میتًا۔ (قطب الارشاد ص۶۵۶)

جناب قدسی حق تعالیٰ اگر طالبے رُشد خود را پیش شیخ دیگر بیند و دل درصحبت او حق سبحانہ جمعہ یا بر ور است کہ درحیات پیرے اذن پیر طالب پیش اذن شیخ بر ور و طلب رشد از و نماید اما باید کہ از پیر اوّل انکار نکند و جز بہ نیکی یاد نماید۔ (مکتوبات مجدد الف ثانیؒ ج ۲ ص۱۵۷ دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب ۱۳۱) ؎۱

پیر کامل بننے کی شرط

سوال:۔ ایک شخص کہتا ہے کہ پیر و شیخ کامل وہ ہے کہ مرید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرائے ورنہ ناقص ہے، کیا اس کا یہ قول صحیح ہے یا غلط؟

الجواب:۔ جو شخص بیعت کے لیے یہ شرط لگاتا ہے وہ غلطی پر ہے، نہ تو یہ قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور نہ صوفیاء کرام نے شرائط مرشد میں اس کا ذکر کیا ہے۔

لما قال شاہ ولی اللہؒ: شرط من یاخذ البیعۃ امور احدھا علم الکتاب والسنۃ الخ۔

(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۲۳ دوسری فصل حکمت بیعت) ؎۲

ایک پیر کے الفاظ کا حکم

سوال:۔ ایک پیر نے کسی شخص سے کہا کہ مقبولک مقبولی و مردودک مردودی، کیا اس طرح کہنے سے کوئی کام مقبول یا مردود ہو سکتا ہے؟

الجواب:۔ اگر ان الفاظ سے اس کی مراد یہ ہے کہ جو تم کو پسند ہے وہ مجھ کو بھی پسند ہے اور جو کام تجھے ناپسند ہے وہ مجھے بھی ناپسند ہے تو پھر تو یہ صحیح ہے اور اگر اس کی

؎۱ قال شاہ ولی اللہؒ: فاعلم ان تکرار البیعۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماثور و کذلک عن الصوفیۃ اما من الشخصین وان کان بظھور خلل فی من بایعہ فلا بأس وکذلک بعد موتہ وغیبتہ المنقطعۃ واما بلا عذر فانہ یشبہ التلاعب۔
(شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۳۵ حکمت تکرار بیعت)
ومثلہ فی مکاتیب شریفہ شاہ غلام علیؒ ص۷۲ مکتوب ثانزدہم۔

؎۲ قال العلامۃ جلال آبادیؒ: اعلم ان للمشیخۃ واخذ البیعۃ شروط منھا علم الکتاب والسنۃ الخ۔ (قطب الارشاد ص۵۲۶ بحث شروط المشیخۃ)
ومثلہ فی مرصاد العباد ص۱۸۵

مراد یہ ہو کہ میرے کہنے سے کوئی کام مقبول یا مردود ہوتا ہے تو یہ غلط ہے کسی کام کے مقبول یا مردود ہونے کا حکم شریعت کے ادلہ اربعہ کر سکتے ہیں کوئی اور شخص نہیں۔

کما قال الشیخ ملاجیونؒ : ان اصول الشرع ثلاثة ...... الکتاب والسنة واجماع الامة ..... واصل الرابع القیاس۔ (نور الانوار ص۶ تقسیم اصول الشرع) [1]

نماز روزہ کی معافی کا بے بنیاد دعویٰ

سوال :۔ ہمارے گاؤں میں ایک شخص اپنے آپ کو پیر ظاہر کرتے ہوئے آیا ہے جبکہ وہ داڑھی بھی منڈاتا ہے اور اعلانیہ کہتا ہے کہ مجھ کو اللہ تعالےٰ نے نماز روزہ معاف کر دیئے ہیں کیا واقعی کسی آدمی سے نماز روزہ معاف ہو سکتے ہیں؟

الجواب :۔ اگر تو اس شخص کے دماغ میں فرق ہو یا پاگل پن میں صریحاً مبتلا ہو تو پھر اس کے کلام کا کوئی اعتبار نہیں اور اگر مذکورہ شخص صحیح العقل ہو کر ایسی بات کہتا ہے تو وہ زندیق ہے اور اس سے اعتقاد و تعلق رکھنا حرام ہے بلکہ واجب القتل ہے۔

کما قال العلامة التفتازانیؒ : ولا یصل العبد ما دام عاقلاً بالغاً الیٰ حیث یسقط عنه الامر والنهی لعموم الخطابات الواردة فی التکالیف واجماع المجتهدین علیٰ ذلك الخ۔ (شرح العقائد ص۱۱۹ ولا یصل العبد .... الخ) [2]

مرشد کو کعبہ اور پیغمبر کہنا

سوال :۔ ایک شخص اپنے مرشد کے متعلق کہتا ہے کہ میرا مرشد میرے لیے کعبہ و پیغمبر ہے، اس شخص کے ان الفاظ کا

---

[1] قال العلامة فخر الاسلام رحمه الله : واصول الفقه الکتٰب والسنّة والاجماع والقیاس۔
(توضیح والتلویح ص۳۳)
ومِثْلُهٗ فی المولوی علی الحسامی ص۴

[2] قال العلامة ابن عابدینؒ : وتازعه فی نور العین بان ما ذکره من المعنی الوصفی هو معنا الوصفی اما العرفی الذی جری علیه اصطلاح الملاحدة والقلندریة فهو ان جمیع الاشیاء مباحة لك فالحق ان یکفر القائل ان کان من تلك الفئة۔
(رد المحتار ج۴ ص۲۵۹ مطلب فی معنی درویش درویشان)
ومِثْلُهٗ فی النبراس ص۵۶۲ اختلفوا فی ان نبوة النبی افضل ام ولایته)

حکم کیا ہے ؟

الجواب :- مندرجہ بالا الفاظ شریعتِ مقدسہ سے متصادم ہیں، لہٰذا جو طریقت اور اس کے الفاظ شریعت سے متصادم ہوں وہ مردود اور نا قابلِ قبول ہیں۔

لما قال مجدد الف ثانیؒ: کل حقیقۃ ردتہ الشریعۃ فھو زندقۃ۔

(مکتوبات جلد ۱ ص۱۱۴ دفتر اول، مکتوب ۴۳) [۱]

پیر کے بارے میں مبالغہ آمیزی سے کام لینا

سوال :- ایک شخص اپنے پیر کے متعلق کہتا ہے کہ جب پیر کو تو نے قبول کیا تو اس میں خدا بھی ہے اور رسول بھی، اور پیر کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے اور پیر خدا کا نائب ہے، ان الفاظ کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب :- اگر یہ الفاظ کسی عالم یا دیندار شخص سے صادر ہوئے ہوں تو ان کی تاویل کی جائے گی اور اگر کسی فاسق وفاجر سے صادر ہوں تو یہ مخالف الشریعت الفاظ ہیں اگرچہ طریقت میں استعمال ہوئے ہیں مگر مردود ہیں کیونکہ جو طریقت شریعت سے مخالف ہو وہ زندیقیت ہے۔

کما قال مجدد الف ثانیؒ: کل حقیقۃ ردتہ الشریعۃ فھو زندقۃ۔

(مکتوبات جلد ۱ ص۱۱۴ دفتر اول مکتوب ۴۴)

پیر سے پردہ کرنا

سوال :- بعض خواتین پیر سے پردہ نہیں کرتیں، کیا خواتین کا پیر سے پردہ کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟

الجواب :- پردہ کے متعلق جو نصوص آئی ہیں وہ عام ہیں، پیر اور دوسرے محارم سب کو

---

[۱] قال شاہ غلام علی دھلویؒ: آنکہ کمالاتِ الٰہیہ در ہر خاندان برنگ دیگر ظہور نمودہ اند لیکن معیار اینہا شریعت است۔ (مکتوبات شاہ غلام علیؒ ص۹۳ مکتوب ہفتاد و پنجم)

وَمِثلُہٗ فی قطب الارشاد ص۱۳ مقدمۃ۔

[۲] قال شاہ غلام علی دھلویؒ: آنکہ کمالاتِ الٰہیہ در ہر خاندان برنگ دیگر ظہور نمودہ اند لیکن معیار آنہا شریعت است۔ (مکتوبات شاہ غلام علیؒ ص۹۳ مکتوب ہفتاد و پنجم)

وَمِثلُہٗ فی قطب الارشاد ص۱۳ مقدمۃ

شامل ہیں، تو اس وجہ سے دوسرے لوگوں کی طرح پیر سے بھی خواتین کے لیے پردہ کرنا ضروری ہے جو لوگ ایسا نہیں کرتے وہ غلطی پر ہیں۔

لما قال العلامة ابن نجیمؒ: ولا ینظر من اشتهی الی وجهها الا الحاکم والشاهد وینظر الطبیب الی موضع مرضها۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۹۲ کتاب الکراهیة۔ فصل فی النظر) [1]

تصوّف کے چار سلسلوں کا ثبوت

سوال:۔ بعض لوگ سلاسل اربعہ کا انکار کرتے ہیں کہ ان کی کوئی اصل نہیں، کیا واقعی ان سلاسل کا کوئی وجود ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سلاسل اربعہ (قادریہ، سہروردی، چشتیہ، نقشبندیہ) سے انکار بے معنی چیز ہے یہ تو حدِ تواتر تک پہنچا ہوا اور مشائخ کا معمول بہا رہا ہے اور ان کا اپنی کتابوں میں باقاعدہ ذکر کیا ہے۔

لما قال شاہ ولی اللہؒ: وبعد از زمان ایں خانوادہا خانوادہائے دیگر پیدا شدند چوں یامبیہ، قادریہ، اکبریہ، سہروردیہ، کبرویہ، اویسیہ وخانوادۂ خواجگان خانوادۂ معینیہ کہ اصلِ طریقہ چشتیہ است ونقشبندیہ کہ آسیائے خانوادہ خواجگان است۔ (همعات ص ۱۵) [2]

تصوّف سے وابستہ نہ ہونے کی تشریح

سوال:۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو تصوّف سے وابستہ نہیں وہ فاسق ہے، حالانکہ بہت سے علماء تصوّف سے وابستہ نہیں تو کیا وہ سب فاسق ہیں؟

الجواب:۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو تصوف سے وابستہ نہیں وہ فاسق ہے، تو اگر تصوّف سے ان کی مراد نفس بیعتِ مروجہ ہو تو یہ قول غلط ہے کیونکہ بیعت کرنا واجب نہیں بلکہ سنت

---

[1] قال العلامة فخر الدین الزیلعیؒ: ولا ینظر من اشتهی الی وجهها الا الحاکم والشاهد وینظر الطبیب الی موضع مرضها۔ والاصل فیه انه لا یجوز ان ینظر الی وجه امرأة اجنبیة مع الشهوة۔ (تبیین الحقائق ج ۶ ص ۱۷ کتاب الکراهیة۔ فصل فی النظر)

وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار ج ۶ ص ۳۶۶ کتاب الحظر والاباحة۔ فصل فی النظر۔

[2] قال العلامة الشکارپوریؒ: ان الطرق الی الله کثیرة کالشاذلیة والسهروردیة والقادریة الی غیر ذلک۔ (قطب الارشاد ص ۵۴۴ الفصل ان العلماء من المتکلمین والفقهاء والمحدثین الخ)

وَمِثْلُهٗ فی شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل ص ۴۰ حکمتِ تکرارِ بیعت۔

ہے، اور اگر تصوّف سے مراد تزکیہ باطن اور اجتناب عن المعاصی ہو تو پھر یہ قول صحیح ہے، جیسا کہ اکابر نے بھی یہی فرمایا ہے۔

کما قال العلامة ملا علی قاریؒ عن امام مالکؒ: من تفقهه ولم یتصوّف فقد تفسق ومن تصوّف ولم یتفقه فقد تزندق ومن جمع بینهما فقد تحقق۔

(مرقاة شرح مشکوٰة ج ۱ ص۵۲۶ کتاب العلم۔ الفصل الثالث)[1]

سلاسلِ اربعہ حق پر ہیں

سوال:۔ سلاسلِ اربعہ حق پر ہیں یا نہیں اور یہ کون کون سے سلاسل ہیں؟

الجواب:۔ وصول الی اللہ کے متعدد طرق ہیں، ان میں سے بعض طرق و سلاسل آسان اور جلد انسان کو مقصود تک پہنچا دیتے ہیں، اسی آسانی کے لیے مشائخ سے یہ طرق و سلاسل منقول ہیں مگر ان میں چار طرق و سلاسل برصغیر پاک و ہند میں زیادہ مشہور ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) الطریقة العالیة النقشبندیة : منسوب بہ خواجہ بہاؤالدینؒ نقشبند۔

(۲) " " القادریة : " " شیخ عبدالقادر جیلانیؒ۔

(۳) " " الچشتیة : " " خواجہ معین الدین چشتیؒ۔

(۴) " " السہروردیة : " " خواجہ شہاب الدین سہروردیؒ۔

کما قال العلامة الشکارپوریؒ: قال الشیخ العارف باللہ ابو اسحٰق ابراهیم الی الطرق الی اللہ کثیرة کالشاذلیة والسہروردیة والقادریة الی غیر ذٰلک۔

(قطب الارشاد ص۵۴۴ الفصل ان العلماء من المتکلمین والفقهاء والمحدثین الخ)

---

[1] قال الامام عبدالوهاب الشعرانیؒ: اجمع اهل الطریق علی وجوب اتخاذ الانسان له شیخاً یرشده الی زوال تلك الصفات الخ۔ (انوار القدسیة ص۵)

وَمِثْلُهٗ فی تفسیر المظهری ج۲ ص۱۰۴

[2] قال الشاہ ولی اللہؒ: وبالجملہ خانوادہ بسیار بودند وبسیار خواہد بود وحصر آں یا معقول

ثم قال: وبعد از زمان ایں خانواد یا خانوادہائے دیگر پیدا شدند چوں جامیہ، قادریہ، اکبریہ، سہروردیہ وسیرویہ خانوادہ خواجگان منبعہ کہ احیائے چشتیہ است در منبعہ ونقشبندیہ کہ احیائے خانوادہ خواجگان است۔ (ہمعات ص۱۳)

وَمِثْلُهٗ فی شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۲۰ حکمت تکرار بیعت۔

تصوف کے مراقبات اور اذکار کا حکم

سوال :۔ سلسلہ نقشبندیہ میں جو لطائفِ سبعہ اور اذکار رہوتے ہیں ان کا وجود تو قرونِ ثلاثہ میں موجود نہ تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بدعت ہیں، کیا نقشبندیہ سلسلہ کے لطائف سبعہ کا وجود ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ مرتبہ احسان حاصل کرنا ہر مسلمان پر ضروری ہوتا ہے جس کا اشارہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث : ان تعبد اللہ کانک تراہ الخ میں ملتا ہے، اب یہ مرتبہ ذکرِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے، تو بعض مشائخ نے جو اذکار مرتبۂ احسان کے حصول کے لیے مقرر کیے ہیں وہ محض آلات ہیں جن سے یہ مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور آلات و معالجات میں یہ ضروری نہیں کہ وہ منقول عن الشارع ہوں صرف یہ ضروری ہے کہ شریعت سے متصادم نہ ہوں اور لطائف سبعہ صرف آلات ہیں شریعت سے متصادم نہیں مشائخ کی کتابوں میں ان کا باقاعدہ تذکرہ موجود ہے ۔

کما قال العلامۃ الشکارپوریؒ : اعلم ان اللہ تعالیٰ خلق فی الانسان ستۃ لطائف بل عشرۃ خمسۃ منھا من عالم الامر وھی القلب والروح والسر والخفی والاخفیٰ والخمسۃ من عالم الخلق الخ ۔ (قطب الارشاد ص۵۶۲ بیان اللطائف الستۃ) [1]

ذکرِ سلطان الاذکار کا حکم

سوال :۔ جناب مفتی صاحب! سلطان الاذکار کون سا ذکر ہے ۔

الجواب :۔ لطیفہ قلبی کے ذکر کو جب سالک اپنے سارے جسم سے ذکر کرنے لگے نقشبندیہ سلسلہ کے مشائخ نے اسے سلطان الاذکار کہا ہے ۔

کما قال العلامۃ الجلال آبادیؒ : ثم یلاحظ اسم الذات فی اللطیفۃ القالبیۃ وھی جمیع البدن واذا غلب الذکر واحاط البدن کلہ حتی صار کل تحریر

---

[1] قال شاہ غلام علی دھلوی رحمہ اللہ ، طریق مشغولی بذکر حق سبحانہ تعالیٰ با توجہ بلطائفِ سبعہ تا دلاں حرکت ذکر پیدا شود اینست الخ ۔

(مکاتیب شریفہ شاہ غلام علیؒ ص۱۲ مکتوب دوئم)

ومثلہٗ فی تفھیمات الالٰھیۃ ج۱ ص۲۲۹ ما معنی لطائف السبعۃ ۔

من البدن ذاکراً مثل القلب تسمّٰی هٰذه الحالة سلطان الاذکار۔
(قطب الارشاد ص۵۶۷ فی بیان اللطائف الستة) لہ

غوث و قطب کے وجود کا حکم

سوال:۔ صوفیاء کرام کے کلام میں قطب، غوث اور ابدال کے الفاظ بکثرت پائے جاتے ہیں، کیا حدیث اور شریعت میں یہ مراتب موجود ہیں یا نہیں؟ اگر موجود ہیں تو ان کی تفصیل بیان کر کے مشکور فرمائیں؟

الجواب:۔ اولیاء اللہ کا وجود قرآن و حدیث سے ثابت ہے، مندرجہ بالا مراتب میں سے صرف ابدال کا ذکر صراحتاً حدیث میں موجود ہے، صحاح ستہ میں سے صرف ابوداؤد کی ایک طویل حدیث کے ضمن میں ابدال الشام کا ذکر ہے، جو کہ ام المؤمنین سیدہ حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے۔

عن نبیؐ قال یکون اختلاف عند موت خلیفة فیخرج رجلٌ من اهل المدینة هارباً الیٰ مکّة فیاتیه ناسٌ من اهل مکّة فیخرجونه وهو کارہ فیبایعونه بین الرکن والمقام ویبعث الیه بعث من الشام فیخسف بهم بالبیداء بین مکّة ومدینة فاذا رأی الناس ذٰلک اتاه ابدال الشام الخ

ابوداؤد جلد ۲ ص۲۳۳ کتاب السنن اوّل کتاب المهدی میں صراحتاً ابدال کا ذکر موجود ہے۔

امام ولی الدینؒ صاحب مشکوٰۃ کے مشکوٰۃ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مسند کے حوالے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

عن شریح بن عبید قال ذکر اهل الشام عند علیؓ وقیل العنهم یا امیر المؤمنین قال لا انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الابدال یکونون بالشام وهم اربعون رجلاً کلّما مات

لہ قال العلامة محمد بن عبد اللہ الباقی رحمہ اللہ: فینتقل الیٰ لطیفه الجسد وهی ان یذکر بتجمع الجسد مستحضراً لها فی نظر القلب بطریق المشاهدة فی الجمیع ان تعبد اللہ کانک تراه ولا یزال علیٰ ذٰلک حتی تصیر جمیع اجزائه تذکر بدنك ویحصل سلطان الذکر البهجة السنیة فی آداب الطریقة النقشبندیة ص۹۴

رجل ابدال اللہ منہ رجلاً یسقی بہم الغیث وینصر بہم الاعداء ویصرف من اہل الشام بہم العذاب۔ رواہ احمد۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۶۰۲ باب ذکر الیمن والشام الفصل الثالث)

باقی مراتب کا ذکر حدیث میں صراحۃً موجود نہیں ہے البتہ اشارۃً معلوم ہوتے ہیں، جیساکہ علامہ جلال الدین سیوطیؒ اور ملا علی قاریؒ نے ابن عساکرؒ سے نقل کئے ہیں۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان اللہ عزوجل فی الخلق ثلاثمائۃ قلوبہم علیٰ قلب اٰدم و للہ فی الخلق اربعون قلوبہم علیٰ قلب موسیٰؑ واللہ فی الخلق سبعۃ قلوبہم علیٰ ابراھیم وللہ فی الخلق خمسۃ قلوبہم علیٰ قلب جبرائیل وللہ فی الخلق ثلاثۃ قلوبہم علیٰ قلب میکائیل وللہ فی الخلق واحد قلبہ علیٰ قلب اسرافیل الخ

اخرجہ ابن عساکر الحاوی للفتاوی ج۲ ص۲۴۷۔ و ایضاً ذکرہ ملا علی قاریؒ فی مرقاۃ ج۹ ص۳۵۶ جوکہ قطب، غوث، نقیبا کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ اور علمائے راسخین نے اس کو اسی طرح بیان کیا ہے لیکن یہ صرف عبدیت اور قرب کے مدارج ہیں نہ کہ عوام کے ربوبیت کے مدارج۔ [1]

متصرّف کا حکم

سوال:۔ تصرّف کیا ہے، کیا کوئی ولی یا پیر متصرّف ہو سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تصرّف کے دو معنیٰ ہیں، ایک تو عوامی معنیٰ ہے کہ اولیاء اللہ کی قوت اور ان کا کام ہے، یہ معنیٰ غلط ہے۔ دوسرا معنیٰ شرعی اور اصطلاحی اور فن تصوّف کا معنیٰ ہے، ان میں تصرّف سے مراد قوتِ توجہ سے مختلف آثار پیدا کرنا ہے، تو اس سے تصرّف اور متصرّف دونوں صحیح ہیں۔

کما قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ: وحقیقۃ ھٰذا التائید افاضۃ کیفیات خاصۃ

---

[1] قال العلامۃ ملا علی القاریؒ:۔ قلتُ ھم الاقطاب فی الاقطار یاخذون الفیض من قطب الاقطاب المسمی بالغوث الاعظم فھم بمنزلۃ الوزراء تحت حکم الوزیر الاعظم۔
(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۹ ص۳۵۵ کتاب الفتن۔ الفصل الثانی)
وَمِثْلُہٗ فی الرسائل لابن عابدینؒ ج۲ ص۲۶۴

محمودة والقائہا فی النفس آثار خاصة تتعدد حسب اختلاف المقاصد ویسمّی ھٰذا التائید فی عرف اھل التصوّف تصرفًا وتوجهًا وھمة وجمع الخواطر۔

(بوادر النوادر ص۱۸۷ رسالة التعرف فی تحقیق التصرف) لہ

اصحاب القبور کا تصرّف

سوال:۔ جنابِ مفتی صاحب! اصحاب القبور کے تصرّفات کا ثبوت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر اصحاب القبور کے تصرّفات سے مراد ان کی دعا، توجہات اور فیوضات ہوں تو پھر تو ان کا یہ تصرّف موجود اور صحیح ہے ورنہ تصرف اصطلاحی تسلط غیبی ثابت نہیں بلکہ یہ شرک کی ایک قسم ہے۔

کما قال شاہ ولی اللہؒ: درآنجا بوجہ اَتم قدم زدہ است حضرت شیخ محی الدین عبد القادر جیلانیؒ گفتہ اند کہ درایشاں درقبر خود مثل احیا تصرّف میکنند۔

(ہمعات ص۶۱)

لما قال محمد بن سلیمان الرصاویؒ: معنی البیت ان کرامات الاولیاء حال کونہم فی الدنیا لہا وجود وثبوت وقوع ای حال حیاتہم وکذا بعد الموت بمعنی اکرامہ فی قبرہ اوحال حضرت فیہ وتوسیعہ لا بمعنیٰ تفرقة فی العالم کما یعتقد جہلة العوام۔

(نخبة اللالی شرح بدأ الامالی ص۴۳) لہ۲

بعد الوفات اولیاء اللہ کے تصرفات کا حکم

سوال:۔ کیا بعد الوفات اولیاء اللہ کا تصرف ثابت ہے یا نہیں؟

لہ قال شاہ ولی اللہؒ: (اجمالاً) وللنقشبندیة تصرفات عجیبة من جمع الہمة علیٰ مراد فیکون علیٰ وفق الہمة۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۱۱۱ چھٹی فصل، تصرفاتِ نقشبندیہ)

وَمِثْلُہٗ فی قطب الارشاد ص۶۰۵ ف: للنقشبندیة۔

لہ۲ قال شاہ ولی اللہؒ: وذٰلك لان شیخ عبد القادرؒ لہٗ شعبة من السریان فی العالم وذٰلك انہٗ لما مات صار بہیئة الملاء الاعلیٰ وتطیع فیہ الوجود ساری فی العالم کلہ۔

(تفہیمات الالٰہیة ج۱ ص۱۱ تفہیم ۳۴)

وَمِثْلُہٗ فی امداد الفتاویٰ ج۵ ص۱ کتاب السلوک۔

الجواب :- اولیاء اللہ کے تصرف بعد الوفات سے مراد اگر تسلط غیبی و غائبانہ ندا ہو تو یہ صریح شرک ہے اور اگر اس سے مراد کوئی کرامت ہو تو بعد الوفات بھی اولیاء اللہ کی کرامات کے اثرات سے انکار بے معنیٰ ہے ۔

کما قال محمد بن سلیمان الحلبی الرصاویؒ : تحت قول الماتن ، کرامات الولی بدار دنیا لھا کون فھم اھل النوال ۔ وحاصل معنیٰ البیت ان کرامات الاولیاء حال کونھم فی الدنیا لھا وجود وثبوت وقوع ای حال حیاتھم وکذا بعد الموت بمعنیٰ الکرامہ فی قبرہ وحال حضرۃ فیہ وتوسیعۃ لا بمعنیٰ تفرقۃ فی العالم کما یعتقدہٗ جھلۃ العوام ۔
(نخبۃ اللآلی شرح بدء الامالی ص۴۳)[1]

کرامات اولیاء بعد الموت کا حکم

سوال :- بعض لوگ کرامات اولیاء بعد الموت کو شرک کہتے ہیں، کیا واقعی اولیاء اللہ کے لیے کرامات بعد الموت ثابت ہے یا نہیں ؟

الجواب :- کرامات اولیاء بعد الموت اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں محقق اور ثابت شدہ ہیں اور ان کا فعلاً ثبوت بھی پایا گیا ہے ۔

لما قال محمد بن سلیمان الرصاویؒ : وحاصل معنیٰ البیت ان کرامات الاولیاء حال کونھم فی الدنیا لھا وجود وثبوت وقوع ای حال حیاتھم وکذا بعد الموت بمعنیٰ اکرامہ فی قبرہ ۔ (نخبۃ اللآلی شرح بدء الامالی ص۴۳)[2]

---

[1] قال العلامۃ عبد الغنی النابلسی رحمہ اللہ : (کرامات) ..... (الاولیاء) الاحیاء والاموات اذ الولی لا ینعزل عن ولایتہ بالموت ۔الخ
(الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ ج ۱ ص۲۹۲)
وَمِثْلُہٗ فی روح المعانی ج ۲۸ ص۱۰۸

[2] قال العلامۃ عبد الغنی النابلسی رحمہ اللہ : (وکرامات الاولیاء) الاحیاء والاموات اذ الولی لا ینعزل عن ولایتہ بالموت کالنبی لا ینعزل عن نبوتہ بالموت ۔
(الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ ج ۱ ص۲۹۲)
وَمِثْلُہٗ فی روح المعانی ج ۲۸ ص۱۰۸

اولیاء اللہ کا مریدین کی مدد کرنے کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ یا مرشد نے مصیبت کے وقت اپنے فلاں مرید کی غائبانہ مدد کی، شریعت مقدسہ میں ایسے عقیدہ کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس قسم کے بعض واقعات کا جزوی طور پر رونما ہونا ثابت ہے جیسا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ فضائل درود ص۱۱۳ میں ذکر فرماتے ہیں، مگر اس کو عوامی عقیدہ نہیں بنانا چاہیئے کیونکہ اس سے علمِ غیب کلی کا عقیدہ پیدا ہوجاتا ہے جو مفضی الی الشرک ہے۔

کما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: لوتزوج بشہادۃ اللہ ورسولہ لاینعقد ویکفر للاعتقاد ان النبی یعلم الغیب۔ (البحرالرائق ج۳ ص۸۸ کتاب النکاح) [1]

کشف القبور کے علم کا حکم

سوال:۔ کشف القبور کیسا علم ہے، کیا قبروں کے اندرونی احوال کا کسی کو کشف ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر ہوسکتا ہے تو یہ علم سیکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ نیز یہ بھی فرمائیے کہ کشفِ قبور علمِ غیب میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کبھی کبھی قبور کا کشف انسان کو ہوجاتا ہے، یہ کوئی باقاعدہ علم نہیں بلکہ غیراختیاری کیفیت ہوتی ہے اسی وجہ سے اس میں تعلیم وتعلم جاری نہیں ہوسکتا، اس کو علمِ غیب بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ کشف سے تعلق رکھتا ہے اور کشفِ ظن کا فائدہ دیتا ہے علمِ جازم کا نہیں، مشائخ کی کتابوں میں اس کا باقاعدہ تذکرہ موجود ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی قبور کا کشف ہوا تھا جیسا کہ مشکوٰۃ میں باب عذاب القبر، فصل اول میں نقل کیا گیا ہے اسی کے تحت ملا علی قاریؒ مرقاۃ میں لکھتے ہیں:۔

وھٰذا الحدیث مثل قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لوعلمتم ما اعلم لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا۔ وفیہ ان الکشف بحسب الطاقۃ

---

[1] قال العلامۃ قاضی خانؒ: لوتزوج بشہادۃ اللہ ورسولہ لاینعقد ویکفر للاعتقاد ان النبی یعلم الغیب۔ (فتاویٰ قاضی خان ج۳ ص۵۷۶ کتاب النکاح باب الشہادۃ) ومثلہٗ فی مجمع الانہر ج۱ ص۳۲۲ کتاب النکاح۔

ومن كوشف بمالا يسعه يطيح ويهلك۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۱ ص۳۲۶ کتاب الایمان)[1]

دوزخ کے لیے فنا کا حکم

سوال: بعض صوفیاء واہلِ کشف کہتے ہیں کہ دوزخ آخر میں فنا ہو جائے گی، کیا واقعی یہ صحیح ہے؟

الجواب: کشف کا معاملہ تو اہلِ کشف ہی بہتر سمجھتے ہیں مگر ظاہری نصوص سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ کو فنا نہیں بلکہ کفار کی تعذیب کے لیے ہمیشہ کیلئے رہے گی۔

كما قال العلامة عبد العزيز پرهارویؒ: ذهب شرذمة قليلةٌ مّن المسلمين الى ان دهم بعض الكشف (ثم قال بعد الكلام الطويل) وعليك بالكف عن طعنه۔ (نبراس ص۳۶۱)[2]

صفتِ جلالی وجمالی کا فرق

سوال: صفتِ جلالی اور جمالی کیا ہوتی ہے؟ اور ان کے مراقبہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب: علماء صوفیاء نے صفتِ جلالی اور جمالی کی مختلف تعریفات کی ہیں، بعض کہتے ہیں کہ جن صفات میں قہر وغضب ہو وہ صفات جلالی ہوتی ہیں اور جن صفات میں نرمی وشفقت کا ذکر ہو ان کو جمال کہتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ صفاتِ باطن کو جلالی اور باطن کو جلال کہتے ہیں اور ان صفات سے اخذِ فیض کو مراقبۂ جمال وجلال کہتے ہیں۔

كما قال قاضی محمد علی تھانویؒ: ودر کشف اللغات میگوید ونیز صفات باطن حق تعالیٰ را جلال گویند وظاہر را جلال۔ (کشاف اصطلاحات الفنون جلد ۱ ص۲۴۴)[3]

---

[1] قال العلامة الشكارپوریؒ: وقالوا اذا دخل المقبرة قرأ بسورة انا فتحنا فى ركعتين ثم يجلس مستقبل الميت الخ۔ (قطب الارشاد ص۵۵۵ الشغل العاشر)
وَمِثْلُهٗ فى شفاء العليل ترجمه القول الجميل ص۸۵ پانچویں فصل کشف القبور۔

[2] قال العلامة ثناء الله پانی پتیؒ: وبه قال من الصوفية محى الدين ابن العربى رحمه الله لكن هذا قول مردود۔ (تفسیر مظہری ج۵ ص۱۱۷)

[3] قال العلامة آلوسیؒ: والصفات اما جمالية اوجلالية وللاولى السبق كما يشير اليه حديث سبقت رحمتى غضبى (روح المعانی ج۱ ص۵۱ مبحث فی لفظ الاسم)
وَمِثْلُهٗ فى تفهيمات الالهية ج۲ ص۲۲۲

کائنات سے اللہ تعالیٰ کی معیت کی حقیقت

سوال :۔ اللہ تعالیٰ کی معیت کائنات کے ساتھ کس طرح ماننا صحیح ہے؟ معیت ذاتی صحیح ہے یا معیت علمی؟

الجواب :۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کائنات کے ساتھ معیت ذاتی وعلمی ماننے میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ معیت علمی سے خود معیت ذاتی متحقق ہوجاتی ہے۔

کما قال ارشاد اللہ قاضی مبارک رحمہ اللہ : فالموجودات باثرها من حيث الوجود الرابطی معلومة وصور العلمية له تعالیٰ فعلمه تعالیٰ الاجمالی تلك الاشياء نفسه ذاته تعالیٰ۔ (قاضی شرح السلم ص ۱۵) [۱]

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کا مسئلہ

سوال :۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے مسائل شریعت سے متصادم ہیں یا نہیں اور ان دونوں میں کون سا صحیح ہے؟ بعض لوگ شرک کہتے ہیں۔

الجواب :۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود دونوں کشفی مسائل ہیں، قلم اور فتوی سے ان کا اظہار مشکل ہے لیکن تحقیق کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اور ان مسائل میں کوئی تصادم نہیں اور اقرب الصواب شہود معلوم ہوتا ہے۔ عندالشہودیۃ الصوفیہ۔

کما قال مجدد الف ثانیؒ : توحید دو قسم ہست شہودی و وجودی وآنچہ لابدست توحید شہودی ہست کہ فنا بان مربوط ہست وتوحید شہودی باعقل وشرع مخالفت ندارد بخلاف وجودی۔

(مکتوبات مجدد الف ثانی جلد ا ص ۱۱۱ مکتوب نمبر ۴۳ دفتر اول) [۲]

---

[۱] قال شاہ اسمٰعیل شہیدؒ : ومنهم من تفطن بعلاقیه القيومته بينه (ای اللاھوت) و (ای الكثرات) علی نحو الابلاغ اكمل تفطن۔ (العبقات ص ۲۰)

وَمِثْلُهٗ فی المكتوبات شاہ غلام علی دھلویؒ ص ۵۱ مکتوب ۶۸)

[۲] قال العلامة قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ : وعلیٰ هٰذا التاويل هٰذه الاٰية تدل علی التوحيد الشهودی كما قال به المجدد رضی اللہ عنه دون التوحيد الوجودی۔

(التفسير المظهری ج ۱ ص ۱۱۹ سورۃ البقرۃ)

وَمِثْلُهٗ فی مكاتيب شريفه شاہ غلام علی دھلویؒ ص ۲۲ مکتوب ـــــ ۔

اصطلاح حقیقت المحمدی

سوال :۔ بعض صوفیاء حقیقتِ محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، اس اصطلاح کا استعمال شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ حقیقتِ محمدی علیہ السلام جس کو یقین ثانی اور مرتبہ واحدیت بھی کہتے ہیں یہ سب کشفی امور ہیں اور شریعت سے متصادم نہیں بلکہ امت کے اکابر اولیاء اللہ نے اس مقام کا ادراک کیا ہے اور اس پر گفتگو کی ہے ۔

کما قال مجدد الف ثانیؒ: درجواب گوئم کہ حقیقتِ محمدی نہایت مقامات نزول محمد علیہ السلام است از اوج تنزیہ وتقدیس وحقیقت کعبہ نہایت مقامات عروج کعبہ است ۔ (مکتوبات مجدد الف ثانیؒ جلد اص ۳۳۴ مکتوب ع ۲۰۹ م) [1]

استاد اور پیر کے حقوق کا حکم

سوال :۔ ایک شخص کا استاذ بھی ہے اور مرشد بھی موجود ہے تو اس پر پیر کا حق زیادہ ہے یا استاد کا؟

الجواب :۔ مرشد اور استاذ دونوں علم وعمل اور رشد و ہدایت کے ذرائع ہیں اس لیے دونوں کا حق برابر ہے، لہٰذا اگر پیر اور استاذ میں اختلاف ہو جائے کہ آدمی ان کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرے اور اگر مجبور ہو جائے تو پھر حق کی اتباع کرے تاہم بعض اکابرین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کا درجہ استاذ پر مقدم ہے ۔

کما قال مجدد الف ثانیؒ: منہا شرافت علم باندازہ شرف ورتبہ معلوم است ۔ معلوم ہر چند شریف تر علم آں عالی تر پس علم باطن کہ صوفیاء بآں تمازند اشرف باشد از علم ظاہر کہ نصیب علمائے ظواہر است بر قیاس شرافت علم ظاہر بر علم حجامت وحیاکت پس رعایت آداب پیر کہ علم باطن لاہ از واحد کنند باضعاف زیادۃ باشد از رعایت

---

[1] قال العلامۃ فقیر اللہ جلال آبادیؒ: وثانیًا ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم سمّی باسمین محمد ولایۃ هٰذا الاسم ناشیۃ عن الاسم الالٰهی الذی یناسب تربیۃ هٰذا العالم السفلی وسمّی بالحقیقۃ المحمدیۃ ۔ (قطب الارشاد ص ۵۹۳ حقیقۃ الکعبۃ فوق حقیقۃ المحمدیۃ)

وَمِثْلُہٗ فی روح المعانی ج ۱ ص ۱۵ سورۃ البقرۃ ۔

آداب استاذ کہ علم ظاہر از استفادہ نمایند وہ عنچین رعایت آداب است از علم ظاہر باضعاف زیارہ است از رعایت آداب استاذ حجام رحالک۔ (ابتداء و معاد ص ۱۱۶)

خواب میں خلاف شریعت حکم دیکھنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے خلاف شریعت کام کا حکم فرما رہے ہیں تو اس پر عمل کیا جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ صورت مذکورہ میں اگر ارشاد مبارک شریعت کے صریح مخالف ہو تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا اور اگر شریعت کے مخالف نہ ہو تو اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

لما قال مجدد الف ثانیؒ: ازیں قبیل است کہ بعضی در منامات حضرت پیغمبر علیہ السلام را می بینند و بعضی احکام را اخذ می کنند کہ فی الحقیقۃ خلاف ان احکام متحقق است دریں صورت القائے شیطانی متصور نیست کہ مختار علماء عدم تمثل شیطانی است بصورت خیر البشر علیہ الصلوٰۃ والسلام بہر صورتیکہ باشد پس دریں صورت نیست الا التصرف متخیلہ کہ غیر واقع دانا پندہ است۔
(مکتوبات امام ربانی جلد ۱ ص ۲۱۵ مکتوب ع ۱۰۷) [1]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں قربانی کرنے کا حکم دینا

سوال:۔ ایک عورت غریب ہے لیکن ذاکرہ اور شاغلہ ہے، اس کا کہنا ہے کہ مجھے مراقبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوتی ہے، آپؐ نے مجھے مراقبہ میں قربانی کا حکم فرمایا ہے، دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس عورت پر اب قربانی واجب ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خواب اور مراقبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ممکن ہے اور جو حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں اگر وہ خلافِ شریعت حکم ہو تو اس پر عمل نہیں کیا جائے گا اور موافقِ شریعت ہو تو اس پر عمل کرنا مناسب ہے کیونکہ یہ کشف کے مترادف ہے۔ لہٰذا اگر یہ عورت اختیاری طور پر قربانی کرے تو اچھی بات ہے ورنہ اس پر قربانی واجب

---

[1] قال العلامۃ ملا علی القاری رحمہ اللہ: ولذا لم یعتبر احد من الفقہاء جواز العمل فی الفروع الفقہیۃ بما یظہر للصوفیۃ من الامور الکشفیۃ او حالات المنامیۃ۔ (مرقاۃ ج ۹ ص ۳۵۸ کتاب الفتن)

نہیں ہے۔

کما قال ملا علی قاریؒ : ولذا لم یعتبر احد من الفقہاء جواز العمل فی الفروع الفقیہ بما یظہر للصوفیۃ من الامور الکشفیۃ او من حالات المنامیۃ۔
(مرقاۃ ج ۹ ص ۳۵۸ کتاب الفتن)[1]

کشف پر عمل کرنے کا حکم

سوال:۔ کشف کی کتنی قسمیں ہیں، نیز کشف پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کشف کی دو قسمیں ہیں: (۱) مخالف الشریعۃ (۲) اور موافق الشریعۃ۔ پس موافق الشریعۃ کشف پر تو صاحب کشف عمل کر سکتا ہے اور مخالف الشریعۃ کشف مردود ہے اور اس پر عمل نہیں کیا جائے گا تاہم کسی غیر صاحب کشف کے لیے کشف دلیل نہیں بن سکتا۔

کما قال ملا علی قاریؒ : ولذا لم یعتبر احد من الفقہاء جواز العمل فی الفروع الفقیہ بما یظہر للصوفیۃ من الامور الکشفیۃ او من حالات المنامیۃ۔
(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۹ ص ۳۵۸ کتاب الفتن)[2]

تصورِ شیخ کا حکم

سوال:۔ سلسلۂ تصوف میں پہلا سبق تصورِ شیخ کا ہوتا ہے جبکہ بظاہر یہ خلافِ شریعت معلوم ہوتا ہے، تو کیا تصورِ شیخ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سلسلۂ تصوف میں تصورِ شیخ جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ اسے بطور علاج و دوا کے اختیار کیا جائے نہ کہ بطور ثواب کے، اس لیے کہ اس سے ذاکر کی فکر مجتمع ہو جاتی ہے اور تصورِ شیخ کے نتیجہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت

---

[1] قال مجدد الف ثانیؒ: الہام مثبت حل وحرمت نہ بود وکشف ارباب باطن اثبات فرض وسنت نماید۔ (مکتوباتِ امام ربانی ج ۲ ص ۱۵۶، ۱۵۵ مکتوب ۵۵)

[2] قال مجدد الف ثانیؒ: الہام مثبت حل وحرمت نہ بود وکشف ارباب باطن اثبات فرض وسنت نماید ارباب ولایت خاصہ یا عامہ در تقلید مجتہدان برابر اند کشوف والہامات ایشاں را مزیت نمی بخشند۔ (مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۱۵۶، ۱۵۵ مکتوب ۵۵)

دل میں بیٹھ جاتی ہے جو تعلق مع اللہ کے بنیادی عوامل میں سے ہے۔

لما قال شاہ ولی اللہؒ: قالوا والرکن الاعظم ربطہ القلب بالشیخ علی وصف المحبۃ والتعظیم وملاحظۃ صورتہ۔ (شفاء العلیل ترجمہ القول الجمیل ص۸۰ پانچویں فصل)[۱]

اولیاء اللہ کا اپنے مریدوں کی امداد کرنا

سوال:۔ بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اولیاء کرام اپنے مریدوں کی مشکل وقت میں امداد کرتے ہیں اور عالم میں تصرف کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر ان لوگوں کا تصرفِ شیخ سے مراد صوفیاء کرام کا اصطلاحی تصرف ہے تو یہ درست ہے کیونکہ اس قسم کا تصرف اصل میں غائبانہ دُعا ہوتی ہے اور اگر تصرف سے مراد تسلطِ غیبی ہے تو اس کے لیے علمِ غیب کُلی کی ضرورت ہوگی اور یہ عقیدہ رکھنا شرک ہے۔

قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: لو تزوج بشہادۃ اللہ ورسولہ لا ینعقد ویکفر للاعتقاد ان النبی یعلم الغیب۔ (البحر الرائق ج۳ ص۸۸ کتاب النکاح)[۲]

شیخ کا مریدین کو بعض حلال چیزوں کے استعمال سے منع کرنا

سوال: جناب مفتی صاحب! بعض شیوخ (پیر) اپنے مریدین کو بعض ایسی چیزوں کے استعمال سے منع کرتے ہیں جو کہ شرعاً حلال ہوتی ہیں، تو کیا ان حضرات کا یہ عمل درست ہے؟ اور مریدین کے لیے ایسے حکم کی تعمیل ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شیخ اپنے مرید کی اصلاحِ نفس کے لیے اس کے مزاج کے موافق جو چاہے تربیت کا حکم دیتا ہے مگر یہ حکم علاجاً ہوتا ہے شرعاً نہیں اس لیے بلا اعتقادِ حرام کے حلال

---

[۱] قال العلامۃ التشکارپوریؒ: واذا غاب الشیخ عنہ یخیل صورتہ فی خیالہ بوصف المحبۃ والتعظیم فانہ یفید فائدۃ صحبتہ۔ (قطب الارشاد ص۵۵۸ الشغل العاشر)
وَمِثلُہٗ فی الکتاب البھجۃ السنیۃ فی آداب الطریقۃ العالیۃ النقشبندیۃ ص۴۲

[۲] قال العلامۃ قاضی خانؒ: رجل تزوج امراۃ بغیر شھود فقال الرجل والمراۃ خدا اور پیغامبر را گواہ کردیم قالوا یکون کفرا لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب۔ (فتاویٰ قاضی خان علی ھامش الھندیۃ ج۳ ص۵۷۶ باب مایکون کفرا من المسلم)

حلال چیز بن مریدین کیلئے استعمال نہ کرنا درست ہے اس حکم کی تعمیل میں کوئی گناہ نہیں بلکہ مرید کے لیے اپنے شیخ کے اس حکم کی بطورِ علاج تعمیل کرنا ضروری ہے، جیسے طبیب حاذق بعض اوقات مریض کی حالت دیکھ کر کسی حلال چیز کا کھانا اس پر بند کر دیتا ہے جس کے کھانے کو اس کی طبیعت زیادہ متمنی ہوتی ہے، یہی حالت کسی شیخ کے ایسے حکم کی ہوتی ہے۔

حلاوتِ ذکر کا مسئلہ

سوال:۔ ایک مسئلہ قابلِ پُرسش ہے وہ یہ کہ ذکر میں حلاوت حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے، مجھے ذکر کی حلاوت کیسے حاصل ہوسکتی ہے؟

الجواب:۔ ذکر اللہ میں حلاوت حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ فضیلتِ ذکر میں وارد آیات و احادیث کو سامنے مستحضر رکھ کر ذکر کیا جائے تو ان شاء اللہ حلاوت حاصل ہوگی۔

ترقی نہ ہونے کی صورت میں شیخ کی تبدیلی کا مسئلہ

سوال:۔ حضرت مفتی صاحب! بندہ ایک پیر صاحب سے بیعت ہے، کئی سال ہو چکے ہیں لیکن کوئی ترقی نہیں ہوئی، فیض نہیں پہنچتا، باوجود اس کے کہ میں اپنے شیخ سے از حد محبت کرتا ہوں اور ان کے ساتھ عقیدت بھی بہت ہے، ان کی ہدایات پر عمل بھی کرتا ہوں۔ تو کیا میں روحانی ترقی اور فیضِ شیخ کے لیے اپنے شیخ کو چھوڑ کر کسی دُوسرے شیخ سے بیعت کر سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر واقعی آپ کو اپنے شیخ سے عقیدت اور کمال محبت ہے اور ان کی ہدایات پر عمل کرنے کے باوجود آپ کو روحانی ترقی اور فیض نصیب نہیں ہوا تو مناسب یہ ہے کہ شیخ خود آپ کو کسی دوسرے اللہ والے سے بیعت کا مشورہ دے ورنہ بصورتِ دیگر آپ خود بھی ان کو چھوڑ کر کسی متبع شریعت شیخ سے بیعت ہوسکتے ہیں، شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامۃ اشرف علی التھانویؒ: دُوسرے شیخ سے رجوع اُس وقت کرے جب ایک معتد بہ مدت کے بعد بھی اپنے اندر اصلاح محسوس نہ کرے، اور اصلاح کے یہ معنی ہیں کہ دواعی معاصی کے مضمحل ہو جائے، لیکن شرط یہ ہے کہ شیخ اوّل کی مجوزہ تدابیر پر پوری طرح عمل کر چکا ہو اور پھر بھی کامیابی نہ ہوئی ہو ورنہ وہ تو اس طرح کا مصداق ہو جائے گا کہ نسخہ تو پیا نہیں اور حکیم صاحب کی شکایت کہ ان کے علاج سے نفع نہیں ہوا۔

(انفاسِ عیسیٰ ص ۲۹ حصہ اوّل)

مجاز ہونے کے لیے بیعتِ شیخ ضروری نہیں

سوال :- اگر ایک متبع شریعت شیخ کسی دیندار شخص کو بیعت لینے کی اجازت دے مگر یہ شخص اس شیخ سے بیعت نہیں، تو کیا اس شیخ کا اس شخص کو اجازتِ بیعت دینا صحیح ہے اور وہ شخص دوسروں سے بیعت لے سکتا ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ کسی شیخ کا مجاز ہونے کے لیے اس سے بیعت ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب :- اگرچہ عموماً کوئی مُرشد اس شخص کو بیعت لینے کی اجازت دیتا ہے جو خود اس سے بیعت ہو، لیکن اگر کبھی کسی دیندار اور صالح شخص کو اجازتِ بیعت دیدے تو یہ اجازت صحیح ہے اور یہ شخص دوسروں سے بیعت لے سکتا ہے۔

ہمارے اکابرین میں سے حضرت تھانویؒ نے حضرت عبدالرحمٰن کاملپوریؒ کو بغیر بیعت کے مجاز فرمایا تھا، جب آپ کو حضرت تھانویؒ کا اجازت نامہ ملا تو تھانہ بھون جا کر حضرت تھانویؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں تو آپ سے بیعت بھی نہیں ہوا ہوں پھر یہ اجازت نامہ کیسے؟ تو اس پر حضرت تھانویؒ نے فرمایا اگر اجازت کے لیے بیعت شرط ہو تو آئیے اب بیعت کر لیتا ہوں۔ (ماخوذ از ملفوظات فقیہ الامت جلد ۲ صـ۵۳ حصہ ۱۰)

مسجد کی فضیلت خانقاہ پر

سوال :- ایک مسجد کے قریب ہی خانقاہ بھی آباد ہے، پیر صاحب اور ان کے مُریدین مسجد کی بجائے خانقاہ ہی میں نماز پڑھتے ہیں اور ان کا یہ عقیدہ ہے کہ بہ نسبت مسجد کے خانقاہ میں نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ کیا شرعاً ان کا یہ عمل درست ہے یا نہیں؟ اور کیا واقعی مسجد کی بجائے خانقاہ میں نماز پڑھنا زیادہ افضل ہے؟

الجواب :- مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت احادیثِ مبارکہ میں کثرت سے وارد ہے خانقاہ کے بارے میں اس قسم کی کوئی فضیلت وارد نہیں ہوئی اور نہ ہی خانقاہ مسجد کے حکم میں ہے اگرچہ وہاں اصلاح و تزکیۂ نفس کا سلسلہ جاری رہتا ہے مگر نماز مسجد ہی میں پڑھنا افضل ہے خانقاہ میں نہیں۔ اس لیے ان حضرات کا یہ اعتقاد فاسد ہے شریعتِ مطہرہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ الرجل فی الجماعۃ تضعف علیٰ صلوٰتہ فی بیتہ وفی سوقہ خمساً وعشرین ضعفاً

وذٰلك انه اذا توضأ فاحسن الوضوء ثم خرج الى المسجد لا يخرجه الّا الصلوٰة لم يخط خطوة الّا رفعت له بها درجة وحط عنه بها خطيئة الخ۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۶۸ باب المساجد، الفصل الاول)[1]

کیا کسی شیخ سے بیعت ہونا ضروری ہے

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہمارا ایک دوست کسی پیر صاحب سے بیعت ہو چکا ہے اور وہ ہمیں بھی ہر وقت اس بات کی تلقین کرتا رہتا ہے کہ آپ لوگ بھی کسی پیر سے بیعت ہو جائیں۔ اور اسے اپنا پیر بنالیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا کسی پیر کی بیعت کرنا شریعت میں ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ انسان کا ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن، ظاہر کی درستگی اور اس کے متعلق احکامِ شرعیہ کی تعبیر و تشریح جاننے کے لیے جس طرح ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا اور ان کی راہنمائی میں اپنی عبادات کو درست کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح باطن کی اصلاح اور اس سے متعلق دیگر امور کی درستگی کے لیے کسی متبع شریعت شیخ یا پیر کی بیعت کرنا درست ہے اس میں کوئی قباحت نہیں، لیکن یہ یاد رہے کہ یہ بیعت کوئی شرعی ضرورت نہیں بلکہ علاجاً ہے۔

لما فی امداد السلوک: پس اگر سالک عالم ہوگا تو وہ خود ہی ضروریاتِ دین سے آگاہ ہوگا ورنہ ایسا شیخ ڈھونڈنا چاہیئے جو اس کو اول توحید درست کرنے والے عقائد اور فقہی مسائل کی تعلیم کرے اور اس کے بعد مجاہدہ اور زہد و تقویٰ کا راستہ دکھائے۔ مثل مشہور ہے کہ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔ سو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ جس کا کوئی راہنما نہ ہو یعنی نہ ذاتی علم رکھتا ہو کہ خود راستہ دیکھ سکے اور نہ مرشدِ کامل کی صحبت نصیب ہو کہ وہ راہِ حق دکھادے تو ایسے شخص کو شیطان گمراہ بنا دیتا ہے۔ (امداد السلوک ص۵۶ شیخ کی ضرورت)

کسی نیک آدمی سے دُعا کی درخواست کرنا

سوال:۔ اکثر یہ دیکھنے میں آتا رہتا ہے کہ بزرگانِ دین جب ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں تو ایک دوسرے کو کہتے ہیں کہ ہمیں اپنی دعاؤں میں نہ بھولنا یا یہ کہ ہمارے حق

---

[1] لما قال العلامة ابن عابدینؒ: وان صلّٰی فی مسجد حیه منفرداً فحسن ---- لقوله صلی اللّٰہ علیه وسلم لاصلوٰة لجار المسجد الا فی المسجد۔ (رد المحتار ج۱ ص۵۵۵ باب الامامة)

میں دعا فرمائیں، تو کیا شرعاً دوسروں سے دعاء کی التجاء (درخواست) کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اپنے لیے خود دعا کرنا یا دوسروں سے دعا کی درخواست کرنا شرعاً درست ہے، خود جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ سے دعا کے لیے فرمایا کرتے تھے۔ اس میں شرعاً کوئی اشکال و قباحت نہیں اور نہ یہ اصولِ اسلام کے منافی ہے۔

لما قال شیخ الاسلام مولانا السید حسین احمد المدنیؒ: بہرحال جس قدر ہو انسانوں اور بالخصوص مسلمانوں کی اصلاح اور ہدایت میں بلاطمع کوشاں رہیں، دعواتِ صالحہ سے فراموش نہ فرمائیں، واقفین پُرسانِ حال سے سلام مسنون عرض کر دیں۔ (مکتوباتِ شیخ الاسلام ج۲ ص۳۰۸ مکتوب ۶۶)

پیر کے نام کا وظیفہ کرنا

سوال:۔ بعض لوگ پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ یا معین الدین اجمیریؒ کے نام کا وظیفہ کرتے ہیں، تو کیا کسی پیر یا بزرگ کے نام کا وظیفہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ورد اور وظیفہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ کافی ہیں، کسی پیر فقیر کے نام کو بطور وظیفہ لینا اور اس کو وظیفہ بنانا شرعاً جائز نہیں، اس لیے صورتِ مسئولہ کے مطابق ایسے وظائف سے اجتناب ضروری ہے۔

لما قال العلامۃ مفتی محمود حسن گنگوہیؒ: وظیفہ کے طور پر پیر صاحب کا نام لینا جائز نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ج۵ ص۹۱ باب السلوک)

اعمالِ صالحہ میں دل نہ لگنے کا علاج

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آج کل میرے ساتھ ایک عجیب معاملہ ہو رہا ہے وہ یہ کہ پہلے میں صوم وصلوٰۃ کا بہت پابند تھا، ہر نماز مسجد میں باجماعت پڑھتا تھا، مگر اب ہفتہ دو ہفتہ سے اچانک نماز میں رغبت کم ہونا شروع ہو گئی ہے، جماعت کے ساتھ تو بہت کم نمازیں نصیب ہوتی ہیں، تو اس کیفیت کا کیا سبب اور علاج ہو سکتا ہے؟

الجواب:۔ اس قسم کا ایک سوال حضرت گنگوہیؒ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپؒ نے فرمایا کہ "اعمال میں رغبت کی کمی کے تین اسباب ہیں (۱) ناجنس کی صحبت، (۲) ناموافق غذا، (۳) معصیت کا صدور۔" اس لیے آپ بھی اپنے اوپر نگاہ ڈالیں کہ ان تینوں میں سے کونسا سبب آپ میں پایا جاتا ہے اس کو ترک کر دیں ان شاء اللہ اعمال میں رغبت پیدا ہو جائے گی۔

تصوّرِ فنافی الشیخ کی شرعی حیثیت

سوال:۔ اہلِ تصوّف کے ہاں ایک مسلّمہ قاعدہ ہے کہ کوئی سالک اُس وقت تک ترقی نہیں کرسکتا جب تک کہ اس کو فنا فی الشیخ کا درجہ حاصل نہ ہو، تو گویا تصوّف میں فناء فی الشیخ کو ترقی کا بنیادی درجہ حاصل ہے، اس کی شرعاً کیا حیثیت ہے؟

الجواب:۔ متصوّفین کا یہ مسلّمہ قاعدہ کہ فناء فی الشیخ کو ترقی درجات کے لیے بنیادی حیثیت حاصل ہے صحیح اور درست ہے، صلحاء اُمت نے اس کو جائز کہا ہے اور فرمایا ہے کہ بدون اس کے کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔

لما قال شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ: الغرض فناء فی الشیخ ہونا سلوک میں ضروری اور اقوی ذریعۂ کامیابی ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے یہ الفاظ اور اس قسم کے دیگر جملے اسی فنائیت فی الشیخ کے مظاہر ہیں جو کہ حضرت شیخ الہندؒ کے سلوک میں کمال کو بتلاتے ہیں۔ (مکتوباتِ شیخ الاسلام ج ۳ ص۲۲۰ مکتوب ۸۸) [1]

آنکھیں بند کرکے ذکر کرنا

سوال:۔ جنابِ مفتی صاحب! ہمارے علاقے میں ایک پیر صاحب ہیں جو اپنے مریدین اور متعلقین کو حکم دیتے ہیں کہ آنکھیں بند کرکے ذکر کیا کرو، تو کیا ذکر کرنے کا طریقہ شرعاً یہی ہے یا آنکھیں کھول کر ذکر کرنا درست ہے؟

الجواب:۔ ذکرِ الٰہی ہر حال میں کرنا جائز ہے چاہے آنکھیں بند کرکے کیا جائے یا کھول کر، البتہ تصوّف میں شیخ کے سامنے عامی (جاہل) شخص کو آنکھیں بند کرکے ذکر کرنا چاہیے اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اپنے شیخ سے کوئی ایسا عمل سرزد ہوتے دیکھے جو بدظنی کا سبب بنے، اس لیے مذکورہ پیر صاحب کی بات علاجاً درست ہے۔

---

[1] لما قال العلامۃ رشید احمد گنگوھی رحمہ اللہ: سوال: فنا فی الشیخ اور فنا فی الرسولؐ کیا ہوتا ہے اور کہاں سے ثابت ہے اور اس کی نسبت صوفیاء کرام کیا فرماتے ہیں؟

جواب: یہ دونوں لفظ اصطلاح مشائخ کے ہیں اتباع کرنا اور محبت کا غلبہ لوجہ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے اس کی اصل شرع سے ثابت ہے، فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔ (الآیۃ)

(فتاویٰ رشیدیہ (تالیفاتِ رشیدیہ) ص۱۹۸ کتاب السلوک)

رضاء بالقضاء اور دُعا کرنا

سوال:۔ ایک اشکال کئی دنوں سے ذہن میں آرہا ہے کہ انسان پر مصائب و آلام کا آنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور یہی اللہ کا حکم ہے تو چاہیئے کہ وہ ان مصائب پر صبر کرے اور اللہ تعالےٰ کی قضاء پر رضامندی کا اظہار کرے مگر دوسری طرف یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی پہ کوئی مصیبت آتی ہے تو اس کے دفع کرنے کے لیے دُعائیں شروع کر دیتا ہے۔ تو کیا یہ دعائیں رضاء بالقضاء کے منافی تو نہیں؟

الجواب:۔ انسان پر مصائب و آلام کا آنا اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی کے امر و ارادہ سے ہے انسان کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ پر راضی رہے اور اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کو برداشت کرنا چاہیئے، چونکہ انسان بہت کمزور اور ضعیف ہے جس کی وجہ سے مصائب و آلام کے وقت اس کا فتنے میں مبتلاء ہونے کا اندیشہ رہتا ہے اس لیے شریعتِ مقدسہ نے اس کو دفع مصیبت کے لیے دعاء کی تعلیم دی ہے کہ دعا اس طرح کرے کہ اے اللہ! مصائب کا آنا بھی تیری رحمت ہے اور ان کا دور کرنا بھی تیری رحمت ہے، ہم چونکہ بہت ناتواں اور کمزور ہیں ان مصائب کو برداشت کرنے کی طاقت ہم میں نہیں اس لیے اپنے فضل و کرم سے ان مصائب کو ہم سے دور فرما۔ اس قسم کی دعائیں کرنا رضاء بالقضاء کے خلاف نہیں البتہ جن دعاؤں میں جزع و فزع اور شکوہ و شکایت ہو تو وہ رضاء بالقضاء کے منافی ہونے کی وجہ سے ممنوع ہیں۔

لما قال الشیخ مولانا اشرف علی تھانویؒ: دعاء کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اے اللہ ہم آپ کی اجازت سے وہ چیز مانگتے ہیں جو ہمارے علم میں مصلحت و خیر ہو اگر آپ کے علم میں بھی وہ خیر ہے تو عطا کر دیجئے ورنہ نہ دیجئے، ہم دونوں حال سے راضی ہیں مگر اس رضا کی علامت یہ ہے کہ قبول نہ ہونے سے شاکی اور تنگدل نہ ہو، دعا کرتا رہے دعا کرنا خلافِ رضا نہیں۔

(انفاسِ عیسیٰ حصہ اول، صـ۲۳۴ رضاء بالقضاء)

اشارۃً وکنایۃً غیبت کرنا

سوال:۔ اگر کوئی شخص کسی کے بارے میں دوسرے شخص کے سامنے طنز یہ انداز میں یہ کہے کہ ہاں میں اس کو اچھی طرح جانتا ہوں! جبکہ مخاطب اس غائب شخص کی تعریف کر رہا ہو، تو کیا ایسا جملہ کہنا غیبت کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے غیبت کی مختلف اقسام بیان فرمائی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی شخص کی تعریف سنکر طنزاً جواب میں یہ الفاظ کہے جائیں کہ ہاں میں اس کو اچھی طرح

جانتا ہوں کہ وہ کیسا ہے، اس لیے اس قسم کے الفاظ سے اجتناب کیا جائے، ہاں اگر ایسے کلمات طنزاً نہ ہوں تو پھر کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: بغمز العین والاشارة بالید وکل ما یفهم منه المقصود فهو داخل فی الغیبة وهو حرام۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۶ ص۴۰۹ کتاب الکراهیة)

پسِ پشت حقائق بیان کرنا بھی غیبت ہے

سوال:- ایک آدمی چند لوگوں کے سامنے کسی ساتھی کی غیبت کر رہا تھا کہ حاضرینِ مجلس میں سے کسی نے اس کو اس امر سے منع کیا تو اس نے جواباً کہا کہ میں تو حقائق بیان کر رہا ہوں یہ غیبت نہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کسی کے پسِ پشت اس کے متعلق واقعی اور حقیقی امور کو بیان کرنا غیبت میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب:- ہر وہ بات جو کسی کے پسِ پشت بیان کی جائے اور وہ اس کو بُری لگے تو وہ غیبت میں داخل ہے اگرچہ وہ بات سچی ہی کیوں نہ ہو، اور کسی کے بارے میں اس کی عدم موجودگی میں جھوٹی بات بیان کرنا بہتان ہے جو ایک الگ کبیرہ گناہ ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: الغیبة ان تصف اخاك حال کونه غائباً بوصف یکرهه اذا سمعه..... وعن ابی هریرةؓ قال قال علیه الصلوٰة والسلام أتدرون ما الغیبة؟ قالوا الله ورسوله اعلم، قال ذکرك اخاك بما یکره قیل افرأیت ان کان فی اخی ما اقول؟ قال ان کان فیه ما تقول اغتبته وان لم یکن فیه فقد بهته۔ (الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۶ ص۴۰۹ کتاب الکراهیة) [۱]

ربطِ قلب بالشیخ کی وضاحت

سوال:- جناب مفتی صاحب! اہلِ تصوّف کے ہاں "ربطِ قلب بالشیخ" کی اصطلاح مستعمل ہے، اس کا معنیٰ اور مطلب کیا ہے؟ مہربانی فرما کر اس اصطلاح کی وضاحت فرمائیں تاکہ دل

---

[۱] عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قیل یارسول الله ما الغیبة قال ذکرك اخاك بما یکره قال رأیت ان کان فیه ما اقول قال ان کان فیه ماتقول فقد اغتبته وان لم یکن فیه ماتقول فقد بهته۔ (الجامع الترمذی ج۲ ص۱۵ باب ماجاء فی الغیبة) ومثله فی العرف الشذی علی الترمذی ج۲ ص۱۵ باب ماجاء فی الغیبة۔

کو تسلی ہو سکے؟

الجواب:۔ متصوفین کے ہاں ربط قلب بالشیخ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دل کو شیخ کی طرف اس طرح متوجہ کریں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو فیضانِ رحمت شیخ (مرشد حقانی) کے قلب پر ہو رہا ہے وہ اس کی طرف بھی متوجہ ہو یعنی شیخ کی وجہ سے میرے دل پر بھی یہ فیضان نازل ہو جائے۔

قلندر اور مجذوب کا مطلب

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ہم اکثر یہ سنتے رہتے ہیں کہ اولیاء اللہ میں سے فلاں قلندر ہے، فلاں مجذوب ہے اور فلاں فلاں قلندروں کی جماعت سے ہے، اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ان دونوں اصطلاحات کا کیا مطلب ہے؟

الجواب:۔ صوفیاء کی اصطلاح میں وہ جماعت قلندر کہلاتی ہے جن کے اعمالِ قلبیہ یعنی ظاہری اعمال تو کم ہوتے ہیں مگر اعمالِ قلبیہ ان کے بہت زیادہ ہوتے ہیں اور اعمالِ قلبیہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ درست رکھا جائے، قلب کی نگہداشت کی جائے کہ وہ غیر حق کی طرف متوجہ نہ ہونے پاوے بلکہ اکثر اوقات قلب کو ذکر و شغل میں محفوظ رکھا جائے، نیز قلب میں کسی مسلمان کی طرف سے غل و حقد (کینہ و حسد) نہ ہو سب کے ساتھ خیر خواہی ہو، نیز حقوقِ وقت ادا کئے جائیں کہ کوئی وقت ذکر سے خالی نہ جاوے نیز غمی و خوشی کے حقوق ادا کیے جائیں، نعمت ملنے پر شکر ادا ہوتا رہے، حزن و غم میں دل خدا تعالیٰ سے راضی رہے، اس کے علاوہ اور بہت سے اعمالِ قلبیہ ہیں۔ (شریعت و طریقت ص ۳۴۲)

قصہ مختصر قلندر وہ شخص ہوتا ہے جو ظاہری اعمال کی بجائے اعمالِ قلبیہ پر زیادہ توجہ دے۔

اور مجذوب وہ ہوتا ہے کہ جس کی عقل کسی وارد غیبی کے غلبہ سے زائل ہو جائے مگر کبھی کبھی احوال و واردات کے غلبہ سے اختلاط میں بھی تغیر ہو جاتا ہے اس لیے علت سے تو اس کی پہچان مشکل ہے (البتہ) مجذوب کے پاس بیٹھ کر قلب کو آخرت کی طرف کشش ہوتی ہے، علامت (اس کی) یہ ہے کہ اس زمانہ کے اہل بصیرت اس شخص پر نکیر نہ کرتے ہوں۔ (شریعت و طریقت ص ۳۴۳)

الصُّوفی لامذہب لہٗ کی وضاحت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! الصوفی لامذہب لہٗ کا کیا مطلب ہے؟ بظاہر تو اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صوفی غیر متقلد اور لا مذہب ہوتا ہے، حالانکہ بہت سارے صوفیاءِ کرام شافعی المسلک ہوتے ہیں اور بہت سارے حنبلی، مالکی اور حنفی ہوتے ہیں؟

الجواب:۔ حکیم الامت حضرت تھانویؒ "انفاسِ عیسیٰ" میں مذکورہ مقولہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں "الصوفی لا مذہب لہٗ اس کا یہ مطلب نہیں کہ صوفی لامذہب ہوتا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ محتاط ہوتا ہے اور ہر مسئلہ میں احتیاط کی جانب کو اختیار کرتا ہے، ورع وتقویٰ اسی کا نام ہے۔ ہمارے فقہاءِ کرام نے بھی اس کی تصریح کی ہے رعایۃ الخلاف والخروج منہ اولیٰ مالم یرتکب مکروہ مذہبہ کہ اختلاف سے نکلنا مستحب ہے جب تک اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب نہ ہو" (انفاسِ عیسیٰ ص۲۸۳ ارشادات)

سیر الی اللہ و سیر فی اللہ کا مطلب

سوال:۔ جناب مفتی صاحب دار العلوم حقانیہ! بندہ کو تصوف سے متعلق ایک مسئلہ درپیش ہے وہ یہ کہ سیر الی اللہ و سیر فی اللہ کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا مہربانی فرماکر تصوف کی ان دونوں اصطلاحات کی وضاحت فرماکر مشکور فرمائیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:۔
"تعلق مع اللہ کے دو درجے ہیں، ایک سیر الی اللہ یہ تو محدود ہے، ایک سیر فی اللہ یہ غیر محدود ہے۔ سیر الی اللہ یہ ہے کہ نفس کے امراض کا علاج شروع کیا یہاں تک کہ امراض سے شفاء ہوگئی اور ذکر وشغل سے تعمیر شروع کی یہاں تک کہ وہ انوار ذکر سے معمور ہو گیا، یعنی تخلیہ وتحلیہ کے قواعد جان گئے، موانع مرتفع کر دیئے، معالجہ امراض سے واقف ہو گئے، نفس کی اصلاح ہوگئی، اخلاقِ رذیلہ زائل ہو گئے، اخلاقِ حمیدہ اور انوارِ ذکر سے قلب آراستہ ہوگیا، اعمالِ صالحہ کی رغبت طبیعت بن گئی، اعمال وعبادت میں سہولت ہوگئی، نسبت و تعلق مع اللہ حاصل ہوگیا تو سیر الی اللہ ہوگئی۔ اس کے بعد سیر فی اللہ شروع ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی صفات وذات کا حسبِ استعداد انکشاف ہونے لگا، تعلق سابق میں ترقی ہوئی، اسرار وحالات کا ورود ہونے لگے، یہ غیر محدود ہے۔" (اور یہ سیر فی اللہ ہے)

(شریعت وطریقت ص۳۶)

استغفارنا یحتاج الیٰ استغفار کثیر کا مطلب

سوال:۔ جناب مفتی صاحب اعید میلاد النبیؐ کے موقع پر ایک واعظ صاحب سے کسی بزرگ کا ایک مقولہ سننے میں آیا کہ ہمارا استغفار بہت سارے استغفار کا محتاج ہے۔ مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی، آپ مہربانی فرماکر مجھے اس مقولہ کا مطلب سمجھا دیں؟

الجواب:۔ یہ مقولہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، آپؒ فرماتے ہیں کہ استغفارنا یحتاج الیٰ استغفار کثیر۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم جو استغفار کرتے ہیں صرف رسم پوری کرنے کے لیے استغفار کے الفاظ استعمال کرتے ہیں دل سے اس گناہ کو چھوڑنے کا کوئی ارادہ یا قصد نہیں ہوتا بلکہ اندر ہی اندر اس گناہ کو بار بار کرنے کا قصد ہوتا ہے اور یہ استہزاء کی صورت ہے جو خود ایک عظیم گناہ ہے۔ تو اس قسم کے استغفار کے بارے میں ہی آپ نے فرمایا کہ استغفارنا یحتاج الیٰ استغفار کثیر کہ ہمارا استغفار کثیر استغفار کا محتاج ہے۔

دل کو روشن کرنے کا طریقہ

سوال:۔ دل میں روشنی اور نور کیسے پیدا ہوسکتا ہے اور اس کا کیا طریقہ ہے؟ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں راہنمائی فرمائیں؟

الجواب:۔ عبادات کرنے اور محرمات ومعاصی سے دور رہنے سے دل میں نورِ ایمانی پیدا ہوتا ہے اور منہیات کے کرنے سے دل مردہ ہوجاتا ہے، لہٰذا دل کو نورِ ایمانی سے روشن کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ عبادتِ الٰہی کی طرف زیادہ توجہ دیں اور منکرات سے اپنے آپ کو بچائیں ان شاء اللہ دل روشن ہوجائے گا۔

ریاکاری کے خوف سے نوافل وغیرہ کو ترک کرنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مجھے نوافل پڑھنے اور ذکر اذکار کا بہت شوق ہے مگر اس لیے ترک کر دیتا ہوں کہ کہیں لوگ یہ نہ کہنا شروع کر دیں کہ بہت بڑا عبادت گذار ہے اور میرے اندر کہیں ریاکاری نہ پیدا ہوجائے۔ تو کیا میرا اس طرح کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عبادات میں ریاکاری اگرچہ بہت بڑا گناہ ہے ایک مسلمان کو حتی المقدور اس سے بچنا چاہیئے، مگر ریاکاری کے خوف سے نیک عمل کو ترک کرنا بھی کوئی عقلمندی کا کام

نہیں۔ اس لیے جو نیک عمل (نفل و ذکر اذکار) آپ صرف اس وجہ سے ترک کرتے ہیں کہ کہیں اس میں ریاکاری نہ پیدا ہو جائے بالکل نامناسب اور خلافِ شرع عمل ہے، آپ کو جب بھی عبادت کا شوق پیدا ہو فوراً نوافل اور اذکار میں مشغول ہو جانا چاہیئے۔

صرف سلام کر دینے سے بلا عذرِ شرعی کسی سے بات چیت نہ کرنے پر وارد وعید ختم ہو جاتی ہے

سوال:۔ ایک صاحب سے میرے تعلقات اس حد تک کشیدہ ہیں کہ میں اس کے ساتھ کلام بھی نہیں کرنا چاہتا مگر حدیث شریف میں وارد وعید سے بھی ڈرتا ہوں، مجھے کوئی ایسی تدبیر بتائیں کہ میری اس کے ساتھ زیادہ گفت وشنید بھی نہ ہو اور اس وعید سے بھی بچ جاؤں؟

الجواب:۔ کسی مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بلا عذرِ شرعی باتیں نہ کرنا جائز نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرکے طویل وقت تک گپ شپ لگائیں اور اس کے ساتھ آنا جانا، اٹھنا بیٹھنا ہو بلکہ صرف سلام کرنے پر کلام کا اطلاق ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر آپ اُس شخص کے ساتھ کسی شرعی عذر کی بناء پر بات چیت کرنا نہیں چاہتے تو نہ کریں صرف سلام کرنا ہی کافی ہے اس سے بھی آپ کا ذمہ فارغ ہو جائے گا، طویل وقت تک گپ شپ لگانا اور گفت وشنید کرنا ضروری نہیں۔

خلافت اور سجادہ نشینی کی شرعی حیثیت

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آجکل خانقاہی نظام میں ایک عام دستور ہے کہ جب کوئی پیر عمر رسیدہ ہو جاتا ہے تو وہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کرکے اپنے مریدین اور احباب و اقارب کی موجودگی میں اس کی دستار بندی کرتا ہے اور اس سلسلے میں بڑی دھوم دھام سے ایک تقریب منعقد کی جاتی ہے۔ تو کیا اسلام میں کسی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کرنے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی اہل شخص کو اپنا جانشین مقرر کرنا اور اس کو خلافت سے نوازنا کوئی خلافِ شرع عمل نہیں، اسلامی تعلیمات میں اسکی گنجائش موجود ہے۔ ایک روایت کے مطابق جیسے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اپنی خلافت اور جانشینی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جس کو جانشین یا خلیفہ مقرر کرنا مقصود ہو اس میں وہ تمام صلاحیتیں موجود ہوں جن کا ایک متبع سنّت مصلح یا پیر و مرشد میں پایا جانا ضروری ہے۔ جس میں اہلیت نہ ہو اسلام نے اس کو خلافت دینے اور جانشین بنانے

کی اجازت نہیں دی ہے، آجکل اکثر نااہل لوگوں کو خلافت سے نوازا جاتا ہے جو کہ بے دینی اور فساد کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

لما قال العلامة اشرف علی التھانویؒ: اکثر مشائخ کی عادت ہے کہ وہ ابقاء فیض اور اجراء سلسلہ کیلئے اپنے اتباع میں سے کسی کو اپنا خلیفہ و جانشین مقرر کر دیتے ہیں، ایک کو یا متعدد کو، کبھی حیات میں اور کبھی بقید اپنی وفات کے، مگر مقصود ان سب سے ضرورتوں کا مشترک و متحد ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ وہ شخص اہل ہو، حدیث شریف سے اس کی اصل ثابت ہوتی ہے کہ ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی امر میں گفتگو کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ پھر آنا، اس نے عرض کیا کہ اگر اس وقت آپ کو نہ پاؤں تو؟ مراد اس کی یہ تھی کہ اگر آپ کی وفات ہو جائے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو مجھ کو نہ پائے تو ابوبکرؓ کے پاس چلی جانا۔ اس کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور اب جو خلافت و سجادہ نشینی کا طریق متعارف ہو گیا ہے کہ کبھی شیخ کی حیات میں اور کبھی بعد وفات سلسلہ کے لوگ جمع ہو کر شیخ کے اقارب یا خدام میں سے جس کو زیادہ اختصاص دیکھا، گو وہ اختصاص دنیوی ہی ہو اور گو اس میں اہلیت نہ ہو دستار بندی کر دیتے ہیں۔ یہ بالکل طریقہ کا افساد اور طالبین کی راہزنی اور عوام کی اضاعت دنیا و دین ہے۔

امام مالکؒ نے روایت کیا کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں اس عہدہ (خلافت) کو ایسے شخص کے حوالہ نہیں کرتا جو اس کا اہل نہ ہو، البتہ ایسے شخص کے لیے تجویز کرتا ہوں جس کی رغبت اہل اسلام کی توقیر کی طرف ہو، سو یہ لوگ بہ نسبت دوسرے لوگوں کے زیادہ مستحق ہیں — اس حدیث سے نااہل کو خلیفہ بنانے کا ابطال ثابت ہوتا ہے۔

(شریعت و طریقت ص۴۲۳ باب پنجم متفرقات)

كتاب
السياسة
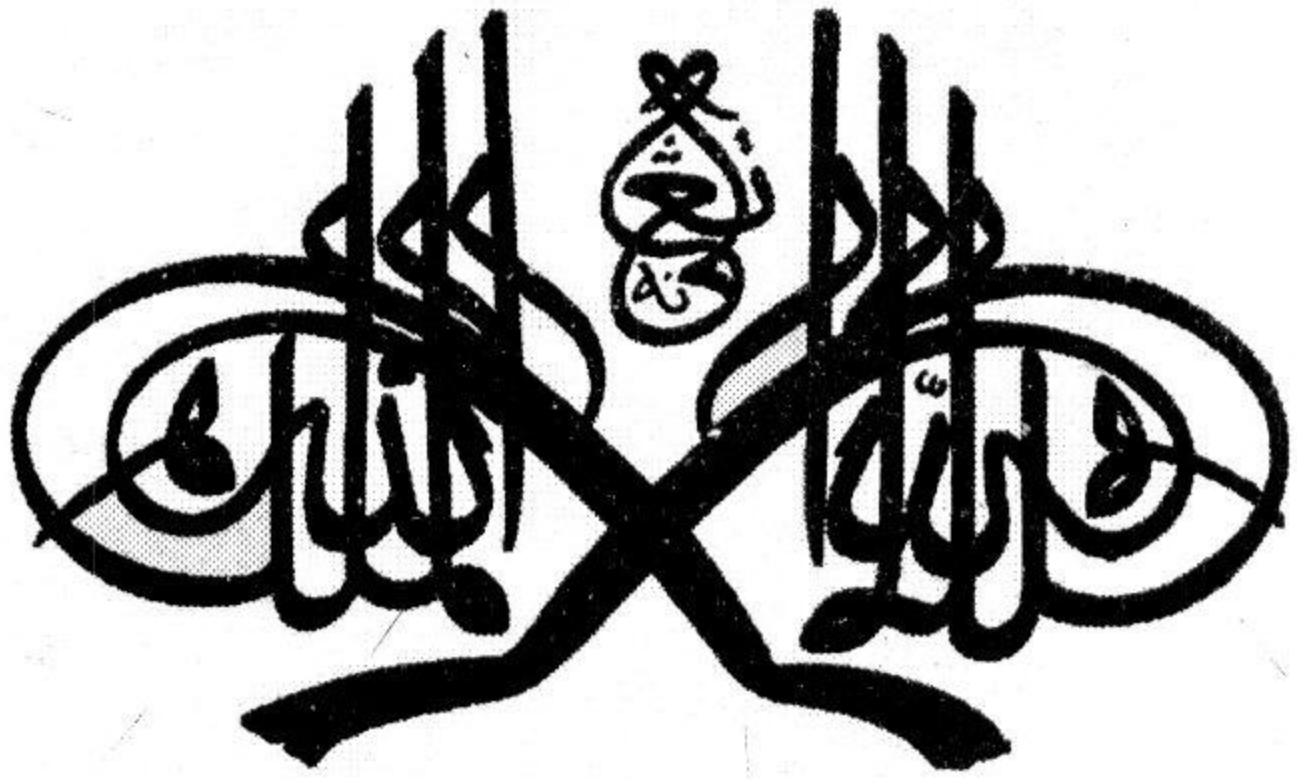
کتاب السیاسۃ
(سیاست کے احکام و مسائل)

سیاست کی حقیقت اور اس کا حکم

سوال :۔ سیاست کسے کہتے ہیں؟ شرعاً سیاست میں حصّہ لینا کیا حکم رکھتا ہے؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کبھی سیاست میں حصّہ لیا تھا یا نہیں؟

الجواب :۔ سیاست کا معنیٰ اور مفہوم لغت کی کتابوں سے یوں معلوم ہوتا ہے :۔
"پاس داشتن ملک وحکم راندن بر رعیت" (شمس اللغات ص۳۶۶)

"السیاسۃ" القیام علی الشئ بما یصلحہ۔ والسیاسۃ فعل السائس یقال ھو یسوس الدواب اذا قام علیھا وراضھا۔ والوالی یسوس رعیتہ۔ (لسان العرب ج ۶ ص ۴۲۹، ۴۳۰)

ان تعریفات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیاست ایک ایسا فن ہے جس کے ذریعے ملک اور قوم کی بہتری کے بارے میں سوچا جاتا ہے، اگرچہ موجودہ دور کے نام نہاد جمہوریت پسندوں کی دوغلی پالیسی اور دجل وتلبیس نے سیاست کا میدان ایسا بدنام کر رکھا ہے کہ جس کی وجہ سے کسی شریف اور باعزت شخص کے لیے اس میں قدم رکھنا موجبِ ملامت سمجھا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود شرعی نقطہ نظر سے اسلامی سیاست کا منشاء یہ ہے کہ ملک اور قوم کو ایسا منظم نظام چاہیے ہو کہ جس پر چلنے سے انسان کامیابی سے ہمکنار ہو جائے اور اسی مقصد کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے متعدد انبیاء کرام بھیجے کہ وہ انسانوں کو ایسی تعلیمات دیں کہ جن پر عمل کر کے انسان دنیا اور آخرت میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکے۔

دین ومذہب انسان کے عقائد سے لے کر سیاسیات کے میدان تک اصلاح کا تقاضا کرتا ہے سیاست چونکہ دنیوی نظام ہائے حیات سے متعلق ہے اس لیے یہ شریعت کا مستقل موضوع ہے۔ شارح قانونِ اسلام علامہ ابوالحسن الماوردیؒ فرماتے ہیں: "الامامۃ موضوعۃ لخلافۃ النبوۃ فی حراسۃ الدین وسیاسۃ الدنیا" (الاحکام السلطانیۃ ج ص۵ الباب الاول فی عقد الامامۃ)[1]

---

[1] "السیاسۃ" استصلاح الخلق بارشادھم الی ما فیہ مصلحتھم۔ النھج المتبع فی تدبیر مرفق من مرافق الحیاۃ العامۃ۔ تدبیر المعاش مع العموم علی طریق العدل۔ (الدروس ص ۶۸۹)

یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کی تعلیمات میں سیاست ایک مستقل شعبہ رہا ہے، حدیث میں ہے:

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی وستکون خلفاء فتکثرون قالوا فما تامرنا یارسول اللہ قال فوا ببیعۃ الاول فالاول واعطوھم حقھم فان اللہ سائلھم عما استرعاھم۔

وقال الامام النووی فی شرح المسلم تحت ھذا الحدیث: "قولہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی" ای یتولون امورھم کما یفعل الامراء والولاۃ بالرعیۃ " والسیاسۃ القیام علی الشئ بما یصلحہ۔

(النووی شرح المسلم ج ۲ ص ۱۲۶ کتاب الامارۃ، باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلیفۃ)

سیاست ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعہ انسان منصب خلافت پر فائز ہوتا ہے اور یہ عمل خود سرورِ کائنات صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے۔

مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ" وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا" (سورۃ الاسراء آیت ۸۰) کی تفسیر میں مفسرین حضرات یوں فرماتے ہیں:-

قال الامام طبریؒ: واجعل لی ملکا ناصرا ینصرنی علی من ناوانی وعزا اقیم بہ دینک وادفع بہ عنہ من ارادہ بسوء۔ (جامع البیان ج ۹ ص ۱۵۰ سورۃ بنی اسرائیل)

وقال الامام شھاب الدین الآلوسی البغدادیؒ: "وَاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا" بنی اسرائیل وعلم نبی اللہ انہ لا طاقۃ لہ بھذا الامر الا بسلطان فسال سلطانا نصیرا لکتاب اللہ تعالیٰ وحدودہ وفرائضہ فان السلطان عزۃ من اللہ عزوجل جعلھا بین اظھر عبادہ لولا ذلک لاغار بعضھم علی بعض واکل شدیدھم ضعیفھم۔ (روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۴۴ سورۃ بنی اسرائیل) [1]

مروجہ سیاست میں الجھنا

سوال:- موجودہ دور کی سیاست میں حصہ لینا اور اس کے لیے جدوجہد کرنا شرعاً کیسا ہے؟

---

[1] وقال الامام بیضاویؒ: وکذلک کل نبی استخلفھم فی عمارۃ الارض وسیاسۃ الناس وتکمیل نفوسھم وتنفیذ امرہ فیھم۔ (تفسیر بیضاوی شریف ص ۶۲، ۶۳ سورۃ بنی اسرائیل)

ومثلہ فی تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۰ بنی اسرائیل وفی تفسیر مظہری ج ۵ ص ۸۲ سورۃ بنی اسرائیل۔

الجواب: موجودہ دور میں لوگ سیاست میں مختلف مقاصد کے حصول کے لیے حصہ لیتے ہیں، بعض لوگ تو اپنی سیاسی دوکان چمکانے کے لیے متحرک نظر آتے ہیں جبکہ بعض لوگ غیر شرعی نظامہائے زندگی مثلاً سوشلزم، نیشنل ازم، کیپیٹلزم وغیرہ کے لیئے محنت کرتے ہیں اور بعض لوگ علاقائی یا قومی تعصبات کی سیاست میں ہی اپنی بقاء سمجھتے ہیں، ان مقاصد کے حصول کے لیے سیاست میں حصہ لینا اور ان کے لیے جدوجہد کرنا یقیناً سعی لاحاصل کے مترادف ہے جبکہ اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے کوشش کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، اس لیے اگر ایک شخص ایسے بے دینی نظام کی ترویج و اشاعت کے مقابلہ میں اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے جدوجہد کرتا ہے تو یقیناً یہ مستحسن اقدام ہے بلکہ بے دینی کی یلغار کے مقابلہ کے لیے اپنی طاقت اور ہمت کے مطابق اس میدان میں حصہ لینا علماء کرام کے فرائضِ منصبی کا حصہ ہو کر عظیم جہاد ہے۔

لما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام: عن ابی سعید الخدریؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان من اعظم الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر۔

(ترمذی ج۲ ص۴۰ ابواب الفتن) [۱]

البتہ جہاں کہیں علماء کرام بجائے کسی اصلاحی پہلو کے خود کسی غیر شرعی سیاست کا شکار ہو کر اپنے دینی تشخص کو کھو بیٹھیں تو ایسی حالت میں اپنے دینی تشخص کا تحفظ کرنا علماء کی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔

لما قال اللہ تبارك وتعالیٰ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○ (المائدۃ آیت ۱۰۵)

---

[۱] وقال العلامة ملا علی قاری رحمہ اللہ، تحت هذا الحديث: "افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر"، وقال المظهر وانما كان افضل لان ظلم السلطان يسرى فی جمیع من تحت سیاسته وهو جم غفير فاذا نهاه عن الظلم فقد اوصل النفع الى خلق كثير بخلاف قتل كافر۔ (مرقاۃ المفاتیح ج۷ ص۲۲۲ کتاب الامارۃ والقضاء۔ الفصل الثانی)

ومثلهٗ فی ابی داؤد ج۲ ص۲۴۱ کتاب الملاحم۔ ب۔ الامر والنهی۔

امارتِ شرعی کے قیام کا حکم

سوال :۔ پاکستان میں مختلف پارٹیاں انتخابات میں حصہ لیتی ہیں جن میں ہر پارٹی کا نقطۂ نظر الگ ہوتا ہے، اور بعض پارٹیاں تو کامیاب ہونے کے بعد نظامہائے غیر شرعی کے نفاذ کی کوششیں کرتی ہیں جبکہ دینی جماعتیں اسلامی نظام کے نفاذ کےلیے انتخابات میں حصہ لیتی ہیں۔ تو اب اہلِ پاکستان خصوصاً مسلمانوں پر شرعی نقطۂ نظر سے کیا ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ملک میں اسلامی خلافت یا جمہوری نظام کے قیام کی حامی پارٹیوں میں سے کس پارٹی کو کامیاب کریں؟

الجواب :۔ تمام مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ کسی ایسی پارٹی کو برسرِ اقتدار لائے جو عملاً نظامِ اسلام کو ملک میں نافذ کرسکے۔ شرعی نظام میں خلیفہ کی بڑی ذمہ داریاں یہ ہیں، احکامِ الٰہی کا عملاً نفاذ کرنا، حدود اور قصاص کو جاری کرنا، جمعوں اور عیدین کی نمازوں کو قائم کرنا، ملکی سرحدات کی حفاظت کرنا، اسلامی لشکروں کو منظم کرنا، ڈاکوؤں اور قطاع الطریق کا قلع قمع کرنا، عوام کے جھگڑوں اور منازعات کو حل کرنا۔ شرعی نقطۂ نظر سے سب مسلمانوں پر واجب ہے کہ ایسی خلافت کے قیام میں تعاون کریں ورنہ سب گنہگار رہوں گے۔

لما قال الامام سعد الدین تفتازانیؒ: تمّ الاجماع علی ان نصب الامام واجب وانما الخلاف فی انہٗ یجب علی اللہ او علی الخلق بدلیل سمعی او عقلی والمذہب انہٗ یجب علی الخلق سمعاً لقولہٖ علیہ السلام من مات ولم یعرف امام زمانہ فقد مات میتۃً جاھلیۃً۔

(شرح العقائد النسفی ص۱۱۱ الخلافۃ والامارۃ)

وقال الامام شاہ ولی اللہ محدث الدھلوی رحمہ اللہ: اعلم انہٗ یجب ان یکون فی جماعۃ المسلمین خلیفۃ لمصالح لا تتم الا بوجودہ وھی کثیرۃ جدًا یجمعھا صنفان، احدھما ما یرجع الی سیاسۃ المدینۃ من ذب الجنود التی تغزوھم وتقھرھم وکف الظالم عن المظلوم وفصل القضایا وغیر ذٰلک .... وثانیھما ما یرجع الی الملّۃ وذٰلک ان تنویہ دین الاسلام علی سائر الادیان لا یتصوّر الا بان یکون فی المسلمین خلیفۃ ینکر علی من خرج من الملّۃ وارتکب مَا نصت علی تحریمہ او ترک ما نصت علی افتراضہ اشد الانکار ویذل اھل سائر الادیان یأخذ منھم الجزیۃ عن ید وھم

صاغرون - رحجة الله البالغة ج ۲ ص۱۴۸ ابواب سیاسة المدن) لہ

اسلام میں انتخابِ امیر کا طریقۂ کار

سوال :- اسلام میں انتخابِ امیر یعنی کسی شخص کو امیر اور خلیفہ مقرر کرنے کے لیے کون سا طریقہ اپنایا جاتا ہے ؟

الجواب :- اسلامی سیاست میں انتخابِ امیر کے لیے چار طریقے پائے جاتے ہیں،

(۱) بیعتِ اہلِ حل وعقد (۲) استخلاف (۳) شوریٰ (۴) استیلاء

عہ۱ : پہلی قسم کی مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ہے کہ چند اہلِ حل و عقد نے جمع ہوکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد عام لوگوں نے بیعت کرنا شروع کی تھی۔

لما قال الامام الماوردی رحمہ اللہ : ان بیعة ابی بکر رضی اللہ عنہ انعقدت بخمسة اجتمعوا علیھا ثم تابعھم الناس فیھا وھم عمر بن الخطاب وابوعبیدة بن الجراح واسید بن حضیر وبشر بن سعد وسالم مولی ابی حذیفة رضی اللہ عنھم ۔

(الاحکام السلطانیة ص۷ الباب الاول فی عقد الامامة)

عہ۲ : استخلاف کی صورت یہ ہوتی ہے کہ خلیفۂ وقت چند اہلِ حل وعقد سے مشورہ کرکے کسی ایسے شخص کے بارے میں وصیت کرے کہ جس میں خلافت کی پوری شرائط پائی جاتی ہوں، جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں وصیت فرمائی تھی کہ میرے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔

لما قال الامام شاہ ولی اللہ محدث دھلوی رحمہ اللہ : طریقِ دوم : استخلافِ خلیفہ است متجمع

لہ وقال الامام عمر النسفی رحمہ اللہ : والمسلمون لا بد لھم من امام یقوم بتنفیذ احکامھم واقامة حدودھم وسد ثغورھم وتجھیز جیوشھم واخذ صدقاتھم وقھر المتغلبة والمتلصصة وقطاع الطریق واقامة الجمع والاعیاد وقطع المنازعات الواقعة بین العباد وقبول الشھادات القائمة علی الحقوق ۔

(شرح العقائد النسفی ص۱۱۰ الخلافة والامارة)

وَمِثلُہٗ فی احکام السلطانیة لابی یعلیٰ ص۱۹ فصول فی الامامة ۔

شروط را یعنی خلیفۂ عادل بمقتضائی تصح مسلمین شخصی را از میان مستجمعین شروط خلافت اختیار کند وجمع نماید مردمان را ونص کند باستخلاف وی و وصیت نماید باتباع وی۔ پس این شخص میان سائر مستجمعین خصوصیتی پیدا کند و قوم را لازم ست کہ ہمان شخص را خلیفہ سازند انعقاد خلافت حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہمیں طریق بود۔

(ازالۃ الخفاء صـ مقصد اول)

۳: شوریٰ: شوریٰ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خلیفہ وقت چند آدمیوں کی شوریٰ مقرر کرے کہ میری خلافت کے بعد یہ حضرات آپس میں مشورہ کر کے کسی ایک کو خلیفہ مقرر کریں گے، جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چھ آدمیوں کی شوریٰ مقرر کی تھی اور اس شوریٰ والوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔

لما قال الامام ابوالحسن الماوردیؒ: والثانی ان عمر رضی اللہ عنہ جعل الشوریٰ فی ستۃٍ لیعقد لاحدھم برضاء الخمسۃ۔ (الاحکام السلطانیہ صـ الباب الاول فی عقد الامامۃ)

۴: استیلاء: استیلاء کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص مذکورہ تین طریقوں کے علاوہ کسی اور طریقہ سے خلیفہ بن جائے، پھر یہ استیلاء بھی دو قسم پر ہے: (۱) ایک قسم وہ ہے کہ جو شخص طاقت اور غلبہ کے ساتھ اپنے آپ کو خلیفہ مقرر کرلے اور اس میں خلیفہ کی تمام شرائط موجود ہوں تو یہ قسم شرعاً جائز ہے۔ (۲) دوسری قسم یہ ہے کہ جو شخص طاقت کے زور سے خلافت کے منصب پر فائز ہو جائے اور اس میں خلیفہ کی شرائط بھی موجود نہ ہوں تو ایسی خلافت کو نظریہ ضرورت کے تحت تسلیم کیا جائے گا، شرعاً کسی مسلمان کو اس کے خلاف قدم اٹھانا صحیح نہیں۔ تاہم جب تک ایسے خلیفہ سے ضروریاتِ دین میں کمی نہیں آئی ہو تو مسلمان عوام پر اس کی اطاعت کرنا اور اس کے ساتھ جہاد وغیرہ کے لیے جانا لازم ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ ایسی خلافت کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

ـــــ طریقِ چہارم: استیلاء ست، چوں خلیفہ بمیرد شخصی متصدی خلافت گردد بغیر بیعت واستخلاف وہمہ را برخود جمع سازد باستیلاف قلوب یا بقہر ونصب قتال خلیفہ شود ولازم گردد بر مردمان اتباع فرمانِ او در آں چہ موافق شرع باشد۔ وایں دو نوع است: یکے آنکہ مستولی مستجمع شروط باشد وصرف منازعین کند بصلح وتدبیر از غیر ارتکاب محرمی وایں قسم جائز است ورخصت وانعقاد خلافتِ معاویہ بن ابی سفیان بعد حضرت مرتضیٰ وبعد صلح امام

حسین رضی اللہ عنہم بہمیں نوع بود۔

دیگر آنکہ مستجمع شروط نباشد و صرف منازعین کند بقتال و ارتکاب محرم وان جائز نیست و فاعل آں عاصی ست لیکن واجب است قبول احکام اوں چو موافق شرع باشد واگر عُمّالِ او اخذ زکوٰۃ کنند از ارباب اموال ساقط شود وچوں قاضی او حکم نماید نافذ گردد و حکم او ہمراہ او جہاد می تواں کرد۔ و ایں انعقاد بنا بر ضرورت ست زیراکہ در عزل او افنائی نفوس مسلمین و ظہور حرج و مرج شدید لازم می آید و بیقیں معلوم نیست کہ ایں شداید مفضی شود بصلاح یا نہ۔ یحتمل کہ دیگری بدتر از اول غالب شود پس ارتکاب فتن کہ قبح او متیقن بہ ست چرا باید کرد برائے مصلحتے کہ موہوم ست و محتمل و انعقاد خلافت عبدالملک بن مروان و اول خلفائے بنی عباس بہمیں نوع بود"۔ (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ص۵ مقصد اول)[1]

---

[1] وقال الامام شاہ ولی اللہ فی طرق انعقاد الخلافۃ: وتنعقد الخلافۃ بوجوہ (۱) ببیعۃ اھل الحل والعقد من العلماء والرؤساء وامراء الاجناد ممن یکون لہٗ رائی ونصیحۃٌ للمسلمین کما انعقدت خلافۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ۔ (۲) وبأن یوصی الخلیفہ الناس بہ کما انعقدت خلافۃ عمر رضی اللہ عنہ (۳) او یجعل شوریٰ بین قوم کما کان عند انعقاد خلافۃ عثمان بل عَلِیّ ایضًا رضی اللہ عنہما (۴) أو استیلاء رجل جامع للشروط علی الناس وتسلّطہ علیہم کسائر الخلفاء بعد خلافۃ النبوّۃ ثم ان استولی من لم یجمع الشروط لا ینبغی ان یبادر الی المخالفۃ لان خلعہ لا یتصوّر غالبًا الّا بحروب ومضایقات وفیہا من المفسدۃ اشد مما یرجی من المصلحۃ۔ وسئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنہم فقیل افلا ننا بذھم؟ قال لا ما اقاموا فیکم الصلوٰۃ وقال الا ان تروا کفرًا بواحًا عندکم من اللہ فیہ برھان وبالجملہ فاذا کفر الخلیفۃ بانکار ضروری من ضروریات الدین حل قتالہ بل وجب والّا لا۔

{حجۃ اللہ البالغۃ ج۲ ص۱۴۹، ۱۵۰ ابواب السیاسۃ المدن انعقاد الخلافۃ بوجوہ}

ومثلہٗ فی الاحکام السلطانیۃ لابی یعلیٰ ص۲۳ فصول فی الامامۃ۔

عورت کی حکمرانی شرعاً ناجائز ہے

سوال :- اسلامی نقطہ نظر سے کوئی عورت کسی ملک کی سربراہ بن سکتی ہے یا نہیں؟ اگر مروجہ جمہوری نظام میں کسی عورت کو اقتدار سونپ دیا جائے تو ایسی حالت میں شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب : قرآن وحدیث کی رُو سے سربراہ مملکت بننے کے لیے دیگر شرائط کے علاوہ سربراہ کا مذکر ہونا اہم شرط ہے، اسلامی نظام خلافت میں یہ قطعاً گوارا نہیں کہ کسی عورت کو زمام اقتدار سونپا جائے۔

لما قال الامام سعد الدین التفتازانیؒ : (تحت قول النسفی "ویشترط ان یکون من اهل الولایة المطلقة الکاملة" ای مسلماً حراً ذکراً عاقلاً بالغاً ... والنساء ناقصات عقلٍ ودین۔ (شرح العقائد النسفی ص۱۱۳ الخلافة والامارة)

وقال العلامة ابن عابدینؒ : (تحت قول درمختار "ویشترط کونه مسلماً حراً ذکراً" ولان النساء امرن بالقرار فی البیوت فکان مبنیٰ حالهن علی الستر والیه اشار النبی صلی الله علیه وسلم حیث قال کیف یفلح قوم تملکهم امراءة۔

(ردالمحتار ج ۱ ص۴۰۵ باب الامامة)

سربراہ بننے کے بعد اس کے فرائض منصبی کی احسن طریقہ سے ادائیگی کے لیے جن امور کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ نے وہ مردوں میں پیدا کئے ہیں، البتہ گھریلو اور خاندانی امور کے تکفل کی ذمہ داری عورت کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے، اس لیے عورت کو اس میدان میں اپنی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے جن امور کی ضرورت تھی وہ اسے مکمل طریقہ سے دیئے گئے جبکہ مرد میں وہ صلاحیتیں مفقود ہیں۔

عورت کے لیے پردہ کی رعایت، اجانب سے بے جا اختلاط سے ممانعت اور دامن عصمت کا تحفظ ایسے امور ہیں جو میدانِ قیادت میں جانے سے منع کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق کسی قوم کی اس سے بڑھ کر اور کیا بدقسمتی ہوسکتی ہے کہ جس نے اپنی حکمرانی عورت کے سپرد کر دی۔

لما ورد فی الحدیث : عن ابی بکرة رضی الله عنه قال نفعنی الله بکلمة سمعتها من رسول الله صلی الله علیه وسلم ایام الجمل بعد ما کدت ان الحق باصحاب الجمل

فاقاتل معهم قال لما بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اہل فارس قد ملکوا علیہم بنت کسریٰ قال لن یفلح قوم ولّوا امرہم امرأۃ۔ (صحیح بخاری ج۲ ص۶۳۷ کتاب المغازی)

وقال الامام بغوی رحؒ: (تحت ھذا الحدیث) اتفقوا علی ان المرأۃ لا تصلح ان تکون اماماً ولا قاضیاً لان الامام یحتاج الی الخروج لاقامۃ امر الجہاد والقیام بامور المسلمین...... ولان المرأۃ ناقصۃ والامامۃ والقضاء من کمال الولایات فلا یصلح لہا الا الکامل من الرجال۔ (شرح السنۃ ج۱۰ ص۷۷ کتاب الامارۃ والقضاء۔ باب کراھیۃ تولیۃ النساء)[1]

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ایک کافر قوم کے بارے میں ہے اس لیے کسی بھی قوم کو اس سے مستثنیٰ کرنا جائز نہیں، خواہ مروجہ جمہوریت میں یا اسلامی طریقہ خلافت میں کسی عورت کو یہ موقع دیا جائے ہر حالت میں عورت کی حکمرانی عذاب خداوندی کے مترادف ہے۔

اولوالامر کی حقیقت

سوال:۔ جمہوریت یا شہنشاہیت میں جو لوگ حاکمیت کے دعویدار ہیں کیا یہ لوگ "اولی الامر" کی حقیقت میں داخل ہیں یا نہیں؟ تاکہ ان کی تابعداری رعیت کے لیے لازم ہو کر ان کے خلاف آواز اٹھانا بغاوت کے مترادف ہو؟

الجواب:۔ شریعت کی رُو سے "اولی الامر" کی حقیقت خلافت علی منہج النبوۃ سے خاص نہیں بلکہ امراء اور سلاطین بھی اگر عوام کے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری نبھاتے ہوں اور کسی خاص طریقہ انتخاب سے ان کی تقرری ہوتی ہو اور جس کو عوام کی تائید بھی حاصل ہو خواہ جمہوریت میں ہو یا دوسرے نظام حکومت میں ہو تو یہ لوگ بھی "اولی الامر" میں شمار ہوں گے۔

لما قال الامام جصاص رحؒ: والصحیح عندی انہم الامراء والعلماء جمیعاً اما الامراء فلان اصل الامر منہم والحکم الیہم واما العلماء فلان سؤالہم واجب متعین علی الخلق وجوابہم لازم۔ (احکام القرآن ج۱ ص۱۸۹ سورۃ البقرۃ)

تاہم جہاں کہیں امراء اور سلاطین کسی خلافِ شرع نظام کو مسلمانوں پر نافذ کرنے کی کوشش کریں تو ان کے خلاف آواز اٹھانا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی دینی اور

---

[1] قال العلامۃ الامام القرطبی رحؒ: واجمعوا علی ان المرأۃ لا یجوز ان تکون اماماً۔ (الجامع لاحکام القرآن ج۱ ص۲۷۰ سورۃ البقرۃ)

اخلاقی ذمہ داری ہے۔

لما قال الامام قرطبیؒ: فی تفسیر "اولی الامر" روی عن علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ انہٗ قال حق علی الامام ان یحکم بالعدل ویؤدی الامانۃ واذا فعل ذٰلک وجب علی المسلمین ان یطیعوہ لان اللہ تعالٰی امر باداء الامانۃ والعدل ثم امر بطاعتہ۔
(تفسیر الجامع لاحکام القرآن ج۵ ص۲۵۹ سورۃ النساء) [۱]

خلافت یا ملوکیت

سوال: خلافت علیٰ منہج النبوۃ کا دور کتنا عرصہ رہا اور اس کے بعد نظام حکومت خلافت کی بجائے ملوکیت کو منتقل ہوا؟ نیز خلافت اور ملوکیت میں کیا فرق ہے، اور ملوکیت کا دور کس وقت سے شروع ہوتا ہے؟

الجواب: خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا دور تیس ۳۰ سال تک مسلسل رہا، پھر اس کے بعد ملوکیت کا دور شروع ہوتا ہے البتہ درمیان میں بعض ایسے خلفاء آئے جن کے عدل و انصاف کی وجہ سے ان کا دورِ حکومت بھی خلافت علیٰ منہاج النبوۃ میں شمار کیا گیا تاہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق خلافت علیٰ منہاج النبوۃ تیس سال تک رہی۔ اس کے بعد مسلمانوں کے باہمی اختلافات کی وجہ سے خلافت ملوکیت کی طرف منتقل ہوئی۔

لما ورد فی الحدیث: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الخلافۃ فی اُمتی ثلاثون سنۃ ثم ملک بعد ذٰلک۔ ثمّ قال سفینۃ امسک خلافۃ ابی بکرؓ ثمّ قال وخلافۃ عمرؓ وخلافۃ عثمانؓ ثم قال امسک خلافۃ علیؓ فوجدنا ھا ثلاثین سنۃً قال سعید فقلت لہٗ ان بنی اُمیۃ یزعمون ان الخلافۃ فیھم قال کذبوا بنوا الزرقاء بل ھُم ملوک من شرا لملوک۔ (ترمذی ج۲ ص۴۶ کتاب الفتن)

بنو امیہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے تقویٰ، خدا ترسی اور للّٰہیت کی وجہ سے اُن کا

---

[۱] لما قال الامام الشوکانیؒ: "واولی الامر" ھم الائمۃ والسلاطین والقضاۃ وکل من کانت لہٗ ولایۃ الشرعیۃ لا ولایۃ طاغوتیۃ والمراد طاعتھم فیما یأمرون بہٖ وینھون عنہ مالم تکن معصیۃً فلا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ اللہ کما ثبت ذٰلک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (فتح القدیر للشوکانی ج۱ ص۴۸۱ سورۃ النساء)
وَمِثْلُہٗ فی جامع البیان للطبری ج۴ ص۱۴۷ سورۃ النساء۔

دورسنہری دور کہلایا جاتا ہے جس کی وجہ سے بعض اسلاف نے آپ کے دورِ حکومت کو خلفاء راشدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔

عن سفیانؒ یقول الخلفاء خمسة ابو بکر وعمر وعثمان وعلی وعمر ابن عبد العزیز رضی اللہ عنہم۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸ کتاب الامارة) [1]

خلافت کی ملوکیت میں تبدیلی کے اسباب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کی قوت اور ملی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لیے پوری کوشش کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ خلفاء راشدین خاص کر حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں انہیں موقع نہ مل سکا تاہم ان لوگوں نے زیرِ زمین اپنی سرگرمیاں زور وشور سے جاری رکھیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دشمنانِ اسلام کھل کر میدان میں آگئے جس کی سب سے بڑی دلیل خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی المناک شہادت ہے۔

قال العلامة ابن کثیر رحمہ اللہ: مکان اوّل من دخل علیه رجل یقال له الموت الاسود فخنقه خنقاً شدیداً حتی غشی علیه وجعلت نفسه تتردد فی حلقه فترکه وهو یظن انهٗ قد قتله...... ثم دخل علیه آخر ومعهٗ سیف فضربه به فاتقاه بیده فقطعها..... فکان اوّل قطرة فیها سقطت علی هٰذه الآیة: "فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ"۔ ثم جاء آخر شاهراً سیفه فاستقبلته نائلة بنت الفرافصة لتمنعه منه واخذت السیف فانتزعه منها فقطع اصابعها۔ (البدایة والنهایة ج ۷ ص ۱۹۷)

جس کے بعد جمل وصفین اور دوسری جنگیں اس کا واضح ثبوت ہیں۔ یہی وہ عوامل تھے جن کی وجہ سے خلافت علی منہج النبوة کی جڑیں کھوکھلی کی گئیں جس سے رفتہ رفتہ خیر القرون کا دور ختم ہو کر خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی۔

خلافت اور ملوکیت میں نمایاں فرق یہ رہا کہ خلافت کے انتخاب کا جو طریقہ خلفاء راشدین کے دور میں مروج تھا وہ ملوکیت میں نہ رہا، خلفاء راشدین کے دور میں رعایا کی رضامندی سے

---

[1] عن سفینةؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم خلافة النبوة ثلاثون سنة ثم یؤتی اللہ الملك من یشاء۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۸۲ کتاب الامارة)

بیعت لی جاتی تھی جبکہ ملوکیت میں اس کے برعکس دباؤ اور جبر سے بیعت لی جاتی تھی، اس کا اندازہ خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مدینہ طیبہ میں کی گئی تقریر سے ہوتا ہے، آپ نے فرمایا :۔

اما بعد! فانی واللہ ما ولیت امرکم حین ولیتہ وانا اعلم انکم لاتسرون بولایتی ولاتحبونھا۔ وانی لعالم بما فی نفوسکم من ذلک ولکنی خالستکم بسیفی ھذہ المخالسۃ۔

(البدایۃ والنہایۃ ج ۸ ص۱۳۵)

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملوکیت کے دور میں خلفاء راشدین کی سی سادہ زندگی کے بجائے قیصرو کسریٰ کی سی شان وشوکت پیدا ہوگئی اور بادشاہ اور رعیت کے درمیان حاجب اور دربان حائل ہوگئے، رعیت کی خیر خواہی کی جگہ امراء خود انانیت کا شکار ہوگئے اور ان سے ایسے کام سرزد ہوئے جو اس منصب کو زیب نہیں دیتے۔

منصب خلافت کے انتخاب کا معیار

سوال :۔ اگر ایک شخص اعمال کے اعتبار سے دین کا پابند ہو، تقویٰ اور دینداری میں بڑی شہرت رکھتا ہو لیکن ملکی اور بین الاقوامی حالات پر گہری نظر نہ ہونے کی وجہ سے امورِ مملکت چلانے سے نابلد ہو تو کیا منصب خلافت کے عہدہ کیلئے اس کو ترجیح دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ کسی مسلمان کی دینداری اور تقویٰ بے شک ایک مستحسن چیز ہے جو کہ صرف اس کی اپنی ذات تک محدود ہے، منصبِ خلافت میں چونکہ ذاتی کردار سے ہٹ کر مخلوقِ خدا سے واسطہ پڑتا ہے اور اس میں معاشرہ کے خم وپیچ اور حالات کے نشیب وفراز سے گزرنا پڑتا ہے اس لیے اس میدان میں امورِ خلافت سے واقفیت رکھنے والے کو ترجیح دی جائے گی۔ تاہم ایسے منصب کے انتخاب میں دجل وتلبیس اور ظلم وزیادتی سے بچنے کے لیے اُمیدوار کے ذاتی کردار واخلاق کو بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

لما قال العلامۃ سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ : تحت قول النسفیؒ ولایشترط فی الامام ان یکون معصوماً ولا ان یکون افضل من اھل زمانہ لان المساوی فی الفضیلۃ بل المفضول الاقل علماً وعملاً ربما کان اعرف بمصالح الامامۃ ومفاسدھا واقدر علی القیام بمواجبھا خصوصاً اذا کان نصب المفضول أدمع للشر وابعد عن اثارۃ الفتنۃ ......مع انہ لایجوز نصب امامین فی زمان واحدٍ قلنا غیرا لجائز

ھونصب اما مین مستقلین ۔ (شرح العقائد النسفی ص۱۱۳ الخلافة والامارة)[1]

قومی یا علاقائی امیر کی شرعی حیثیت

سوال :۔ اگر ایک قوم متفقہ طور پر شریعت کے نام پر ایک عالم دین کو اپنا امیر منتخب کرے تو شرعی نقطہ نظر سے اس کی کیا حیثیت ہے اور اس کے اختیارات کا دائرہ کار کیا ہے ؟

الجواب :۔ امیر کی شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر کسی قوم نے اجتماعی طور پر یا اکثریت کی رائے سے کسی معتمد شخص کو اپنا امیر مقرر کر لیا تو ایسا اقدام شرعاً قابلِ تحسین ہے بلکہ شرعی نقطہ نظر سے حضر کے علاوہ سفر میں بھی اس کی رعایت ضروری ہے ۔

لما ورد فی الحدیث : عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا خرج ثلاثة فی سفرٍ فلیؤمروا احدھم ۔ (ابوداؤد ج ۱ ص۳۵۱ کتاب الجهاد)

تاہم قوم پر لازم ہے کہ شرعی امور میں ایسے امیر کی اطاعت کرے البتہ غیر شرعی امور میں امیر کی اطاعت اور قول کو اعتبار نہیں دیا جائے گا ۔

لما ورد فی الحدیث : عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہٗ قال علی المرء المسلم السمع والطاعة فیما احبّ وکرہ الا ان یؤمر بمعصیة فان امر بمعصیة فلا سمع ولا طاعة ۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص۱۲۵ کتاب الامارة)

ایسے امیر کو چونکہ کُلی اختیارات حاصل نہیں ہوتے اس لیے حدود اور قصاص کی تنفیذ اس کے دائرہ اختیار سے باہر ہے ۔

لما قال الامام علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی رحمه الله : واما شرائط جواز اقامتها فمنها ما یعم الحدود کلها ومنها ما یخص البعض دون البعض اما الذی یعم الحدود کلها فهو الامامة وهو ان یکون المقیم للحد هو الامام او من ولاه الامام وهذا عندنا ...... لان للامام ولایة علی جمیع دار الاسلام ثابتة ۔
(بدائع الصنائع ج ۷ ص۵۷،۵۸ کتاب القضاء)

---

[1] وقال العلامة محمد عبد العزیز الفرهاروی رحمه الله : لان اعظم مدار السلطنة هو علی المهارة بامور الدنیا لا علی المهارة بالعلم الشرع وکثرة العبادة ۔
(النبراس ص۱۱۳ الخلافة والامارة)
وَمِثْلُہٗ فی رد المحتار ج ۱ ص۴۰۵ باب الامامة ۔

وقال الامام الهمام نجم الملة والدين عمر النسفیؒ : ویشترط ان یکون من اهل الولایة المطلقة الکاملة سائسًا قادرًا علی تنفیذ الاحکام وحفظ حدود دار الاسلام وانصاف المظلوم من الظالم۔ (شرح العقائد النسفی ص۱۱۳، ۱۱۴ الخلافة والامارة) [1]

ووٹ کی شرعی حیثیت

سوال :۔ مروجہ طریقہ انتخاب میں ووٹ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب :۔ عصر حاضر میں ووٹ کی مختلف حیثیتیں ہیں :۔

(۱) اس کی حیثیت شہادت اور گواہی کی ہے، ووٹر جس ممبر کو ووٹ دے رہا ہوتا ہے وہ اس بات کی گواہی دے رہا ہوتا ہے کہ میں اس کو ملک وقوم کے لیے مفید اور خیر خواہ سمجھتا ہوں۔

(۲) اس کی حیثیت مشورہ کی سی ہے، ووٹر حکومت اور نظم ونسق کے سلسلہ میں اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے کہ سیاسی امور میں کون زیادہ بہتر، ایماندار اور دیانتدار ہے۔

(۳) اس کی حیثیت سفارش کی ہے کہ ووٹر اس امیدوار کے لیے ایک اہم عہدہ سنبھالنے کے لیے سفارش کرتا ہے۔

(۴) اس کی حیثیت وکالت کی ہے، ووٹر اپنے لیے حکومت کے گھر میں وکیل نامزد کرتا ہے کہ یہ شخص (امیدوار) حکومت سے میرے مسائل حل کرائے گا۔

(۵) ووٹ کی حیثیت سیاسی بیعت کی ہے، ووٹر اپنے ووٹ کے ذریعے مقامی اُمیدوار کے واسطہ سے سربراہ مملکت کی بیعت کرتا ہے۔ اس بیعت میں یہ ضروری نہیں کہ براہ راست سربراہ مملکت یا خلیفہ وقت کے ہاتھ پر بیعت کی جائے، بلکہ بیعت خط و کتابت کے ذریعہ بھی ہوسکتی ہے، اور اسی طرح سربراہ مملکت کی جانب سے مقرر شدہ نمائندہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا بھی خلیفہ کی بیعت شمار ہوتی ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبادہ بن صامتؓ

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ : هی صغری وکبری فالکبری استحقاق تصرف عام علی الانام۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج۱ ص۴۰۴ باب الامامة)

ومثله رد المحتار ج۱ ص۴۰۴ باب الامارة۔

سے فرمایا کہ لوگوں سے میرے بیٹے بیعت لے لو۔

عن عبادۃ بن الصامتؓ یقول قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن فی مجلس تبایعونی علی ان لا تشرکوا باللہِ شَیْئًا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۷۱ کتاب الاحکام)

وعن عبد اللہ بن دینارٍ قال شہدت ابن عمرؓ حیث اجتمع الناس علی عبد الملک کتب انی اُقر بالسمع والطاعۃ لعبد اللہ عبد الملک امیر المؤمنین علی سنۃ اللہ وسنۃ رسول اللہ ما استطعت وان بنیّ قد اقروا بمثل ذٰلک۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۶۹ کتاب الاحکام)

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے لیے اپنے حق رائے دہی (ووٹ) کے استعمال کا معاملہ بڑا نازک اور اہم ہے۔ اگر کسی نے نااہل شخص کو ووٹ دے دیا تو یہ ووٹ شہادتِ زُور، غلط سفارش اور غلط مشورے میں داخل ہوگا اور اس قسم کے غلط افعال کا ارتکاب قرآن اور حدیث کے صریح مخالف ہے۔

لما قولہ تعالیٰ: ۱۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَآءَ لِلّٰہِ غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِہٖ۔ (الحج آیت ۳۰، ۳۱)

۲۔ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً حَسَنَۃً یَّکُنْ لَّہٗ نَصِیْبٌ مِّنْھَا وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً سَیِّئَۃً یَّکُنْ لَّہٗ کِفْلٌ مِّنْھَا۔ (النساء آیت ۸۵)

وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام: المُسْتَشَارُ مُؤتمن۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۰۵)

وعن تمیم الداریؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الدِّیْنُ النصیحۃ قلنا لمن قال لِلّٰہِ ولکتابہٖ ولرسولہ ولائمۃ المسلمین وعامتھم۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۴ کتاب الایمان۔ صحیح مسلم ج ۱ ص ۵۴ کتاب الایمان) [1]

ووٹ کا حق استعمال نہ کرنا

سوال: عصرِ حاضر میں انتخابات کے موقع پر پولنگ کے دوران بعض لوگ بالکل ووٹ کا استعمال نہیں

---

[1] ووٹ کی شرعی حیثیت کے لیے دیکھئے (۱) جواہر الفقہ ج ۲ ص ۲۹۶ تا ص ۳۰۱۔ (۲) جدید فقہی مسائل ج ۱ ص ۲۶۵ تا ۲۶۶ متفرقات۔

وَمِثْلُہٗ فی النسائی ج ۲ ص ۱۶۴ کتاب الامارۃ۔

کرتے ہیں، کیا شریعتِ مقدسہ کی رُو سے ووٹ کا حق استعمال کرنا لازمی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ووٹ کی حیثیت ایک قسم کی شہادت ہے اور شہادت میں یہ تفصیل ہے کہ شہادت کبھی واجب اور کبھی فرض کی حد تک پہنچتی ہے اور کبھی استحباب اور اباحت کے درجہ میں ہوتی ہے۔ جہاں کہیں شہادت کے ترک کرنے سے مُدعی کا حق سلب ہوتا ہو تو وہاں شہادت دینا واجب ہو جاتا ہے، اور جہاں کہیں گواہوں کی تعداد زیادہ ہو وہاں گواہی دینا مستحب اور مباح ہے۔

لما قال الامام القرطبیؒ فی تفسیر هذه الآیة "وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ إِذَا مَا دُعُوا" فاذا كانت الفسحة لكثرة الشهود والامن من تعطل الحق فالمدعو مندوب وله ان يتخلف لادنى عذر وان تخلف لغير عذر فلا اثم عليه ولا ثواب له واذا كانت الضرورة وخيف تعطل الحق ادنى خوف قوى الندب وقرب من الوجوب۔ واذا علم ان الحق يذهب ويتلف بتأخر الشاهد عن الشهادة فواجب عليه القيام بها لاسيما ان كانت محصلة وكان الدعاء الى ادائها۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۳۹۸ سورۃ البقرۃ)

انتخابات میں ووٹنگ کے دوران ہر شخص کو یہ اندازہ لگانا چاہیئے کہ اگر میں نے فلاں حقدار شخص کو ووٹ نہ دیا تو اس کے مقابلے میں فاسق فاجر کامیاب ہو جائے گا، تو ایسی حالت میں اس کے لیے ووٹ کا حق استعمال کرنا ضروری ہے، اور اگر یہ خطرہ موجود نہ ہو تو اس کے لیے ووٹ کے عدم استعمال پر کوئی مواخذہ نہیں۔

اسی طرح اگر کسی انتخابی حلقہ میں حصہ لینے والے اُمیدوار فسّاق و فجّار ہو تو ووٹر کے لیے بھلائی اسی میں ہے کہ ووٹ کا بالکل استعمال نہ کرے۔ حقیقت میں ووٹ کے استعمال کے دو پہلو ہوتے، اور یہ تو ووٹر کی اپنی صوابدید پر منحصر ہوتا ہے کہ میرے لیے ووٹ استعمال کرنے میں کیا فائدہ ہے اور عدم استعمال میں کیا نقصان ہے، اپنے دینی اور دُنیوی فائدہ کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ووٹ کا استعمال کرے، اس لیے کہ ووٹ کی حیثیت ایک قسم سفارش کی ہے، اور سفارش اگر اچھی ہو تو ثواب ورنہ گناہ کا مستوجب ہوگا۔

قال الامام القرطبیؒ فی تفسیر هذه الآیة "مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ

نَصِيبٌ مِّنْهَا وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهُ كِفْلٌ مِّنْهَا۔ (النساء آیت ۸۵)

وَقال مجاھد والحسن وابن زیاد وغیرھم ھی فی شفاعات الناس بینھم فی حوائجھم فمن یشفع لینفع فلہ نصیب ومن یشفع لیضر فلہ کفل۔
(الجامع لاحکام القرآن ج ۵ ص ۲۹۵ سورۃ النساء)[1]

دین کے لیے ووٹ کے استعمال میں والدین کی نافرمانی میں گناہ نہیں

سوال :- ایک شخص دیندار ہے اور شرع کا پابند ہے، جب انتخابات کا وقت آتا ہے تو وہ ایک دینی جماعت کو ووٹ دیتا ہے جبکہ اس کا والد سیکولر ذہنیت رکھتا ہے اور اپنا ووٹ بھی غیر مذہبی پارٹی کو دیتا ہے اور اپنے دیندار بیٹے سے بھی کہتا ہے کہ میری پسندیدہ پارٹی کو ووٹ دینا، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ از روئے شرع بیٹے کے لیے والد کی یہ بات ماننا صحیح ہے یا نہیں ؟

الجواب :- ایک سعادتمند بیٹے کے لیے والدین کی فرمانبرداری ضروری ہے لیکن ایسے امور میں نہیں کہ جس سے دین کو نقصان پہنچتا ہو اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بنتا ہو۔ صورتِ مسئولہ میں بیٹا عند اللہ اپنی مسئولیت کا احساس کر کے کوئی ایسا فیصلہ کرے کہ جس سے اللہ کے ہاں اس کی ذمہ داری فارغ ہو۔

لما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام : لاطاعۃ فی معصیۃ اللہ انما الطاعۃ فی المعروف۔
(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۵ کتاب الامارۃ۔ نسائی ج ۲ ص ۲۶۶ کتاب البیعۃ)

وعن ابن سیرین ان عمران بن حصین قال للحکم الغفاری أسمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] وقال الامام ابن جریر الطبریؒ فی تفسیر ھٰذہ الآیۃ "وَلَا یَأْبَ الشُّھَدَاءُ اِذَا مَا دُعُوْا" یجب فرض ذٰلک علی من دعی للاشھاد علی الحقوق اذا لم یوجد غیرہ فاما اذا وجد غیرہ فھو فی الاجابۃ الی ذٰلک مخیر ان شاء اجاب وان شاء لم یجب۔ (جامع البیان للطبری ج ۳ ص ۱۲۷ سورۃ البقرۃ)

وقال الامام احمد مصطفیٰ المراغی رحمہ اللہ : فی حق الشھادۃ۔ وھو فرض کفایۃ لا یجب علی من دعی الیہ الا اذا لم یوجد غیرہ یقوم مقامہ۔
(تفسیر المراغی ج ۳ ص ۷۵ سورۃ البقرۃ)

يقول لاطاعة للمخلوق في معصية الخالق قال نعم۔ (کنزالعمال ج۵ ص۹۲ حدیث ۱۴۴۰۱) [1]

ووٹ دیتے وقت شخصیت یا پارٹی کو ترجیح دینا

سوال:۔ عصر حاضر میں انتخابات کے وقت اہل حلقہ کسی امیدوار مثلاً زید کو صالح، دیندار اور مدبر سمجھتے ہیں لیکن پھر بھی اس کے مقابلہ میں ووٹ بکر کو دیتے ہیں جو کہ مرتبہ میں زید سے تھوڑا سا کم ہے، اہل حلقہ کا یہ اقدام شرعاً کیسا ہے؟

الجواب:۔ انتخابات میں ووٹ دیتے وقت اہل اور صالح ترین آدمی کو ترجیح دینا ضروری ہے تاہم اگر صالح آدمی کے متعلق یہ یقین ہو کہ وہ اسمبلی میں پہنچ کر صدارتی انتخابات یا وزارت عظمیٰ کے انتخاب میں کسی فاسق فاجر کو ووٹ دے گا تو اس صورت میں اُسے ترجیح نہیں دی جائے گی بلکہ جو شخص آگے کسی دیندار صدارتی امیدوار کو ووٹ دے گا اس کو صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے انتخابات میں ترجیح دینی ضروری ہے۔

قال العلامة الحاكم نيسابوريؒ: عن ابن عباس رضي الله عنهما قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من استعمل رجلاً من عصابة وفي تلك العصابة من هو ارضى لله منه فقد خان الله وخان رسوله وخان المؤمنين۔ (المستدرك على الصحيحين ج۴ ص۹۲) [2]

بیوی کو ووٹ ڈالنے سے منع کرنا

سوال:۔ ووٹنگ کے دوران ایک شخص اپنی بیوی کو ووٹ ڈالنے سے منع کرتا ہے اور بیوی اپنے

---

[1] عن ابن جرير كوش عن عليؓ قال لا طاعة لبشر في معصية الله۔
(کنزالعمال ج۶ ص۶۷ حدیث ۱۴۹۱۱)

وقال الامام شوكاني محمد بن عليؒ: وكل من كانت له ولاية شرعية لا ولاية طاغوتية والمراد طاعتهم فيما يأمرون به وينهون عنه مالم تكن معصية فلا طاعة لمخلوق في معصية الله۔ (تفسير فتح القدير للشوكاني ج۱ ص۴۸۱ سورة البقرة)

[2] وعن حذيفة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ايما رجل استعمل رجلاً على عشرة انفس علم ان في العشرة افضل ممن استعمل فقد غش الله وغش رسوله وغش جماعة المؤمنين۔ (کنزالعمال ج۶ ص۱۹ حدیث ۱۴۶۵۳)

ومثله في كنزالعمال ج۶ ص۲۵ حدیث ۱۴۶۸۷۔

خاوند کے خوف کی وجہ سے ووٹ ڈالنے سے محروم ہوجاتی ہے، شریعت کی رُو سے بیوی کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ ووٹ ایک قسم کی شہادت ہے اور شہادت کبھی واجب ہوتی ہے اور کبھی فرض کفایہ، موجودہ حالات میں ووٹنگ کا جو نظام ہے اس میں ووٹر زیادہ ہوتے ہیں اس لیے ووٹ ڈالنا زیادہ سے زیادہ فرض کفایہ کے حکم میں داخل ہوگا، اور فرض کفایہ میں یہ قاعدہ ہے کہ ضرورت کے تحت اگر چند لوگ ووٹ کا حق استعمال کریں تو اوروں کا ذمہ فارغ ہوجاتا ہے۔ اس لیے اگر خاوند بیوی کو ووٹ ڈالنے سے منع کرے تو شرعاً کسی پر مواخذہ نہیں' نہ خاوند پر اور نہ بیوی پر' بلکہ عورت کے لیے عزت اور حیاء اسی میں ہے کہ خاوند کی بات مان کر ووٹ ڈالنے سے احتراز کرے۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: ان الشهادة فرض کفایة اذا قام بها البعض سقط عن الباقین وتتعین اذا لم یکن الا شاهدان۔ (البحرالرائق ج۷ ص۵۵ کتاب الشهادة)[1]

رشتہ داری کی بنیاد پر ووٹ دینے کا حکم

سوال:۔ کسی امیدوار کو اچھے بُرے کی تمیز کیے بغیر محض برادری اور رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ووٹ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اہل اور حقدار کے بجائے صرف رشتہ داری اور برادری کی وجہ سے کسی امیدوار کو ووٹ دینا عصبیت اور جاہلیت کے مترادف ہے، اور حضور نبیٔ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عصبیت کی دلدل میں پھنسنے والوں سے بے زاری کا اظہار فرمایا ہے۔

لما ورد فی الحدیث: وعن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم من خرج من الطاعة وفارق الجماعة فمات میتة جاهلیة......

---

[1] وقال الامام عبدالرحمٰن بن علی الجوزی القرشیؒ: انما یلزم الشاهد ان لا یأبی اذا دعی لاقامة الشهادة اذا لم یوجد من یشهد غیره۔ فاما ان کان قد تحملها جماعة لم تتعین علیه وکذلك فی حال تحملها لانه فرض علی الکفایة کالجهاد فلا یجوز لجمیع الناس الامتناع منه۔ (زاد المسیر فی علم التفسیر ج۱ ص۳۳۹ سورة البقرة)

ومن قاتل تحت رأية عمية يدعوا الى عصبية او يغضب لعصبية فقتل فقتلة جاهلية ۔ (سنن النسائی ج ۲ ص۱۵۶ کتاب المحاربۃ، باب التغلیظ فیمن قاتل تحت رایۃ عمیۃ)[1]

دیندار امیدوار کے حق میں ووٹ دینے کی قسم توڑنا

سوال:۔ زید نے انتخابات کے موقع پر عمرو کے بارے قسم اٹھائی کہ میں اپنا ووٹ عمرو کو دوں گا، لیکن کچھ دن بعد عمرو کے مقابلہ میں بکر انتخابات کے لیے کھڑا ہوگیا اور تمام اہل محلہ کے نزدیک بکر، عمرو سے دینی اور دُنیوی دونوں اعتبار سے اچھے کردار کا مالک ہے، اب زید کہتا ہے کہ میں نے جو قسم اٹھائی ہے اُسے بکر کے حق میں توڑ سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب:۔ بکر چونکہ دیندار اور دیانتدار ہونے کی وجہ سے ووٹ کا صحیح حقدار ہے اس لیے زید کو چاہیئے کہ اپنی قسم توڑ دے اور قسم کا کفّارہ ادا کرے اور اپنا ووٹ بکر کے حق میں استعمال کرے تو شرعاً اس کا ذمّہ فارغ ہوجائے گا۔

لما روی امام نسائیؒ: عن عدی بن حاتم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من حلف علی یمین فرأی غیرها خیراً منها فلیأت الذی هو خیر ولیکفر عن یمینه ۔ (سنن النسائی ج ۲ ص۱۴۱ کتاب الایمان والنذور، باب من حلف علی یمین فرأی خیراً منہا)[2]

مسلمانوں اور مرزائیوں کی متحدہ جماعت کو ووٹ دینے کی شرعی حیثیت

سوال:۔ ایک مسلم پارٹی کا قادیانیوں سے انتخابی اتحاد ہوا ہے، الیسی متحدہ جماعت کو ووٹ دینا مسلمانوں

---

[1] لما فی الحدیث: وعن فسیلة قالت سمعتُ ابی یقول سألت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقلت یا رسول اللہ امن العصبیة ان یحب الرجل قومه قال لا ولکن من العصبیة ان یعین الرجل قومه علی الظلم ۔ (سنن ابن ماجہ ص۲۸۳ باب العصبیۃ)

وَمِثْلُہٗ فی کنزالعمال ج ۳ ص۵۱۰ رقم حدیث ۷۶۵۷

[2] وقال الامام ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفیؒ: ومن حلف علی معصیةٍ ینبغی ان یحنث ویکفر ۔ (کنزالدقائق ص۱۵۵ کتاب الیمین)

وَمِثْلُہٗ فی سنن النسائی ج ۲ ص۱۴۱ کتاب الایمان والنذور، باب من حلف علی یمین فرأی خیراً منہا۔

مسلمانوں کے لیے شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- قادیانی چونکہ مرتد اور خارج من الاسلام ہیں، ان سے اتحاد کرنے سے اگرچہ کسی وقتی مصلحت کی بناء پر کچھ معمولی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں، لیکن ان کے ارتداد اور کفر کی وجہ سے ان کے جو مذموم مقاصد ہیں اتحاد کی صورت میں وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، اس لیے قادیانیوں سے اتحاد کرنے میں فائدہ کم اور نقصان کا احتمال زیادہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ یہودیوں سے اتحاد کیا تھا لیکن اس سے کوئی اسلامی شعائر متاثر نہیں ہوا تھا۔

تاہم صورتِ مسئولہ کے مطابق اگر مسلمان کسی نیک مقصد کی تکمیل کے لیے قادیانیوں سے اتحاد کرلیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بنیادی طور پر کفار اور مشرکین سے اتحاد کرنا ممنوع ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے : لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيرُ ۝ (سورۃ آل عمران آیت ۲۸)

لیکن جہاں کہیں مسلمانوں کو کفار اور مشرکین سے دینی اور دنیوی فائدہ ہو تو ایسی صورت میں ان سے اتحاد کرنا مرخص ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ منورہ میں آنے کے بعد یہودیوں کے دو مشہور قبائل بنو نضیر اور بنو قریظہ سے اتحاد کیا تھا، اور صلح حدیبیہ بھی اسی قسم کے اتحاد اور معاہدہ کی ایک کڑی تھی۔ اسی طرح آج بھی حالات کو دیکھا جائے گا کہ اگر مسلمانوں اور اسلام کو کفار کے ساتھ اتحاد کرنے میں کوئی معقول فائدہ ہو تو ان سے اتحاد کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔

لما قال الامام شمس الدین السرخسیؒ : ولان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صالح اهل مکة عام الحدیبیة علی ان وضع الحرب بینه وبینهم عشر سنین فکان ذٰلک نظراً للمسلمین لمواطئة کانت بین اهل مکة واهل خیبر وهی معروفة ولان الامام نصب ناظراً ومن النظر حفظ قوة المسلمین اولاً فربما في ذٰلك الموادعة اذا کانت للمشرکین شوکة۔ (المبسوط للسرخسی ج۱۰ ص۸۶ کتاب السیر)

وقال الامام ابوبکر جصاصؒ فی تفسیر هٰذه الآیة : "وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا" قال

ابوبکر قد کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم عاھد حین قدم المدینۃ اصنافاً من المشرکین منھم النضیر وبنو قینقاع وقریظۃ وعاھد قبائل من المشرکین۔

(احکام القرآن ج۳ ص۸۶ سورۃ الانفال) [1]

فاسق وفاجر کے حق میں ووٹ کا استعمال کرنا

سوال:۔ کسی فاسق اور فاجر شخص کے حق میں ووٹ کا استعمال شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ووٹ ایک امانت اور سفارش ہے یا ایک قسم کی شہادت ہے، اس اعتبار سے کسی فاسق یا فاجر شخص کو ووٹ نہیں دینا چاہیئے، ووٹ کسی دیانتدار، امانتدار اور دیندار یا ایسے شخص کو دینا چاہیئے جو قوم اور ملک کے لیے مفید ثابت ہو۔ تاہم جہاں کہیں پارٹی کی بنیاد پر الیکشن ہو تو اس میں شخصیت کے مقابلہ میں پارٹی کے منشور کو مدِنظر رکھنا زیادہ مناسب ہے۔

قولہ تعالیٰ: [1] إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا۔ (النساء آیت ۵۸)

[2] مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا۔ (النساء آیت ۸۵)

وَنقل الامام القرطبیؒ فی تفسیر ھٰذہ الآیۃ: ھی فی شفاعات الناس بینھم فی حوائجھم فمن یشفع لینفع فلہٗ نصیب ومن یشفع لیضر فلہٗ کفلٌ۔ (الجامع لاحکام القرآن ج۵ ص۲۹۵ سورۃ النساء) [3]

---

[1] قال فی الهندیۃ: واذا رأی الامام ان یصالح اهل الحرب اوفریقاً منھم وکان ذٰلک مصلحۃ للمسلمین فلا بأس بہ وان رأی الامام موادعۃ اهل الحرب وان یأخذ علیٰ ذٰلک مالاً فلا بأس بہ لکن ھٰذا اذا کان بالمسلمین حاجۃ اما اذا لم تکن فلا یجوز۔

(الفتاویٰ الهندیۃ ج۲ ص۱۹۶ الباب الثالث فی المواعۃ والامان الخ)

[2] وقال الدکتور الزحیلیؒ: ثانیاً، العدالۃ۔ ای الدیانۃ والاخلاق الفاضلۃ وھی معتبرۃ فی کل الولایۃ وھی ان یکون صادق اللھجۃ ظاھر الامانۃ عفیفاً عن المحارم۔ متوقیاً المآثم۔ بعیداً من الریب۔ مامونًا فی الرضاء والغضب۔ مستعملاً لمروءۃ مثلہٗ فی دینہ ودنیاہ۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہٗ ج۶ ص۶۹۴ الباب السادس نظام الحکم فی الاسلام، المبحث الرابع شروط الامام)

ووٹ لینے کی غرض سے لوگوں میں رقم تقسیم کرنا

سوال :۔ انتخابات کے موقع پر بعض امیدوار اپنے حلقہ کے لوگوں میں کچھ پیسے یا کھانے پینے کی بعض اشیاء اس غرض سے تقسیم کرتے ہیں کہ کل ووٹنگ کے وقت یہ لوگ اپنا ووٹ ان کے حق میں استعمال کریں، شرعاً ان تقسیم شدہ اشیاء کی کیا حیثیت ہے؟

الجواب :۔ اگر امیدوار کا مقصد یہ ہو کہ میں پیسوں کے ذریعے لوگوں سے ووٹ خریدتا ہوں، تو اس غرض سے لوگوں کو پیسے دینا جائز نہیں، اس لیے کہ ووٹ کی شرعی حیثیت یا تو شہادت (گواہی) کی ہے یا سفارش کی، اور فقہاء کے نزدیک شہادت پر پیسے لینا جائز نہیں۔

لما قال الامام ابن الھمام رحمہ اللہ : بخلاف الشھادۃ فانھا فرض یجب علی الشھادۃ اداءھا فلا یجوز فیھا التعارض اصلاً۔ (فتح القدیر ج ۷ ص ۲ کتاب الشھادۃ)

اور اگر امیدوار کی غرض خرید وفروخت کی نہ ہو بلکہ ویسے لالچ دینے کے لیے ہو کہ پیسے دیکھ کر لوگ مجھے ووٹ دیں گے تو اس صورت میں تقسیم شدہ اشیاء کی حیثیت رشوت کی ہے اور رشوت لینا اور دینا شرعاً حرام ہے، اس لیے ووٹ کے عوض میں کچھ لینا اور دینا دونوں ناجائز ہے۔

لقولہ علیہ السلام : لعن اللہ الراشی والمرتشی والرائش الذی یمشی بینھما۔
(کنز العمال ج ۶ ص ۱۱۴ حدیث ۱۵۰۸۰) [1]

عورت کے لیے ووٹ کا حق استعمال کرنا

سوال :۔ صوبائی اور قومی اسمبلیوں کے انتخابات کے موقع پر عورت اپنا حق رائے دہی (ووٹ) کا استعمال کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ ووٹ درحقیقت ایک قسم کی شہادت کی حیثیت رکھتا ہے، ووٹ کے

---

[1] وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الراشی والمرتشی فی الحکم۔ (ترمذی ج ۱ ص ۲۴۸ ابواب الاحکام، باب ماجاء فی الراشی والمرتشی

ومثلہ فی سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۱۴۸ کتاب القضاء، باب فی کراھیۃ الرشوۃ۔

ذریعہ ووٹر امیدوار کی اہلیت کی گواہی دیتا ہے اور اسی طرح ووٹر اپنے حلقہ کے امیدوار کے حق میں رائے اور مشورہ دیتا ہے۔ شریعتِ مطہرہ نے عورت کو اہل الرائے، اہلِ مشورہ اور اسی طرح اہلِ شہادت قرار دیا ہے۔

لقولہٖ تعالیٰ: فَاِنْ لَّمْ یَكُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّ امْرَاَتٰنِ۔ (البقرۃ ۲۸۲)

خلفاء راشدین کے روشن دورِ خلافت میں جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت ختم ہوئی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے لوگوں سے مشورہ اور رائے طلب کی تو اس موقعہ پر آپؓ نے پاکدامن عورتوں سے بھی مشورہ اور رائے طلب کی تھی۔

لما قال الامام ابن کثیر رحمہ اللہ: ثم نہض عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ یستشیر الناس فیہما ویجتمع رأی المسلمین برأی روس الناس واقیادھم جمیعًا واشتاتًا مثنیٰ وفرادیٰ ومجتمعین سرًّا وجہرًا حتیٰ خلص الیٰ النساء المخدرات فی حجابہن وحتیٰ سأل الولدان فی المکاتب وحتیٰ سأل من یرد من الرکبان والاعراب الی المدینۃ فی مدۃ ثلاثۃ ایام بلیالیھا۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۱۵۱)

تاہم ایک مسلمان عورت کے ووٹ ڈالنے کے لیے ضروری ہے کہ وہ پردہ اور دیگر امورِ شرعیہ کا خیال کرتے ہوئے اپنے ووٹ کا حق استعمال کرے ورنہ معصیت کے ارتکاب سے ووٹ کا ترک کرنا افضل ہے۔

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "عورتوں کا ووٹر بننا ممنوع نہیں ہے، ہاں ووٹ دینے وقت شرعی پردہ کا لحاظ رکھنا لازم ہوگا۔"

(کفایت المفتی ج ۹ ص ۳۷۱ کتاب السیاسۃ)

عورت کی شہادت (گواہی) کے بارے میں علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وما سویٰ ذٰلک من المعاملات ای وکل ما سویٰ ذٰلک یقبل فیہ رجلان أو رجل وامرأتان سواء کان الحق مالًا اولا کالنکاح والطلاق والوکالۃ والوصیۃ ونحو ذٰلک

كالعتق والوجيهة والنسب - (فتح القدير ج ۶ ص ۴۵۰، ۴۵۱ کتاب الشهادة)[1]

سوال:- مروجہ انتخابات جو کہ

مروجہ مغربی طرز پر ہونے والے انتخابات میں علماء کا حصہ لینا

مغربی طرز جمہوریت پر ہوا کرتے ہیں علماء کرام ان انتخابات میں حصہ کیوں لیتے ہیں؟

الجواب:- علماء کرام کے لیے لازم ہے کہ اپنے دینی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے سیاسی لائن پر منکرات کا سدِ باب کریں اور برسرِ اقتدار طبقہ کو خلافِ شرع امور کی نشاندہی کرتے ہوئے منکرات سے بچائیں۔ اور اس قسم کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر انتخابات میں شرکت کیے بغیر صحیح طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتے، اسی لیے علماء کرام ضرورت کے تحت مروجہ طریقہ انتخابات کے ذریعہ ایوانِ اقتدار میں پہنچ کر حق کی آواز بلند کرتے ہیں۔

فقہ کا مشہور قاعدہ ہے جسے علامہ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، آپ فرماتے ہیں: من ابتلی ببلیتین وهما متساویان یأخذ بایتهما شاء وان اختلفا یختار اهونهما لان مباشرة الحرام لا تجوز الا للضرورة ولا ضرورة فی حق الزیادة۔ (الاشباه والنظائر مع شرح للحموی ج ۱ ص ۲۸۶ القاعدة الخامسة الضرر یزال)[2]

انتخابات میں مروجہ طریقہ کے تحت حصہ لینا ترکِ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے

---

[1] وقال العلامة ابن حجر العسقلانیؒ: عن مسروق ۔۔۔۔ کانت عائشةؓ افقه الناس واعلم الناس واحسن الناس رأیاً فی العامة ۔ (الاصابة فی تمیز الصحابة ج ۴ ص ۳۶۰ ذکر عائشةؓ)

وقال العلامة عمرؒ کحالہ فی ترجمة شفاء بنت عبد الله: یقول الشفاء بنت عبد الله ۔۔۔۔۔ صحابیة جلیلة ذات عقل وفضل وجودة رأی کان عمر بن الخطاب رضی الله عنه یقدمها فی الرأی ویرضاها ویفضلها وربما ولاها شیئاً من امر السوق ۔

(اعلام النساء لعمر کحالة ج ۲ ص ۳۰۰)

[2] وقال الامام القرطبیؒ فی تفسیر هذه الآیة "مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ" ای سلطانه ۔۔۔۔ ۔۔۔۔ عادته ای بظلم بلا حجة مجاهد فی حکمه وهو استرقاق السراق ۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو روکنے کے لیے ملکِ مصر کے قانون کا لحاظ رکھتے ہوئے اس پر عمل فرمایا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۲۳۸ سورة یوسف)

اَھوُن ہے، اس وجہ سے بھی علماء کرام مغربی طرزِ جمہوریت کے مطابق منعقدہ انتخابات میں حصہ لیتے ہیں۔

انتخابی مہم میں مخالف امیدوار پر نازیبا الفاظ استعمال کرنا

سوال:۔ انتخابات کے دوران بعض امیدوار انتخابی جلسوں میں لاؤڈ سپیکر پر اعلانیہ ایک دوسرے (مخالف امیدوار) کو گالی گلوچ اور نازیبا الفاظ کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں، ازروئے شرع کسی پر نازیبا الفاظ کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ مطہرہ نے کسی مسلمان کی بے جا تحقیر کرنے یا اس کے بارے میں نازیبا الفاظ زبان سے نکالنے کو ایک بری خصلت قرار دیا ہے، اسی طرح کسی مسلمان کو گالی گلوچ کرنا فسق وفجور کی علامت ہے، ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اپنی زبان کو ہر وقت قابو میں رکھے اور کسی کی دلآزاری نہ کرے، جذبات کی رَو میں بہہ کر اپنی مسئولیت کو پسِ پُشت نہیں ڈالنا چاہیئے، اسلامی اقدار کا ہر میدان میں خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔

لما روی البخاریؒ: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ ومن کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلا یؤذ جارہ ومن کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیقل او لیصمت۔ (صحیح بخاری ج۲ ص۸۸۹ کتاب الادب باب لا تحقرن جارۃ لجارتھا)

وایضاً: عن النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم قال سباب المسلم فسوق وقتالہ کُفرٌ۔ (سنن النسائی ج۲ ص۱۵۶ کتاب المحاربۃ) [1]

---

[1] لما فی الحدیث: عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان العبد یتکلّم بالکلمۃ ما یتبین فیھا یزل بھا فی النار ابعد ما بین المشرق۔ (صحیح بخاری ج۲ ص۹۵۹ کتاب الرقاق۔ باب حفظ اللسان ومن کان یؤمن باللہ الخ)

ایضاً: عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر۔ (صحیح بخاری ج۲ ص۸۹۳ کتاب الادب باب ما ینھی عن السباب واللعن)

انتخابات میں خود اُمیدوار بننا

سوال :- ایم این اے اور ایم پی اے کی مراعات اور اسے منافع بخش کاروبار سمجھتے ہوئے لوگ خود اس میدان میں اُتر آتے ہیں، جن میں سے اکثر کا نہ تو کوئی منشور ہوتا ہے اور نہ ہی ملک کی بہتری کا کوئی پروگرام ان کے پیشِ نظر ہوتا ہے ۔ تو کیا ذاتی طور پر انتخابات میں امیدوار بننا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب : شریعتِ مطہرہ اصولی طور پر کوئی بھی عہدہ طلب کرنے کے خلاف ہے، امارت یا وزارت وغیرہ کے عہدہ پر فائز ہونے کے لیے مناسب یہ ہے کہ عوام میں سے دانشور لوگ کسی کو منتخب کریں اور جو کوئی خود اپنے آپ کو امارت و وزارت کے لیے پیش کرتا ہو تو شریعت ایسے اقدام کی نفی کرتی ہے ۔

لقوله علیه السلام : انا والله لا نولّی علی هذا العمل احدًا سأله ولا احدًا حرص علیه ۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۰ کتاب الامارة)

وایضاً : عن عبد الرحمٰن بن سمرةؓ قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا تسأل الامارة فانك ان اعطیتها عن مسئلة وكلت الیها وان اعطیتها عن غیر مسئلة اعنت علیها ۔ (السنن النسائی ج ۲ ص ۲۵۸ کتاب الامارة) [۱]

تاہم جہاں کہیں نا اہل نمائندوں کی وجہ سے عوام کے حقوق ضائع ہوتے ہوں یا بے دین اور فسّاق و فجّار کے ممبر منتخب ہونے سے معاشرہ میں بے دینی کی ترویج کا خطرہ ہو تو فواحش اور مظالم کے انسداد کے لیے انتخابی میدان میں آنا کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ امیدوار خود کسی خلافِ شرع امور میں ملوّث ہونے کا خطرہ محسوس نہیں کرتا ہو، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہِ مصر سے فرمایا تھا: اجعلنی عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۔ (یوسف) ورنہ جہاں کہیں ایسے میدان میں خود آنا بے دینی کا ذریعہ بننا یقینی ہو تو بے دینی کے لیے سبب بننا خود جرم ہے ۔

---

[۱] لما ورد فی الحدیث : عن ابی ذرؓ قال قلتُ یا رسول الله الا تستعملنی قال فضرب بیده علی مَنکِبی ثمّ قال یا اَبا ذر انك ضعیف وانها امانة وانها یوم القیٰمة خزیٌ وندامة الا من اَخذها بحقّها و اَدّی الّذِیْ عَلَیْهِ فِیْهَا ۔

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۲۱ کتاب الامارة)

انتخابی وعدوں کا شرعی حکم

سوال :- انتخابی مہم کے دوران ایک امیدوار نے لوگوں سے قسم قسم کے وعدے کیے اور لوگوں نے بھی اس سے عہد و پیمان لیا کہ کامیاب ہونے کے بعد آپ فلاں فلاں کام کریں گے، لیکن جب وہ کامیاب ہوگیا تو اُسے نہ وہ وعدے یاد رہے اور نہ ہی کوئی کام کیا بلکہ اپنی عیش و عشرت میں مصروف رہا، ایسے وعدے پورے نہ کرنے کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب :- شریعت میں کسی کے کام کرنے کے لیے دو قسم کے الفاظ مستعمل ہوتے ہیں، ان میں سے ایک کو کہتے ہیں وَعدہ اور دوسرے کو کہتے ہیں مُعاھدہ۔ اب شریعتِ مطہرہ میں معاہدہ پورا کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے اور کبھی کبھی تو معاہدہ قسم کی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے، اور اگر معاہدہ توڑ دیا جائے تو یمین یعنی قسم کا کفّارہ لازم آئے گا۔

لما قال الامام ابو بکر جصاص رحمہ اللہ فی تفسیر قولہ تعالیٰ: "وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا" العھد یتصرف علیٰ وجوہ فمنھا الامر - قال اللہ تعالیٰ: "وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ" وقال: "اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ" والمراد الامر وقد یکون العَهْدَ یَمِیْنًا ودلالۃ الاٰیۃ علیٰ ان المراد فی ھٰذا الموضع الیمین ظاھر لانہٗ قال: "وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا" ولذٰلک قال اصحابنا ان من قال علیٰ عَهْدِ اللّٰهِ ان فعلت کذا انہٗ حالف وقد روی فی حدیث حذیفۃ - حین اَخذہ المشرکون وَاَباہ فاخذوا منہ عھد اللہ ان لا یقاتلوا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلمّا قدما المدینۃ ذکرا ذٰلک للنّبیّ صلی اللہ علیہ وسلم فقال تفی لھم بعھدھم وتستعین اللہ علیھم۔

(احکام القرآن ج۳ ص۲۳۵ سورۃ النحل)

دوسری قسم وَعدہ کی ہے، وعدہ وفا کرنے کو شریعتِ مطہرہ نے مکارمِ اخلاق سے شمار کیا ہے، اگر کوئی شخص کسی سے وعدہ کرے کہ میں انشاء اللہ آپ کے لیے فلاں کام کروں گا، اور وعدہ کرتے وقت وہ کام کرنے کا ارادہ بھی تھا تو بعد میں کسی وجہ سے کام نہ کرسکنے پر گنہگار نہ ہوگا، تاہم وعدہ کو بروقت پورا کرنا ایک مستحسن فعل ہے اور

اور انسانی مروّت کا شیوہ بھی ہے۔

لما روی ابو داؤد فی سننہ : عن زید بن ارقم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا وعد الرجل اخاہ ومن نیتہ ان یفی فلم یف ولم یجئ للمیعاد فلا اثم علیہ۔
(سنن ابی داؤد ج ۲ ص۳۲۶ کتاب الادب، باب فی العدۃ)

وقال العلامۃ فخر الحسن الجنجوھیؒ فی شرح ھٰذا الحدیث: "قولہ، فَلَا اِثْمَ علیہ" قیل فیہ دلیل علی ان الوفاء بالوعد لیس بواجب شرعی بل ھو من مکارم الاخلاق بعد ان کان نیتہ الوفاء۔ (تعلیق المحمود علی ھامش ابی داؤد ج ۲ ص۳۲۶ کتاب الادب، باب العدۃ) [1]

ان دونوں میں دیکھنا ہوگا کہ اُمیدوار کا وعدہ کس قسم سے تھا، اگر معاہدہ کی قسم سے ہو تو اُسے اپنا معاہدہ پورا کرنا ہوگا ورنہ گنہگار ہوگا، اور اگر وعدہ کی تک ہو تو پھر بھی انسانی اخلاق وشرافت کا تقاضا یہ ہے کہ وعدہ پورا کرے بصورتِ دیگر گنہگار نہ ہوگا، ہاں وعدہ کرتے وقت اسے پورا کرنے کی نیت کا ارادہ کرنا ضروری ہے ورنہ پھر نفاق کی علامت ہوگی۔

کیا عورت پارلیمنٹ کی رکن بن سکتی ہے؟

سوال:۔ عصرِ حاضر میں انتخابات کے موقع پر مرد اور عورتیں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، کیا اسلام میں یہ جائز ہے کہ عورت کو قومی اسمبلی یا پارلیمنٹ کی رُکن منتخب کیا جائے؟

الجواب:۔ اس پُرفتن دور میں حالات کے پیشِ نظر عورت کو اسمبلی یا پارلیمنٹ کی رُکنیت حاصل کرنے سے احتراز کرنا چاہیئے اس لیے کہ موجودہ حالات میں انتخابات

---

[1] وقال الامام ابن حجر العسقلانیؒ : لان خلف الوعد لا یقدح الا اذا کان العزم علیہ مقارناً للوعد۔ امّا لو کان عازماً ثم عرض لہٗ مانع او بدا لہ رائی فھٰذا لہ توجد منہ صورۃ النفاق۔ (فتح الباری ج ۱ ص۹۰ کتاب الایمان، باب علامات النفاق)

وروی ابوداؤدؒ : عن ابن عمران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان للغادر ینصب لہٗ لواء یوم القیٰمۃ فیقال ھٰذہ غدرۃ فلان بن فلان۔
(سُنن ابی داؤد ج ۲ ص۲۳ فی الباب فی الوفاء بالعھد)

کے لیے مہم چلانے کے دوران عورت کے لیے پردہ برقرار رکھنا مشکل نظر آتا ہے، تاہم اگر عورت انتخابات میں اس طرح حصہ لے کہ شرعی پردے کا خاص خیال رہے اور کسی غیر شرعی امور کا ارتکاب نہ کرے تو اس صورت میں عورت کے لیے انتخاب لڑنا اور پارلیمنٹ میں اس کو رکنیت دینا شرعاً جواز کی گنجائش ہے ۔

اس لیے کہ ارکانِ اسمبلی و پارلیمنٹ عوام اور قوم کی طرف سے ان کے وکلاء ہوتے ہیں اور عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ کسی فرد کی وکیل بنے ، فقہ حنفی کی کتابوں میں وکیل کی شرائط میں کہیں بھی ذکورت کی شرط موجود نہیں، اور بدایۃ المجتہد کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے نزدیک عورت کی وکالت صحیح ہے، صرف عقدِ نکاح میں امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک عورت وکیل نہیں بن سکتی ۔

لما قال الامام ابن رشد الحفیدؒ : وشروط الوکیل ان لا یکون ممنوعاً بالشرع من تصرفه فی الشیٔ الذی وکل فیه فلا یصح توکیل الصبی ولا المجنون ولا المرأۃ عند مالکؒ والشافعیؒ علی عقد النکاح ۔ (بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد ج ۲ ص ۲۹۶ الباب الاول، کتاب الوکالۃ)

اسی طرح ارکانِ اسمبلی و پارلیمنٹ کی حیثیت اہلِ حل و عقد کی ہے، ان ہی کے ووٹوں سے پھر وزیر اعظم اور صدرِ مملکت کا انتخاب ہوتا ہے ــــ سیاست کے مشہور امام علامہ ماوردیؒ نے اہلِ حل وعقد کی شرائط میں ذکورت کا ذکر نہیں کیا ہے، آپؒ فرماتے ہیں :

فاما الاختیار فالشروط المعتبرۃ فیھم ثلاثۃ ۔ احدھا العدالۃ الجامعۃ لشروطھا ۔ والثانی : العلم الذی یتوصل بہ الی معرفۃ من یستحق الامامۃ علی الشروط المعتبرۃ فیھا ۔ والثالث : الرأی والحکمۃ المودیان الی اختیار من ھو للامامۃ اصلح وبتدبیر المصالح اقوم واعرف ۔ (الاحکام السلطانیۃ للماوردی ص ۶ الباب الاول فی عقد الامامۃ)

لہ قال العلامۃ ابو یعلیٰ الموصلی رحمہ اللہ : اما اھل الاختیار فیعتبر فیھم ثلاث شروط احدھا : العدالۃ والثانی : العلم الذی یتوصل بہ الی معرفۃ من یستحق الامامت والثالث : ان یکون من اھل الرأی والتدبیر المؤدیین الی اختیار من ھو للامامۃ اصلح ۔
(الاحکام السلطانیۃ ص ۱۹ فصول فی الامامۃ)

اگر اسلامی تاریخ اور اسماء الرجال کی کتب پر نظر ڈالی جائے تو صاف طور پر نظر آتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک صحابیہؓ کو بازار کے نظم و نسق پر مامور کیا تھا اور اس صحابیہ کو رائے اور مشورہ دینے میں ترجیح دیتے تھے، اس صحابیہ کا نام حضرت شفاء رضی اللہ عنہا ہے۔

علامہ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ اسی صحابیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: الشفاء بنت عبد اللہ بن عبد شمس بن خلف ------ وکان عمرؓ یقدمها فی الرائ ویرعاها ویفضلها وربما ولاها شیئًا من امر السوق۔ (الاصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۴ ص ۳۴۱) [1]

اس کے علاوہ صحابۂ کرامؓ میں ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بڑا مقام تھا، صحابۂ کرام کو جب بھی کسی مسئلہ میں کوئی مشکل پیش آتی تو آپؓ سے اس کے بارے میں ضرور پوچھا جاتا تھا اور آپؓ کی رائے کی بڑی اہمیت ہوتی تھی۔

علامہ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ آپؓ کی شان میں یوں رقمطراز ہیں: وقال ابو الضحیٰ عن مسروق رأیت مشیخة اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاکابر یسألونہٗ عن الفرائض۔ وقال عطاء بن ابی رباح کانت عائشةؓ افقه الناس واعلم الناس واحسن الناس رأیًا فی العامة ------ وقال ابو بردة بن ابی موسیٰ عن ابیه ما اشکل علینا امر فسألنا عنه عائشةؓ الا وجدنا عندها فیه علمًا۔

(الاصابة فی تمیز الصحابة ج ۴ ص ۳۶۰ ترجمة عائشةؓ)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ عورت کو گھریلو معاملات کے علاوہ انتظامِ مملکت میں بھی کچھ کردار ادا کرنے کی اجازت ہے۔ احناف کے نزدیک حدود اور قصاص کے علاوہ دیگر مسائل میں عورت قاضیہ بن سکتی ہے [1]

اگر عورت امورِ شرعیہ کا خیال رکھتے ہوئے اسمبلی یا پارلیمنٹ کی ممبر بن جائے تو شرعاً اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن عصرِ حاضر میں پارلیمنٹ میں عورتوں کے کردار کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس کی اجازت دینا کسی دینی مقصد کے لیے فائدہ مند نہیں بلکہ

---

[1] لما قال الامام ابن الهمامؒ: واما الذکورة فلیست بشرط الا للقضاء فی الحدود والدماء فتقضی المرأة فی کل شیٔ الا فیهما۔ (فتح القدیر ج ۶ ص ۳۵۷ کتاب ادب القاضی)

عموماً پارلیمنٹ میں عورتیں احیاء حقوق نسواں کے نام سے بے دینی کے کام زیادہ کرتی ہیں اس لیے انہیں اسمبلیوں میں نہ بھیجنا زیادہ راجح ہے۔

تاہم دلائل مذکورہ سے یہ بات کہیں ثابت نہیں ہوتی کہ عورت سربراہ مملکت بن سکتی ہے اس لیے عورت کی سربراہی کے بارے میں احادیث اور قرآن مجید میں واضح دلائل موجود ہیں، اس کے علاوہ جہاں بھی امامتِ کبریٰ کی شرائط بیان ہوئی ہیں وہاں ذکورت کی شرط لازمی ذکر ہوئی ہے۔

سیاہ وسفید رنگ کے جھنڈے کا ثبوت

سوال:۔ جمعیۃ علماء اسلام کا جماعتی جھنڈا جو کہ سیاہ وسفید رنگ پر مشتمل ہے، اس سے وابستہ علماء اس جھنڈے کو عَلَمِ نبوی کی شبیہ سمجھتے ہیں، یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کا رنگ بھی ایسا ہی تھا، تاریخ یا غزوات کی روشنی میں یہ بات کہاں تک درست ہے؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف جنگوں میں مختلف رنگ کے جھنڈے استعمال کئے ہیں، کسی ایک رنگ کے جھنڈے کا مستقل استعمال کرنا آپؐ سے ثابت نہیں۔ تاہم بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "نمرۃ" کا جھنڈا استعمال کیا ہے جس کا رنگ سیاہ اور سفید تھا، کیونکہ "نمرۃ" سفید اور سیاہ رنگ سے مرکب ہوتا ہے۔

لما قال ابن منظورؒ: والنمرۃ شملۃ فیہا خطوط بیض وسود۔ (لسان العرب ج۱۴ ص۲۹۰)

وعن یونس بن عبید مولیٰ محمد بن القاسمؒ: قال بعثنی محمد بن القاسم الی البراء بن عازب اسئالہ عن رأیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال کانت سودا مربّعۃ من نمرۃ۔ (ترمذی ج۱ ص۲۹۷ ابواب الجہاد، باب فی الرایات) [۱]

---

[۱] وعن یونس بن عبید مولیٰ محمد بن القاسمؒ: قال بعثنی محمد بن القاسم الی البراء بن عازب اسئالہ عن رأیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال کانت سودا مربعۃ من نمرۃ۔ (سنن ابوداؤد ج۱ ص۳۴۹ کتاب الجہاد باب فی الرأیات والالویۃ)

جنگ کے علاوہ جھنڈے کے استعمال کا حکم

سوال :- آجکل لوگ گھروں اور بازاروں میں جھنڈے لگاتے ہیں کیا خیر القرون میں جھنڈے کا اس قسم کا استعمال ہوتا تھا یا نہیں ؟ اور شرعاً اس طرح جھنڈے استعمال کرنے کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جنگ کے میدانوں میں جھنڈے کا استعمال کرتے تھے لیکن جنگ کے علاوہ صحابۂ کرام سے جھنڈے کا استعمال قولاً فعلاً ثابت نہیں - تاہم آجکل جو لوگ گھروں، دوکانوں یا بازاروں میں جھنڈے لگاتے ہیں اگر بلا التزام ہو تو اباحت پر محمول ہو گا، اس لیے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے -

لما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ : الاصل فی الاشیاء الا باحۃ -
(الاشباہ والنظائر مع شرحہ للحموی ج ۱ ص۲۲۳) [۱]

البتہ اگر کسی جگہ دیندار لوگوں کی کثرت ظاہر کرنے کے لیے جھنڈے کا استعمال کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں -

بے دین لوگوں کی مشابہت اختیار کرنا

سوال :- ایک شخص خود نہ تو کمیونسٹ ہے اور نہ ہی مغربی جمہوریت کو پسند کرتا ہے لیکن وہ اپنے گھر اور دوکان وغیرہ پر کمیونسٹ، سوشلزم یا مغربی جمہوریت پسند پارٹیوں کے جھنڈے لگاتا ہے اور کسی دینی یا اسلامی پارٹی کا جھنڈا نہیں لگاتا ہے، تو شرعاً اس شخص کا یہ فعل کیسا ہے ؟

الجواب :- شریعتِ مطہرہ نے غیر مسلم لوگوں کے شعار اپنانے سے منع فرمایا اس لیے مذکورہ بالا شخص کو ایسے امور کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیئے جس سے غیر مسلم اقوام کی

---

[۱] ونقل الشیخ احمد بن محمد الحموی، عن قاسم بن قطلوبغا ان المختار ان الاصل الاباحۃ عند جمہور اصحابنا - (غمز عیون البصائر ج ۱ ص۲۲۳ قاعدۃ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۶ ص۱۲۴ باب المرابحۃ والتولیۃ -

مشابہت ہوتی ہو، یا کسی بے دینی کو تقویت ملتی ہو۔

لما ورد فی الحدیث: عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تشبہ بقوم فھو منھم۔ (سنن ابی داؤد ج۲ ص۲۰۳ کتاب اللباس) لہ

مرتد کا قتل کس کی ذمہ داری ہے

سوال:۔ اگر کسی ایسے علاقہ میں جہاں کوئی حکومت نہ ہو کوئی مسلمان مرتد ہو جائے تو اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟ اور اگر اس کو قتل کرنا ضروری ہو تو یہ کس کی ذمہ داری ہے؟

الجواب:۔ مرتد کے بارے میں فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ حاکم وقت اگر مناسب سمجھے تو اُسے تین دن کی مہلت دیدے تاکہ دین اسلام کے متعلق اگر اس کے ذہن میں کچھ شبہات ہوں تو وہ ختم ہو جائیں اور وہ دوبارہ اسلام قبول کرکے راہ راست پر آجائے لیکن اگر تین دن تک جملہ کارروائی کے بعد بھی مسئلہ جوں کا توں رہے تو حاکم اس کے قتل کا حکم دے لیکن عوام میں سے کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اسے قتل کرے، یہ حکومت کی ذمہ داری ہے، یہاں تک کہ اگر کسی نے ذاتی طور پر مُرتد کو قتل کر دیا تو اس سے بازپُرس کی جائے گی۔

لما قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ۔ تحت قول کنز الدقائق: "قولہ وکرہ قتلہ قبلہ" ای قبل عرض الاسلام لان اسلامہ مرجو۔ قال فی الھدایۃ ومعنی الکراھۃ ھنا ترک المستحب یعنی فھی کراھۃ تنزیۃ وھو مبنی علی القول باستحباب العرض واما من قال بوجوبہ فھی کراھۃ تحریم کما فی فتح القدیر اطلقہ فشمل قتل الامام وغیرہ ولکن ان قتلہ غیرہ او قطع عضواً منہ بغیر اذن الامام ادبہ الامام۔ (البحر الرائق ج۵ ص۱۲۸ کتاب الجہاد) ۲ہ

لہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس منا من تشبہ بغیرنا لا تشبھوا بالیھود ولا بالنصاریٰ۔ (ترمذی ج۲ ص۹۹ ابواب استئذان)

۲ہ لما فی الھندیۃ: فان قتلہ قاتل قبل عرض الاسلام علیہ او قطع عضواً منہ کرہ ذلک کراھۃ تنزیۃ فلا ضمان علیہ لکنہ اذا فعل بغیر اذن الامام ادب علی ما صنع۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۲ ص۲۵۴ کتاب السیر)

ومثلہ فی رد المحتار ج۳ ص۳۱۳ کتاب السیر۔

حدود اور قصاص میں حاکمِ وقت کا دائرہ اختیار

سوال :۔ کسی شخص پر قصاص یا حدود کے ثبوت کے بعد حاکمِ وقت شرعاً اس میں کسی قسم کی ترمیم کا حق رکھتا ہے یا نہیں ؟ جبکہ عام طور پر قصاص کے موقع پر سربراہ مملکت مروجہ قانون کی رُو سے رحم کی اپیل کرنے پر قصاص کی معافی کا اعلان کر دیتا ہے ؟

الجواب : حدود اور قصاص ایسی سزائیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے خود مقرر اور متعین کیا ہے ، عوام الناس میں سے کسی فرد یا جماعت کو ان سزاؤں پر عملدرآمد کا حق نہیں ، اسی طرح سربراہ مملکت کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ ان سزاؤں میں کسی قسم کی کوئی ترمیم یا ردّ و بدل کرے ۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الکاسانی رحمہ اللہ : واما صفات الحدود فنقول وباللہ التوفیق لاخلاف فی حد الزنا والشرب والسکر والسرقۃ انہٗ لایحتمل العفو والصلح والابراء بعد ما ثبت بالحُجۃ لانہ حق للہ تعالیٰ خالصاً لاحق للعبد فیہ فلا یملک اسقاطہ ۔

(البدائع الصنائع ج۷ ص۲۵۵ کتاب الحدود) [1]

البتہ قصاص میں مقتول کے اولیاء کو شریعت نے اختیار دیا ہے کہ وہ قاتل سے قصاص لیں یا دیت وصول کریں یا ویسے ہی قاتل کو معاف کر دیں ، اس کے علاوہ کسی اجنبی شخص کو یا حاکمِ وقت کو شرعاً یہ حق حاصل نہیں کہ وہ مقتول کے اولیاء کی رضامندی کے بغیر قاتل کو معاف کر دے ۔

لما قال العلامۃ علاؤ الدین الکاسانی رحمہ اللہ : واما بیان ما یسقط القصاص

---

[1] وقال العلامۃ عبد القادر عودۃ : والحد ھو العقوبۃ المقررۃ حقاً للہ تعالیٰ .... یعنون بذلک انھا لا تقبل الاسقاط من الافراد ولا من الجماعۃ .... ولانھا عقوبات لازمۃ فلا یستطیع القاضی ان ان ینقص منھا او یزید فیھا کما انہٗ لا یستطیع ان یتبدل بھا غیرھا۔
(التشریع الجنائی الاسلامی ج۱ ص۶۳۵ الفصل الاول، العقوبات المقررۃ لجرائم الحدود)

بعد وجوبه فالسقط له انواع ......؛ ومنها العفو...... واما الشرائط فمنها ان یکون العفو من صاحب الحق لانہ اسقاط الحق واسقاط الحق ولاحق محال فلا یصح العفو من الاجنبی لعدم الحق۔ (بدائع الصنائع ج۷ ص۲۴۶ کتاب الحدود) [۱]

اصلاحی کمیٹی کا دائرہ اختیار

سوال:۔ علاقائی سطح پر اصلاحِ معاشرہ اور جرائم کے انسداد کے لیے اگر معززین علاقہ پر مشتمل کوئی ایسی اصلاحی کمیٹی قائم کی جائے جس کو حکومت کی طرف سے مکمل اختیار حاصل ہو تو کیا ایسی کمیٹی حدود و تعزیرات کے مقدمات کے فیصلے کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شرعی نقطہ نظر سے حدود اور تعزیرات کے قیام کا حق صرف حکومت یا اس کے منتخب شدہ قاضی یا جج کو حاصل ہے، اس کے علاوہ شریعت رعایا میں سے کسی شخص یا ادارے کو یہ اجازت نہیں دیتی، اس لیے حدود و قصاص کے مقدمات کے فیصلے کرنا ایسی کمیٹی کے دائرہ اختیار سے خارج ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الکاسانی رحمه الله: واما شرائط جواز اقامتها فمنها ما يعم الحدود كلها ومنها ما يخص البعض دون البعض اما الذی یعم الحدود كلها فهو الامامة وهو ان یكون المقيم للحد هو الامام او من ولاه الامام وهذا عندنا۔

(بدائع الصنائع ج۷ ص۵۷ کتاب الحدود)

وقال الامام سيد سابق رحمه الله: والتعزير يتولاه الحاكم لان له الولاية العامة على المسلمين۔ (فقه السنة ج۲ ص۵۰۰ کتاب الحدود) [۲]

---

[۱] وقال عبد القادر عودة: تجيز الشريعة للمجنى عليه او ولى دمه ان يعفو عن عقوبتى القصاص والدية۔ (التشريع الجنائى الاسلامى ج۱ ص۷۷۵ الباب السادس سقوط العقوبة)

وَمِثْلُهٗ فی الهداية الاخرين ص۵۵۶ کتاب الجنایات۔

[۲] وقال ابن الهمام: بخلاف الحدود فانها لم تثبت توليتها الا للولاة وبخلاف التعزير الذی يجب حقا للعبد بالقذف ونحوه فانه لتوقفه على الدعوى لا يقيمه الا الحاكم الا ان يحكما فيه۔ (فتح القدير ج۵ ص۱۱۳ فصل فی التعزير)

وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج۳ ص۱۹۸ باب التعزیر۔

جمعہ وعیدین میں شرطِ سلطان کی وضاحت

سوال:۔ نسوانی دورِ اقتدار میں نمازِ جمعہ وعیدین کے وجوب پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟ کیونکہ فقہاء نے وجوبِ ادا کے لیے سلطان یا اس کے نائب کی شرط لکھی ہے جبکہ نسوانی دورِ اقتدار میں یہ شرط مفقود ہوتی ہے۔

الجواب:۔ جمعہ اور عیدین کی نماز کی صحت کے لیے سلطان کی شرط ہونا مقصود بالذات نہیں بلکہ ایسے مواقع پر اس اشتراط کا مقصد مسلمانوں کے باہمی معاملات کو سلجھانا ہے، عموماً ان حالات میں لوگوں کی کثرت کی وجہ سے باہمی طور پر نزاع پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، اس لیے شریعت نے ایسے مواقع پر سلطان یا اس کے مقرر کردہ شخص کو اعتبار دیا ہے تاکہ کسی کو بات کرنے کا موقع نہ ملے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے لیے باہمی طور پر کہیں کسی کو خطیب مقرر کیا جائے تو پھر سلطان یا اس کا نائب نہ ہونے کے باوجود جمعہ وعیدین کی نماز پڑھنا جائز ہے۔[1]

لما فی الھندیۃ: ولو تعذر الاستیذان من الامام فاجتمع الناس علیٰ رجلٍ یصلّی بھم الجمعۃ جاز۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۴۶ باب الجمعۃ)

وقال العلامۃ ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: والسلطان ھو الوالی الذی لا والی فوقہ وانما کان شرطاً للصحۃ لانھا تقام بجمعٍ عظیم وقد تقع المنازعۃ فی التقدیم والتقدم وقد تقع فی غیرہ فلا بد منہ تَتْمِیْماً لامرہ ...... ولو لم یکن ثمہ قاض ولا خلیفۃ المیت فاجتمع العامۃ علیٰ تقدیم رجلٍ جاز للضرورۃ۔

(البحر الرائق ج۲ ص۱۴۳ کتاب الجنائز)[2]

حکومت کے غیر شرعی اقدامات کی تردید کرنا

سوال:۔ بسا اوقات اربابِ اقتدار کچھ ایسے فیصلے کرتے ہیں جو قرآن وحدیث سے متصادم ہوتے ہیں، اس صورت میں رعیت میں سے کسی شخص کو اپنی

---

[1] لما فی الھندیۃ: بلاد علیھا ولاۃ کفار یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین ویجب علیھم ان یلتمسوا والیاً مسلماً۔

(الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۱۴۶ باب الجمعۃ)

ذمہ داری کا احساس کہاں تک ہونا چاہیئے ؟

الجواب:۔ خلفاء راشدین کے دور خلافت میں جب کوئی کام اسلام کے خلاف ہوتا تو رعیت میں سے ہر شخص اور فرد کو باقاعدہ یہ حق حاصل تھا کہ حسبِ استطاعت اس غلط کام کا سدِ باب کرے، اگر بذاتِ خود خلیفہ سے بھی بے خبری میں کوئی خلافِ شریعت بات سرزد ہو جاتی تو رعایا میں سے کوئی نہ کوئی شخص ضرور اس کی نشاندہی کرتا اور خلفاء کی طرف سے اس شخص کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک تاریخی خطبہ میں رعیت کے عام افراد کو یہ حق دیتے ہوئے فرمایا "اما بعد! ایھا الناس! فانی قد ولیت علیکم ولست بخیرکم فان احسنت فاعینونی وان اسأت فقومونی ..... اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ فاذا عصیت اللہ ورسولہ فلا طاعة لی علیکم۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۳۰۵، ۳۰۶ مناقب ابوبکرؓ)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ عورتوں کے حقِ مہر کے بارہ میں فرمایا کہ آئندہ حقِ مہر چار سو درہم سے زیادہ نہیں ہوگا، اس پر ایک عورت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں "وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا" اور دے چکے ہو ایک کو بہت سامال۔ اس عورت کے اس طرح کہنے پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی بات سے رجوع کر لیا اور اس عورت کی حوصلہ افزائی فرمائی۔

قال عمرؓ لا تغالوا فی مهور النساء فقالت امرأة لیس ذلک یا عمرؓ! ان اللہ یقول "وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا" من ذهب ..... فقال عمرؓ ان امرأة خاصمت عمرؓ مخصمتہ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۶۷ سورة النساء)

تاہم جہاں کہیں آدمی کو حق بات کہنے پر اپنی جان کے ضیاع اور گالی گلوچ کا خطرہ ہو اور اس پر صبر کرنے کی طاقت بھی نہ ہو تو اس کے لیے خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔

لما فی الهندیة: ولو علم باکبر رأیه انه لو امرهم بذلک قذفوه وشتموه فترکه افضل وکذلک لو علم انهم یضربونه ولا یصبر علی ذلک ویقع بینهم عداوة و یهیج منه القتال فترکه افضل۔ (الفتاوی الهندیة ج ۵ ص ۳۵۳) [1]

---

[1] قال عمرؓ احب الناس الیّ من رفع الیّ عیوبی۔ (کنز العمال ج ۹ ص ۲۵۵۳)

جمہوری حکومت کے خلاف آواز بلند کرنا

سوال:۔ آجکل پاکستان میں زیادہ تر مغربی طرز کا جمہوری نظام نافذ العمل ہے، اگر عوام الناس میں سے کوئی جماعت یا کئی افراد جمہوری نظام کی بعض خامیوں کے خلاف جلسے جلوس نکالیں اور برسر اقتدار طبقہ کے خلاف ہو جائیں تو کیا یہ لوگ حکومت کے باغی شمار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب:۔ مغربی جمہوری نظام میں حکومت کے خلاف آواز اٹھانا جمہوریت کا نقاضا ہے بلکہ جمہوری حکومت اپنے خلاف کسی ردّ عمل کو اپنی بقاء کا ذریعہ سمجھتی ہے، اس لیے اس میں جلسہ جلوس یا اور کسی مناسب طریقہ سے حکومت کے خلاف آواز اٹھانا جمہوری نظام کا حصہ ہے، ایسا کرنا نہ بغاوت ہے اور نہ مخالفین باغی شمار ہوں گے۔

لما قال العلامة علاؤ الدين الکاسانیؒ: فالبغاۃ هم الخوارج وهم قوم من رأيهم ان کل ذنب کفر کبيرۃ کانت او صغيرۃ يخرجون علیٰ امام اهل العدل ويستحلون القتال والدماء والاموال بهذا التاويل ولهم منعة وقوّۃ۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص۱۴۰ کتاب السير)[۱]

غیر اسلامی نظام کے خلاف تحریک چلانا

سوال:۔ موجودہ دور میں دنیا کے مختلف ممالک میں مختلف غیر اسلامی نظامہائے زندگی مثلاً سوشلزم، کمیونزم وغیرہ کے قوانین چلتے ہیں، اور بعض مسلمان حکمران بھی اس قسم کے قوانین سے متاثر ہوگئے ہیں، اگر مسلمانوں میں سے کوئی گروہ یا جماعت اس قسم کے قوانین کے خلاف تحریک چلائے اور لوگوں کو اس کی قباحتیں بتائے تو شرعاً اس قسم کی تحریک کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ سوشلزم، کمیونزم اور مغربی جمہوریت یہ تمام نظامہائے زندگی اسلام

---

[۱] وقال العلامة الحصکفیؒ: البغي لغة الطلب ومنه ذٰلك مَا کنا نبغي وعرفاً طلب مالايحل من جور وظلم وشرعاً هم الخارجون علی الامام الحق بغير حق فلو بحق فليسوا ببغاۃ۔

(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج ۳ ص۳۳۸ کتاب السير)

وَمِثْلُهُ فی احکام السلطانية للماوردی ص۵۸ الباب الخامس فی الولاية حروب المصالح۔

کے اصولوں سے متصادم ہیں، ایسے کسی بھی نظام کے خلاف آواز اٹھانا، جد وجہد کرنا یا کوئی تحریک چلانا یہ سب امور موجب ثواب ہیں، اس لیے کہ یہ سب نظامہائے زندگی منکرات میں داخل ہیں، خاص کر جب ان نظامہائے زندگی میں دینی اقدار متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے ہوں اُس وقت مسلمانوں پر لازم ہوجاتا ہے کہ ان منکرات کا سدِّ باب کریں۔ اور اگر منکرات کو ختم کرنے کے لیے کوئی جماعت مقرر ہوجائے یا کوئی خاص تحریک چلائی جائے تو یہ ایک مستحسن اور قابلِ فخر عمل ہوگا۔

لقوله تعالیٰ: وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (سورۃ آلِ عمران آیت ۱۰۴)

وقال علیه الصّلوٰۃ والسّلام: من رأی منکم منکراً فلیغیّرہ بیدہٖ فان لم یستطع فبلسانہٖ فان لم یستطع فبقلبہٖ وذٰلك اضعف الایمان۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص۵۱ کتاب الایمان) لے

وعن جریرؓ قال سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول ما من رجل یکون فی قوم یعمل فیھم بالمعاصی یقدرون علیٰ ان یغیروا علیه فلا یغیروا الّا اصابھم الله بعقاب من قبل ان یموتوا۔ (ابو داؤد ج ۲ ص۲۴۰ کتاب الملاحم)

پھانسی کی سزا کا شرعی حکم

سوال: پاکستان کے قانون میں قاتل کو پھانسی کی جو سزا دی جاتی ہے، شریعت کی رُو سے یہ قصاص شمار ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعت نے قصاص لینے کی جو شرائط مقرر کی ہیں موجودہ قانون کے مطابق پھانسی کی سزا میں وہ مفقود ہیں، اس لیے پھانسی کی سزا کو شرعاً تعذیر تو کہا جا سکتا ہے اسے قصاص کہنا صحیح نہیں، قصاص میں بنیادی تین شرطیں ہیں:-

(۱) قاتل سے قصاص لینا حقیقتاً مقتول کے ورثاء کے سپرد ہے، ورثاء چاہیں تو قصاص

لے وفی الھندیة: یقال الامر بالمعروف بالید علی الامراء و باللسان علی العلماء و بالقلب لعوام الناس۔ (الفتاویٰ الھندیة ج ۵ ص۳۵۳ کتاب الکراھیة)

وَمِثْلُهٗ فی جامع الترمذی ج ۲ ص۴۰ باب الفتن۔

بیں چاہیں تو دیت قبول کریں اور چاہیں تو معاف کر دیں۔

(۲) عین قصاص لینے کے وقت ورثاء کا حاضر ہونا لازمی ہے۔

(۳) احناف کے نزدیک ایک شرط یہ بھی ہے کہ قصاص تلوار سے لیا جائے، جبکہ آجکل پھانسی کی صورت میں یہ تینوں شرطیں نہیں پائی جاتیں۔

لما قال العلامة علاؤالدین الکاسانیؒ: فَوَلَایَۃ استیفاء القصاص تثبت باسباب منها الوراثة وجملة الکلام فیه ان الوارث لایخلوا...... فان کان الکل کباراً فلکل واحدٍ منهم ولایة استیفاء القصاص حتی لوقتله احدهم صار القصاص متوفیٰ...... الا ان حضور الکل شرط جواز الاستیفاء ولیس للبعض ولایة الاستیفاء مع غیبة البعض لان فیه احتمال استیفاء مالیس بحق له لاحتمال العفو من الغائب وفی فصل آخر۔ فالقصاص لایستوفی الا بالسیف عندنا۔ (بدائع الصنائع ج۷ ص۲۴۳-۲۴۵ کتاب الجنایات)

تاہم قاتل کو پھانسی دینا اگر قصاص نہ بھی ہو تو پھر بھی اس کا اجراء ونفاذ ناجائز نہیں بلکہ قاتل کو سزا دینے کے لیے پھانسی کا اقدام ایک مستحسن فعل ہے۔

سرکاری اداروں میں افسران کو سلیوٹ (سلام) کرنے کی شرعی حیثیت

سوال:۔ سرکاری افسروں کو ماتحت عملہ کے لوگ سلیوٹ (سلام) کرتے ہیں اسی طرح سکولوں اور بعض دیگر سرکاری اداروں میں پرچم کشائی کے موقع پر لوگ کھڑے ہو کر پرچم کو بھی سلام کرتے ہیں، کیا اس قسم کا سلام شرعی سلام میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ مطہرہ میں سنت سلام کے لیے سلام کے الفاظ زبان سے

لہ وقال العلامة ابن عابدین رحمه الله: "وللکبار القود": ای اذا قتل رجل له ولی کبیر وصغیر کان للکبیر ان یقتل قاتله...... لو کان الکل کباراً لیس للبعض ان یقتص دون البعض ولا ان یوکل باستیفائه لان فی غیبة الموکل احتمال العفو فالقصاص لیحقه من یستحق ماله۔ (ردالمحتار ج۵ ص۳۸۳ کتاب الجنایات)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوٰی الهندیة ج۶ ص۷ کتاب الجنایات، الباب الثالث۔

ادا کرنا ضروری ہے تاہم جہاں کہیں ایک آدمی دوسرے آدمی سے اگر کچھ فاصلے پر ہو جس میں ایک دوسرے کی آواز نہ سُنی جا سکتی ہو تو زبان سے سلام کے الفاظ ادا کرنے کے ساتھ ساتھ ہاتھ سے اشارہ کرنا بھی مرخص ہے۔

لما فی الھندیۃ : وفی النوازل رجل جالس مع قوم سلم علیھم رجل فقال السّلام علیك فردہ بعض القوم ینوب ذٰلك عن الذی سلم علیہ المسلّم ویسقط عنہ الجواب یرید بہ اذا اشار الیھم ولم یسم لان قصدہ التسلیم علی الکل ویجوز ان یشار الی الجماعۃ بخطاب الواحد ھٰذا اذا لم یسلم ذٰلك الرّجل فامّا اذا سماہ فقال السّلام علیك یا زید فاجابہ غیر زید لا یسقط الفرض عن زید وان لم یسم واشار الی زید یسقط لان قصدہ التسلیم علی الکل ۔

(الفتاوٰی الھندیۃ ج ۵ ص۳۲۵ کتاب الکراھیۃ ۔ الباب السابع فی السلام)

سرکاری محکموں میں سلام کا جو طریقہ رائج ہے اس میں اصل دخل ہاتھ اور پاؤں کے اشارہ کو ہے چاہے سلام کرنے والے ایک دوسرے سے دور ہوں یا قریب' ہر حال میں سلام ہاتھ اور پاؤں کے اشارہ سے ہو گا، زبان سے سلام کے الفاظ کا ادا کرنا محض ضمناً ہوتا ہے۔ شریعتِ مطہرہ نے صرف ہاتھ وغیرہ کے اشارہ سے سلام کرنے کو مکروہ اور یہود و نصاریٰ سے مشابہت قرار دیا ہے۔

کما فی الحدیث النبوی صلی اللہ علیہ وسلم : عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس منّا تشبہ بغیرنا لا تشبّھوا بالیھود ولا بالنصاریٰ فان تسلیم الیھود الاشارۃ بالاصابع وتسلیم النصاریٰ الاشارۃ بالاکف ۔ (الجامع الترمذی ج۲ ص۹۹ ابواب الاستیئذان والادب)[1]

رہی یہ بات کہ پرچم کشائی کے موقع پہ لوگ کھڑے ہو کر ہاتھ کے اشارہ سے تعظیم کیلئے

---

[1] روی الامام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاویؒ : عن ابراھیم النخعی قال ترفع الایدی فی سبع مواطن فی افتتاح الصلوٰۃ وفی التکبیر للقنوت فی الوتر وفی العیدین وعند استلام الحجر وعلی الصفا والمروۃ وبجمع عرفات وعند المقامین عند الجمرتین ۔ قال ابو یوسفؒ فامّا فی افتتاح الصّلوٰۃ وفی العیدین وفی الوتر وعند استلام الحجر فیجعل ظھر کفّیہ الی وجھہ وامّا فی الثلث الاخر فیستقبل بباطن کفیہ ۔

(شرح معانی الآثار ج۱ ص۴۱۷ باب رفع الیدین)

پرچم کو سلام کرتے ہیں تو یہ محض ایک رسم ہے شریعتِ مطہرہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ خیر القرون میں بھی مجاہدینِ اسلام پرچم رکھتے تھے لیکن کسی سے پرچم کی اس طرح تعظیم کرنا ثابت نہیں، اس کے علاوہ شریعتِ مقدسہ میں جن مواقع پر ہاتھ اٹھا کر تعظیم کرنا ثابت ہے ان میں پرچم کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

شرعی قوانین کے عدم نفاذ کی وجہ سے مجرم کی ذمہ داری

سوال :- جس ملک میں حدود و قصاص جیسی سزاؤں کا اجراء نہ ہو وہاں اگر کوئی شخص کسی ایسے جرم کا ارتکاب کرے جو موجبِ حد ہو اور یہ شخص اپنے آپ کو حد کے لیے پیش بھی کرتا ہو لیکن حدود کے عدم اجراء کی بناء پر کیا یہ شخص صرف توبہ پر اکتفاء کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب : حدود اور قصاص کے اجراء کی ذمہ داری حکام پر ہے، اگر کسی ملک میں حکام حدود و قصاص وغیرہ شرعی سزاؤں کا اجرا عملاً نہ کرتے ہوں تو ایسے ملک میں مرتکبِ جرم کے صرف توبہ و استغفار پر اکتفاء کرنا صحیح ہے، اس لیے کہ مجرم کا کام عذاب سے بچنے کے لیے توبہ کرنا ہے اور حکام صاحبان اور قضاۃ حضرات کا کام جرم ثابت ہونے کے بعد حدود و قصاص کو عملاً نافذ کرنا ہے۔

لما قال العلامة ابن نجيم المصري رحمه الله : والحاصل ان الواجب على العاصي في نفس الامر التوبة فيما بينه وبين الله تعالىٰ والانابة ثم اذا اتصل بالامام ثبوته وجب اقامة الحد على الامام ولا يمتنع من اقامته بسبب التوبة۔

(البحر الرائق ج ۵ ص ۳ كتاب الحدود) [۱]

انگریزی قانون میں بیٹیوں کو وراثت سے محروم کرنے کا شرعی حکم

سوال :- انگریزی قانون کے مطابق باپ کی میراث

---

[۱] وفي الهندية : وركنه اقامة الامام او نائبه في الاقامة..... والطهرة من الذنب ليست بحكم اصلي لاقامة الحد لانها تحصل بالتوبة لا باقامة الحد ولهذا يقام الحد على الكافر ولا طهرة له كذا في التبيين۔ (الفتاوى الهندية ج ۲ ص ۱۴۳ كتاب الحدود، الباب الاول)

ومثله في رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۴ كتاب الحدود۔

میں سے بیٹیوں کو کوئی حصہ نہیں ملتا، تو کیا ایسے قانون کی آڑ لے کر بیٹیوں کو ان کے حقِ وراثت سے محروم کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب: - اسلامی قانون میں باپ کی میراث سے بیٹی کو باقاعدہ حصہ ملتا ہے، اس لیے مروجہ انگریزی قانون کا سہارا لے کر بیٹیوں کو ان کے حق سے محروم کر دینا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، ایک مسلمان کے لیے یہ لازمی اور ضروری ہے کہ وہ کسی غیر اسلامی قانون کا سہارا لینے کی بجائے شریعتِ مقدّسہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دے اگرچہ بظاہر اس کو نقصان ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔

قال اللہ تبارك وتعالیٰ: يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۔ (سورۃ النساء آیت ۱۱)[1]

کسی چیز پر مدت دراز تک قبضہ مفیدِ ملک نہیں

سوال: - ملک میں ایک ایسا قانون رائج ہے کہ اگر اجارہ کی صورت میں کوئی زمین وغیرہ ساٹھ سال تک مستاجر کے پاس رہ جائے تو وہ زمین مستاجر کی ملک شمار ہوتی ہے، اس قانون کو "زائد المیعاد" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ تو کیا یہ قانون شرعاً درست ہے یا نہیں ؟

الجواب: - انگریزی دور سے رائج "زائد المیعاد" نام کے اس ظالمانہ قانون کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں، شریعتِ مطہرہ نے اجارہ میں مدت کا تعین نہیں کیا ہے بلکہ اگر اجیر نے کوئی زمین وغیرہ کسی کو اتنی زیادہ مدت کے لیے مستاجری پر دی ہو کہ جس میں اجیر اور مستاجر کا زندہ ہونا بھی محال ہو تو ایسا اجارہ صحیح ہے، لیکن اتنی زیادہ مدت گذرنے کے باوجود بھی وہ زمین شرعاً مُستاجر کی ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔

---

[1] وقال الامام سراج الدین محمد بن عبد الرشید السجاوندیؒ: واما البنات الصلب فاحوال ثلث، النصف للواحدة والثلثان للاثنتين فصاعدة ومع الابن لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ وهو يعصبهن۔ (السراجی ص۸ کتاب الفرائض)

وَمِثْلُهٗ فی شریفیۃ شرح سراجیۃ ص۲۱ الفرائض۔

لما قال العلامة سليم رستم بازؒ: (تحت قول مجلة الاحكام "للمالك ان يوجر ماله وملكه لغيره مدة معلومة قصيرة كانت كيوم او طويلة كسنين") او اكثر حتی لو اجرها الی مدة لا يعيش العاقدان الی مثلها عادة جاز واختاره الخصاف ومنعه بعضهم وظاهر اطلاق المتون ترجيح الاول۔
(شرح المجلة ص۲۴۷ المادة ۴۸۴ کتاب الاجارات)ؔ[1]

تعزیر بالمال کا شرعی حکم

سوال:۔ اگر علاقائی سطح پر حکومت کی طرف سے قائم کردہ کمیٹیاں جرائم کے انسداد کے لیے مجرموں سے مالی جرمانے وصول کریں تو ایسی کمیٹیوں کا یہ اقدام شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اسی طرح تعلیمی اداروں میں بچوں سے غیر حاضری پر جرمانے وصول کیے جاتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ مالی جرمانہ کا مسئلہ فقہاء کرام کے درمیان اختلافی رہا ہے، احناف کے اصل مذہب میں کسی پر مالی جرمانہ عائد کرنا صحیح نہیں، کیونکہ کسی بھی مسلمان کا مال بغیر اس کی رضامندی کے لینا جائز نہیں۔

لحدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا يحل مال امرئ مسلم الا بطيب نفس منه۔ (کنز العمال ج۱ ص۳۹۷ ـــ الفردوس للدیلمی ج۵ ص۱۱۰ رقم ۷۶۳۵)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تحت الدر المختار "لا باخذ مال فی المذهب" وعن ابی يوسفؒ يجوز التعزير للسلطان باخذ المال وعندهما وباقی الائمة لا يجوز ـــــ وافاد فی البزازية ان معنی التعزير باخذ المال علی القول به امساك شئ من ماله عنه مدة اذ لا يجوز لاحد من المسلمين اخذ مال احد بغير سبب شرعی ـــــ واری ان ياخذها فيمسكها فان ايس من توبته يصرفها الی ما يری۔ وفی شرح الآثار التعزير بالمال كان فی ابتداء الاسلام ثم نسخ

---

[1] لما فی الهندية: يصح العقد علی مدة معلومة ای مدة كانت قصرت المدة كاليوم ونحوه اوطالت كالسنين كذا فی المضمرات ويعتبر ابتداء المدة مما سمی وان لم يسم شيئاً فهو من الوقت الذی استاجرها۔ (الفتاوی الهندية ج۴ ص۴۱۵ کتاب الاجارة۔ الباب الثالث) ومثله فی البزازية علی هامش الهندية ج۵ ص۱۸ کتاب الاجارة۔ تفريعات علی الاجارة الطويلة۔

والحاصل ان المذهب عدم التعزیر باخذ المال۔
(رد المحتار ج ۳ ص ۱۹۵، ۱۹۶ فصل فی تعزیر بالمال۔کتاب الحدود)

تاہم جہاں کہیں مالی جرمانہ کے بغیر چارہ نہ ہو اور مالی جرمانہ سے جرائم ختم ہوتے ہوں تو ایسی حالت میں اگر نظریۂ ضرورت کے تحت امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر عمل کیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ چونکہ تعزیر کا مسئلہ قضاء سے تعلق رکھتا ہے اور فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قضاء کے مسائل میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح دی جائے گی۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: وکل فرع بالقضاء تعلقا..... قول ابی یوسفؒ فیہ ینتقی....... الفتوی علی قول ابی یوسفؒ فیما یتعلق بالقضاء لزیادۃ تجربتہ۔
(مجموعۃ رسائل ج ۱ ص ۳۴-۳۵)

وقال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ: وسمعت من ثقة ان التعزیر باخذ المال ان رأی القاضی والوالی جاز ومن جملة ذلك رجل لا یحضر الجماعة یجوز تعزیره باخذ المال۔ (خلاصة الفتاوی ج ۴ ص ۴۴۳ کتاب الحدود، فصل فی التعزیر)[۱]

اشیاء خورد و نوش کے نرخ مقرر کرنا

سوال:۔ روزمرہ استعمال کی اشیاء خورد و نوش کے نرخ مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو یہ کس کو حق حاصل ہے؟

الجواب:۔ روزمرہ استعمال کی اشیاء کی قیمتوں میں کمی یا زیادتی تجارتی منڈیوں میں اتار چڑھاؤ کی حالت پر مبنی ہے جس کا سبب ماہرینِ معاشیات ملکی حالات کو قرار دیتے ہیں جس کے نتیجہ میں افراطِ زر پیدا ہوتا ہے لیکن حقیقت میں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے اعمال کا نتیجہ ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث میں اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے، اس لیے کسی حاکم یا والی کو روزمرہ استعمال کی اشیاء خورد و نوش کی قیمتیں مقرر

---

[۱] وقال الامام سید سابق رحمہ اللہ: ویجوز التعزیر باخذ المال وھو مذھب ابی یوسفؒ وبہ قال مالك۔ وایضاً نقل عن معین الحکام ومن قال ان العقوبة المالیة منسوخة فقد غلط علی مذاھب الائمة نقلاً واستدلالاً ولیس یسھل دعوی نسخھا۔
(فقہ السنة ج ۲ ص ۴۹۹ کتاب الحدود، فصل فی التعزیر)

کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ان اللہ ھو المسعر القابض الباسط الرازق وانی لارجو ان القی اللہ ولیس احد منکم یطالبنی بمظلمۃ فی دم ولا مال۔

(سنن ابی داؤد ج۲ ص۱۳۳ باب فی التسعیر)

تاہم جہاں کہیں تاجر عوام کی مجبوریوں سے غلط فائدہ اٹھاکر مصنوعی مہنگائی پیدا کرتے ہیں، ایسی صورت میں قاضی یا حاکم کے لیے اشیاء خورد و نوش کی قیمتیں مقرر کرنا اور پھر اس کی نگرانی کرنا بھی ضروری ہے۔

لما قال الامام علی ابن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: ولا ینبغی للسلطان ان یسعر علی الناس فان کان ارباب الطعام یتحکمون ویتعدون عن القیمۃ تعدیاً فاحشاً وعجز القاضی عن صیانۃ حقوق المسلمین الا بالتسعیر فحینئذٍ لا بأس بہ بمشورۃ من من اھل الرأی والبصیرۃ۔ (الھدایۃ ج۳ ص۴۷۱-۴۷۲ کتاب الکراھیۃ۔ فصل فی البیع)[۱]

حکومت کی طرف سے لگائے گئے ٹیکسوں کی شرعی حیثیت

سوال: آجکل ملک میں تقریباً ہر طرف ٹیکسیشن کا نظام رائج ہے، کہیں انکم ٹیکس، ٹریڈ ٹیکس، کسٹم ڈیوٹی، سیلز ٹیکس ہے تو کہیں آبکاری ٹیکس کی شکل میں یہ عوام پر نافذ ہے، تو کیا شریعتِ مطہرہ حکومت کو زکوٰۃ اور صدقات کے علاوہ رعایا پر مزید ٹیکس لگانے کی اجازت دیتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ مطہرہ میں صاف طور پر یہ پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال خرچ کرنے کی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ اغنیاء کے اموال میں فقراء اور مساکین کا حصہ

---

[۱] وقال الامام سید سابق رحمہ اللہ: الترخیص فیہ عند الحاجۃ الیہ علی ان التجار اذا ظلموا وتعدوا تعدیاً فاحشاً یضر بالسوق وجب علی الحاکم ان یتدخل ویحدد السعر صیانۃ لحقوق الناس ومنعاً للاحتکار ودفعاً للظلم الواقع علیھم من جشع التجار۔ (فقہ السنۃ ج۳ ص۱۶۰، ۱۶۱ کتاب الکراھیۃ التسعیر)

ومِثلُہٗ فی تبیین الحقائق ج۶ ص۲۸ کتاب الکراھیۃ، فصل فی البیع۔

موجود ہے۔

قولہ تعالیٰ : وَفِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ (سورۃ الذّٰریٰت آیت ۱۹)

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے اور انھوں نے اس بات پر اُمت کا اجماع نقل فرمایا ہے، فرماتے ہیں :۔

فقال ابن عمر والحسن والشعبی ومجاهد هو حق سوی الزکوٰة واجب فی المال ...... قال ابوبکر هٰذه الاخبار کلها مستعملة وفی المال حق سوی الزکوٰة باتفاق المسلمین۔ (احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۵۰۵، ۵۰۶ سورۃ الذّٰریٰت)

اس کے علاوہ حکومتِ وقت پر لازم ہے کہ وہ اپنا دفاعی نظام مستحکم رکھے، اسی طرح رفاہِ عامہ کے کاموں مثلاً ہسپتال، مسافر خانوں اور سڑکوں وغیرہ کے لیے مخصوص فنڈ مقرر کرے، فقراء ومساکین اور یتیموں کا خصوصی خیال رکھے، اگر بیت المال خالی ہو تو دفاعی نظام کے اخراجات کے لیے حکومتِ وقت اغنیاء پر محدود انداز میں کچھ تھوڑا سا ٹیکس لگا سکتی ہے لیکن یہ ٹیکس اتنا زیادہ نہیں لگا یا جائے گا کہ وہ ظلم کی حد تک پہنچ جائے۔

امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : امّا اذا خلت الایدی من الاموال ولم یکن من مال المصالح ما یفی بخراجات العسکر ولو تفرق العسکر واشتغلوا بالکسب لخیف دخول الکفار بلاد الاسلام اوخیف ثوران الفتنة من اهل العرامة فی بلاد الاسلام فیجوز للامام ان یوظف علی الاغنیاء مقدار کفایة الجند۔

(المستصفیٰ للامام غزالیؒ ج ۱ ص ۳۰۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکمِ وقت ضرورت کے تحت مالدار لوگوں پر ٹیکس لگا سکتا ہے، تاہم اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ موجودہ دور میں ٹیکسیشن کا سارا نظام صحیح ہے، اس لیے کہ آج کل ٹیکسوں کا جو نظام ہے اس میں بعض ٹیکس غیر شرعی ہیں اور اسی طرح عام طور پر ٹیکسوں کی شرح فیصدی اتنی زیادہ ہے کہ عام انسان کی قوتِ برداشت سے باہر ہے، شریعتِ مقدسہ نے ٹیکسوں کی شرح کو زکوٰۃ کی شرح مقدار سے زیادہ نہیں بڑھایا ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو ایک جگہ ٹیکس کی وصولی کے لیے بھیجا تو ان کو یہ حکم فرمایا کہ مسلمانوں سے چالیسواں حصہ اور ذمیوں

سے بیسواں حصّہ اور حربیوں سے دسواں حصّہ وصول کر لیا کرو۔

قال الامام ابویوسف رحمہ اللہ: فان عمر بن الخطابؓ وضع العشور فلا بأس باخذھا اذا لم یعتدفیھا علی النّاس ویوخذ باکثر ممّا یجب علیھم...... قال وحدثنا ابوحنیفۃؒ عن القاسم عن انس بن سیرین عن انس بن مالک قال بعثنی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ علی العشور وکتب لی عھداً ان اخذ من المسلمین بما اختلفوا فیہ لتجاراتھم ربع العشر ومن اھل الذّمّۃ نصف العشر ومن اھل الحرب العشر۔ (کتاب الخراج ص۱۳۴ فصل فی العشور) لہ

آجکل ملک کے ہر کونہ میں چونگی ٹیکس وصول کیا جاتا ہے جسے ضلع ٹیکس کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، شریعتِ مطہرہ میں اس قسم کے ٹیکس کا کوئی جواز نہیں ہے بلکہ صراحتاً اس کا عدم جواز نقل کیا گیا ہے۔

قاضی ابویعلیٰ رحمہ اللہ اس قسم کے ٹیکس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایک ملک کے اندر ایک علاقے سے دوسرے علاقے کو اشیاء منتقل کرنے پر جو ٹیکس وصول کیا جاتا ہے شریعت نے اس کو حلال قرار نہیں دیا ہے بلکہ اس قسم کا ٹیکس حرام ہے اور عادلانہ سیاست کے بالکل منافی ہے اور اکثر یہ ٹیکس ظالموں کے بلاد میں ہوتا ہے۔

قال العلامۃ قاضی ابی یعلیؒ: فامّا اعشار المنتقلۃ فی دار السّلام من بلد الی بلد فمحرّمۃ لا یبیحھا شرع ولا یسوغھا اجتھاد ولا ھی من سیاسات العدل وقلما تکون الّا فی بلاد الجائرۃ ولذٰلک قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل الجنّۃ صاحب مکس وفی لفظ اٰخر ان صاحب المکس فی النّار یعنی العاشر وفی لفظ آخر اذا لقیتم عاشراً فاقتلوہ۔ (الاحکام السلطانیۃ ص۲۴۶ فامّا اعشار الاموال)

لہ قال الامام ابن حزم الظاھریؒ: قال ابومحمدؒ وفرض علی الاغنیاء من اھل کل بلد ان یقوموا بفقرائھم ویجبرھم السلطان علیٰ ذٰلک ان لم تقم الزکوٰۃ بھم ولا فی سائر اموال المسلمین بھم فیقام لھم بما یأکلون من القوت الذی لا بد منہ ومن اللباس للشتاء والصیف بمثل ذٰلک...... برھان ذٰلک قولہ تعالیٰ "وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ۔ (المحلیٰ ج ۲ ص۲۵۲، ۲۵۳ رقم ۷۲۵ کتاب الزکوٰۃ قسم الصدقات)

تاہم ایک ملک سے دوسرے ملک میں مال اور اشیاء منتقل کرنے پر جو کسٹم ڈیوٹی عائد ہوتی ہے اس کے جواز کی گنجائش ہے، لیکن عصرِ حاضر میں بعض ممالک میں یہ کسٹم حد سے زیادہ وصول کیا جاتا ہے اس لیے اس کی مقدار میں اعتدال سے کام لینا چاہیئے اور اس قسم کے ٹیکس کو ظلم کی حد تک نہیں بڑھانا چاہیئے۔

لما قال القاضی ابویعلیٰؒ: ان کان البلد ثغراً یتاخم دارالحرب وکانت اموالھم اذا دخلت دارالسلام معشورة عن صلح استقر معھم اثبت فی الدیوان عقد صلحھم وقدر الماخوذ منھم من عشر او خمس او زیادة علیہ او نقصان منہ وان کان یختلف باختلاف الامتعة والاموال فصلت فیہ وکان الدیوان موضوعاً لاخراج رسومہ والاستیفاء مایرفع الیہ من مقادیر الامتعة المحمولة الیہ۔ (الاحکام السلطانیة ص۲۴۵ تقدیر العطاء۔ الفصل السادس)[1]

اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کی عبادت کا طریقۂ کار

سوال:۔ کیا اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مذہب کی اعلانیہ تبلیغ کریں یا کوئی نئی عبادتگاہ تعمیر کریں یا اپنے مذہب کے مطابق جملہ رسومات ادا کرتے رہیں۔

الجواب:۔ ایک اسلامی مملکت میں مسلمان حاکم پر لازم ہے کہ غیر مسلم اقلیت کی جان و مال کا تحفظ کرے، لیکن شریعت نے غیر مسلموں کو یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ بازاروں اور چوکوں اور دیگر پبلک مقامات میں اپنے مذہب کا پرچار کریں، غیر مسلموں کی عبادت اپنے گھروں اور اپنی قدیم عبادت گاہوں (مندروں، گرجا گھروں اور چرچوں) تک محدود رہے گی۔ اسی طرح غیر مسلم اپنے لیے کوئی نئی عبادت گاہ تعمیر نہیں کر سکتے اور نہ ہی کوئی نیا قبرستان یا اپنے مردوں کو جلانے کے لیے کوئی نئی جگہ تعمیر کر سکتے ہیں۔

لما قال العلامة علاؤالدین الحصکفی رحمہ اللہ: ولایجوز ان یحدث بیعة

---

[1] قال الامام قاضی ابویوسفؒ: اما العشور فرأیت ان تولیھا قوماً من اھل الصلاح والدین وتأمرھم ان لایتعدوا علی الناس فیما یعاملونھم بہ فلایظلموھم ولایأخذوا منھم اکثر مما یجب علیھم۔ (کتاب الخراج ص۱۳۲ فصل فی العشور)

ولا کنیسة ولا صومعة ولا بیت نار ولا مقبرة ولا صنماً حاوی فی دار الاسلام ولو قریة فی المختار۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج۳ ص۲۹۶ کتاب السیر) [1]

تاہم جہاں کہیں غیر مسلموں کی کوئی عبادت گاہ یا قبرستان وغیرہ اُن کی کثرتِ آبادی اور مردم شماری کی زیادت کی وجہ سے ناکافی ہو جائے تو اس ضرورت کے تحت وہ نئی عبادت گاہ اور قبرستان وغیرہ صرف ایسے دیہاتوں میں تعمیر کر سکتے ہیں جہاں پر جمعہ اور عیدین کی نمازیں نہیں پڑھی جاتی ہوں۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الکاسانی رحمہ اللہ: ولا یمکنون من اظہار صلیبہم فی عیدہم لانہ اظہار شعائر الکفر فلا یمکنون من ذلک فی امصار المسلمین ولو فعلوا ذلک فی کنائسہم لا یتعرض لہم وکذا لو ضربوا الناقوس فی جوف کنائسہم القدیمة لم یتعرض کذلک لان اظہار الشعار لم یتحقق فان ضربوا بہ خارجاً منہا لم یمکنوا منہ لما فیہ من اظہار الشعائر۔۔۔۔۔۔۔ وانما الکنائس والبیع القدیمة فلا یتعرض لہا ولا یہدم شیء فیہا واما احداث کنیسة اخری

---

[1] وقال الامام قاضی ابو یعلیٰ رحمہ اللہ: ویلزم الذمی ترک ما فیہ ضرر علی المسلمین واحادھم فی مال اونفس وھی ثمانیة اشیاء۔ الاجتماع علی قتال المسلمین۔ وان لا یزنی بمسلمة۔ ولا یصیبہا باسم نکاح۔ ولا یفتن مسلماً عن دینہ ولا یقطع علیہ الطریق۔ ولا یودی للمشرکین عیناً اعنی جاسوساً۔ ولا یعاونوا علی المسلمین بدلالة اعنی لا یکاتب المشرکین باخبار المسلمین۔ ولا یقتل مسلماً ولا مسلمة۔ وکذلک یلزم ترک ما فیہ غضاضة ونقص علی الاسلام۔ وھی ثلاثة ذکر اللہ تعالیٰ وکتابہ ودینہ ورسولہ بما لا ینبغی۔

(الاحکام السلطانیة ص۱۵۸ فصل فی وضع الخراج والجزیة)

فیمنعون عنه فیما صار مصراً من امصار المسلمین۔
(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۱۳، ۱۱۴ کتاب السیر) [1]

حکومت کو زنا بالجبر اور بالرضاء کی تقسیم کا کوئی اختیار نہیں

سوال:۔ حکمران طبقہ میں سے بعض افراد نے زنا کی دو قسمیں بنا رکھی ہیں، یعنی زنا بالجبر کو قابلِ حد اور زنا بالرضاء کو جائز قرار دے کر زانی اور مزنیہ سے حد کو ساقط تصور کرتے ہیں، کیا شرعاً ان افراد کا یہ اقدام جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ علماءِ اُمت اور فقہاءِ کرام نے قرآن اور احادیث کی روشنی میں جس زنا کو قابلِ حد قرار دیا ہے اس میں زنا بالرضاء یا زنا بالجبر کی کوئی قید نہیں لگائی، بلکہ فقہاء عبارات سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو زنا رضامندی کے ساتھ کیا جائے وہ تو بطریقِ اَولیٰ

---

[1] وفی الهندیة: ولیس للنصرانی ان یضرب فی منزله بالناقوس فی مصر المسلمین ولا ان یجمع فیه بهم اتماله ان یصلّی فیه ولا ان یخرجوا الصلیب او غیر ذٰلك من کنائسهم ولو رفعوا اصواتهم بقراءة الزبور والانجیل ان کان فیه اظهار لشرك منعوا عن ذٰلك وان لم یقع بذٰلك اظهار الشرك لا یمنعون ویمنعون عن قراءة ذٰلك فی اسواق المسلمین ------ ولا بأس باخراج الصلیب وضرب الناقوس اذا جاوزوا افنیة المصر وفی کل قریة او موضع لیس من امصار المسلمین فانهم لا یمنعون عن ذٰلك وان کان فیها عدد من المسلمین یسکنون فیها۔
(الفتاوی الهندیة ج ۲ ص ۲۵۱ کتاب الجهاد، الباب الثامن فی الجزیة)
وقال الامام علاؤ الدین الکاسانی رحمه الله: لا یمنعون من اظهار شیٔ مما ذکرنا من بیع الخمر والخنزیر والصلیب وضرب الناقوس فی قریة او موضع لیس من امصار المسلمین ولو کان فیه عدد کثیرٌ من اهل الاسلام وانما یکره ذٰلك فی امصار المسلمین وهی التی یقام فیها الجمع والاعیاد والحدود۔
(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۷ ص ۱۱۳ کتاب السیر)
وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج ۵ ص ۱۱۳ کتاب السیر۔

حد کا مستحق ہے۔

چونکہ عورت اور مرد پر اپنی اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنا حقوق اللہ میں سے ہے اسلئے کسی عورت یا مرد کو اپنی شرمگاہ شریعت کے مقرر کردہ طریقہ کے علاوہ دوسرے طریقہ سے استعمال کرنے کا قطعاً کوئی حق حاصل نہیں، اس لیے رضامندی سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا یہی وجہ ہے کہ اس کی سزا جب حد مقرر ہو جائے تو کسی کو معاف کرنے کا اختیار حاصل نہیں اور نہ ہی حد کو ساقط کرنے کے لیے زنا میں بالجبر اور بالرضا میں تقسیم کر سکتا ہے، موجب حدِ زنا کی جو تعریف کی گئی ہے وہ دونوں کو شامل ہے:

لما قال العلامة علاؤ الدین الکاسانی رحمہ اللہ: امّا الزنا فهو اسم للوطء الحرام فی قُبُل المرأة الحیّة فی حالة الاختیار فی دار العدل ممن التزم احکام الاسلام العاری عن حقیقة الملك وعن شبهته وعن حق الملك وعن حقیقة النکاح وشبهته وعن شبهة الاشتباه فی موضع الاشتباه فی الملك والنکاح جمیعاً۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص۳۳ کتاب الحدود)

تاہم جہاں کہیں زانی اور مزنیہ پر ایسی زبردستی کی گئی ہو جس سے انکار کی صورت میں جان کے چلے جانے کا خطرہ ہو تو ایسے اکراہ اور جبر میں زانی مکرَہ یا زانیہ مکرَہہ سے حد ساقط ہو سکتی ہے۔

لما قال العلامة المرغینانی رحمہ اللہ: قال ومن اکرهه السلطان حتیٰ زنیٰ فلا حد علیه..... وان اکرهه غیر السلطان حد عند ابی حنیفة رحمہ اللہ وقالا لا یحد لان الاکراه عندهما قد یتحقق من غیر السلطان۔ (الهدایة ج ۲ ص۴۹۹ کتاب الحدود، باب حد الزنا) [۱]

---

[۱] وقال الامام علی ابن ابی بکر المرغینانی رحمہ اللہ: الوطی الموجب للحد هو الزنا، وانه فی عرف الشرع واللسان وطی الرجل المرأة فی القُبُل فی غیر الملك وشبهة الملك لانه فعل محظور والحرمة علی الاطلاق عند التعدی عن الملك وشبهة یؤید ذلك قوله علیه السلام ادرءوا الحدود بالشبهات۔
(الهدایة ج ۲ ص۴۹۹ کتاب الحدود۔ باب حد الزنا)
وَمِثْلُهٗ فی فتح القدیر ج ۵ ص۳۰ کتاب الحدود۔ باب حد الزنا۔

غربت کی وجہ سے میاں بیوی کے درمیان عدالتی کاروائی کا حکم

سوال:۔ فقہ حنفی کی تمام کتابوں میں لکھا ہے کہ شوہر کی غربت اور افلاس کی وجہ سے قاضی یا حاکم خاوند اور بیوی کے درمیان نکاح فسخ نہیں کر سکتا ہے بلکہ خاوند کو مجبور کرے کہ کسی سے قرض لے کر بیوی کا نفقہ ادا کرے۔ آجکل چونکہ بہت سی عورتیں شوہروں کی غربت وافلاس کی وجہ سے کئی قسم کے گناہوں کی مُرتکب ہوتی جارہی ہیں، لہٰذا موجودہ حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے آجکل کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ اس مسئلہ میں ہندوستان کے بڑے بڑے علماء نے حالات کے پیشِ نظر ضرورت کے تحت ائمہ ثلاثہ کے مذہب پر عمل کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ مذکورہ مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کا مسلک اور طریقہ کیا ہے؟ ائمہ ثلاثہ کی کتب کے مطالعہ سے اس مسئلہ کا حل کچھ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی عورت کا خاوند اس قدر غریب اور نادار ہو کہ وہ اپنی بیوی کو عام معمولی سی خوراک اور کپڑے وغیرہ نہیں دے سکتا ہو تو عورت کو اختیار ہے کہ خاوند کے ساتھ اس مفلسی کی حالت میں رہے یا خاوند سے علیحدگی اختیار کرے[1] جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

فلمّا کان من حقها علیہ ان یعولها ومن حقه ان یستمتع منها ویکون لکلّ علیٰ کل ما للزوج علی المرأۃ وللمرأۃ علی الزوج احتمل ان لا یکون للرجل ان یمسک المرأۃ یستمتع بها ویمنعها غیرہ تستغنی به ویمنعها ان تضطرب

---

[1] قال الامام البیهقیؒ: عن ابی الزناد قال سألت سعید بن المسیب عن الرجل لایجد ما ینفق علیٰ امرأته قال یفرق بینهما قال ابوالزناد قلت سنة قال سعید سنة قال الشافعی والذی یشبه قول سعید سنة ان تکون سنة من رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم۔ (السنن الکبریٰ ج ۷ ص۴۶۹ کتاب النفقات، باب الرجل لایجد نفقة امرأته)

فان امتنع الزوج عن الانفاق فالزوجة بالخیار ان شاءت بقیت علیٰ نکاحها وان شاءت طلبت التفریق۔ (موسوعة فقه عمر بن الخطابؓ ص۶۴۱ نفقة)

فراقه فهی فرقة بلاطلاق لانها لیست شیئاً اوقعه الزوج ولا جعل الی احد ایقاعه ...... ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کتب الی امراء الاجناد فی رجال غابوا عن نساءهم یأمرهم ان یأخذوهم ان ینفقوا او یطلقوا فان طلقوا بعثوا بنفقة ما حبسوا ۔ (کتاب الام للشافعی ج ۵ ص ۹۱ باب الرجل لا یجد ما ینفق علی امرأته) [1]

وقال الامام احمد بن محمد بن احمد الدردیر المالکیؒ: فان اثبت الزوج عسره عند الحاکم تلوّم له ای امهل بالاجتهاد من الحاکم بحسب ما یراه من حال الزوج لعلّه ان یحصل النفقة فی ذلك الزمن والا یثبت عسره عند الحاکم امر الزوج ای امره الحاکم بها ای بالنفقة او بالطلاق بلا تلوّم بان یقول له اما ان تنفق واما ان تطلقها فان طلق او انفق فالامر ظاهرٌ والا طلق علیه بان یقول الحاکم فسخت نکاحه او طلقتك منه او یأمرها بذلك ثم یحکم به ۔

(الشرح الصغیر ج ۲ ص ۷۴۵، ۷۴۶ باب وجوب النفقة علی الغیر)

تاہم تفریق کی صورت میں میاں بیوی شرعی عدالت سے رجوع کریں گے اور قاضی یا حاکم وقت عورت اور اس کے شوہر کے درمیان تفریق کرے گا ۔ قاضی یا مسلمانوں کی بنائی ہوئی عدالت کے بغیر عورت اور خاوند کے درمیان تفریق نہیں ہوسکتی ۔

لما قال الامام علاؤ الدین ابو الحسن علی بن سلیمان المرداوی الحنبلیؒ: ولا یجوز الفسخ فی ذلك الا بحکم حاکم ۔ (الانصاف ج ۹ ص ۳۹۱ کتاب النفقات)

---

[1] وقال الامام ابو الحسن المرداوی الحنبلی رحمه الله: قوله (وان اعسر الزوج بنفقتها او ببعضها او بالکسوة) وکذا ببعضها خیرت بین فسخ النکاح والمقام وتکون النفقة دیناً فی ذمته یعنی نفقة الفقیر ومحله اذا لم تمنع نفسها الصحیح من المذهب ان لها الفسخ بذلك مطلقاً وعلیه جماهیر الاصحاب ونقله الجماعة عن الامام احمد رحمه الله قال الزرکشی رحمه الله: هذا المشهور والمختار للاصحاب ۔

(الانصاف ج ۹ ص ۳۸۳ کتاب النفقات)

ومثله فی مختصر المزنی ص ۲۳۲ باب النفقة ۔

پاسپورٹ اور ویزہ کی شرعی حیثیت

سوال :- آجکل بین الاقوامی قانون کے مطابق جب کسی ملک میں کوئی غیر ملکی شخص داخل ہوگا تو وہ لازماً ویزہ اور پاسپورٹ کے ساتھ اجازت طلب کرکے اس ملک میں داخل ہوگا ورنہ وہ مجرم شمار ہوگا، تو اس اجازت کی شرعی حیثیت کیا ہے ؟

الجواب :- عصر حاضر میں دنیا کی تقسیم جغرافیائی اعتبار سے ہو چکی ہے، ہر ملک کے لیے الگ حدود مقرر ہیں، اب اگر ہر شخص کا بغیر اجازت کے کسی ملک میں داخلہ شروع ہو جائے تو اس سے ممالک کے اندرونی معاملات متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، ایک ملک والے دوسرے ملک میں گڑبڑ پیدا کریں گے اور اس طرح فتنہ وفساد کا ایک نہ بند ہونے والا دروازہ کھل جائے گا۔

اس لیے ملکی قوانین میں اگر کسی غیر ملکی کے داخلہ کے لیے خاص شرائط رکھی جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، ایسی کوئی بھی پابندی کسی شرعی اصول سے متصادم نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک اسلامی ملک میں کسی غیر مسلم کا داخلہ وہاں کی انتظامیہ کی اجازت پر موقوف ہے، کیونکہ اس سے یعنی کسی غیر مسلم کا بلا اجازت کسی اسلامی ملک میں داخل ہونے سے وہاں فتنہ وفساد کا خطرہ ہے۔

شریعتِ مطہرہ میں ویزہ کی مثال مستأمن کا دوسرے ملک میں داخل ہونے کے لئے ایک معین مدت تک امن طلب کرنے کی ہے، جس طرح ویزہ میں ایک معین مدت تک کسی دوسرے ملک میں رہنا پڑتا ہے اسی طرح مستأمن کو بھی معین مدت تک دوسرے ملک میں رہنا ہوتا ہے۔

کما قال شیخ الاسلام برهان الدین المرغینانی رحمه الله : واذا دخل المسلم دار الحرب تاجرًا فلا یحلّ له ان یتعرض بشیءٍ من اموالهم ولا من دمائهم لانه ضمن ان لا یتعرض لهم بالاستیمان فالتعرض بعد ذٰلك یکون غدرًا والغدر حرام......... قال واذا دخل الحربی الینا مستأمنًا لم یکن ان یقیم فی دارنا سنة ویقول له الامام ان اقمت تمام السنة وضعت علیك الجزیة والاصل ان الحربی لا یمکن من اقامة دائمة فی دارنا الا بالاسترقاق او الجزیة لانه یصیر عینًا لهم وعونًا علینا فیلتحق المضرة بالمسلمین ویمکن من الاقامة الیسیرة لان فی منعها

قطع السیر والجلب وسد باب التجارۃ ففصلنا بینہما بسنۃ۔

(الہدایۃ ج ۲ ص ۵۵۱ کتاب السیر فصل فی استئمان الکفار)[1]

سی آئی ڈی (جاسوسی) کی شرعی حیثیت

سوال:۔ آجکل دنیا کے اکثر ممالک کے حکمران طبقہ کا یہ دستور ہے کہ اپنے آپ کو حکومت مخالف سرگرمیوں سے واقف اور باخبر رکھنے کے لیے ایک ادارہ قائم کرتا ہے جسے عرف میں سی۔آئی۔ڈی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ایسے محکمے یا ادارے کا قائم کرنا شرعی نقطۂ نظر سے صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: ملک کو انتظامی طور پر بہتر انداز میں چلانے کے لیے حکومتیں مختلف قسم کے ادارے بناتی ہیں، اسی طرح اگر حکومت کوئی ایسا ادارہ قائم کرے جو غیر ملکی جاسوسوں یا ملک کے اندر ایسے لوگوں کی خفیہ سرگرمیاں معلوم کرے جو کہ حکومت اور ملک کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہو، تو یہ ایک مستحسن اقدام ہے، حکومت کے قائم کردہ ایسے ادارے ملک کے استحکام کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔

قال علی بن ابی بکر المرغینانیؒ: واذا استخلف الوالی رجلاً لیعلمہ بکل داعرٍ دخل البلد فہذا علی حال ولایتہ خاصۃ لان المقصود منہ دفع شرہ او شرِ غیرہ یزجرہ فلا یفید فائدتہ بعد زوال سلطنتہ۔

(الہدایۃ ج ۲ ص ۵۰۶ کتاب السیر)

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں آپ کو ملک کے اندرونی حالات و واقعات، عمال کی کارکردگی اور باغیوں کے خروج کا جس سرعت سے علم ہوتا تھا شاید دوسرے ممالک میں بہت کم ایسے ہوتا ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر علاقے میں اس قسم کے خفیہ حالات فراہم کرنے کے لیے پرچہ نویس مقرر کئے ہوئے تھے

---

[1] وقال العلامۃ ابن عابدینؒ فی شرح ہذہ العبارۃ: "قولہ لانہ یصیر عیناً لہم" قال الرملی ہذہ العلۃ تنادی بحرمۃ تمکینہ سنۃ بلا شرط وضع الجزیۃ۔

(منحۃ الخالق علی ہامش البحر الرائق ج ۵ ص ۱۰۱ کتاب السیر، فصل فی تاخیر استئمان الکافر)

ومثلہ فی البحر الرائق ج ۵ ص ۱۰۰ تا ۱۰۲ کتاب السیر فصل فی تاخیر استئمان الکافر۔

مملکتِ اسلامیہ کے جس حصہ میں بھی خفیہ کام ہوتا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فوراً اس کی اطلاع پہنچ جاتی تھی۔

لما قال الامام طبری رحمہ اللہ : وکان عمرؓ لا یخفیٰ علیہ شئ فی عملہ کتب الیہ من العراق بخروج من خرج ومن الشام بجائزۃ من اجیز فیھا۔

(تاریخ الامم والملوک للطبری ج ۴ ص ۶۷ ذکر خبر عزل خالد بن ولیدؓ)

اسی طرح نعمان بن عدی رضی اللہ عنہ میسان کے علاقہ کے گورنر تھے انہوں نے اپنی بیوی کو خط میں کچھ نازیبا اشعار لکھے جن میں سے بعض اشعار کا کسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو علم ہوگیا، اشعار سنتے ہی فوراً نعمان بن عدیؓ کو خط لکھ کر گورنری سے معزول کر دیا۔

لما قال الامام دولابی رحمہ اللہ : وکان النعمان اول وارث فی الاسلام وکان ابوہ اوّل موروث فی قول واستعملہ عمر بن الخطابؓ علیٰ میسان ولم یستعمل من قومہ غیرہ واراد امرأتہ علی الخروج معہ الیٰ میسان فابت فکتب الیھا ابیات۔ شعر وھی ؎

فمن مبلغ الحسناء ان حلیلھا بمیسان یسقی فی زجاج وحنتم

لعل امیر المؤمنین یسوءہ تنادمنا بالجوسق المتھدم

فبلغ ذٰلک عمرؓ فکتب الیہ۔ امّا بعد فقد بلغنی قولک ؎

لعل امیر المؤمنین یسوءہ تنادمنا بالجوسق المتھدم

وایم اللہ لقد ساءنی ثم عزلہ۔ (اسد الغابہ فی ذکر نعمان بن عدیؓ ج ۵ ص ۲۷ م ۵) [1]

---

[1] وقال الامام علامہ دولابی رحمہ اللہ : وحذیفۃ صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی المنافقین لم یعلمھم احد الا حذیفۃ اعلمہ بھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسألہ عمرؓ أفی عمالی احد من المنافقین قال نعم واحد قال من قال لا اذکرہ قال حذیفۃ معزلہ کانما دل علیہ و کان عمرؓ اذا مات میت یسأل عن حذیفۃ کان حضر الصلوٰۃ علیہ صلّی علیہ عمرؓ وان لم یحضر حذیفۃ الصلوٰۃ علیہ لم یحضر عمرؓ۔ (اسد الغابۃ۔ ذکر حذیفۃ بن الیمان ج ۱ ص ۳۹۱)

مُخبری کرنے والے پر ضمان کا حکم

سوال :- اگر کوئی شخص حکومت کی جانب سے سی آئی ڈی کے محکمہ میں ملازم نہ ہو بلکہ اپنی طرف سے لوگوں کے احوال اور اسمگلنگ کے اموال کے بارے میں حکومت کو معلومات اور شکایات فراہم کرتا ہوں، تو اگر ایسے شخص کی مخبری کی وجہ سے لوگوں کا کوئی نقصان ہو جائے تو آیا اس شخص پر ضمان ہے یا نہیں ؟

الجواب :- جو شخص حکومت کی طرف سے خفیہ معلومات کی حکومت کو فراہمی پر باقاعدہ مامور نہ ہو اور وہ شخص لوگوں کے اموال وغیرہ کی حکومت کو سی آئی ڈی کرتا ہو تو وہ شرعاً مجرم شمار ہوگا اور جو مال وغیرہ اس کی شکایت کی وجہ سے بحق سرکار ضبط ہو چکا ہو اُس کا ضمان اور تاوان اس شخص پر عائد ہوگا۔

لما قال العلامة سيد محمّد امين بن عمر بن عبد العزيزؒ: اقول حاصله انه اذا شكاه بغير حق يضمن ما اتلفه الوالى اَوْ اعوانه من عضوٍ اومن مال دون النفس .... افتى به المتاخرون على خلاف القياس زجراً عن السعاية۔ (فتاوىٰ تنقيح الحامدية ج۲ ص۲۷۸ كتاب الجنايات)

تاہم اگر کسی نے خوف اور خود کو ضرر پہنچنے کی وجہ سے کسی کی شکایت کی ہو تو پھر شکایت کرنے والے پر ضمان نہیں۔

لما قال الامام حافظ الدين محمّد بن شهاب البزازؒ: السعى الى السلطان على ثلاثة ان كان بحق بان كان يوذيه ولا يمكنه الدفع الابالرفع اوفاسقا لايمتنع الا بالامر بالمعروف لايضمن الساعى۔ (فتاوىٰ بزازية على هامش الهندية ج۶ ص۴۱۳ كتاب الاستحسان الباب السادس فى السعاية) ؎

؎ قال العلامة احمد بن محمد الحموى المصريؒ: تحت قول الاشباه والنظائر "الافتاء بتضمين الساعى وهو قول المتأخرين لغلبة السعاية" قيده قارى الهداية بما اذا كان عادة ذلك الظالم ان من رفع اليه ويقول عنده ان يأخذ منه مالاً مصادرة يضمن الساعى فى هذه الصورة ما اخذه للظالم هذا هو المفتى به افتى به المتاخرون من علمائنا۔ (الاشباه والنظائر مع شرحه للحموى ج۱ ص۲۶۷ القاعدة التاسعة عشرة)

وَمِثْلُهٗ فى ردالمحتار ج۳ ص۳۱۵ كتاب القضاء۔

قبائل میں سے ایک گروہ کا مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کو جہاد قرار دینا

سوال :- پاکستان کے قبائل میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوگیا ہے جو پاکستانیوں کے ساتھ لڑائی کو جہاد کہتے ہیں اور لڑائی میں مرنے والے اپنے ساتھیوں کو شہید اور زندہ رہ جانے والوں کو غازی تصور کرتے ہیں، اور پاکستانیوں سے اخذ شدہ مال کو مالِ غنیمت کہتے ہیں، اور اس گروہ کا امیر اس مال سے اپنے لیے خُمس (۱/۵) لیتا ہے، شرعاً اس گروہ کا یہ عمل کیسا ہے؟

الجواب :- مسلمانوں کے ملک میں رہتے ہوئے مسلمانوں کے مال و جان کو مباح قرار دینا اور ان کے ساتھ قتال کو جہاد کے مترادف قرار دینا، یہ باغیوں اور قطاع الطریق کا کام ہے۔ فقہاء کرام نے باغیوں اور قطاع الطریق کی جو تعریفات ذکر کی ہیں وہ اسی قسم کے گروہوں پر حرف بحرف صادق آتی ہیں۔

لما فی الهندية: اهل البغی کل فرقة لهم منعة يتغلبون ويجتمعون ويقاتلون اهل العدل بتأويل ويقولون الحق معنا ويدعون الولاية۔ (الفتاوی الهندیہ ج۲ ص۲۸۳ کتاب السیر الباب العاشر فی البغاة)

شریعتِ مقدسہ کی رُو سے کسی مسلمان کا ناحق قتل کرنا اور اس کی رضامندی کے بغیر لینا دونوں حرام اور ناجائز ہے۔

لقوله عليه السلام: لا يحل دم امرئ مسلم يشهد ان لا اله الا الله وانی رسول الله الا باحدی ثلث، والنفس بالنفس والثيب الزانی والمفارق لدينه التارك الجماعة۔ (صحیح بخاری، دیات، ۲/۱۰۱۶۔ صحیح مسلم، قسامہ، ۲/۵۹۔ سنن النسائی ج۲ ص۱۶۰)

وايضاً قال عليه السلام: لا يحل مال امرئ مسلم الا بطيب نفس منه۔ (کنز العمال ج۱ ص۳۹۔ فردوس للدیلمی ج۵ ص۱۱۰ رقم ۷۶۳۵)[1]

---

[1] وقال الامام فخر الدين الرازیؒ: (فی تفسير هذه الاية) "إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا" المحاربون المذكورون فی هذه الاية هم القوم الذين يجتمعون ولهم منعة ممن ارادهم بسبب انهم يحمی بعضهم بعضاً ويقصدون المسلمين فی ارواحهم ودمائهم۔ (التفسير الكبير ج۱۱ ص۲۱۴، ۲۱۵ سورة المائدة)

ومثله فی احكام السلطانية لابی يعلیٰ ص۵۴ اما قتال اهل البغی۔

شریعت بل کا پس منظر

سوال :- جنرل ضیاء الحق مرحوم کے دورِ حکومت میں شریعت بل کا شور و غوغا پورے ملک میں پھیلا ہوا تھا — اس بل کی ابتداء، پس منظر اور بالآخر ایوانِ بالا (سینیٹ) سے منظوری کے باوجود اس کے تعطّل کا شکار ہونے کی وجوہات کیا ہیں ؟

الجواب :- شریعت بل اُن اسلامی دفعات کا مجموعہ ہے جس پر علماء کرام نے شب و روز محنت کی، علماء نے اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے حکومتی ایوانوں میں یہ بل پیش کیا لیکن بدقسمتی سے نام نہاد جمہوری اداروں سے اس کو پذیرائی حاصل نہ ہوئی اور ۱۳ مئی ۱۹۹۰ء کو سینیٹ سے متفقہ طور پر پاس ہونے کے باوجود ابھی تک یہ بل آئین کا حصّہ نہ بن سکا۔ اس بل کے مندرجات سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر یہ بل تمام قانونی مراحل سے پاس ہوجاتا تو ملک کے پورے نظام میں یکسر تبدیلی آجاتی۔ معاشی اور اقتصادی اور عدالتی امور میں اس سے انقلاب برپا ہوجاتا لیکن حکومتی ایوانوں پر قابض بے دین طبقہ نے علماء کی آواز کو دبا کر سرد خانہ میں ڈال دیا، یہی وجہ ہے کہ حالات جُوں کے تُوں ہی ہیں۔

شریعت بل کا خاکہ یہ تھا :-

دفعہ ۱ : (الف) یہ قانون نفاذِ شریعت کے نام سے موسوم ہوگا۔

(ب) یہ قانون اسلامی جمہوریہ پاکستان کے تمام علاقوں اور تمام باشندوں پر نافذ ہوگا، البتہ غیر مسلم باشندوں کے شخصی معاملات اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔

دفعہ ۲ : شریعت کی قانونی تعریف !

(الف) شریعت سے مراد دین کا وہ خاص طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے اپنے بندوں کے لیے مقرر کیا ہے۔

(ب) شرعی قوانین کا اصل ماخذ قرآنِ کریم اور سنتِ رسول ﷺ ہے۔

(ج) اجماعِ اُمت کو قرآن اور سنت نے حجّت قرار دیا ہے، اس لیے جو قانون اجماعِ اُمت سے ثابت اور ماخوذ ہو وہ بھی شریعت کا قانون ہے۔

(د) جو احکام اُمت کے معتمد اور مستند مجتہدین نے قرآن وسنت اور اجماع کے قواعد و ضوابطِ معینہ کے مطابق مستنبط کر کے مدوّن کرائے ہیں وہ بھی شریعت ہی کے قوانین

ہیں اس لیے کہ قیاس اور اجتہاد کو (بشرطیکہ وہ قرآن و سنت اور اجماع کے خلاف نہ ہو) قرآن اور سنت نے حجت قرار دیا ہے۔

دفعہ ۳ : شریعت کی بالا دستی۔

مقننہ کوئی ایسا قانون یا قرار داد منظور نہیں کر سکے گی جو شریعت کے احکام کے خلاف ہو، اگر ایسا کوئی قانون یا قرار داد منظور کر لی گئی تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہو گی اور اسے وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا جا سکے گا اور چیلنج کرنے کے فوراً بعد عدالت کے آخری فیصلہ تک اس پر عملدرآمد ملتوی ہو جائے گا۔

دفعہ ۴ : ملک کی تمام عدالتوں میں ہر قسم کے مقدمات بشمول مالی وغیرہ کے شریعت کے مطابق نہ کئے گئے فیصلوں کی کوئی قانونی حیثیت نہ ہوگی۔

دفعہ ۵ : وفاقی شرعی عدالت کا دائرہ اختیار سماعت و فیصلہ بلاکسی استثناء ہر قسم کے مقدمات پر حاوی ہوگا، اور عبوری دستوری حکم ۱۹۸۵ء کی دستوری ترامیم کے ذریعہ لگائی گئی پابندیاں فوراً ختم کر دی جائیں گی۔

دفعہ ۶ : انتظامیہ کا کوئی بھی فرد بشمول صدر مملکت اور وزیر اعظم شریعت کے خلاف کوئی حکم نہیں دے سکے گا اور اگر ایسا کوئی حکم دے دیا گیا ہو تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی اور اسے عدالت میں چیلنج کیا جا سکے گا۔

دفعہ ۷ : حکومت کے تمام عمال بشمول صدر مملکت اور وزیر اعظم پر شرعی عدالت کا فیصلہ ملک کے تمام دوسرے باشندوں کی طرح یکساں طور پر نافذ ہوگا، اور کوئی بھی ملک کا باشندہ اسلامی قانونِ عدل کے مطابق عدالتی احتساب سے بالاتر نہیں ہوگا۔

دفعہ ۸ : مسلمہ اسلامی فرقوں کے شخصی معاملات ان کے اپنے اپنے فقہی مسلک کے مطابق طے کئے جائیں گے۔

دفعہ ۹ : غیر مسلم باشندگانِ مملکت کو اپنے بچوں کے لیے مذہبی تعلیم اور اپنے ہم مذہبوں کے سامنے اپنی مذہبی تبلیغ کی آزادی ہوگی اور انہیں اپنے شخصی معاملات کا فیصلہ اپنے مذہبی قانون کے مطابق کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

دفعہ ۱۰ : تمام عدالتوں میں حسبِ ضرورت تجربہ کار، جیّد اور مستند علماء دین کا بحیثیتِ جج اور معاونینِ عدالت تقرر کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۱: علومِ شرعیہ اور اسلامی قانون کی تعلیم اور ججوں کی تربیت کا ایسا مؤثر انتظام کیا جائے گا کہ مستقبل میں علومِ شرعیہ اور خصوصاً اسلامی قانون کے ماہر جج تیار ہو سکیں۔

دفعہ ۱۲: قرآن اور سنت کی وہی تعبیر معتبر ہوگی جو صحابۂ کرامؓ اور مستند مجتہدین کے کے تمام عام اصولِ تفسیر اور علمِ حدیث کے مسلّمہ قواعد اور ضوابط کے مطابق ہو۔

دفعہ ۱۳: انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ کے ہر فرد کے لیے فرائضِ شریعت کی پابندی اور محرماتِ شریعت سے اجتناب کرنا لازم ہوگا۔

دفعہ ۱۴: تمام ذرائع ابلاغ کو خلافِ شریعت پروگراموں، فواحش اور منکرات سے پاک کیا جائے گا۔

دفعہ ۱۵: حرام طریقوں اور خلافِ شریعت کاروبار کے ذریعہ دولت کمانے پر پابندی ہوگی۔

دفعہ ۱۶: شریعت نے جو بنیادی حقوق باشندگانِ ملک کو دیئے ہیں اُن کے خلاف کوئی حکم نہیں دیا جائے گا، اگر ایسا کوئی حکم دیا گیا تو اس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی اور اسے عدالت میں چیلنج کیا جا سکے گا۔

(شریعت بل کا معرکہ ص۷۵، ص۷۶)

اِسلام اور مغربی جمہوریت کا تقابلی جائزہ

سوال:۔ دُنیا کے اکثر ممالک میں جمہوری نظام رائج اور نافذ العمل ہے، کیا اسلام میں ایسی جمہوریت کی بقاء کے لیے کوئی جگہ ہے یا اسلام اور جمہوریت دونوں الگ الگ نظام ہیں؟

الجواب:۔ اسلام ایک ایسا نظامِ حیات ہے جو اپنی خصوصیات کی وجہ سے مستقل تشخص کا مالک ہے، اس کا تعلق جمہوریت یا سوشلزم سے جوڑنا اسلامی نظامِ حیات سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ مغربی طرز کی جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہوتے ہیں، عوام جس طرح چاہیں ملک کے قانون پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، ملک کے کسی بھی رائج الوقت قانون کو محض اکثریت کے بل بوتے پر ختم کر سکتے ہیں، اور اگر چاہیں تو بے دینی، فحاشی اور خلافِ انسانیت قانون کو راتوں رات پاس کر کے

ملک پر نافذ کر سکتے ہیں۔ ایسے نظام میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہی ہوتے ہیں جبکہ عوام کے نمائندے وزیر اعظم کو ملک کی قسمت سے کھیلنے کے لیے لامحدود اختیارات حاصل ہوتے ہیں، ایسے فرسودہ نظام میں صرف افراد گنے جاتے ہیں، باطنی معانی اور علم و دانش کی کوئی قدر نہیں ہوتی، معاشرہ کی قابلِ فخر شخصیت اور ادنیٰ فرد کی رائے ایک شمار ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسی جمہوریت کے ذریعے قائم ہونے والی حکومت بظاہر اپنے آپ کو عوام کا ترجمان شمار کرتی ہے لیکن عوام کے حقوق سب سے زیادہ اسی کے ذریعہ پامال ہوتے ہیں۔ چنانچہ پاکستانی معاشرہ کے حوالہ سے یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ جمہوری نظام ہی میں قوم نے تباہی و بربادی اور ہلاکت کے کون سے مواقع نہیں دیکھے۔

جبکہ اس کے برعکس اسلام میں طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور خلیفہ صرف تنفیذِ احکامِ الٰہی کے لیے نیابت کی ذمہ داری نبھاتا ہے۔

قولہ تعالیٰ: (۱) اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ (سورۃ الانعام آیت ۵۷، سورۃ یوسف آیت ۴۰/۶۷) (۲) اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۳۰) ـــ (۳) اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (سورۃ الاعراف آیت ۵۴)

علاوہ ازیں جمہوری نظام میں طریقۂ انتخاب بھی اسلام کے طریقۂ انتخاب سے مختلف ہوتا ہے جس میں شوریٰ کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون کے خلاف کوئی فیصلہ کرے، شوریٰ کی تمام سرگرمیاں دین کے ماتحت رہتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب تک خلیفہ اللہ تعالیٰ کے قانون کا تابع ہو تو اس کی خلاف ورزی ناجائز بلکہ بغاوت تصوّر ہوگی۔

قال الامام قاضی ابویعلیٰؒ:۔ وھم الذین یخرجون علی الامام ویخالفون الجماعة وینفردون بمذھب ابتدعوہ۔ (الاحکام السلطانیة ص۵۴ اما قتال اھل البغی)

بہرحال اسلام ایک مستقل نظامِ حیات ہے جو مروجہ مغربی جمہوریت سے جدا ہے، یہ الگ بات ہے کہ جمہوریت بعض امور میں اسلام کی خوشہ چین ہے، ووٹنگ کے مروجہ نظام کے مقابلہ میں اسلام میں شورائی اور استخلاف کا نظام موجود ہے۔

قولہ تعالیٰ: وَشَاوِرْهُمْ فِی الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَی اللّٰهِ۔

(سورۃ اٰلِ عمران آیت ۱۵۹)

سیاستِ اسلامیہ کے نامور امام ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب البغدادی الماوردیؒ نے

خلافتِ اسلامیہ کے انعقاد اور خلیفہ مقرر کرنے کا تفصیلی نقشہ یوں کھینچا ہے :-

فصل : والامامۃ تنعقد من وجھین احدھما باختیار اھل العقد والحل ۔ والثانی بعھد الامام من قبل فاما انعقادھا باختیار اھل الحل والعقد فقد اختلف العلماء فی عدد من تنعقد بہ الامامۃ منھم علی مذاھب شتی فقالت طائفۃ لاتنعقد الا بجمھور اھل الحل والعقد من کل بلد لیکون الرضاء بہ عاماً والتسلیم لامامتہ اجماعاً وھو مذھب مدفوع ببیعۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ علی الخلافۃ باختیار من حضرھا ولم ینتظر ببیعتہ قدوم غائب عنھا ۔ وقالت طائفۃ اخری اقل من تنعقد بہ منھم الامامۃ خمسۃ یجتمعون علی عقدھا أو یعقدھا احدھم برضاء الاربعۃ استدلالاً بامرین احدھما ان بیعۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ انعقدت بخمسۃ اجتمعوا علیھا ثم تابعھم الناس فیھا وھم عمر بن الخطاب وابو عبیدۃ ابن الجراح وأسید بن حُضیر وبشر بن سعد وسالم مولی ابی حذیفۃ رضی اللہ عنھم ۔ والثانی ان عمر رضی اللہ عنہ جعل الشوریٰ فی ستۃ .... وقالت طائفۃ اخری تنعقد بواحد لان العباسؓ قال لعلی رضوان اللہ علیھما امدد یدک ابایعک فیقول الناس عم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بایع ابن عمہ فلا یختلف علیک اثنان ۔ ولانہ حکم وحکم واحد نافذ ۔ (الاحکام السلطانیہ للماوردی الباب الاول فی عقد الامامۃ ص ۶، ۷)[1]

سوشلزم اور اسلام کا موازنہ

سوال :- سوشلزم (اشتراکیت) کیا چیز ہے، اور کیا اسلام اور سوشلزم میں کوئی فرق ہے یا نہیں ؟

الجواب :- سوشلزم یا اشتراکیت یہ ایک کافرانہ نظام ہے اور اس کی تاریخ کا آغاز اٹھارہویں صدی کے اواخر میں ہوا، سب سے پہلے ہیگل نامی ایک شخص نے اس نظریہ کو ایک علمی نظریہ کی شکل میں پیش کیا اور اسے اقتصادی امور میں کامیابی کی بنیاد قرار دیا بعد میں اسے اقتصادی زندگی بخشنے بلکہ معاشرتی اصول بناتے اور تمدنی پروگرام میں ڈھالنے والا شخص "کارل مارکس" ہے ، اور یہی نظریہ آجکل "کمیونزم" کی شکل میں روس پر حاوی ہے ۔

---

[1] ومثلہ فی الجامع لاحکام القرآن للقرطبیؒ ج ۱ ص ۱۸۵، ۱۸۶ سورۃ البقرۃ ۔

اسی نظریئے کے بارے میں برصغیر کے مشہور مسلمان ماہر اقتصادیات حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :۔

"کارل مارکس اور دوسرے اشتراکی راہنماؤں نے جس فلسفہ پر" مارکسزم" کی بنیاد قائم کی ہے اس میں خدا سے انکار اور الٰہیات کی نفی صفِ اوّل میں درجہ پاتے ہیں ــــ۔ لہٰذا اس کے فلسفہ لادینیت کے ساتھ اسلام کا کوئی رابطہ اور تعلق قائم نہیں ہوسکتا"۔

اس کے بعد مولانا سیوہاروی رحمہ اللہ اسلام اور سوشلزم کے اقتصادی نظام کے فرق کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اسلامی اقتصادی نظام کے اصول یہ ہیں :۔

(۱) دولت و ذرائع دولت میں انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی حدود قائم کردی جائیں۔

(۲) حقِ معیشت کی مساوات کے اعتراف کے ساتھ بلحاظِ معیشت اختلافِ مدارج تسلیم کرتے ہوئے احتکار کو روکا جائے۔

جبکہ اشتراکی اقتصادی نظام ان امور پر قائم ہے :۔

(۱) دولت و ذرائع دولت سے انفرادی ملکیت کو مٹادیا جائے۔

(۲) بلحاظِ معیشت اختلافِ درجات کا انکار کیا جائے اور معاشی لحاظ سے بھی سوسائٹی میں مساوات تسلیم کی جائے۔ (اسلام کا اقتصادی نظام صفحہ ۲۴۳/۲۴۴)

سوشلزم اور اسلام کا تقابلی جائزہ

سوال :۔ سوشلزم کے بارے میں کچھ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس میں انسانی ضروریات کا تکفل ہے اور بغیر کسی معاوضہ کے حقوق دیئے جاتے ہیں۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اسلام میں سوشلزم کے مقابلے میں انسانی ضروریات کا خیال کیا جاتا ہے یا نہیں؟ کیا اسلام میں محنت کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے یا صرف خیرات وصدقات پر بھروسہ کیا جاتا ہے؟

الجواب :۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس میں انسان کی ضروریات کا حل اکمل طریقہ سے موجود ہے، سوشلزم میں تو صرف چند لوگوں کو مفت روٹی، کپڑا اور مکان ملتا ہے، باقی سب لوگوں سے مزدوری زیادہ لی جاتی ہے اور معاوضہ تھوڑا دیا جاتا ہے اس لیے کہ پوری رعایا صرف حکومت کے لیے کام کرتی ہے، کوئی چیز کسی فرد کی ذاتی

ملکیت نہیں ہوتی، اس کے بالمقابل اسلام میں ضعفاء، فقراء اور مساکین کو زکوٰۃ، صدقات اور عام رعایا کو بھی بیت المال سے باقاعدہ تنخواہیں ملتی ہیں۔

خلفاء راشدین کے دورِ خلافت پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ملازمین کے علاوہ عام مسلمانوں کے لیے بھی بیت المال سے وظائف مقرر کئے تھے۔

لما قال الامام حافظ ابن تیمیۃ رحمہ اللہ: کما فعل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ لما کثر المال اعطا منہم عامۃ المسلمین فکان لجمیع اصناف المسلمین فرض فی دیوان عمر بن الخطاب غنیہم وفقیرہم....... ومع ھذا فالجواب تقدیم الفقراء علی الاغنیاء الذین لا منفعۃ فیھم فلا یعطی غنی شیئاً حتی یفضل عن الفقراء۔

(مجموعۃ الفتاوٰی ج ۲۸ ص۵۶۷ السیاسۃ الشرعیۃ)

تاہم اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آدمی محنت مزدوری اور کسبِ معیشت کو ترک کرکے صرف حکومتی وظائف ہی کو اپنی بقاء کا ذریعہ سمجھے اور یہاں تک کہ دستِ سوال پھیلانے کی نوبت آجائے، جو شخص بدن اور اعضاء کے اعتبار سے تندرست و توانا اور محنت مزدوری کرنے کی طاقت رکھنے کے باوجود صدقات و خیرات کے لیے ہاتھ پھیلاتا ہے، شریعت ایسے شخص کو کبھی بھی سوال کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

امام ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی رحمہ اللہ محتسب کی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وان رأی رجلاً ان یتعرض لمسألۃ الناس فی طلب الصدقۃ وعلم انہ غنی امّا بمال او عملٍ انکرہٗ علیہ واَدبہ فیہ وکان المحتسب بانکارہ اخص من عامل الصدقۃ فعل عمرؓ مثل ذٰلک بقوم من اھل الصدقۃ۔

(الاحکام السلطانیۃ للماوردی ص۲۴۸ الباب العشرون فی احکام الحسبۃ)

قرآنِ کریم اور سنتِ نبوی کی تعلیمات قدم قدم پر انسان کو حلال روزی کمانے اور کسبِ معیشت کی ترغیب دیتی ہیں، مثلاً:۔

قولہ تعالیٰ: فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ۔

(سورۃ الجمعۃ آیت ۱۰)

وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام: طلب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ۔
(کنز العمال ج ۴ ص۴ رقم ۹۲۰۳ الفصل الاول فی فضائل الکسب الحلال)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مقرر کردہ تنخواہوں کی تفصیل امام ابوالحسن الماوردی رحمہ اللہ نے کچھ یوں بیان فرمایا ہے:۔

فلما وضع الدیوان فضل بالسابقۃ ففرض لکل من شھد بدراً من المہاجرین الاولین خمسۃ آلاف درھم فی کل سنۃ منھم علی بن ابی طالب وعثمان بن عفان وطلحۃ بن عبید اللہ والزبیر بن العوام وعبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنھم۔ وفرض لنفسہ معھم خمسۃ آلاف درھم والحق بہ العباسؓ بن عبد المطلب والحسن والحسین رضوان اللہ علیھم لمکانھم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقیل بل فضل العباس وفرض لہ سبعۃ آلاف درھم وفرض لکل من شھد بدراً من الانصار اربعۃ آلاف درھم ولم یفضل علی اھل بدر احداً الا ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہ فرض لکل واحدۃ منھن عشرۃ آلاف درھم......الخ
(الاحکام السلطانیۃ للماوردی ص ۲۰۱، ۲۰۲ الباب الثامن عشر فی وضع الدیوان الخ)

بائیکاٹ اور ہڑتال کی شرعی حیثیت

سوال:۔ آجکل حکومت سے اپنے مطالبات منوانے کے لیے بائیکاٹ اور ہڑتالوں کا طریقہ اپنایا جاتا ہے۔ کیا شریعتِ مقدسہ میں اس قسم کی ہڑتالوں کی گنجائش ہے؟

الجواب:۔ عصرِ حاضر میں احتجاجات اور ہڑتالوں نے مختلف شکلیں اختیار کر رکھی ہیں، بعض ہڑتالیں تو ایسی ہوتی ہیں کہ ان میں لوٹ مار، سنگباری، توڑ پھوڑ اور چلتی گاڑیوں کو آگ لگانے اور سرکاری املاک کو نقصان پہنچانے جیسے غلط اور ناروا افعال کو اپنایا جاتا ہے جو کہ کسی بھی مہذب قوم کو زیب نہیں دیتا۔

ظاہر بات ہے کہ اس قسم کی ہڑتالیں کرنا اور جلسے جلوس نکالنا شرعاً ناجائز ہے۔ اسی طرح بعض تعلیمی اداروں میں طلباء ان اداروں کے نظم ونسق کے بارے میں ہڑتالیں کرتے ہیں اور اسباق میں حاضر نہیں ہوتے۔

اس قسم کی ہڑتالوں کے بارے میں حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "طلبۂ مدارس کی اسٹرائک منتظمین کے خلاف قواعد شرعیہ

کی رُو سے ناجائز ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ اسٹرائک کا مقصد منتظمین پر دباؤ ڈال کر ان کو اپنے مطالبات کے ماننے پر مجبور کرنا ہے۔ اور طلبہ کو کسی حالت میں اس قسم کے دباؤ ڈالنے کا حق نہیں ہے کیونکہ طلبہ محکوم ہیں اور منتظمین حاکم، اور محکوم پر حاکم کی اطاعت اس وقت تک لازم ہے جب تک کہ ان کو کسی خلافِ شرع امر کا حکم نہ دیا جائے۔ پس طلبہ کا منتظمین پر حکومت کرنا قلب موضوع اور شریعت کے حکم کو بدلنا ہے، لہٰذا اسٹرائک جائز نہیں ہو سکتی۔"

(امداد الفتاویٰ ج ۶ ص ۲۰۳ کتاب العقائد والکلام)

تاہم اگر مطالبات جائز ہوں اور ہڑتال، بائیکاٹ اور جلسے جلوس پُرامن ہوں، اور غیر شرعی امور کا ارتکاب نہ ہو تو ایسی حالت میں ہڑتال کرنے اور جلسے جلوس نکالنے میں کوئی قباحت نہیں بلکہ شرعی اور جائز مطالبات منوانے کے لیے ایسا اقدام کرنا مستحسن عمل ہے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایسے وقت میں احتجاج کے طور پر جیل سے نکلنے سے انکار کیا تھا۔

لقولہٖ تعالیٰ: وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ۝ (سورۃ یوسف آیت ۵۰)

وقال الامام القرطبیؒ فی تفسیر ھٰذہ الآیۃ "فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ" ای یامرہ بالخروج قال ارجع الی ربّک فاسئلہ ما بال النسوۃ التی قطّعن ایدیھن ای حال النسوۃ التی قطّعن ایدیھن فابی ان یخرج الا ان تصح براءتہ عند الملک مما قذف بہ وانہ حبس بلا جرم۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۹ ص ۱۳۵ سورۃ یوسف) [۱]

---

[۱] قال الامام ابن جریر الطبریؒ: یقول فلما جاءہ الرسول الملک یدعوہ الی الملک "قال ارجع الی ربّک" یقول قال یوسف ارجع الی سیدک "فاسئالہ ما بال النسوۃ التی قطّعن ایدیھنّ" وابی ان یخرج مع الرسول واجابۃ الملک حتی یعرف صحۃ امرہ عندھم مما کانوا قذفوہ بہ من شان النساء فقال للرسول سل الملک ما شأن النسوۃ التی قطّعن ایدیھنّ والمرأۃ التی سجنت بسببھا۔

(جامع البیان للطبری ج ۷ ص ۲۳۴ سورۃ یوسف)

وقال الامام جلال الدینؒ فی تفسیرہ: اخرج ابن المنذر عن ابن عباس رضی اللہ عنھما فی قولہ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ قال اراد یوسف علیہ السلام العذر قبل ان یخرج من السجن۔ (الدر المنثور فی التفسیر الماثور ج ۴ ص ۵۲۸ سورۃ یوسف)

بھوک ہڑتال کی شرعی حیثیت

سوال :- اپنے حقوق حاصل کرنے اور مطالبات منوانے کے لیے بھوک ہڑتال کا سہارا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- چونکہ آجکل اکثر ملکوں میں جمہوری حکومتیں ہیں اور بھوک ہڑتال کے ذریعہ حکومتیں عوام کے مطالبات کو تسلیم کر لیتی ہیں، اس لیے جائز مطالبات اور حقوق کے حصول کے لیے بھوک ہڑتال پر امن طریقہ سے ہونی چاہیئے، کہیں یہ نہ ہو کہ اس کی وجہ سے جان خطرے میں پڑ جائے ایسی ہڑتال کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ تاہم اگر بھوک ہڑتال ایسی ہو کہ اس کی وجہ سے جان کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو یا بھوک ہڑتال کو اتنا لمبا کر دیا جائے کہ بھوک کی وجہ سے کوئی مرجائے تو ایسی بھوک ہڑتال نہ صرف ناجائز اور ممنوع بلکہ خودکشی کے مترادف ہے۔

لما فی الهندية : فان ترك الاكل والشرب حتى هلك فقد عصى .... ولا تجوز الرياضة بتقليل الاكل حتى يضعف عن اداء الفرائض فاما تجويع النفس على وجه لا يعجز عن اداء العبادات فهو مباح وفيه رياضة النفس۔

(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۳۶ كتاب الكراهية الباب الحادى عشر فى الكراهية فى الاكل)[1]

عورتوں کا جلوس نکالنے کا حکم

سوال :- جمہوری حکومت میں اپنے حقوق کیلئے جلوس نکالنا جمہوری عمل کا ایک حصہ ہے، تو کیا مردوں کی طرح عورتیں بھی اپنے حقوق کے لیے جلوس نکال سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب :- معاشرہ کی بقاء مردوزن کے باہمی اشتراک پر موقوف ہے، اس میں مردوں کی طرح عورتیں بھی حقوق رکھتی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

(۱) لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ۔ (سورة النساء آیت ۳۲)

(۲) وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ۔ (سورة البقرة آیت ۲۲۸)

---

[1] وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله : فان ترك الاكل والشرب حتى هلك فقد عصى لان فيه القاء النفس الى التهلكة وانه منهى عنه فى حكم التنزيل۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۲۳۸ كتاب الحظر والاباحة)

وقال الله تعالى : وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ (سورة البقرة آیت ۱۹۵)

اپنے حقوق کے حصول کے لیے لڑنے یا اس کا مطالبہ کرنے پر شرعاً کوئی پابندی نہیں ہے، جس طرح مرد اپنے حقوق کا مطالبہ کرسکتے ہیں اسی طرح عورتوں کو بھی اپنے حقوق کے مطالبہ کے لیے کوئی امر مانع نہیں، تاہم عورت کو اپنے حقوق کے احیاء کے لیے اپنی شخصیت کے تقدس کو پامال کرنا بددیانتی اور خیانت کے مترادف ہے۔ عورتوں کا جلوس نکالنے سے اگرچہ اپنے حقوق کا مطالبہ مقصود ہوتا ہے لیکن موجودہ حالات کی روشنی میں یہ بات کسی پر مخفی نہیں کہ اس میں عورتوں کا اپنے حقوق کے مطالبہ کے لیے نعرہ بازی کرنا یا اظہار نفرت کے لیے اپنے ایسے اعضاء کو ظاہر کرنا لازمی امر ہے جن کا بلا عذر شرعی کھولنا شریعت میں حرام ہے جو کہ عورت کے لیے جائز نہیں، اس لیے عورتوں کا جلسے جلوسوں یا دوسرے احتجاجی طریقوں میں مذکورہ امور کا ارتکاب ناجائز اور حرام ہے۔

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم: قال مثل الرافلة فی الزینة فی غیر اھلھا کمثل ظلمة یوم القیمة لا نور لھا۔ (جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۳۹ ابواب الرضاع، باب ماجاء فی کراھیة خروج النساء فی الزینة)

تاہم اگر عورتوں کے ایسے جلوس نکالنے سے کسی بے حیائی اور خلافِ شرع امور کا ارتکاب نہ ہوتا ہو بلکہ ایسے جلوسوں سے کسی دینی یا دنیوی حقوق کا احیاء مقصود ہو تو ان کے جواز کی گنجائش ہے۔

لما فی الحدیث: عن ایاس بن عبد اللہ بن ابی ذباب قال قال رسول اللہ علیہ وسلم لا تضربوا اماء اللہ فجاء عمرؓ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ذئرن النساء علی ازواجھن فرخص فی ضربھن فاطاف بآل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نساء کثیر یشکون ازواجھن فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقد طاف بآل محمد ﷺ نساء کثیر یشکون ازواجھن لیس اولٰئک بخیارکم۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۹۲ کتاب النکاح)

عائلی قوانین کی شرعی حیثیت

سوال:۔ فیلڈ مارشل ایوب خان مرحوم نے اپنے دورِ حکومت میں جو عائلی قوانین نافذ کئے تھے ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب: ایوب خان مرحوم نے جن عائلی قوانین کا آرڈیننس جاری کیا تھا اس کی بعض

دفعات قرآنِ کریم اور احادیث سے مثلاً :۔

(۱) **دفعہ ۴** قابلِ توجہ ہے جس کی رُو سے اگر کسی شخص کے چند لڑکوں اور لڑکیوں میں سے کوئی ایک لڑکا یا لڑکی اس کی زندگی میں ہی فوت ہو جائے اور اس نے لڑکا یا لڑکی اولاد چھوڑی ہو تو اس دادا یا نانا کی وفات کے وقت شرعی قاعدہ کی رُو سے صلبی بیٹوں اور بیٹیوں کی موجودگی میں پوتے اور نواسے کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا، جبکہ اس قانون نے ان کو حصّہ دلانے کے لیے مرنے والے بیٹے یا بیٹی کو زندہ فرض کر کے ان کا حصّہ ان کی اولاد کو حصہ دلوایا ہے ۔ حالانکہ صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے:" ولا یرث ولد الابن مع الابن" یعنی کسی بیٹے کی موجودگی میں پوتا میرات نہیں لے سکتا ۔
(صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۷ کتاب الفرائض)

(۲) **دفعہ ۶** : اس دفعہ میں ایک سے زائد بیویاں رکھنے پر کڑی پابندی عائد کی گئی ہے، اس دفعہ کی رُو سے کوئی بھی شخص ثالثی کونسل کی تحریری اجازت کے بغیر نہ تو دوسری شادی کر سکے گا اور نہ ہی مذکورہ منظوری کے بغیر کسی شادی کو اس آرڈیننس کے تحت رجسٹرڈ کیا جائے گا ۔ حالانکہ اس کے مقابلے میں قرآن مجید کا فیصلہ بہت واضح ہے۔
قولہ تعالیٰ : فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۔(النساء ع ۳)
اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر شخص کو بیک وقت چار شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے ۔

(۳) **دفعہ ۷** : اس دفعہ میں طلاق اور عدّت کے متعلق چند قوانین بیان کئے گئے ہیں اس دفعہ کی ذیلی دفعہ ۱ کے تحت کوئی طلاق اُس وقت تک مؤثر نہ ہوگی جب تک کہ چیئرمین یونین کونسل کو دیئے گئے نوٹس کی تاریخ سے نوّے ۹۰ دن نہ گذر گئے ہوں چاہے ایک طلاق ہو یا ایک سے زائد، چاہے مُطلّقہ غیر مدخول بہا ہو یا مدخول بہا۔ حالانکہ کتاب اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ جب کسی غیر مدخول بہا عورت کو طلاق دی جائے تو فوراً شوہر کے نکاح سے نکل کر بغیر عدّت گذارے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے ۔ قولہ تعالیٰ : يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۔(الاحزاب ع ۴۹)

اور یہ مدخول بہا عورت کو طلاق دی جائے تو اس صورت میں بھی طلاق کا اپنا اثر فوراً ظاہر ہو کر اس عورت کو مطلقہ کہا جاتا ہے، صرف اتنا فرق ہے کہ کسی دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرتے سے پہلے عدت پوری کرے گی۔

قولہ تعالیٰ: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ (الی) وَبُعُوْلَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ إِنْ أَرَادُوْا إِصْلَاحًا۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۲۸)

(۴) دفعہ ۱۲: اس دفعہ کی منشا یہ ہے کہ کسی لڑکی کا نکاح سولہ ۱۶ سال اور لڑکے کا نکاح اٹھارہ سال کی عمر سے پہلے کرنا جرم ہوگا ــــ حالانکہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح فرمایا تو اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر صرف چھ ۶ سال کی تھی اور رخصتی کے وقت آپ رضی اللہ عنہا کی عمر نو ۹ سال کی تھی۔

لما فی الحدیث: عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت تزوجنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانا بنت ست سنین وبنی بی وانا بنت تسع۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۶) [۱]

یہی وجہ ہے کہ علماء کرام نے اُس وقت اِس قانون کے خلاف آواز اٹھا کر اپنی ذمہ داریاں پوری کیں اگرچہ اُس وقت سے لے کر اب تک قائم ہونے والی ہر حکومت انہی قوانین پر عمل پیرا ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت خلافتِ راشدہ میں داخل ہے

سوال: حضرت حسن ابن علی رضی اللہ عنہما کا دورِ خلافت خلافتِ راشدہ میں داخل ہے یا نہیں؟ ورنہ بصورتِ دیگر حق چار یار کا نعرہ لگانے کا کیا مطلب ہے؟

الجواب: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ خلافت میرے بعد تیس ۳۰ سال تک رہے گی، پھر اس کے بعد بادشاہت اور امارت ہوگی۔ فقہاء کرام اور متکلمین علماء نے خلفاء اربعہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ) کا زمانہ خلافت اُنتیس ۲۹ سال اور چھ ۶ ماہ

---

[۱] عن عروۃ تزوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم عائشۃ رضی اللہ عنہا وھی ابنۃ ست وبنی بہا وھی ابنۃ تسع ومکثت عندہٗ تسعاً۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۷۵ باب من بنی بامرأۃ وھی بنت تسع سنین۔ کتاب النکاح)

بنایا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسلم اکثریت نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ چھ ماہ کے بعد آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کرتے ہوئے خلافت آپ کے سپرد کردی، اس بناء پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت خلافتِ راشدہ میں مشہور و بہا داخل ہے۔ حق چار یار کے نعرہ سے اہل سنت والجماعت کا مقصد دوسروں کا انکار نہیں بلکہ ان چاروں کی حقانیت کا اعلان ہے۔

لما قال العلامة ملّا علی القاری رحمہ اللہ: وخلافة النّبوّة ثلاثون سنة۔ منها خلافة الصديقؓ سنتان وثلاثة اشهر وخلافة عمرؓ عشر سنين ونصف وخلافة عثمانؓ اثنتا عشرة سنة وخلافة علیؓ اربع سنين وتسعة اشهر وخلافة ابنه ستة اشهر واوّل ملوك المسلمين معاويةؓ وهو افضلهم لكنّه انما صار إماماً حقاً لما فوض اليه الحسنؓ بن علیؓ الخلافة فانّ الحسنؓ بايعه اهل العراق بعد موت ابيه ثم بعد ستة اشهر فوض الامر الیٰ معاويةؓ والقصّة مشهورة وفی الكتب المبسوطة مسطورة۔ (شرح الفقہ الاکبر ص۶۸، ۶۹) [1]

---

[1] وقال الامام ابوجعفر الطحاوی رحمہ اللہ: "قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم خلافة النّبوّة ثلاثون سنة ثمّ يؤتی الله ملكه من يشاء" وكانت خلافة ابی بكرؓ سنتين و ثلاثة اشهر وخلافة عمرؓ عشر سنين نصفاً وخلافة عثمان اثنتی عشرة سنة وخلافة علیؓ اربع سنين وتسعة اشهر وخلافة الحسنؓ ستّة اشهر واوّل ملوك المسلمين معاويةؓ وهو خير ملوك المسلمين لكنّه انّما صار إماماً حقاً لما فوض اليه الحسنؓ بن علیؓ الخلافة فانّ الحسنؓ بايعه اهل العراق بعد موت ابيه ثم بعد ستّة اشهر فوض الامر إلیٰ معاويةؓ نظر صدق قول النبیؐ إنّ ابنی هٰذا سيّد وسيصلح الله به بَيْنَ فئتين عظيمتين من المسلمين والقصّة المشهورة فی موضعها۔
(شرح العقیدة الطحاویة ص۵۴۵ الخلافة والامارة)

وَمِثْلُهٗ فی شرح العقائد علی هامش خيالی ص۱۵۱ الخلافة والامارة۔

عورت کا سربراہ مملکت بننا

سوال :- کیا اسلام میں عورت ملک کی سربراہ بن سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب :- دلائل شرعیہ کی رُو سے عورت کو بادشاہ و سربراہ بنانا جائز نہیں ہے تفصیل درج ذیل ہے :-

شریعتِ اسلامیہ کا ایک ادنیٰ طالب علم آسانی سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ شرعاً کسی چیز کا جواز یا عدم جواز اسلام کے چار مشہور اصول اور دلائل ہی سے ثابت کیا جا سکتا ہے ان دلائل کے بغیر کسی چیز پر جواز یا عدم جواز کا حکم لگانا اور اسے شرعی حکم سمجھنا سراسر جہالت ہوگی، اسلئے ضروری ہے کہ عورت کی سربراہی کو ان اصولوں کی روشنی میں دیکھا جائے تاکہ عورت کی سربراہی کے اصلی خدوخال اور اس کی شرعی حیثیت سامنے آجائے، اس سلسلہ میں ایک تفصیلی مضمون پیشِ خدمت ہے ، امید ہے کہ اس سے صحیح صورتحال سامنے آسکے گی ۔

(۱) قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے : اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۔ (سورۃ النساء آیت ۳۴) اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی کے تحت ساتویں صدی ہجری کے مشہور و مقبول اور معتمد مفسر علامہ ابن کثیرؒ اپنی مایۂ ناز تفسیر میں لکھتے ہیں :-

یقول تعالیٰ (الرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ) ای الرجل قیم علی المرأۃ ای ھو رئیسھا وکبیرھا والحاکم علیھا ومؤدبھا اذا اعوجت (بما فضل اللہ بعضھم علی بعض) ای لان الرجل افضل من النساء والرجل خیر من المرأۃ ولھذا کانت النبوۃ مختصۃ بالرجال وکذٰلک الملک الاعظم لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم " لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ ۔ (رواہ البخاری من حدیث عبدالرحمٰن بن ابی بکرۃ عن ابیہ) ۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۹۱ سورۃ النساء)

(ترجمہ) "جنابِ باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ مرد عورت کا حاکم و رئیس اور سردار ہے، اُسے درست اور ٹھیک ٹھاک رکھنے والا ہے اس لئے کہ مرد عورتوں سے افضل ہیں یہی وجہ ہے کہ نبوّت مردوں میں رہی اور اسی طرح شرعی طور پر خلیفہ بھی مرد ہی بن سکتا ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ وہ لوگ کبھی نجات نہیں پا سکتے جو اپنا والی کسی عورت کو بنائیں " (بخاری)

(۲) (الف) حدثنا عثمان بن الھیثم قال حدثنا عوف عن الحسن عن ابی بکرۃؓ قال لقد نفعنی اللہ بکلمۃ سمعتھا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام الجمل بعد ما کدت ان الحق باصحاب الجمل فاقاتل معھم قال لما بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اھل فارس قد ملکوا

علیهم بنت کسریٰ قال لن یفلح قوم ولوا امرهم امراۃً۔

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۷، ص ۱۰۵۲ کتاب النبیؐ الی کسریٰ وقیصر)

(ترجمہ) "ہم سے عثمان بن ہیثم نے بیان کیا کہا ہم سے عوف نے انہوں نے امام حسن بصریؒ سے انہوں نے ابی بکرہؓ سے انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے جنگِ جمل کے دن مجھ کو اس بات سے فائدہ دیا جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی ورنہ قریب تھا کہ میں جمل والوں کے ساتھ یعنی حضرت عائشہؓ کے لشکر میں شریک ہو کر (مسلمانوں سے) لڑتا، ابو بکرہؓ نے کہا وہ بات یہ تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ ایران والوں نے کسریٰ کی بیٹی (بوران بنت شیرویہ) کو تخت پر بٹھا دیا ہے تو فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی جس نے (ملک کے) امور حاکم والی کسی عورت کو بنایا ہو"۔

بخاری شریف کے حاشیہ میں حدیثِ ابو بکرہؓ پر قسطلانی کے حوالہ سے لکھا گیا ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ عورت کی سربراہی جائز نہیں۔

اور اسی طرح محدّثِ شہیر فقیہ نبیل مُلا علی قاری رحمۃ اللہ اپنی مشہور زمانہ تالیف "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" میں اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :-

فی شرح السنۃ: لاتصلح المرءۃ ان تکون اماماً ولا قاضیاً لانہما محتاجان الی الخروج للقیام بامور المسلمین والمرءۃ عورۃ لاتصلح لذلک۔ ولان المرءۃ ناقصۃ والقضاء من کمال الولایات فلا یصلح لہا الا الکامل من الرجال ۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ۷ ص ۳۱۵ کتاب الامارۃ والقضاء)

شرح السنّۃ میں ہے کہ عورت کی سربراہی اور ریاستِ عامہ دو وجہوں سے جائز نہیں،

(۱) سربراہی قیام بامور المسلمین کے لیے آزادانہ چلنے پھرنے کا تقاضا کرتی ہے اور عورت کو قرار فی البیت اور حجاب کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) عورت عقل کے لحاظ سے ناقص ہے اور ریاستِ عامہ کمال ولایت ہونے کی وجہ سے کمال عقل کو چاہتی ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ اور ملا علی قاریؒ جیسے محدثین، مفسرین نے اس حدیث کو عام لیکر اس سے عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر استدلال فرمایا ہے، لہٰذا اس حدیث کو بنتِ کسریٰ کے ساتھ مخصوص جاننا سوائے خالی دعوے کے اور کچھ نہیں۔ خود راویٔ حدیث صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرہؓ کے اسلوب کلام

سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی اس حدیث کو عام لے رہے ہیں۔ (کما لا یخفیٰ علی المتامل)

(ب) ما رأیت من ناقصات عقل و دین اغلب لذی لب منکن قالت یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ما نقصان العقل والدین قال اما نقصان عقلها فشهادة امرأتین تعدل شهادة رجل فهذا نقصان العقل وتمکث اللیالی لا تصلی وتفطر فی رمضان فهذا نقصان الدین۔ رواہ مسلم۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۳۵ سورۃ البقرہ)

(ترجمہ) میں نے نہیں دیکھا کہ باوجود عقل و دین کی کمی کے مردوں کی عقل مارنے والی تم سے زیادہ ہو، اس نے پھر پوچھا کہ حضورؐ! ہم میں دین کی اور عقل کی کمی کیسی ہے؟ فرمایا عقل کی کمی تو اس سے ظاہر ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور دین کی کمی یہ ہے کہ ایام حیض میں نہ نماز ہے نہ روزہ۔" (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۳۳۵ سورۃ البقرۃ)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ عورت ناقص العقل ہے اور ریاستِ عامہ نام ہے کمال ولایت کا لہٰذا اس کے لیے کمال عقل کی ضرورت ہے اور یہ حدیث کی رُو سے عورت میں مفقود ہے اس لیے عورت کی سربراہی اور ریاستِ عامہ جائز نہیں۔

(۳) شرح عقائد کی مشہور شرح نبراس میں ہے:۔

قد اجمع الامة علی عدم نصبها حتی فی الامامة الصغریٰ۔

(النبراس شرح شرح العقائد ص ۳۲۱ نصب الامام۔ یشترط ان یکون الامام من اہل الولایۃ)

(ترجمہ) "امتِ محمدیہ علیٰ صاحبها الصلوٰۃ والسلام کا اس مسئلہ پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ عورت کی ریاستِ عامہ (امامتِ کبریٰ) اور ریاستِ خاصہ (امامتِ صغریٰ) دونوں جائز نہیں۔

ذیل میں مشہور محدثین و فقہاء اور متکلمین ارشادات بھی ملاحظہ فرمالیجئے تاکہ مسئلہ کی مزید توضیح ہو جائے۔

(۱) علامہ علاؤالدین الحصکفیؒ فرماتے ہیں:۔

ویشترط کونه مسلماً حراً ذکراً عاقلاً بالغاً قادراً۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ج ۱ ص ۴۰۵ باب الامامۃ)

(ترجمہ) "یعنی ریاستِ عامہ کیلئے مرد ہونا شرط ہے لہٰذا عورت کی سربراہی جائز نہیں۔

(۲) علامہ ابن عابدینؒ عورت کی سربراہی کے عدم جواز کی تعلیل میں لکھتے ہیں:۔

لان النساء امرن بالقرار فی البیوت فکان مبنی حالهن علی الستر والیه اشار النبی صلی اللہ علیہ وسلم حیث قال کیف یفلح قوم تملکهم امرأة۔ (رد المحتار جلد ۱ ص ۴۰۵ باب الامامۃ)

(ترجمہ) "کیونکہ عورتوں کو قرار فی البیوت کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا ان پر حجاب اور ستر میں رہنا لازم ہے"، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی سربراہی کے عدم جواز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہ پا سکے گی جس پر عورت حکومت کر رہی ہو"۔

(۳) علامہ تفتازانی رحمہ اللہ "شرح مقاصد" میں لکھتے ہیں: یشترط فی الامام ان یکون مکلفا حرًا ذکرا لی قولہ والنساء ناقصات عقل ودین ممنوعات عن الخروج الی مشاهد الحکم ومعارك الحرب۔ (شرح المقاصد ج ۲ ص۲۷۷)

(ترجمہ) "عورت کی سربراہی دو وجہ سے جائز نہیں ۱۔ عورت عقل اور دین کے لحاظ سے ناقص ہے۔ ۲۔ اس کو پردہ میں رہنے کا حکم ہے"۔

(۴) علامہ سید محمود آلوسی بغدادیؒ اپنی مشہور زمانہ تفسیر "روح المعانی" میں اس آیت انی وجدت امرأة تملکهم (الآیۃ) کے تحت رقمطراز ہیں:۔

ولیس فی الآیۃ مایدل علی جواز ان تکون المرأة ملکة ولا حجة فی عمل قوم کفرة علی مثل هذا المطلب۔ وفی صحیح البخاری من حدیث ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیه وسلم لما بلغه ان اهل فارس قد ملکوا علیهم بنتِ کسریٰ قال لن یفلح قوم ولوا امرهم امرأة۔ (روح المعانی ص۱۸۹ ج ۱۰، الجزء ۱۹۔ الکلام علی نکاح الانس والجن)

(ترجمہ) "یعنی عورت کی سربراہی جائز نہیں کیونکہ صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے اپنے ملک کا بادشاہ کسریٰ کی بیٹی کو بنا دیا ہے تو آپؐ نے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے اقتدار کا مالک عورت کو بنا دیا"۔

(۵) حضرت العلامہ مولانا آزادؒ الرجال قوامون الخ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اللہ نے دنیا میں ہر گروہ کو دوسرے گروہ پر خاص خاص باتوں میں مزیت دی ہے اور ایسی مزیت مردوں کو بھی عورتوں پر ہے، مرد عورت کی ضروریاتِ معیشت کے قیام کا ذریعہ ہے اس لیے سربراہی وکارفرمائی کا مقام قدرتی طور پر انہی کیلئے ہو گیا ہے"۔ (ترجمان القرآن ج ۱ ص۳۱۱ سورۃ النساء)

(۶) مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی معروف ومقبول تفسیر "معارف القرآن" میں لکھتے ہیں:۔ "کیا کسی عورت کا بادشاہ ہونا یا کسی قوم کا امیر وامام ہونا جائز ہے"؟

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ اہل فارس نے اپنے ملک کا بادشاہ کسریٰ کی بیٹی کو بنا دیا ہے، تو آپؐ نے فرمایا:۔

لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ یعنی وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے اپنے اقتدار کا مالک عورت کو بنا دیا۔" اس لیے علماء اُمت اس پر متفق ہیں کہ کسی عورت کو امامت و خلافت یا سلطنت و حکومت سپرد نہیں کی جاسکتی بلکہ نماز کی امامت کی طرح امامتِ کبریٰ بھی صرف مردوں کو سزاوار ہے۔ رہا بلقیس کا ملکہ سبا ہونا، تو اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوسکتا جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے خود نکاح کیا اور پھر اس کو حکومت و سلطنت پر قائم رکھا، اور یہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں جس پر احکامِ شرعیہ میں اعتماد کیا جاسکے۔

(معارف القرآن ج ۶ ص ۵۷۳ سورۃ النمل)

(۷) مشہور محدث حضرت مولانا عبدالحق دہلویؒ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں حدیث لن یفلح قوم الخ کی شرح میں فرماتے ہیں: " ازیں معلوم میشود کہ زن قابل ولایت و امارت نیست"۔ (اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۳۰۹ کتاب الامارۃ والقضاء)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کی ریاستِ عامہ اور سربراہی جائز نہیں ہے۔

(۸) علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلویؒ "مظاہر حق شرح مشکوٰۃ" میں اس عنوان: "عورت کو اپنا حاکم بنانے والی قوم کبھی فلاح نہیں پاسکتی" کے تحت حدیث لن یفلح قوم الخ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ "اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولایت و حکمرانی کا اہل مرد ہی ہوسکتا ہے، عورت حکمرانی و سربراہی کے منصب کی اہل نہیں"۔ (مظاہر حق ج ۳ ص ۶۷۲ کتاب الامارۃ والقضاء)

(۹) حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ اپنی مشہور زمانہ تفسیر مظہری میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشادِ گرامی بما فضل اللہ بعضھم علیٰ بعض کے تحت لکھتے ہیں:

یعنی الرجال علی النساء فی اصل الخلقۃ بکمال العقل وحسن التدبیر وبسطۃ فی العلم والجسم ومزید القوۃ فی الاعمال وعلو الاستعداد ولذلک خصوا بالنبوۃ والامامۃ والولایۃ والقضاء والشھادۃ فی الحدود والقصاص وغیرھا ووجوب الجھاد والجمعۃ والعیدین والاذان والخطبۃ والجماعۃ وزیادۃ السھم فی الارث ومالکیۃ النکاح وتعدد المنکوحات والاستبداد بالطلاق وکمال الصوم والصلوٰۃ من غیر فتور وغیر ذلک وھذا امر وھبی۔

(تفسیر مظہری ج ۲ ص ۹۸ سورۃ النساء)

(ترجمہ) "اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو یعنی مردوں کو بعض پر یعنی عورتوں پر (تخلیقی) برتری عطا فرمائی، یعنی اللہ تعالیٰ نے مرد کو کمال عقل، حسنِ تدبیر، وسعتِ علم، عظمتِ جسم، زیادتی قوت اور

صلاحیت و استعداد کی بیشی تخلیقی طور پر عطاء کی ہے اتنی کہ عورت کو یہ چیزیں نہیں دی گئیں اسی لیے مندرجہ ذیل خصوصیات و احکام مرد کے لیے ہیں عورتیں ان احکام و خصوصیات سے محروم ہیں۔ نبوّت، امامت و حکومت، قضاء، تعزیری جرائم کی شہادت، وجوبِ جہاد، وجوبِ جمعہ، وجوبِ عیدین، اذان و خطبہ، نماز باجماعت، میراث میں حصّہ کی زیادتی، نکاح کی مالکیت، تعددِ ازدواج، اختیار طلاق، پورے رمضان کے روزوں کی اور ہر زمانہ میں پوری نمازوں کی فرضیت وغیرہ، اور یہ عطاء الٰہی ہے۔

(۱۰) حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اپنی مشہور اور بے حد مقبول تفسیر "بیان القرآن" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور ہماری شریعت میں عورت کو بادشاہ بنانے کی ممانعت ہے پس بلقیس کے قصّہ سے کوئی شبہ نہ کرے، اوّل تو یہ فعل مشرکین کا تھا، دوسرے اگر شریعتِ سلیمانیہ نے اس کی تقریر بھی کی ہو تو شرع محمدی میں اس کے خلاف ہوتے ہوئے وہ حجت نہیں"۔

(بیان القرآن ج ۲ ص ۲۴۷)

(۱۱) تفسیر نسفی میں الامام الجلیل العلامہ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی رقمطراز ہیں:۔

یعنی انما کانوا مسیطرین علیھن لسبب تفضیل اللہ بعضھم وھم الرجال علیٰ بعض وھم النساء بالعقل والعزم الیٰ قولہ والنبوۃ والخلافۃ والامامۃ۔ (المدارک ج ۱ ص ۲۲۳ سورۃ النساء)

(ترجمہ) "اللہ تعالیٰ نے بعض باتوں میں مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے عقل، عزم، حزم، رائے وقوت وجہاد و کمال، صلوٰۃ و صوم، نبوت و خلافت و امامت وغیرہ"۔

(۱۲) حضرت العلامہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی سابق شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، حدیث لن یفلح قوم الخ کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

قولہ ولوا امرھم امرأۃً فی شرح السنۃ لاتصلح المرأۃ ان تکون اماما ولا قاضیا لان الامام والقاضی محتاجان الی الخروج للقیام بامر المسلمین والمرأۃ عورۃ لاتصلح لذلک ولان المرأۃ ناقصۃ والقضاء من کمال الولایۃ فلا یصلح لھا الا الکامل من الرجال۔ (التعلیق الصبیح ج ۴ ص ۲ کتاب الامارۃ والقضاء)

(ترجمہ) شرح السنۃ میں ہے کہ عورت کی سربراہی اور ریاستِ عامہ دو وجہ سے جائز نہیں ۱۔ سربراہی قیام بامور المسلمین کیلئے آزاد چلنے پھرنے کا تقاضا کرتی ہے اور عورت کو قرار فی البیت اور حجاب کا حکم دیا گیا ہے ۲۔ عورت عقل کے لحاظ سے ناقص ہے اور ریاستِ عامہ کمال ولایت ہونے کی وجہ سے کمال عقل کو چاہتی ہے۔

علامہ ابو عبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی رحمہ اللہ اپنی مقبول ترین تفسیر "الجامع لاحکام القرآن" میں لکھتے ہیں:۔

العاشرۃ ۔ روی البخاری من حدیث ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما بلغہ ان اھل فارس قد ملکوا بنت کسریٰ قال لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ قال القاضی ابوبکر بن العربیؒ ھذا نص فی ان المرأۃ لا تکون خلیفۃ ولا خلاف فیہ ۔ (تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۱۸۳ سورۃ النساء)

(ترجمہ" امام بخاریؒ نے ابن عباسؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ ایران والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو تخت پر بٹھادیا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے ملک کے امور کا حاکم و والی کسی عورت کو بنایا ہو"

قاضی ابوبکر بن العربیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ عورت خلافت کی اہل نہیں ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے ۔

الشیخ الامام العلامہ بدرالدین ابن محمد محمود بن العینیؒ بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری میں حدیث لن یفلح قوم الخ کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

قال الخطابی فی الحدیث ان المرأۃ لا تلی الامارۃ ولا القضاء ۔ (عمدۃ القاری ج ۱۸ ص ۵۹ کتاب الامارۃ والقضاء)

(ترجمہ" علامہ خطابیؒ نے ارشاد فرمایا کہ عورت حکومت اور قضاء کی اہل نہیں ہے"۔

ازالۂ شبہات بعض حضرات کو حدیث لن یفلح کے متعلق خصوص کا شبہ ہوا ہے اس وجہ سے کہ بعض اقوام میں عورتیں ان کی سربراہ رہ چکی ہیں اور وہاں بجائے عدم فلاح کے فلاح دیکھا گیا ہے ۔ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ جن اقوام میں عورتیں سربراہ رہ چکی ہیں تو وہ ضرور کسی نہ کسی درجہ میں عدم فلاح کا شکار رہ چکی ہیں اور تاریخ اس کی شاہد ہے ۔ اور بعض ایسی اقوام تو بڑے عبرتناک زوال[۱] اور عدم فلاح سے دوچار ہوتی ہیں ۔ چنانچہ برطانیہ کی مثال لیجئے کہ ایک زمانہ

---

[۱] اور یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ بعض اقوام کا زوال بغیر عورت کی سربراہی کے بھی آیا ہے اسلئے کہ زوال کے اسباب مختلف ہوتے ہیں جس طرح کہ موت کے اسباب مختلف ہوتے ہیں کوئی بخار سے مرتا ہے اور کوئی ہیضہ سے! اور اس کا یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ جائز ہے کہ ان بیگمات کی حیثیت واقعۃً صرف مشیر کی ہوتی ہو گو بظاہر و صورتاً وہ حکمران تھیں۔ اور اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ یہ بیگمات اگرچہ حکمران تھیں مگر التزاماً اپنی انفرادی رائے سے کام نہ کرتی تھیں، اور یہ دو لو صورتیں حدیث کے تحت داخل نہیں۔ اول اسلئے کہ عورت اہل مشورہ ہے اور دوم اسلئے کہ علت عدم فلاح کا نقصان عقل ہے، اور جب مشورہ رجال سے اس کا انجبار ہو گیا تو علت مرتفع ہو گئی تو معلول یعنی عدم فلاح بھی منتفی ہو گئی، تو ان وجوہ کی بناء پر یہ بعض اقوام عدم فلاح کا شکار نہ ہوئیں ۔

ہیں برطانیہ کے قلمرو میں سورج نہ ڈوبتا تھا آج وہی عظیم برطانیہ دنیا کے ایک چھوٹے سے گوشے میں محصور رہو کر عظیم سے صغیر و حقیر برطانیہ بن گیا ہے۔ اور ان میں سے بعض اقوام میں بہ ظاہر جو فلاح نظر آتی ہے اس سے حدیثِ نبوی پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ فلاح کلی مشکک ہے اور اس کے مراتب مختلف ہیں، تو بظاہر کسی ایک مرتبہ فلاح کے وجود سے تمام مراتب فلاح کا وجود لازم نہیں آتا حتیٰ کہ عدم فلاح متحقق نہ ہونے کی وجہ سے حدیثِ نبوی کے متاثر ہونے کا خدشہ لازم آجائے۔ اس کے علاوہ حدیث کے استقبالی صیغہ لن یفلح کے پیش نظر عین ممکن ہے کہ مستقبل میں یہ اقوام کسی خاص زوال اور ناکامی میں مبتلا بھی ہو جائیں اور بتقدیر عدم ابتلاء کے جواب وہ ہے جو پہلے گذر چکا ہے۔ اس حدیث کو تمام اکابر امت سلفاء و خلفاء نے عموم کا درجہ دیتے ہوئے انشاء کے معنی میں لیا ہے، اور دوسرے نصوص کے علاوہ اس حدیث سے بھی عورت کی سربراہی کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے۔

(۲) بعض کو یہ شبہ ہو گیا ہے کہ حضرت تھانویؒ نے عورت کی ریاستِ عامہ اور سربراہی کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ یہ حضرات یا تو مولانا تھانویؒ کے مقصد کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکے یا پھر تجاہلِ عارفانہ سے کام لے رہے ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے "امداد الفتاویٰ" میں جو فتویٰ دیا ہے اس کی عبارت سے یہ واضح ہے کہ وہ دو صورتوں میں جواز کے قائل ہیں:۔

۱۔ عورت صرف صوری سربراہ ہو حقیقی نہ ہو بلکہ حقیقتاً صرف مشیرہ ہو اور حاکم اور حقیقی سربراہ پارلیمنٹ ہو، اور وجہ جواز یہ ہے کہ عورت اہلِ مشورہ ہے، لیکن ہمارے ہاں تو یہ صورت نہیں بلکہ یہاں حقیقی سربراہ وزیر اعظم ہوتا ہے اور پارلیمنٹ کی حیثیت صرف مشیر کی ہوتی ہے۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عورت حقیقتاً حکمران ہو مگر التزاماً اپنی انفرادی رائے سے کام نہ کرتی ہو، اور اس صورت میں جواز میں راز یہ ہے کہ علت عدم جواز کا نقصان عقل ہے، اور جب مشورۂ رجال سے اس کا انجبار ہو گیا تو علت مرتفع ہو گئی تو معلول یعنی عدم جواز و عدم فلاح بھی منفی ہو گیا، مگر ہمارے ہاں یہ صورت بھی نہیں بلکہ یہاں وزیر اعظم مستبد بالرائے ہوتا ہے اور پارلیمنٹ کو صرف اپنی رائے کا تابع بناتا ہے۔

اور جبکہ عورت حقیقتاً حکمران اور سربراہ مملکت ہو اور اپنی انفرادی رائے سے کام کرتی ہو تو اس صورت کو حضرت تھانویؒ بھی ناجائز اور داخل حدیث سمجھتے ہیں، لہٰذا حضرت تھانویؒ کے فتویٰ سے عورت کی مطلق سربراہی کا جواز نکالنا یقیناً حضرت تھانویؒ کے مقصد کو نہ جاننے یا تجاہل عارفانہ کا نتیجہ ہے۔

(تنبیہ) گذشتہ صفحات میں جو ۲ صورتیں جائز قرار دی گئی ہیں وہ بے حجابی سے اجتناب کے ساتھ مشروط ہیں، چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ کی تعلیل صراحت کے ساتھ اس پر دال ہے۔

(۳) بعض لوگ قرآنِ پاک میں مذکور ملکہ بلقیس کے قصہ سے استدلال کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایمان لانے کے بعد کسی دلیل سے یہ ثابت نہیں کہ ان سے انتزاع سلطنت کیا گیا ہو، پس بظاہر حکایت سلطنت اور عدم حکایت انتزاع سے اس سلطنت کا بحالہا باقی رہنا معلوم ہوتا ہے اور تاریخ صراحتہً اس کی مؤید ہے اور قاعدہ اصولیہ ہے اذا قص اللہ ورسولہ علینا امرا من غیر نکیر علیہ فھو حجۃ لنا لھذا قرآن پاک سے ثابت ہوا کہ عورت کی سربراہی جائز ہے۔ تو اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ ملکہ بلقیس کی حکومت کی صورت ان دو صورتوں میں سے ایک تھی جن کو حضرت تھانویؒ نے جائز قرار دیا ہے اور اس کا قرینہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عالی ہے: ماکنت قاطعۃ امرا حتی تشھدون۔ (بلقیس نے کہا) "میں کسی بات کا قطعی فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم لوگ میرے پاس موجود نہ ہو۔"

اور اس قرینہ سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ مسلمان ہونے کے بعد ملکہ بلقیس کی حکومت کی صورت وہ تیسری صورت تھی جس کو ناجائز قرار دیا گیا ہے تو پھر گذشتہ قاعدہ اصولیہ کی رو سے جواب یہ ہے کہ چونکہ اس صورت پر شریعتِ مقدسہ میں انکار آیا ہے لہٰذا یہ حجت نہیں بن سکتی۔

(۴) بعض صحافی حضرات نے حدیث لن یفلح قوم الخ کے متعلق ضعف کا دعویٰ کیا ہے جو سراسر جھوٹ اور بہتانِ عظیم ہے۔ امام ترمذیؒ نے اپنی مشہور کتاب سنن ترمذی میں اس حدیث کو صحیح کہا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

حدثنا محمد بن المثنیٰ ثنا خالد بن الحارث عن حمید الطویل عن الحسن عن ابی بکرۃؓ قال عصمنی اللہ بشیء سمعتہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما ھلک کسریٰ قال من استخلفوا قالوا ابنتہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ فلما قدمت عائشۃؓ یعنی البصرۃ ذکرت قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فعصمنی اللہ بہ۔ قال الترمذیؒ ھٰذا حدیث صحیح۔ (جامع ترمذی ج ۲ ص۵۲ ابواب الرؤیا)

(ترجمہ) حضرت ابوبکرۃؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (جنگِ جمل کے دن) مجھ کو اس بات کی وجہ سے بچایا جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی، وہ بات یہ تھی کہ جب کسریٰ ہلاک ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایران والوں نے کس کو حکمران بنایا؟ صحابہؓ نے عرض کیا کسریٰ کی بیٹی کو خلیفہ و حکمران بنایا، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے

ملک کے امور کا حاکم و والی کسی عورت کو بنایا ہو۔ تو جب حضرت عائشہؓ بصرہ تشریف لے آئیں تو مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان لن یفلح قوم الخ یاد آیا اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا اور میں جمل والوں کے ساتھ شریک نہ ہوا"۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

بعض لوگ جنگِ جمل کے واقعات سے ناکام اور ناتمام استدلال کر رہے ہیں، اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ اس موقع پر ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے امامت و خلافت کا کوئی دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی امامت و خلافت کا مطالبہ کیا بلکہ وہ اور ان کے ساتھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قصاص کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔

دیکھئے یہ حضرات، حضرتِ قعقاعؓ کو کیا جواب دے رہے ہیں:۔

"اگر حضرت علیؓ کے یہی خیالات ہیں جو آپ نے بیان کئے اور وہ قاتلینِ عثمانؓ سے قصاص لینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو پھر لڑائی اور مخالفت کی کوئی بات باقی نہیں رہتی ہم اب تک یہی سمجھتے رہے کہ ان کو قاتلینِ عثمانؓ سے ہمدردی ہے"۔ (تاریخ اسلام جلد ۱ ص ۳۹۶)

صحیح بخاری کا حاشیہ بھی ملاحظہ کیجئے:۔

قولہ ایام الجمل متعلق بقولہ نفعنی اللہ وایام الجمل وقعۃ وقعت بالبصرۃ بین علی وعائشۃ رضی اللہ عنہما سنۃ ست وثلثین وکانت عائشۃ یومئذ علی الجمل فسمیت بہ اصحاب الجمل یعنی عسکرہ۔ قالہ الکرمانی ولم تکن عائشۃؓ ولا غیرھا طالبین الامارۃ والخلافۃ بل طلبوا دم عثمانؓ من قتلتہ وکان علیؓ الی قولہ کذا فی الفتح۔

(صحیح بخاری جلد ۲ ص ۶۳۷ کتاب النبیؐ الی کسریٰ وقیصر)

(ترجمہ) "جنگِ جمل ۳۶ھ میں سیدنا حضرت علیؓ اور ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان لڑی گئی، اس دن ام المؤمنینؓ جمل (اونٹ) پر سوار تھیں اس لیے ان کے لشکر کا نام اصحاب الجمل پڑا، اور ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہؓ اور ان کے ساتھی امارت یا خلافت کے طالب نہ تھے، یہ حضرات صرف اور صرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص لینے کے لیے جدوجہد کر رہے تھے"۔

لہٰذا اس واقعہ سے عورت کی سربراہی کے جواز پر استدلال صحیح نہیں کیونکہ اس واقعہ میں امامت یا خلافت کی کوئی بات نہیں تھی، البتہ اس واقعہ کی سرپرستی کرنے کی وجہ سے صورتِ خلافت و امامت ضرور آئی تھی جو جائز نہیں مگر حقیقتِ خلافت و امامت بالکلیہ موجود نہ تھی کیونکہ اس موقع پر نہ تو خود

ام المؤمنینؓ نے امامت کا دعویٰ فرمایا اور نہ آپ کے ساتھیوں نے آپ کو امام وخلیفہ بنایا بلکہ یہ حضرات مشترکہ طور پر حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے کے لیے سعی وکوشش کر رہے تھے البتہ تحریک و سرپرستی حضرت ام المؤمنینؓ کی تھی، جیسے ایک گھر میں بچے ماں کی تحریک وسرپرستی میں کام کرتے ہیں، اس لیے اس واقعہ سے عورت کی سربراہی اور امامت وخلافت کا جواز پیش کرنا درست نہیں، مگر چونکہ اس سے صورتِ امامت تو آتی تھی اس لیے حدیث لن یفلح قوم الخ کے راوی حضرت ابوبکرہؓ جیسے دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس حدیث لن یفلح قوم الخ ہی کی رو سے غایت تقویٰ اور خشیتِ الٰہی کی وجہ سے ام المؤمنینؓ کے لشکر میں شمولیت نہ فرمائی۔ اور خود ام المؤمنین حضرت عائشہؓ بھی اس حدیث کی صوری مخالفت اور اس فساد کی وجہ سے جو اس واقعۂ جمل میں واقع ہوا اتنی غمگین اور پریشان تھیں اور اکثر یہ فرمایا کرتیں :-

"کاش میں اس واقعہ کے پیش آنے سے بیس۲۰ برس پہلے ہی مرجاتی "۔

(۶) بعض لوگ یہ بے بنیاد اور بے سروپا الزام لگاتے ہیں کہ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان مرحوم کے مقابلہ میں جمعیۃ علماء اسلام کے اکابر علماء نے فاطمہ جناح کی حمایت کی تھی، اگر عورت کی سربراہی شرعاً ناجائز ہوتی تو شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستیؒ حضرت مولانا مفتی محمودؒ، محدثِ کبیر حضرت مولانا عبدالحقؒ اور حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ جیسے علماء فاطمہ جناح کی تائید وحمایت نہ کرتے۔

اس شبہ کا جواب صرف اور صرف یہ ہے : سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝

معترضین پر لازم ہے کہ دجل وفریب سے کام نہ لیں اور ماضی قریب کی تاریخ کی ورق گردانی کریں اور ایوبی دور کا سرکاری ریکارڈ ملاحظہ کریں تو انہیں معلوم ہو جائے گا کہ جمعیۃ علماء اسلام کے اکابر فاطمہ جناح کی مخالفت کرتے رہے یا حمایت ؟ حقیقت یہ ہے کہ اس موقعہ پر جمعیۃ علماء اسلام کے اکابر نے ایوب خان اور فاطمہ جناح کی مخالفت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبیداللہ انور لاہوریؒ کو صدارتی امیدوار نامزد کیا تھا اور جمعیۃ کے اکابر فاطمہ جناح کی مخالفت اس لیے کر رہے تھے کہ عورت کی سربراہی شرعاً جائز نہیں۔

تنبیہ : شریعتِ مطہرہ نے عورت کو ریاستِ عامہ کی ذمہ داری سے مستثنیٰ کر کے اس پر عین شفقت اور مہربانی فرمائی ہے، کیونکہ عورت کے نازک اور ضعیف کندھوں پر ریاستِ عامہ کا عظیم بوجھ ڈالنا حکمت کا تقاضا ہے نہ عقل و دانش کا۔

امامتِ کبریٰ (خلافت) کے مستحق کا حکم

سوال:۔ مملکتِ اسلامیہ میں ایک شخص متقی پرہیزا اور عالمِ دین ہے لیکن انتظامی امور میں تجربہ نہیں رکھتا جبکہ اس کے برعکس ایک دوسرا شخص عالم اور متقی و پرہیز گار تو نہیں ہے لیکن مملکت کے انتظامی امور میں وسیع تجربہ رکھتا ہے، تو شرعاً ان دونوں میں سے کون خلافت کا زیادہ مستحق ہے؟

الجواب:۔ کتبِ کلام میں مذکور ہے کہ امام (خلیفہ) کا معصوم ہونا شرط نہیں، اسی طرح اس کا اپنے ہمعصروں میں سب سے افضل ہونا بھی شرط نہیں، لہٰذا ایسا شخص جو کہ ماہر ہو اور مملکت کے انتظامی امور کا تجربہ رکھتا ہو اگرچہ غیر عالم اور غیر متقی ہی کیوں نہ ہو اس کو امام (خلیفہ) بنانا درست ہے، تاہم جو شخص حدودِ شرعیہ سے تجاوز کرتا ہو اس کی امامت (خلافت) ناجائز ہے۔

لما قال العلامة التفتازانی رحمه الله : ولا يشترط فی الامام ان يكون ولا ان يكون افضل من اهل زمانه لان المساوی فی الفضيلة بل المفضول الاقل علماً وعملاً ای کان اعرف بمصالح الامامة ومفاسدها واقدر علی القيام بمواجبها خصوصاً اذا کان المفضول ادفع للشر وابعد عن اثارة الفتنة۔

(شرح العقائد ص۱۵۶ الخلافة والامارة)

آئینِ پاکستان میں گستاخیٔ رسول ایکٹ میں ترمیم کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! پاکستانی آئین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کے لیے موت کی سزا تجویز کی گئی ہے جس میں اب اربابِ اقتدار ترمیم کرکے اس سزا کو کم یا ختم کرنا چاہتے ہیں۔ تو کیا شرعاً اربابِ اقتدار کو یہ سزا کم یا ختم کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ اور جو شخص کسی گستاخِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کفر میں شک کرے تو اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں نازیبا الفاظ کہنا ایک

لـه قال العلامة سليم رستم باز رحمه الله : يجوز تقليد الفاسق وتنفذ قضاياه اذا لم يجاوز فيها حد الشرع ۔ (شرح المجلة ص۱۱۶۴ المادة ۱۷۹۴ فصل فی القضايا)

وَمِثْلُهٗ فی رد المحتار ج ا ص۴۰۵ باب الامامة۔

ناقابلِ معافی جرم ہے اس لیے علماء امت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ گستاخِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم مرتد اور واجب القتل ہے۔ فتاویٰ شامیہ میں ہے کہ اجمع المسلمون ان شاتمہ کافر (ج ۳ ص ۳۱۷ باب المرتد) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) گالی دینا بالاجماع کفر ہے۔ اور الدر المختار میں ہے، صح فی آخر الشفاء بان حکمہ کالمرتد۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کا حکم مرتد کا ہے اور اس پر مرتد کے احکام جاری کئے جائیں گے۔ (الدر المختار علیٰ ہامش رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۸ باب المرتد)

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: قال ابوبکر بن المنذر اجمع عوام اھل العلم علیٰ ان من سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقتل وممن قال ذٰلک مالک بن انس واللیث واحمد واسحاق ومذھب الشافعی وھو مقتضی قول ابی بکر رضی اللہ عنہ ولا تقبل توبتہ عند ھٰؤلاء وبمثلہ قال ابوحنیفۃ واصحابہ والثوری واھل الکوفۃ والاوزاعی فی المسلم لکنھم قالوا ھی ردۃ وروی مثلہ الولید بن مسلم عن مالک وروی الطبرانی مثلہ عن ابی حنیفۃ واصحابہ فیمن ینقصہ صلی اللہ علیہ وسلم او بریٔ منہ او کذبہ اھ۔ وحاصل انہ نقل الاجماع علیٰ کفر سباب ثم نقل عن مالک ومن ذکر بعدہ انہ لا تقبل توبتہ فعلم ان المراد من نقل الاجماع علیٰ قتلہ قبل التوبۃ ثم قال وبمثلہ قال ابوحنیفۃؒ واصحابہ الخ قال انہ یقتل یعین قبل التوبۃ لا مطلقا الخ۔ (رد المحتار ج ۳ ص ۳۱۸ باب المرتد)

حاصل ترجمہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ بالاجماع کافر، مرتد اور واجب القتل ہے ہاں اختلاف اس میں ہے کہ گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم توبہ سے قتل سے بچ جاتا ہے یا نہیں! نیز رد المحتار میں ہے: اجمع المسلمون ان شاتمہ کافر وحکمہ القتل ومن شک فی عذابہ وکفرہ کفر۔ یعنی گستاخ رسولؐ کافر ہے اور جو شخص اس کے کفر میں شک کرتا ہو وہ بھی کافر ہے۔ اور فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ اہانت النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالاجماع کفر اور ارتداد ہے۔ (ج ۲ ص ۲۶۳ باب المرتد)

ان حوالہ جات مذکورہ اور عبارت مسطوں سے واضح ہوا کہ گستاخ رسول بالاجماع کافر اور مرتد ہے اس کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر اور خارج عن الاسلام ہے، اور مُرتد کی سزا قتل ہے لہٰذا گستاخِ رسولؐ کی سزا بھی قتل ہی ہے۔ حدیث میں ہے: من

بدل دینه فاقتلوه۔ (الدر المختار ج ۳ ص ۳۱۳ باب المرتد ۔ بدائع الصنائع ج ۷ ص ۱۳۴)
نیز اصحابه العرب لما ارتدت بعد وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجمعت
الصحابةؓ علی قتلھم (ج ۷ ص ۱۳۴) اور رسائل ابن عابدین جلد ۱ ص ۳۸ میں ہے
اعلم ان المرتد یقتل بالاجماع کما مر یعنی اس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ مرتد کی
سزا قتل ہی ہے۔

راقم الحروف کہہ رہا ہے کہ اس سے پہلے یہ گذر چکا ہے کہ امت کا اس پر بھی
اجماع ہے کہ گستاخ رسولؐ کافر اور مرتد ہے۔ نیز العقود الدریة فی تنقیح الفتاوی
الحامدیة میں ہے: فمن سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم او احد من الانبیاءؑ
صلوات اللہ علیھم وسلامه فانه یکفر ویجب قتله شاتم النبی صلی اللہ علیہ
وسلم او نبی من الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام کافر اور مرتد ہے اور دونوں
واجب القتل ہیں۔ (ج ۱ ص ۱۰۲ باب المرتد)

وقال ابن نجیمؒ: کل من ابغض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بقلبه کان
مرتدا فالساب بطریق الاولی ثم یقتل حدا عندنا فلا تقبل توبته فی اسقاطه
القتل الخ۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۵، ۱۲۶ باب المرتد) یعنی جو شخص پیغمبر اسلام
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض رکھے یا آپ کو سب و شتم کرے تو وہ شخص کافر، مرتد اور
واجب القتل ہے۔ اور کفایت المفتی میں ہے کہ جناب رسالت مآب روحی فداہ صلی اللہ
علیہ وسلم یا ام المؤمنین سیدہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان رفیع میں گستاخی کرنے
والا یا کسی گستاخی کرنے والے سے ناراض نہ ہونے والا کافر ہے۔ فقہاء رحمہم اللہ تعالی
اجمعین اس پر متفق ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرنے والا
کافر ہے۔ الخ (جلد ۱ ص ۱۷ باب المرتد)۔ اور فتاوی محمودیہ میں ہے کہ جو شخص
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں (نعوذ باللہ، استغفر اللہ) گالی بکے وہ مرتد
اور دائرہ اسلام سے خارج ہے، اس کو چاہیئے کہ فوراً توبہ اور تجدید اسلام و تجدید
نکاح لازم ہے اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے الخ (جلد ۱۲ ص ۱۶۲)
اور امداد الفتاوی میں ہے: "اہانت و گستاخی کردہ جناب انبیاءؑ کفر است" (جلد ۵ ص ۳۹۱
باب العقائد)۔ اور فتاوی دار العلوم دیوبند جلد ۱۲ ص ۳۵۹ باب المرتد میں ہے کہ سب النبی

کفر ہے"۔ اور الاشباہ والنظائر میں ہے: لاتصح ردة السکران الا الردة بسبب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فانہ یقتل ولا یعفی عنہ۔ کذا فی البزازیۃ کل کافر تاب فتوبتہ مقبولۃ فی الدنیا والآخرۃ الا جماعۃ الکافر بسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و سائر الانبیاء یعین۔ سب النبی کفر ہے اگرچہ حالتِ سکر میں ہو اور سابّ النبی کی توبہ قبول نہیں (جلد ۱ ص ۲۸۱) نیز فتاوی البزازیہ علی ہامش الہندیۃ میں ہے کہ استخفاف النبی کفر ہے۔ (جلد ۶ ص ۳۳۸)۔ اور فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیۃ میں ہے: اذا عاب الرجل النبی علیہ السلام فی شیٔ کان کافرا۔ الی قولہ وتکر فی الاصل ان شتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم کفر۔ (ج ۳ ص ۵۷۳) یعنی استخفاف واہانت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دینا کفر و ارتداد ہے۔

سیاسی جلسوں میں نعرہ بازی کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آجکل سیاسی جلسے اور جلوسوں میں نعرے بازی ہوتی ہے، مثلاً مسلم لیگ زندہ باد، پیپلز پارٹی زندہ باد، پختونستان زندہ باد، جئے سندھ وغیرہ کے نعرے بکثرت لگائے جاتے ہیں۔ تو کیا ایسی نعرہ بازی شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ہر وہ نعرہ جس سے کسی خلافِ شرع امر کی تائید و تاکید ہوتی ہو تو اس سے اجتناب کرنا چاہیئے اور جن نعروں میں اس قسم کی خرافات نہ ہوں تو ان میں شرعاً کوئی قباحت نہیں تاہم جو نعرے تعصب اور قوم پرستی کی ترغیب دیتے ہوں موجب اجتناب ہیں۔

لما قال العلامۃ المفتی کفایت اللہ الدہلویؒ: قومی نعرہ "ہندوستان زندہ باد، ہندوستان آزاد ہونا چاہیئے" لگانا جائز ہے

{کفایت المفتی ج ۹ ص ۲۹۱ کتاب السیاسیات
فصل چہارم: قومی ترانہ اور قومی نعرہ}

◎

مسلمان کی تعریف

مملکتِ خداداد پاکستان کی قومی اسمبلی میں جب عبوری آئین بنانے کے لیے کام ہو رہا تھا تو ایوان کے اندر اور باہر علماء کرام اور دینی جماعتوں کے قائدین نے حکومت سے پر زور مطالبہ کیا کہ آئین پاکستان میں جہاں صدر مملکت کے لیے مسلمان ہونا لازمی قرار دیا گیا ہے وہاں مسلمان کی تعریف بھی لازمی درج ہونی چاہیئے۔ لیکن حکمران طبقہ نے علماء کرام کے اس جائز مطالبہ کو مسترد کر دیا جس پر مرزائی، پرویزی اور دیگر لادین عناصر بہت خوش تھے،
حضرت مولانا سمیع الحق صاحب دامت برکاتہم نے اس موضوع پر بھی قلم اٹھایا اور "آئینِ پاکستان میں مسلمان کی تعریف (مسلم و غیر مسلم کا تشخص کیوں ضروری ہے؟)" کے نام سے ایک مضمون ماہنامہ الحق میں شائع کیا۔ مضمون کی اہمیت اور جامعیت کے پیشِ نظر "فتاویٰ حقانیہ" میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

قومی اسمبلی میں عبوری آئین پر بحث کے دوران علماء کے مختلف مکاتب فکر نے متفق ہو کر پورے شد و مد کے ساتھ مطالبہ کیا کہ آئین میں جہاں ملک کی صدارت اور دیگر کلیدی آسامیوں کے لئے مسلمان کا ہونا لازمی قرار دیا جائے وہاں مسلم کی تعریف بھی ہونی چاہیئے کیونکہ کسی چیز کی ماہیت اس کی جامع اور مانع تعریف ہی سے واضح ہو سکتی ہے۔ مسلمان قوم کی ایک مستقل تشخص ہے جو اسے دوسری اقوام اور ملل سے ممتاز کرتی ہے۔ یہی انفرادی اور امتیازی تشخص ہی دو قومی نظریہ کی بنیاد تشکیلِ پاکستان کا ذریعہ بنا ہے۔ اور آج بھی کوئی اسلامی مملکت اور مسلم قوم اپنے وجود

کو صرف اس صورت میں برقرار رکھ سکتی ہے کہ وہ ایک واضح اور غیر مبہم مفہوم کے ذریعہ مار آستین، اسلام نما ملحدوں اور کافروں سے اپنی ملّت کی حفاظت کر سکے۔ برصغیر پاک و ہند کی مختلف الاقوام حیثیت پھر موجودہ حالات میں پاکستان کی نزاکتیں اس مطالبہ کو ایک جائز اور معقول مطالبہ قرار دیتی ہیں ۔ مگر حزبِ اقتدار نے جس زور شور سے اس مطالبہ کو مسترد کرنا چاہا اس کی کوئی مناسب وجہ بجز "مرزائیت نوازی" اور الحاد پروری کے اور سمجھ میں نہیں آرہی تھی ۔ بالآخر وہی ہوا کہ چور کو داڑھی کا تنکا نظر آنے لگا۔ اور مرزائیوں نے اور کسی حد تک منکرین حدیث پرویزیوں نے حکومت کے اختیار کردہ موقف پر خوشی اور مسرت کا طوفان اٹھایا ۔ آج ان لوگوں کے پریس پر سطحی نظر ڈال کر بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔

لیکن اس مطالبہ پر مرزائی جتنے بھی سیخ پا ہوں گے اور پرویزی یا منکرِ خدا و رسول کمیونسٹ جتنی ناگواری ظاہر کریں گے اتنی ہی اس مطالبہ کی معقولیت اور گہرائی و دور رسی ظاہر ہوتی چلی جائے گی جس سے اسمبلی کے حزبِ اقتدار نے محترم وزیر اطلاعات کی قیادت میں علماء کے باہمی اختلاف کی آڑ میں فرار اختیار کرنا چاہا، مگر علماء کی متفقہ پیش کردہ تعریف نے آئینی کمیٹی کے لئے یہ راستہ بھی مسدود کر دیا ہے[۱]

تعجب تو مرزائی گروہ پر ہے جو ایسے مطالبات کو مسلمانوں میں تفرقہ انگیزی سمجھ رہا

---

[۱] قومی اسمبلی کے پہلے ہی اجلاس میں مولانا کوثر نیازی نے اختلاف علماء کی آڑ میں تعریفِ مسلم کے مطالبہ کو ٹالنا چاہا مگر علمائے کرام نے اپنے متفقہ موقف سے اس چیلنج کا جواب دے دیا اور اسی اجلاس میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے تمام علماء اراکین اسمبلی کی تائید و نصوص سے مسلمانوں کی متفقہ تعریف پیش کر دی جسے بعد میں آئین کا حصہ بنا لیا گیا اور جو قادیانیوں کے سلسلہ میں ان حضرات کی پہلی دستوری فتح تھی۔ "س"

ہے جب کہ اس گروہ کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے اسلام کے قلعۂ اتحاد ختم نبوت میں شگاف ڈالنے کی لگاتار سعی کی اور مسلمانوں میں اختلاف و انتشار اور نفاق کا بیج ڈالنے کے لئے ایک مستقل مذہب کھڑا کر دیا۔ اسلام اور کفر کے درمیان خطِ امتیاز کھینچنے پر یہ لوگ چلاّ رہے ہیں۔ جبکہ ان کے پیر و مرشد متبنّی کذاب قادیانی نے اپنے نہ ماننے والوں کو قطعی کافر، مرتد، جہنمی اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا، خواہ کسی نے اس کا نام تک بھی نہ سنا ہو مگر وہ اولئك هم الكافرون حقاً کا مصداق بنا ہوا اپنے نہ ماننے والے تمام عالمِ اسلام سے معاشرتی اور ازدواجی تعلقات قائم کرنا حرام سمجھتا ہو اور جو لوگ اس "جرم انکار" بانیٔ پاکستان مسٹر جناح کو بھی مستحقِ جنازہ و دعا نہ سمجھتے ہوں، جو گروہ اپنے دائرہ میں اپنے پیروؤں کے لئے ایک مستقل دین، مذہب اور انفرادی و امتیازی خصوصیات اور تشخصات کا طلبگار رہا ہو۔ (ملاحظہ ہو مرزا قادیانی اور ان کے خلفاء وغیرہ کی تصانیف رسائل الفضل، آئینۂ صداقت، کلمۃ الفصل وغیرہ مرزائی لٹریچر)

ستم بالائے ستم مرزائیوں کے لاہوری ٹولے پر ہے جو آج اس واویلا میں قادیانیوں کا ہمنوا ہے۔ اگر وہ صرف کلمہ کہنے کو اسلام کا سرٹیفکیٹ سمجھتا ہے تو پھر وہ کس بنیاد پر قادیانیوں کو کافر قرار دیتا ہے اور قادیانی انہیں کیوں دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں۔

اس وقت مرزائیت کا فتنہ جس انداز میں مسلمانوں اور بقایا پاکستان کے لئے خطرہ کا الارم بنا ہوا ہے۔ اس شجرۂ خبیثہ کے ہاتھوں مستقبل میں جو خطرات پاکستان کو درپیش آ سکتے ہیں ہم اس پر بہت کچھ کہہ سکتے ہیں کہ ہمیں بہت سے درونِ خانہ اسرار و رموز کا علم ہے۔ اگر خدا نے اس بے بس ملک پر خاص نگاہِ کرم نہ فرمائی تو سازشوں کے شکار ہونے کا خطرہ یقین سے بدل سکتا ہے۔ دفاعی نقطۂ نظر سے ہم دن بدن ان لوگوں کے رہینِ منت

بنتے جا رہے ہیں جو عقیدتاً جہاد کو حرام سمجھتے اور اس ملک کے باشندوں کو قطعی کافر سمجھتے ہیں ۔ اقتصادیات میں ان کے عمل دخل کے نتیجہ میں ملک دو ٹکڑے ہوا۔ ایم ایم احمد ہی کی وجہ سے دونوں صوبوں کے درمیان نفرت کی خلیج بڑھتی رہی۔ معاشی لحاظ سے ملک کا دیوالیہ ہوا ۔

سیاسی عیاریوں کی یہ حالت کہ ایک طرف استعماری اور سامراجی اغراض کی خاطر ہمیں کاسۂ گدائی لے کر یورپ کی دریوزہ گری پر مجبور کر دیا گیا، ملک پر اربوں روپے کا بوجھ لدتا چلا گیا ۔ دوسری طرف چینی سفیر بذاتِ خود ربوہ کی یاترا کرنے جا رہا ہے، روس کا فرسٹ سیکرٹری خفیہ طور پر ربوہ جا چکا ہے ۔ خفیہ سے خفیہ مذاکرات ہو رہے ہیں۔ مگر پریس میں نہ تو اس بارہ میں کوئی خبر شائع ہوتی ہے، نہ مرزائی اسے مصلحتاً ظاہر کرنے دیتے ہیں جبکہ چین آزادی اور حریت کا دعویدار ہے اور ربوہ سامراجی اور صیہونی سازشوں کا اڈہ۔ باخبر لوگ اس اجتماعِ ضدین پر محوِ حیرت ہیں۔ کیا یہ سب کچھ زیرِ زمین کسی سازش کی غمازی نہیں کرتا؟ حکومت ان سب باتوں سے باخبر ہو گی مگر نوٹس تو کیا باہمی عہد و پیمان جیسا سلوک ہے۔ کہ دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کے ارکان مرزائیت کو کفر سے بچانے کے لئے اسمبلی میں ایڑی چوٹی کا زور لگانا چاہتے ہیں۔ ادھر مرزائی کن کن طریقوں سے اس احسان کا صلہ چکائیں گے ۔ ؟ اخبارات میں آ چکا ہے کہ لائل پور کے انتخاب میں پیپلز پارٹی کے افضل رندھاوا کے حق میں "بوگس ووٹ" بھگتانے کے لئے ربوہ سے بھاری تعداد میں عورتیں آئی تھیں (جنگ یکم جون ۱۹۷۲ء) ان عورتوں کو ایک عورت کے مقابلہ میں پی پی پی کے نمائندہ سے دلچسپی تھی تو کیوں ــ ؟ یہ سب باتیں قوم کے لئے لمحۂ فکریہ ہیں۔ اور ملتِ مسلمہ کے شجرۂ طوبیٰ کے لئے یہ اکاش بیل دن بدن خطرۂ ہلاکت بنتا جا رہا ہے ایسے حالات میں اگر اسلام اور کفر کے درمیان

حدِ فاصل کھینچنے کے لئے آئین میں "مسلم" کی واضح حیثیت ظاہر کرانے پر زور دیا جائے تو آئینی کمیٹی اور پورے ایوان کو بجائے مخالفت کے اس ملک کے مفاد میں اس کا خیر مقدم کرنا چاہئیے، مرزائیت اور اسلام کے الگ الگ تشخص آج کا مسئلہ نہیں ہمارے نقاد و بصیر مفکر علامہ اقبالؒ نے اس وقت بھی ان خطرات کو محسوس کر کے واضح طور پر مسلمان کی تعریف پر زور دیا تھا جب کہ اس کی ہلاکت آفرینی اس حد تک نہیں پہنچی تھی۔ علامہ اقبالؒ نے لکھا تھا کہ:۔

"اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے جس کی حدود مقرر ہیں۔ یعنی وحدتِ الوہیت پر ایمان، انبیاءؑ پر ایمان اور رسول کریمﷺ کی ختم نبوت پر ایمان ——— دراصل یہ آخری یقین ہی وہ حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجہ امتیاز ہے اور اس امر کے لئے فیصلہ کن ہے کہ کوئی فرد یا گروہ ملتِ اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں۔

(حرف اقبال ص۱۳۶)

اس دجل و تلبیس اور ملت کو اضطرابی کیفیت اور ارتیاب و نفاق کے خطرات سے نکالنے کا علاج بھی علامہ اقبالؒ نے ہی بتلا دیا تھا کہ:۔

"میرے سامنے قادیانیوں کے لئے صرف دو راہیں ہیں یا وہ بہائیوں کی تقلید کریں یا پھر ختمِ نبوت کی تاویلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو پورے مفہوم کے ساتھ قبول کر لیں ان کی جدید تاویلیں محض اس غرض سے ہیں کہ ان کا شمار حلقۂ اسلام میں ہو تاکہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ سکیں۔" (حرف اقبال ص۱۳۷)

یہ مفادات اسی سے وابستہ ہیں کہ مرزائیت اسلام کے لئے دام ہمرنگِ زمین بن کر مارِ آستین

بنا رہے۔ پھر کیا وہ اپنے الگ تشخص اور کسی انفرادی امتیاز کو قبول کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب دیتے میں علامہ اقبالؒ نے کتنی حقیقت بینی کا ثبوت دیا کہ :۔

"ہمیں قادیانیوں کی حکمتِ عملی اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کے رویّہ کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے، بانی تحریک نے ملّتِ اسلامیہ کو سڑے ہوئے دودھ سے تشبیہ دی تھی اور اپنی جماعت کو تازہ دودھ سے اور اپنے مقلّدین کو ملّتِ اسلامیہ سے میل جول رکھنے سے اجتناب کا حکم دیا تھا۔ علاوہ بریں ان کا بنیادی اصولوں سے انکار اپنی جماعت کا نیا نام مسلمانوں کے قیام نماز سے قطع تعلق، نکاح وغیرہ کے معاملات میں مسلمانوں سے بائیکاٹ اور ان سب سے بڑھ کر یہ اعلان کہ تمام دنیائے اسلام کافر ہے۔ یہ تمام امور قادیانیوں کی علیحدگی پر دال ہیں۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ اسلام سے اس سے کہیں زیادہ دور ہیں جتنے سکھ ہندوؤں سے، کیونکہ سکھ ہندوؤں سے باہمی شادیاں کرتے ہیں مگر وہ ہندو کے مندروں میں پوجا نہیں کرتے۔" (حرف اقبال ص ۱۳۷)

اس علیحدگی اور مقاطعہ و متارکہ کے باوجود مرزائی ہم سے رواداری اور حسن ظن کی امید رکھتے ہیں۔ وہ تو ہمیں کافر سمجھیں مگر ادھر سے اسلام کی تعریف کا مطالبہ بھی تفرقہ انگیزی اور شر پسندی ہو، ان دو طرفہ مفادات کی آخر وہ ملّتِ مسلمہ سے کس بنیاد پر توقع رکھتی ہے؟ کیا اس وجہ سے کہ اس نے مسلمانوں کی آبروئے دنیا و دین متاعِ اوّلین و آخرین روحِ کائنات سرورِ عالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے ردائے ختم نبوت اور خلعتِ ختم المرسلین پر ڈاکہ ڈالا اور ملّتِ مسلمہ کی غیرتِ ایمانی کو مجروح کیا۔ کیا کسی ملّت کے قلعہ وحدت کو پاش پاش کرنے کی جرأت کا اتنی فراخدلی سے صلہ دیا جا سکتا ہے جس کی مرزائیت ہم سے طلبگار ہے اور کیا حصارِ اسلام میں پے در پے نقب لگانے کے بعد بھی مرزائیت مسلمانوں کی کسی حکومت کی اتنی کرم فرمائیوں کی مستحق ہو سکتی ہے۔ کہنے کو تو بہت کچھ

ہے مگر اپنے بعض کرم فرماؤں کی آزردہ دلی کو ملحوظ رکھتے ہوئے آج کی یہ تقریب اقبالؒ ہی کے الفاظ پر ختم کر کے دوسری فرصت پر اٹھانا چاہتے ہیں۔

"میرے خیال میں قادیانی حکومت سے کبھی علیحدگی کا مطالبہ کرنے میں پہل نہیں کریں گے۔ ملتِ اسلامیہ کو اس مطالبہ کا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے۔ کیونکہ وہ اس قابل نہیں کہ چوتھی جماعت کی حیثیت سے مسلمانوں کی برائے نام اکثریت کو ضرب پہنچا سکے حکومت نے ۱۹۱۹ء میں سکھوں کی طرف سے علیحدگی کے مطالبے کا انتظار نہ کیا اب وہ قادیانیوں سے ایسے مطالبے کا کیوں انتظار کر رہی ہے۔" (حرف اقبال صـ۱۳۸) (جون ۷۲ء)

كتاب
الكراهية
والاباحة

لباس التقویٰ ذٰلک خیر

باب الاکل والشرب

(کھانے پینے کے آداب واحکام)

کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونے میں کس کو مقدّم کیا جائے؟

سوال: کم عمر اور عمر رسیدہ لوگ اکٹھے کھانا کھا رہے ہوں تو کھانا شروع کرنے سے قبل ہاتھ دھونے میں کس کو پہلے موقع دیا جائے گا؟

الجواب: کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونا مسنون طریقہ ہے، چونکہ احادیثِ نبوی میں بچوں اور اپنے سے چھوٹوں پر شفقت اور محبت سے پیش آنے کا حکم آیا ہے، علاوہ ازیں بچے اکثر کھانے پینے کے زیادہ حریص اور مشتاق ہوتے ہیں اس لیے کھانا کھانے سے قبل پہلے بچوں کو ہاتھ دھونے کا موقع دیا جائے اس کے بعد عمر رسیدہ بزرگوں کو موقع دیا جائے، اور کھانا کھانے کے بعد بزرگوں کا اکرام مدنظر رکھتے ہوئے پہلے انہیں موقع دیا جائے۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وفی واقعات الناطفی الادب فی غسل الایدی قبل الطعام ان یبدأ بالشبان ثم بالشیوخ۔

(البحر الرائق ج۸ ص۱۸۳ کتاب الکراهیة) [1]

کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونا

سوال: بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونے کی بجائے صرف انگلیاں دھونے پر اکتفاء کرتے ہیں، تو کیا صرف انگلیاں دھونے سے سنت ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

---

[1] لما فی الهندیة: وآداب غسل الایدی قبل الطعام ان یبدأ بالشبان ثم بالشیوخ وبعد الطعام علی العکس۔ (الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۳۷ الباب الحادی عشر فی الکراهیة فی الاکل)
ومِثلُهٗ فی الخانیة علی هامش الهندیة ج۳ ص۴۰۵ کتاب الحظر والاباحة۔

الجواب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپؐ کھانا کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ دھویا کرتے تھے، اب اگر کوئی شخص کھانا کھانے سے قبل ہاتھ دھونے کی بجائے صرف انگلیاں دھوئے تو بلاشبہ اس سے صفائی تو حاصل ہو جائے گی لیکن سنت ادا نہیں ہوگی، سنت کی ادائیگی کے لیے پورے ہاتھوں کا دھونا ضروری ہے جبکہ انگلیاں دھونا ہاتھ دھونا نہیں ہے۔

لما فی الھندیۃ: قال نجم الائمۃ البخاری وغیرہ غسل الید الواحدۃ او اصابع الیدین لا یکفی للسنۃ غسل الیدین قبل الطعام *۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۳۳۷ الباب الحادی عشر فی الکراھیۃ فی الاکل) [۱]

* لان المذکور غسل الیدین وذلک لا یسع۔

دسترخوان پر روٹی رکھ کر سالن کا انتظار کرنا

سوال: اگر دسترخوان پر روٹی حاضر ہو لیکن تا حال سالن نہیں لایا گیا ہو تو روٹی کھانا شروع کی جائے یا سالن کا انتظار کیا جائے؟

الجواب: روٹی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے جس کا اکرام ضروری ہے، فقہاء نے تصریح کی ہے کہ روٹی حاضر ہونے کی صورت میں سالن کے انتظار میں نہ بیٹھے بلکہ روٹی کے اکرام کے پیش نظر روٹی کھانا شروع کی جائے جب سالن حاضر ہو تو وہ بھی استعمال کر لیا جائے۔

لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وینبغی ان لا ینتظر الادام اذا حضر الخبز ویاخذ فی الاکل قبل ان یأتی الادام۔ (البحر الرائق ج۸ ص۱۸۳ کتاب الکراھیۃ) [۲]

---

[۱] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: ویستحب غسل الیدین قبل الطعام فان فیہ برکۃ وفی البرھانیۃ والسنۃ ان یغسل الایدی قبل الطعام وبعدہ۔
(البحر الرائق ج۸ ص۱۸۳ کتاب الکراھیۃ۔ فصل فی الاکل والشرب)

[۲] لما قال فی الھندیۃ: ومن اکرام الخبز ان لا ینتظر الادام اذا حضر۔ کذا فی الاختیار فی شرح المختار۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۳۳۷ الباب الحادی عشر فی الکراھیۃ فی الاکل)

ومثلہٗ فی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۶ ص۳۶۵ کتاب الکراھیۃ۔

کھڑے ہو کر کھانا پینا مکروہ ہے

سوال :- آجکل لوگوں میں کھڑے ہو کر کھانے پینے کا رواج عام ہو چکا ہے، خصوصاً شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں بھی کھڑے ہو کر کھانا کھایا جاتا ہے، کیا کھڑے ہو کر کھانا پینا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- ہمارا موجودہ معاشرہ چونکہ مغرب سے زیادہ متاثر ہے اس لیے مغرب ہی کے عادات و اطوار ہم نے اپنا رکھے ہیں، کھڑے ہو کر کھانا پینا مغربی اقوام کا طریقہ ہے جو کہ سنت اور ادب کے خلاف ہے، تاہم فقہاء نے کھڑے ہو کر کھانے کو مکروہ تنزیہی کے درجہ میں ذکر کیا ہے۔

لما ورد فی الحدیث : عن قتادۃ عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہٗ نہی ان یشرب قائماً فقلنا الاکل فقال ذاك اشر و اخبث۔

(الصحیح المسلم ج۲ ص۱۷۳ باب فی الشرب قائماً) [۱]

کھانا کھاتے وقت خاموشی کا حکم

سوال :- کھانا کھاتے وقت باتیں کرنا جائز ہے یا سکوت کرنا بہتر ہے؟ مہمانوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا افضل ہے یا اس کے خلاف کیا جائے ؟

الجواب :- کھانا کھاتے وقت خاموش رہنے کو فقہائے کرام نے مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ یہ مجوسیوں کی عادت ہے، اس لیے اچھی اور دینی باتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کھانا کھایا جائے۔ میزبان کے لیے مہمان کی مہمان نوازی اور عزت افزائی ضروری ہے، لہٰذا اگر مہمان ساتھ بیٹھ کر کھانے پر خوش ہوتا ہو تو ساتھ کھانا افضل ہے ورنہ مہمان کی ذاتی طور پر خدمت کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے۔

لما فی الھندیۃ : یکرہ السکوت حالۃ الاکل لانہ تشبہ بالمجوس...... ولا یسکت

---

[۱] قال الامام محی الدین یحیٰ بن شرف النووی رحمہ اللہ : لیس فی ھٰذہ الاحادیث اشکال ولا فیھا بحمد اللہ ضعف بل کلھا صحیحۃ والصواب ان النھی محمول علی التنزیھۃ۔ (شرح المسلم للامام النووی ج۲ ص۱۷۳ باب فی الشرب قائماً)

ومثلہٗ فی کبیری ص۳۶ آداب الوضوء۔

على الطعام ولكن يتكلم بالمعروف وحكايات الصالحين ۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۴۵ الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات) [1]

تکیہ لگا کر کھانا پینا

سوال:۔ بعض لوگ تکیہ لگا کر کھانے پینے کے عادی ہوتے ہیں، آیا تکیہ لگا کر کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کھاتے پینے کے دوران اگر مسنون طریقہ مدنظر رکھا جائے تو ضرورت بھی پوری ہوگی اور ثواب بھی مل جائے گا۔ جہاں تک تکیہ لگا کر کھانے پینے کا تعلق ہے تو فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر تکبر کا خدشہ نہ ہو تو تکیہ لگا کر کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں، تاہم خلافِ ادب ہونے کی بناء پر اس طرح کرنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

لما في الهندية: لا بأس بالأكل متكئاً إذا لم يكن بالتكبر وفي الظهيرية هو المختار۔
(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۳۷ الباب العاشر في الكراهية في الأكل) [2]

تین انگلیوں سے کھانا

سوال:۔ بعض لوگ کھانا کھاتے وقت ہاتھ کی پانچوں انگلیاں استعمال کرتے ہیں، تو کیا اس طریقے سے کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تین انگلیوں سے کھانے کی تھی لہٰذا تین انگلیوں سے کھانا مسنون طریقہ ہے، البتہ فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ جہاں کہیں تین انگلیوں سے کھانے میں حرج ہو، تکلیف کی وجہ سے یا سالن نرم ہونے کی وجہ سے، تو کھانے میں تین سے زائد انگلیاں استعمال کرنا بھی مرخص ہے۔

---

[1] لما في الهندية: وينبغي ان يخدم الضيف بنفسه اقتداءً بابراهيم على نبينا وعليه السلام۔ (الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۴۵ الباب الثاني عشر في الهدايا والضيافات۔ كتاب الكراهية)۔

[2] قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: لا بأس بالاكل متكئاً او مكشوف الرأس وهو المختار۔
(رد المحتار ج ۶ ص ۳۴۰ كتاب الكراهية۔ فصل في البيع)
وَمِثْلُهٗ في الخانية على هامش الهندية ج ۲ ص ۴۰۵ كتاب الحظر والاباحة۔

لما ورد فی الحدیث: عن کعب بن مالک عن ابیہ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یأکل بثلاث اصابع۔ (الصحیح المسلم ج۲ ص۱۷۵ باب لعق الاصابع والقصعۃ) [1]

ایک سے زیادہ گلاس پانی پینے کا مسنون طریقہ

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! گرمی کے موسم میں پیاس کی شدت کے باعث انسان ایک ہی وقت میں کئی گلاس پانی پی جاتا ہے، تو کیا ایسی صورت میں ہر گلاس کو تین سانسوں میں پینا ہوگا یا ہر گلاس کے بعد ایک مرتبہ سانس لینا کافی ہوگا اور اس سے سنت کی ادائیگی ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب:۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ پانی کو تین سانسوں میں پیا جائے صورتِ مسئولہ میں چونکہ ہر گلاس مستقل پانی پینا ہے اس لیے ہر گلاس کو تین سانسوں میں پینے سے ہی سنت کی ادائیگی ہوگی۔

لما قال الشیخ اشرف علی التھانوی رحمہ اللہ: ہر گلاس کو تین سانس میں پیئو کیونکہ ممکن ہے کہ دوسرا تیسرا گلاس کچھ فصل سے پیوے تو وہ مجموعی طور پر کئی بار کا پینا ہوگا اور سانس لینا ایک بار کے پینے میں ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج۴ ص۱۰۳ کتاب الحظر والاباحۃ۔ کھانے پینے کی حلال و حرام الخ)

سود خور کی دعوت قبول کرنا

سوال:۔ ایک شخص گاڑیوں کی خرید و فروخت کا کاروبار کرتا ہے اور سودی لین دین کے علاوہ بعض اوقات دیگر ناجائز ذرائع سے بھی مال حاصل کرتا ہے، تو کیا ایسے شخص کی دعوت میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] قال الامام النووی رحمہ اللہ: واستحباب الاکل بثلاث اصابع ولا یضم الیہ الرابعۃ والخامسۃ الا لعذر بان یکون مرقاً وغیرہ فلا یمکن بثلاث وغیر ذلک من الاعذار۔
{شرح صحیح المسلم للامام النووی ج۲ ص۱۷۵
باب لعق الاصابع والقصعۃ}

الجواب:۔ اگر یہ بات واضح اور یقینی ہو کہ اس شخص کا پورا مال حرام اور ناجائز ذرائع سے کمایا گیا ہے تو دعوت میں شرکت نہیں کرنی چاہیئے، البتہ اگر یہ بات یقینی نہ ہو یا یہ معلوم ہو کہ اس شخص کا کچھ مال تو حرام ہے لیکن مال کا اکثر حصہ حلال ہے تو پھر شرکت کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ موجودہ دور میں اکثر لوگوں کے مال میں کچھ نہ کچھ ملاوٹ پائی جاتی ہے۔

قال العلامۃ قاضی خانؒ: وان کان غالب المھدی من الحلال لا بأس بان یقبل الھدیۃ ویأکل مالم یتبیّن انہ حرام لان اموال الناس لا یخلوا عن قلیل حرام فیعتبر الغالب۔
(الفتاوی الخانیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۳ ص۴۰۲ کتاب الحظر والاباحۃ)[۱]

جس دعوت میں گانے بجانے اور لہو و لعب کا اہتمام ہو اس میں شرکت کا حکم

سوال:۔ بعض لوگ شادی بیاہ کے مواقع پر دعوتِ ولیمہ میں گانے بجانے اور لہو و لعب کا پورا اہتمام کرتے ہیں جس میں احباب و اقارب کو مدعو کیا جاتا ہے، تو کیا ایسی دعوتِ ولیمہ میں شرکت کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قبولِ دعوت کو علماء کرام نے ضروری قرار دیا ہے، لیکن آجکل چونکہ لادینیت اور فحاشی کا دور دورہ ہے لہٰذا اگر یہ بات یقینی ہو کہ وہاں گانے بجانے اور لہو و لعب کا پروگرام ہوگا تو ایسی دعوت میں نہیں جانا چاہیئے، البتہ اگر وہاں پہنچکر یہ بات معلوم ہو تو واپس نہ آنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن یاد رہے کہ یہ حکم عوام الناس کے لیے ہے اور جہاں تک خواص کے واپس آجانے کا تعلق ہے تو ان کے واپس آنے میں مصلحت یہ ہے کہ الداعی پر ان کی ناراضگی واضح ہو کر وہ اپنے عملِ بد سے باز آجائیں۔

لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: اذا کان ھناك لعب وغنا قبل ان یحضر فلا یحضر

---

[۱] لما فی الھندیۃ: ولا یجوز قبول ھدیۃ امراء الجور لان الغالب فی مالھم الحرمۃ الا اذا علم ان اکثر مالہ حلال بان کان صاحب زرع او تجارۃ فلا بأس بہ لان اموال النّاس لا تخلوا عن قلیلِ حرام فیعتبر الغالب وکذا اکل طعامھم۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۳۴۲ الباب الثانی عشر فی الھدایا والضیافات۔ کتاب الکراھیۃ)
وَمِثْلُہٗ فی البزازیۃ علی ھامش الھندیۃ ج۶ ص۳۶ الباب الرابع فی الھدایا والمیراث۔

لانه لا یلزمه الاجابة اذا کان هناك منکر۔ (البحر الرائق ج ۸ ص۱۸۸ کتاب الکراهیة) ؎۱

چونا کھانے کا حکم

سوال:۔ پان، نسوار وغیرہ میں چونا ملایا جاتا ہے، اس کے کھانے کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ چونا بمقدار ضرورت پان وغیرہ میں ملا کر کھانا مرخص ہے۔

لما قال العلامة محمد عبدالحی الکھنویؒ: یباح اکل النورة مع الورق الماکول فی دیار الهند لانه قلیل نافع فان الغرض المطلوب من الورق المذکور لا یحصل بدونها۔ (نصاب الاحتساب بحواله مجموعة الفتاوی ج ۲ ص۳۰۷) ؎۲

افیون کھانے کا حکم

سوال:۔ افیون کھانا اور ادویات میں استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ افیون مسکرّ اشیاء میں سے ہے جس کا بغیر عذر شدید کے کھانا حرام ہے تاہم اگر مباح وحلال اشیاء ادویات میں کوئی تداوی کے لیے مفید نہ ہو اور مسلمان طبیب نے بطور دوائی کے کھانے کا کہا ہو تو اس صورت میں کھانا مرخص ہے۔

لما قال الشیخ محمد کامل بن مصطفیٰ الطرابلسیؒ: اتفق مشائخنا ومشائخ الشافعی علی تحریم الحشیش وافتوا باحراقه وامر بتادیب بائعه والتشدید علی اکله فهو زندیق مبتدع۔ (الفتاوی الکاملیة ص۲۰۷)

وفی الهندیة: یجوز للتعلیل شرب الدم والبول واکل اذا اخبره طبیب مسلم ان شفاءه فیه ولم یجد من المباح ما یقوم مقامه۔ (الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۵۵ الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات) ؎۳

؎۱ لما فی الهندیة: هذا اکله بعد الحضور اما اذا علم قبل الحضور فلا یحضر لانه یلزمه حق الدعوة۔ (الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۴۳ الباب الثانی عشر فی الهدایا والضیافات)

وَمِثْلُهٗ فی البزازیة علی هامش الهندیة ج ۶ ص۳۶۴ کتاب الکراهیة۔

؎۲ قال العلامة عبدالحی الکھنویؒ: نعم وفی نصاب الاحتساب یباح اکل النورة مع الورق الماکول فی دیار الهند لانه قلیل نافع فان الغرض المطلوب من الورق المذکور لا یحصل بدونها وهو الحمرة۔ (نفع المفتی والسائل ص۹۳ کتاب الکراهیة)

؎۳ قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله والنتن الذی حدث) وهو صریح فی حرمة البنج والافیون لا للدواء۔ (رد المحتار ج۶ ص۴۵۷ کتاب الاشربة)

وَمِثْلُهٗ فی نصاب الاحتساب بحواله مجموعة الفتاوی ج ۲ ص۲۸۹ کتاب الکراهیة۔

پیاز وغیرہ کھاکر مسجد میں جانا

سوال: پیاز، لہسن اور دیگر بدبودار حلال اشیاء کھاکر مسجد میں جانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: پیاز، لہسن وغیرہ اشیاء کا کھانا فی ذاتہ جائز اور مباح ہے تاہم مساجد اور ایسی مجالس جن میں خلقِ خدا کو ایذاء پہنچنے کا خدشہ ہو کھاکر جانا جائز نہیں۔

لما قال الشیخ فضل الله الشھیر بشبیر احمد العثمانیؒ: (تحت قولہ صلی الله علیہ وسلم من اکل من ھذہ الشجرۃ یعنی الثوم فلا یأتین المساجد) لیس فی ھذا تقیید النھی بالمساجد فیعتدل بعمومہ علی الحاق الجامع بالمساجد کمصلی العید والجنازۃ ومکان الولیمۃ وجمھور الامۃ علی اباحۃ اکلھا۔ (فتح الملھم ج۲ ص۱۵۰،۱۵۱ باب نھی من اکل ثوماً) [1]

بھنگ کا استعمال کا حکم

سوال: بھنگ کا استعمال بطورِ نشہ اور تداوی کے شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: بھنگ کا شمار چونکہ مسکر اشیاء میں ہوتا ہے اس لیے اس کا استعمال شرعاً ممنوع ہے، تاہم بوقتِ ضرورت کسی مسلمان طبیب کے مشورہ سے بقدرِ ضرورت استعمال مرخص ہے بشرطیکہ حلال اشیاء میں معالجے کے لیے کوئی شے نہ ہو۔

لما قال شیخ الاسلام ابوبکر علی بن محمد الحدادؒ الیمنیؒ: ولا یجوز اکل البنج والحشیشۃ والافیون وذٰلک کلہٗ حرام۔ (الجوھرۃ النیرۃ ج۲ ص۲ کتاب الاشربۃ) [2]

---

[1] رواہ الامام مسلم بن الحجاج القشیریؒ: عن ابی سعید الخدریؓ قال لم نعد ان فتحت خیبر فوقعنا اصحاب رسول الله صلی الله علیہ وسلم فی تلک البقلۃ الثوم والناس جیاع فاکلنا منھا اکلاً شدیداً ثم رحنا الی المسجد فوجد رسول الله صلی الله علیہ وسلم الریح من اکل من ھذہ الشجرۃ الخبیثۃ شیئاً فلا یقربنا فی المسجد فقال الناس حرمت فبلغ ذٰلک النبی صلی الله علیہ وسلم فقال ایھا الناس انہٗ لیس بی تحریم ما احل الله لی ولکنھا شجرۃ اکرہ ریحھا۔

(الصحیح المسلم ج۱ ص۲۰۹ باب نھی من اکل ثوماً الخ)

وَمِثْلُہٗ فی شرح مسلم للنوویؒ ج۱ ص۲۰۹ باب نھی من اکل ثوماً۔

[2] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: وھو صریح فی حرمۃ البنج والافیون لاللدواء۔ (ردالمحتار ج۶ ص۴۵۷ کتاب الاشربۃ)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج۴ ص۲۰۵ کتاب الاشربۃ۔

بغیر اجازت کسی کے مال سے نفع لینا

سوال:۔ کسی مسلمان کا مال اس کی اجازت کے بغیر لینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسلمان کا مال جان شرعاً معصوم ہے اور بغیر مالک کی اجازت کے لینا جائز نہیں اور نہ اس مال سے بغیر اجازت کے نفع اٹھانا جائز ہے۔

لما رواہ الامام علی بن عمر الدارقطنیؒ: عن عمرو بن یثربی قال شهدت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی حجة الوداع بمنیٰ فسمعته یقول لایحل لامرءٍ من مال اخیه شئٌ الا ماطابت به نفسه۔ (سنن دارقطنی ج۳ ص۲۵ کتاب البیوع۔ رقم حدیث ۸۹) [۱]

کافر کے ساتھ کھانے کا حکم

سوال:۔ کیا کسی غیر مسلم کے ساتھ ایک برتن میں کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: غیر مسلموں کے ساتھ ایک برتن میں کھانے پینے کو معمول بنانا درست نہیں تاہم کبھی کبھار ایسا کر لینا مرخص ہے۔

لماقال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: والاکل والشرب فی اوانی المشرکین مکروہ ولابأس بطعام المجوس الا ذبیحتهم وفی الاکل معهم وعن الحاکم عبدالرحمٰن لو ابتلی به المسلم مرة او مرتین لابأس به اماالدوام علیه فمکروہ۔
(خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۴۶ کتاب الکراهیة) [۲]

---

[۱] لماذکرہ الشیخ ولی الدین ابوعبد الله محمد بن عبد الله الخطیبؒ: وعن ابی حرة الرقاشی عن عمه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم الا لاتظلموا الا لایحل مال امرءٍ الا بطیبِ نفس منه۔ (مشکوٰة المصابیح ج۱ ص۲۵۵ باب الغصب والعاریة۔ الفصل الاوّل)
وَمِثْلُهٗ فی نصب الرایة ج۴ ص۱۶۹ کتاب الغصب۔

[۲] وفی الهندیة: الأکل مع المجوس ومع غیرہ من اهل الشرك انه هل یحل ام لا عن الحاکم عبدالرحمٰن الکاتب أنه ان ابتلی به المسلم مرّة او مرّتین فلابأس به واماالدوام علیه فیکرہ۔ (الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۴۷ الباب الرابع عشر فی اهل الذمة.... الخ)۔

خلافِ شریعت دعوت میں شرکت کا حکم

سوال:۔ آجکل شادی بیاہ اور خوشی کی دیگر تقریبات میں اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات اور طور طریقوں کے خلاف کیا جاتا ہے جن میں غیر محرم مردوں اور عورتوں کا بے پردگی میں میل جول، ناچ گانا، ہندوؤں اور عیسائیوں کے مختلف طور طریقے قابلِ ذکر ہیں۔ اگر کسی کو ان خلافِ شرع کاموں سے روکا جائے تو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ تو خوشی کا موقع ہے اس کے بغیر تو خوشی کا اظہار ہی نہیں ہو سکتا۔ جبکہ بعض اہلِ علم اور دیندار طبقہ سے تعلق رکھنے والے حضرات کو اس قسم کی تقاریب میں شرکت کرتے دیکھا گیا ہے جس کی وجہ سے لوگ ان لغویات کو جائز سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ کام ناجائز ہیں تو فلاں عالم یا دیندار شخص نے کیوں شرکت کی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس قسم کی تقاریب میں شرکت کرنا خصوصاً علماء اور دیندار طبقہ کا شرکت کرنا اور کھانا پینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اس طرح کی تقریبات میں شرکت کرنا ناجائز ہے اور جہاں احکامِ شرعیہ کی خلاف ورزی ہو رہی ہو اور منکرات موجود ہوں وہاں اکل وشرب یعنی کھانا پینا بھی ناجائز ہے۔ اسی طرح اس قسم کی تقریبات میں کسی عالم یا دیندار شخص کی شرکت کی بناء پر کوئی خلافِ شرع کام جائز نہیں ہو سکتا۔

قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: دعی الی ولیمۃ وثمہ لعب او غنا قعد واکل لو للمنکر فی المنزل فلو علی المائدۃ لا ینبغی ان یقعد بل یخرج معرضًا الیٰ قولہ فان قدر علی المنع فعل والا صبر ان لم یکن ممن یقتدیٰ بہ فان کان مقتدی ولم یقدر علی المنع خرج ولم یقعد لان فیہ شین الدین الخ (الدر المختار ج۵ ص۲۲۵ کتاب الحظر والاباحۃ) [1]

---

[1] وفی الھندیۃ: ومن دعی الیٰ ولیمۃ فوجد ثمہ لعبا او غناء..... ولو کان ذلک علی المائدۃ لا ینبغی ان یقعد وان لم یکن مقتدیٰ بہ وھذا کلہ بعد الحضور واما اذا علم قبل الحضور فلا یحضر الخ

{الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۳۴۳ کتاب الکراھیۃ الباب الثانی عشر فی الھدایا والضیافات}

باب التداوی

(علاج معالجہ کے احکام ومسائل)

انسانی اعضاء کی پیوند کاری کا حکم

سوال :۔ دورِ حاضر میں انسانی اعضاء کی پیوند کاری کا دور دورہ ہے، کئی لوگ وصیت کر جاتے ہیں کہ مرنے کے بعد ان کے کچھ اعضاء مثلاً آنکھیں، گُردے وغیرہ نکال کر کسی ضرورتمند کو لگا دیئے جائیں، تو کیا شریعتِ مقدسہ میں انسانی اعضاء کی پیوند کاری جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ اپنے اعضاء کو معالجتاً استعمال کرنے کیلئے دوسرے انسان کیلئے وصیت کرنا اور ان اعضاء کی پیوندکاری کرنا شرعاً حرام ہے، اگرچہ یہ وباء آجکل کافی عروج پہ ہے جس سے اجتناب لازمی ہے، تاہم متاخرین فقہاء نے حالتِ اضطرارِ شدیدہ کے وقت مرخص قرار دیا ہے۔

لما قال الامام محمد بن احمد السرخسیؒ :لا یجوز الانتفاع بہ بحال ماو الآدمی محترم بعد موتہ علیٰ ما کان علیہ فی حیاتہ کلما یحرم التداوی بشئ من الآدمی الحی اکراماً لہٗ کذلک لا یجوز التداوی بعظم المیت۔ (شرح کتاب السیر الکبیر ج ۱ ص ۱۲۸ باب دواء الجراحۃ)[1]

انگریزی ادویات کے استعمال کا حکم

سوال :۔ دورِ حاضر میں اکثر امراض میں انگریزی ادویات استعمال ہوتی ہیں جن میں الکحل بھی استعمال ہوتا ہے، شرعی نکتہ نگاہ سے ان ادویات کا کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ انگریزی ادویات کے بارے میں متاخرین علماء کرام کا فتویٰ یہ ہے کہ اگر ان میں شراب یا دیگر محرم اشیاء کا استعمال یقینی یا ظنِ غالب سے ثابت ہو تو بغیر

---

[1] قال العلامۃ علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانیؒ : ولو سقط سنہ یکرہ اَن یاخذ سن المیت فیشدھا مکان الاولیٰ بالاجماع ۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص ۱۳۲ کتاب الاستحسان)
وَمِثلُہٗ فی الھندیۃ ج ۵ ص ۳۵۴ الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات اِلخ ۔

شدید ضرورت کے استعمال کرنا درست نہیں ، ویسے انگریزی ادویات کا استعمال مرخص ہے ۔

لما قال العلامة فخر الدین عثمان بن علی الزیلعیؒ : وکرہ شرب دردی الخمر والامتشاط بہ لان فیہ اجزاء الخمر فکان حرامًا نجسًا والانتفاع بمثلہ حرام۔ (تبیین الحقائق ج ۶ ص۴۹ کتاب الاشربۃ) [1]

پوسٹ مارٹم کا حکم

سوال :۔ عصرِ حاضر میں اگر کوئی قتل ہو جائے یا کسی حادثہ میں ہلاک ہو جائے تو ہسپتال میں اس کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے جس میں اعضاء کی قطع برید ہوتی ہے ، تو شریعتِ مقدسہ میں اس عمل کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ جس طرح انسان کا احترام اس کی زندگی میں مسلّم ہے اسی طرح موت کے بعد بھی قابلِ احترام ہے ، جس طرح زندہ انسان کو ایذاء دینا موجبِ جرم و گناہ ہے اسی طرح مردہ انسان کو بھی ایذاء دینا موجبِ جرم و گناہ ہے اس لیے فقہاء کرام نے بعد الموت انسانی اعضاء کی قطع برید کو خلافِ شرع قرار دے کر پوسٹ مارٹم کو ایک قبیح و ناجائز عمل کہا ہے ۔

لما قال الباجیؒ : یرید ان لہ من الحرمۃ فی حال موتہ مثل مالہ منہا حال حیاتہ وان کسر عظامہ حال موتہ یحرم کما یحرم کسرھا حال حیاتہٖ (موطا امام مالک حاشیہ ۳ ص۲۲۰ ما جاء فی الاختفاء وھو النبش) [2]

---

[1] قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ : (وکرہ شرب دردی الخمر) أی (والامتشاط) بالدردی لان فیہ اجزاء الخمر وقلیلہ ککثیرہ کما مر۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص۴۵۷ کتاب الاشربۃ)
ومثلہ فی البحر الرائق ج ۸ ص۲۱۹ کتاب الاشربۃ ۔

[2] رواہ الامام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانیؒ : عن عائشۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کسر عظم المیت ککسرہ حیًا ۔
(سنن ابی داؤد ج ۲ ص۱۰۱ باب الحفار یجد العظم ھل یتنکب ذٰلک المکان)
ومثلہ فی سنن ابی ماجۃ مع حاشیۃ ج ۱ ص۱۱۶ باب ماجاء فیمن مات مریضًا ۔

خاندانی منصوبہ بندی اور مانع حمل ادویات کا حکم

سوال :- آجکل کے دور میں خاندانی منصوبہ بندی کی اشاعت بکثرت ہورہی ہے، شرعی لحاظ سے خاندانی منصوبہ بندی اور مانع حمل ادویات کا کیا حکم ہے؟

الجواب :- خاندانی منصوبہ بندی کے اہداف کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ حقیقت کسی پر مخفی نہیں کہ یہ تمامتر پروگرام رزق کی تنگی کے خوف سے ہورہا ہے جو خالق کائنات جل مجدہٗ کی صفتِ خاصہ یعنی رزاقیت سے بغاوت کے مترادف ہے، اس لیے منصوبہ بندی کے بنیادی نظریہ (رزق کی تنگی کا خوف) کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس پر عمل کرنا شرعاً حرام ہے، تاہم کسی شرعی عذر کی بناء پر مانع حمل ادویات کا استعمال اور دیگر ذرائع اختیار کرنا مرخص ہے۔

لما قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمه الله : شرب الدواء لأجل اسقاط الحمل قبل ان يصير صورة يجوز عند الضرورة والكف عن هذا خير اولى۔ (الفتاوى التاتارخانية ج۳ ص۲۱۶ كتاب النكاح الفصل السادس والعشرون)[1]

انجکشن کے ذریعے مادہ جانوروں کو حاملہ کرنے کا حکم

سوال :- افزائشِ نسل کے لیے گائے بھینس وغیرہ کو انجکشن لگوانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :- چونکہ حیوانات میں نسب کا لحاظ رکھنا شرعی لحاظ سے ضروری نہیں اس لیے کہ ماں جانوروں میں اصل ہے اور بچہ بھی حِلّت وحرمت میں ماں کا

---

[1] لما قال العلامة ابن عابدین: تحت قوله (ويكره أن تسقى لاسقاط الحمل) وجاز لعذر كالمرضعة اذا ظهر بها الحمل وانقطع لبنها وليس لابی الصبی مايستاجر به الظئر ويخاف هلاك الولد قالوا يباح لها ان تعالج فی استنزال الدم مادام الحمل مضغة اوعلقة ولم يخلق له عضو وقدروا تلك المدة بمائة وعشرين يوماً۔ (رد المحتار ج۶ ص۴۲۹ كتاب الحظر والاباحة۔ فصل فی البيع)
ومِثلُهٗ فی الطحطاوی علی الدر المختار ج۴ ص۲۱۴ كتاب الحظر والاباحة۔ فصل فی البيع۔

تابع ہے، بنابریں جانوروں کو افزائش نسل کے لیے انجکشن لگوانا کوئی قبیح عمل نہیں۔

لما قال الامام الامام السید احمد بن محمد الحموی المصریؒ: والمولود بین الاھلی والوحشی یتبع الأم لان الاصل فی التبعیۃ الأم حتی ان نزی الذئب علی الشاۃ یضحی بالولد۔ (غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر ج ا ص۳۳۷) [1]

بیمار کو خون دینے کا حکم

سوال: بوقتِ ضرورت کسی بیمار کی جان بچانے کیلئے انسانی خون سے انتفاع کا شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: بوقتِ ضرورت (حادثہ یا شدید بیماری کی صورت میں) جان بچانے کے لیے انسانی خون سے استفادہ مرخص ہے۔

لما قال العلامۃ الشیخ محمد کامل بن مصطفی الطرابلسی الحنفیؒ: قال فی التھذیب یجوز لعلیل شرب البول والدم والمیتۃ للتداوی اذا اخبرہ طبیب مسلم ان شفاءہ فیہ ولم یجد من المباح مایقوم مقامہ۔ (الفتاوی الکاملیۃ ص۲۶۷ کتاب الکراھیۃ) [2]

تعویذ کا شرعی حکم

سوال: دفعِ ضرر وجلبِ منفعت کے لیے قرآنی آیات اور ادعیہ ماثورہ سے تعویذ کرکے پہننے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: غیر شرعی الفاظ کے علاوہ آیاتِ قرآنی وادعیہ ماثورہ سے تعویذ کرنے یا کرانے میں کوئی شرعی قباحت نہیں بلکہ یہ ایک مسنون طریقہ ہے اور پہننا بھی جائز ہے۔

لما قال الامام اللغوی ابوالفتح ناصر الدین المطرزیؒ: قال القتیبی وبعضھم یتوھم أن المعاذات ھی التمائم ولیس کذلک انما التمیمۃ الخرزۃ ولا بأس المعاذات

---

[1] لما قال الامام ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاص رحمہ اللہ: ولو ولدت حمارۃ وحشیۃ من حمار اھلی أکل ولدھا فکان الولد تابعاً لأمہ دون ابیہ۔ (احکام القرآن للجصاص ج۳ ص۵ سورۃ النحل)

[2] لما فی الھندیۃ: یجوز لعلیل شرب البول والدم وأکل المیتۃ للتداوی اذا اخبرہ طبیب مسلم ان شفاءہ فیہ ولم یجد من المباح مایقوم مقامہ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۳۵۵ الباب الثامن عشر فی التداوی والمعالجات) ومثلہ فی البحر الرائق ج۸ ص۲۰۵ کتاب الکراھیۃ۔ فصل فی البیع۔

اذا کتب فیھا القرآن او اسماء اللّٰہ تعالیٰ۔ (المغرب فی ترتیب المعرب ج ۱ ص ۱۰۱)[1]

مردہ عورت کے پیٹ سے بچہ نکالنے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی حاملہ عورت فوت ہوجائے اور طبی نقطہ نظر سے اس بات کی تصدیق ہوجائے کہ عورت کے پیٹ میں بچہ ابھی زندہ ہے تو کیا اس کا پیٹ چاک کرکے بچہ نکالنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے انتہائی مجبوری کے تحت مردہ عورت کے پیٹ کو چاک کرکے بچہ نکالنے کو مرخص کہا ہے مگر اس شرط پر کہ بچہ پیٹ میں حرکت کررہا ہو یعنی اس کا زندہ ہونا یقینی ہو، چونکہ موجودہ دور میں سائنسی ترقی کی وجہ سے مذکورہ بالا صورت میں الٹراساؤنڈ کے ذریعے بچے کا زندہ ہونا معلوم کیا جاسکتا ہے، لہٰذا جب الٹراساؤنڈ کے ذریعے معلوم ہوجا کہ بچہ واقعی زندہ ہے تو مردہ عورت کا پیٹ چاک کرکے بچہ کو نکالنا شرعاً مرخص ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: حامل ماتت وولدھا یضطرب شق بطنھا ویخرج ولدھا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۲ ص ۲۳۸ باب الجنائز ،مطلب فی دفن المیت)[2]

شوہر کو راغب کرنے کے لیے تعویذات کا سہارا لینا

سوال:۔ بیوی شوہر کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے کسی تعویذ کا سہارا لے سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اصلاح بین الزوجین کے لیے عملیات یا دیگر تعویذات کا سہارا لینا شرعاً

---

[1] لما اخرج ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانیؒ فی سُننہٖ: عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یعلمھم من الفزع کلمات اعوذ بکلمات اللّٰہ التامۃ من غضبہ وشر عبادہ ومن ھمزات الشیاطین وان یحضرون وکان عبد اللّٰہ بن عمر یعلمھن من عقل من بنیہ ومن لم یعقل کتبہ فاعلقہ علیہ۔ (سُنن ابی داؤد ج ۲ ص ۵۴۳ باب کیف الرقی۔

وَمِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج ۶ ص ۳۶۳ کتاب الخطر والاباحۃ۔فصل فی اللبس۔

[2] قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ: اس سے معلوم ہوا کہ پیٹ چاک کرکے بچہ نکال لینا اُس وقت جائز ہے جب بچہ زندہ حرکت کرتا ہوا معلوم ہو ورنہ اگر بچہ بھی مرگیا تو پیٹ چاک کرنا جائز نہیں۔

(امداد الفتاوی ج ۴ ص ۲۰۶ کتاب الخطر والاباحۃ)

قبیح نہیں بشرطیکہ شوہر کو اپنا غلام بنانا مقصود نہ ہو بلکہ بے اختلافی سے بچنے کی نیّت ہو، تاہم کتبِ فتاویٰ میں جو عدم جواز کا فتویٰ موجود ہے وہ غیر شرعی تعویذات وتسخیرات وغیرہ یا دیگر بدنیتی پر محمول ہے۔

لما قال العلامة ابو الفتح ناصر الدین المطرزیؒ: بعضهم یتوهم أن المعاذات هی التمائم ولیس کذلك انما التمیمة الخرزة ولا بأس بالمعاذات اذا کتب فیها القرآن او اسماء الله تعالیٰ...... وأما ما کان من القرآن وشیٔ من الدعوات فلا بأس۔

(المغرب فی ترتیب المعرب ج۱ ص۱۰۷، ۱۰۸) [۱]

تعویذات میں یا بدوح لکھنا

سوال:- اکثر عاملین تعویذات میں یا بدوح لکھتے ہیں، اس بارے میں بعض علماء سے سُنا ہے کہ یا بُدوح لکھنا درست نہیں، کیا واقعی ایسا لکھنا ناجائز ہے؟

الجواب:- بدوح عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور تعویذات میں اسماء اللہ لکھنا جائز ہے لہٰذا تعویذات میں یا بدوح لکھنے میں کوئی قباحت نہیں۔

لما قال العلامة المفتی محمد شفیعؒ: احقر نے اپنے استاذِ محترم حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ صاحب الکشمیریؒ سے سُنا ہے کہ لفظ "بُدوح" بلا تشدیدِ دال عبرانی زبان میں اللہ کا نام ہے۔ (عزیز الفتاویٰ المعروف بہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۱ ص۱۳۹) [۲]

---

[۱] لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: وبعضهم یتوهم أن المعاذات هی التمائم ولیس کذلك انما التمیمة الخرزة ولا بأس بالمعاذات اذا کتب فیها القرآن أو اسماء الله تعالیٰ۔ (رد المحتار ج۶ ص۳۶۳ کتاب الحظر والاباحة۔ فصل فی اللبس)

وَمِثْلُہٗ فی نیل الاوطار ج۵ ص۳۰۷ باب ماجاء فی الاجرة علی الضرب۔

[۲] لما قال العلامة المفتی محمد شفیعؒ: بدوح یہ لفظ عام طور پر بضمّ باء وتشدیدِ دال مشہور ہے مگر یہ صحیح نہیں، صحیح لفظ بدوح بفتح باء وتخفیفِ دال ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ یہ عربی زبان کا لفظ نہیں بلکہ عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

(امداد المفتیین المعروف بفتاویٰ دار العلوم دیوبند ج۲ ص۲۳۸ کتاب الکراھیة)

غیر شرعی الفاظ سے تعویذات لکھنا

سوال:۔ تعویذات میں غیر شرعی الفاظ مثلاً یا فرعون، یا ہامان وغیرہ لکھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تعویذات میں قرآنی آیات وادعیہ ماثورہ کے علاوہ غیر شرعی الفاظ مثلاً جن، بھوت یا کسی بڑے کافر کا نام وغیرہ لکھنا شرعاً ناجائز ہے۔

لما رواہ الامام مسلم بن الحجاج القشیریؒ: عن عوف بن مالك الاشجعی قال لنا نرقی فی الجاهلیة فقلنا یا رسول الله کیف تری فی ذٰلك فقال اعرضوا علیّ رقاکم لا بأس بالرقی ما لم یکن فیه شرك۔ (الصحیح لمسلم ج۲ ص۲۲۴ باب جواز اخذ الاجرۃ علی الرقیۃ) [1]

بیماری کا علاج کرنا سُنت ہے

سوال:۔ بیماری کا علاج کرنا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟ اور اگر کوئی بیمار علاج نہ کرنے پر ہلاک ہوجائے تو کیا وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ علاج ایک ظاہری سبب ہے اور سُنت عمل ہے تاہم اگر کوئی بیمار اپنا علاج نہ کرنے کی وجہ سے مرجائے تو گنہگار نہیں ہوگا۔

لما قال الامام الفقیہ ابو اللیث السمرقندیؒ: ولو مرض ولم یعالج حتی مات لم یأثم بخلاف الجائع اذا لم یأکل حتی مات بالجوع یأثم به۔
(فتاوٰی نوازل ص۲۰ کتاب الکراھیۃ) [2]

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: التمیمة المکروهة ما کان بغیر العربیة۔ وقال العلامة ابن عابدینؒ: (قوله التمیمة المکروهة) اقول الذی رأیته فی المجتبیٰ التمیمة المکروهة ما کان بغیر القراٰن۔
(رد المحتار ج۶ ص۳۶۳ کتاب الحظر والاباحة فصل فی اللبس)
ومثله فی حاشیة الجامع الترمذی للشیخ احمد علی السهارنفویؒ ج۲ ص۲۵ باب ما جاء فی الاجرة علی التعویذ)

[2] قال العلامة ابن البزاز الکردریؒ: امتنع عن الاکل حتی مات جوعاً اثم وان عن التداوی حتی تلف مرضاً لا لان عدم الهلاك بالاکل مقطوع والشفاء بالمعالجة مظنون۔
(الفتاوٰی البزازیة علی هامش الهندیة ج۶ ص۳۶۷ نوع فی التداوی۔ کتاب الکراهیة)
ومثله فی الاختیار علی تعلیل المختار ج۴ ص۱۷۴ کتاب الکراهیة۔

خاندانی منصوبہ بندی کا شریعت مطہرہ کی روشنی میں جائزہ

سوال: مکرمی جناب شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب اسلام مسنون!

دنیا کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی ماہرینِ اقتصادیات و عمرانیات کے پیش نظر ایک ہولناک مسئلہ کی صورت میں جلوہ گر ہے، اگر اس مسئلے پر محض اقتصادی یا عمرانی نقطۂ نظر سے بحث کی جائے تو تحدید النسل ناگزیر معلوم ہوتی ہے تاہم ایک مسلم معاشرے میں کسی تحریک کے آغاز سے پیشتر اس کی شرعی حیثیت کا تعین ضروری ہے۔

میں ایک تحقیقی ادارے سے وابستہ ہوں اور "اسلام اور خاندانی منصوبہ بندی" کے موضوع پر کام کر رہا ہوں، میرے پیشِ نظر کوئی سیاسی مصلحت نہیں، ہر قسم کے دباؤ سے بے نیاز محض دین کی خدمت کے جذبے کے تحت میں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے، اس عظیم ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے مجھے ہر وقت علماء کرام کی راہنمائی کی ضرورت ہے، اُمید ہے آپ اپنے قیمتی وقت میں سے چند لمحات نکال کر میری راہنمائی کے لیے مندرجہ ذیل امور پر روشنی ڈالیں گے۔

الف ۔ آپ کے خیال میں "خاندانی منصوبہ بندی" مذہبی نقطہ نظر سے جائز ہے یا نہیں؟

ب ۔ احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں عزل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

ج ۔ فقہاء کرام نے کن صورتوں میں ایک شادی شدہ جوڑے کو عزل پر عمل پیرا ہونے کی اجازت دی ہے؟

د ۔ آیا تحریک کی صورت میں ضبطِ تولید کے مختلف طریقوں کی ہمہ گیر اشاعت شرعی نقطۂ نظر سے جائز ہے یا نہیں؟

ہ ۔ اگر نہیں تو اس سے کون سی خرابیوں کے پیدا ہونے کا احتمال ہے؟ نیز ان خرابیوں کے تدارک کے لیے آپ کی تجاویز؟

س ۔ عزل کے علاوہ ضبطِ تولید کے دیگر جدید طریقوں پر عمل کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ آنجناب کا سوالنامہ ملا، خاندانی منصوبہ بندی کے بارہ میں ہماری رائے جو شرعی نصوص اور فقہاء اُمت کی آراء پر مبنی ہے، حسب ذیل ہے۔

دنیا کی تیزی سے بڑھتی ہوئی آبادی کے ہولناک نتائج کی بناء پر تحدید النسل کرنا جبکہ جبری اور

حاکمانہ طور سے ہو یا تحریک کے طور سے ہو مسلمانوں کے شایان نشان نہیں ہے، ایک موحد اور مسلم قوم کے لیے یہ ہرگز زیبا نہیں کہ املاک اور تنگدستی کے خطرہ کی بناء پر مشرکین عرب کی طرح (خفی) میں مبتلا ہو، نیز جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین جن کی عاقبت اندیشی، ہمدردی اور شفقت علی الخلق میں کوئی شبہ نہیں ہے انہوں نے عرب جیسے ریگستان اور بے آب وگیاہ ملک میں تحدید النسل کا حکم یا مشورہ نہ دیا حالانکہ وہاں قحط کا خطرہ بلکہ اس کا متحقق ہونا ان کو محسوس تھا بلکہ بجائے تحدید کے تکثیر نسل کا مشورہ دیتے ہوئے فرمایا: تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الامم۔ تو ایک مسلمان معاشرہ کے لیے یہ کب زیبا ہو سکتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اتباع چھوڑ کر ہر معاملہ میں مغرب کی اندھی تقلید کرے اور تقلید بھی اس درجہ کی کہ اگر آج ہی مغرب کی طرف سے تکثیر نسل کا اشارہ ہو جائے تو فوراً اس کے صواب اور حق ہونے پر مُصر ہوں گے۔

الغرض اس مسئلہ کا حل اقتصادی وعمرانی نقطۂ نظر سے تحدید نسل نہیں جو اللہ تعالیٰ کی شانِ رزاقیت پر اعتماد اور توحید کے خلاف ہے، بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین اور کائنات میں رزق ومعاش کے جو بے انتہا اور بے عدو حساب خزانے ودیعت فرمائے ہیں خدا کی عطا کی ہوئی عقل وادراک سے کام لے کر رزق بڑھانے اور زیادہ سے زیادہ پیداوار فراہم کرنے کے ذرائع اور طریقے اختیار کیے جائیں، بنجر زمین کو قابلِ کاشت بنایا جائے، زمینداروں کی زرعی ترقی کے لیے جدید طریقوں سے راہنمائی کی جائے، زمین کی غیر ضروری پیداوار از قسم تمباکو، افیون وغیرہ کی تحدید یا ان کا خاتمہ کیا جائے جس پر انسان کی بنیادی ضروریات کا کوئی مدار نہیں۔

اس تمہیدی بحث کے بعد بالترتیب آپ کے سوالوں کے جوابات مختصراً عرض کئے جاتے ہیں:-

الف۔ حاکمانہ اور جبری طور سے، نیز ہمہ گیر اور اجتماعی تحریک کے طور سے ناجائز ہے۔ اور بلا جبر واکراہ انفرادی طور سے کسی شدید ضرورت کی بناء پر جائز ہے۔

ب۔ جائز تو ہے مگر خلافِ اولیٰ ہے لیکن یہ جواز بھی اس وقت ہے جبکہ یہ امر مفاسد پر مشتمل نہ ہو جو مباحاتِ مفاسد کا ذریعہ بنیں وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں ناجائز ہیں، اسی طرح کے

محرکات اور بواعث بھی از روئے شرع مذموم نہ ہوں۔

ج۔ ضرورت مند اور معذور اشخاص کے لیے عزل جائز ہے اور اہلِ مغرب کی تقلید کی وجہ سے یا اقتصادی نقطۂ نگاہ سے ناجائز ہے جیسا کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا، اور جو لوگ اسے ایک تحریک کی شکل دے رہے ہیں ان کے نزدیک اس ایک معاشی مسئلہ کا حل ہونا ذہنی غلامی کا ثبوت ہے۔

د۔ ضرورتمند اور معذور کے لیے انفرادی طور پر بلا جبر و اکراہ جائز ہیں جبکہ مفاسد پر مشتمل نہ ہوں، لیکن مفاسد پہ اشتمال یقینی ہے، اس لیے اسے تحریک کی شکل میں چلانا بہر حال ناجائز ہے۔

ہ۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رزاقیت اور صفتِ تقدیر سے غفلت اور کثرتِ زنا کی لعنت اس کے اہم مفاسد ہیں جن کا تدارک اگرچہ زبانی طور سے تو ممکن ہے لیکن عملی طور سے ناممکن ہے۔

س۔ صاحب عذر اور ضرورت مند کے لیے دوسرے طرق بھی انفرادی طور پر جائز ہیں البتہ جو طریقے مفاسد پر مشتمل ہوں، جیسے نس بندی کی صورت یا مستقل طور پر فوتِ تولیدِ زوج یا زوجہ کا خاتمہ کرانا جو از قبیل تغییرِ خلق اللہ بھی ہے، اس کا ارتکاب ناجائز ہے اس قسم کے مفاسد پر اشتمال ضروری ہے، لہٰذا ہم اس تحریک کے جواز کا فتویٰ نہیں دے سکتے ہیں۔ اور جو لوگ نصوصِ کتاب وسُنت اور فقہائے کرام کے اقوال و آراء کو کھینچ تان کر اپنی مطلب برآری کے لیے اس تحریک کا جواز ڈھونڈنا چاہتے ہیں ان کی تحقیقات کا (جو کہ دراصل تاویل و تحریف ہے) کوئی اعتبار نہیں۔

جند بیدستر کو ادویات میں استعمال کرنا

سوال :۔ جند بیدستر جو کہ ایک دریائی جانور کے خصیوں کی منجمد خشک شدہ رطوبت ہے اور طبّی ماہرین اسے ادویات میں بکثرت استعمال کرتے ہیں، اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے کہ یہ حلال ہے یا حرام؟ جبکہ بعض اوقات اس کا استعمال متبادل دوائی نہ ملنے کی وجہ سے ناگزیر ہو جاتا ہے۔ حالانکہ امداد الفتاویٰ میں لکھا ہے کہ جند بیدستر پاک نہیں بلکہ ناپاک است اگرچہ حرام ہے۔ شریعتِ مقدسہ کی روشنی میں اس بارے میں تفصیل درکار ہے؟

الجواب :۔ دریائی جانور سب پاک ہیں، چھوٹے ہوں یا بڑے، مذبوح ہوں یا غیر مذبوح، البتہ ان میں سے سوائے مچھلی کے کسی اور کا کھانا مذہب حنفی میں درست نہیں مگر ادویات میں تمام دریائی حیوانات کا یا ان کے کسی بھی اجزاء کا خارجی استعمال درست ہے الا آنکہ مینڈک کا مارنا کراہت سے خالی نہیں۔ لورود النص فیہ۔ ہاں اگر مرا ہوا ہو تو خارجی استعمال میں کوئی حرج نہیں، یہ حکم صرف دریائی مینڈک کا ہے، جند بیدستر کا داخلی استعمال کسی کے نزدیک بھی درست نہیں۔ حنفیہ کے نزدیک تو دو وجہ سے درست نہیں، ایک تو اس لیے کہ جند دریائی جانور ہے، دوسرے اس لیے کہ یہ خُصیہ ہے جس کی ممانعت حدیث میں منصوص ہے اور دیگر ائمہ کے نزدیک صرف اخیر وجہ سے اور بوجہ پاک ہونے کے خارجاً درست ہے، عطر میں ڈالنا جائز ہے۔ (اصلی طبّی جوہر ص۱۰۴ از حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ)

وفی الهندیة: (واما حکمها) فطهارة المذبوح وحل اکله من الماکول و طهارة غیر الماکول للانتفاع لابجهة الاکل۔ (الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۲۰۶ کتاب الذبائح۔ الباب الاول) [1]

---

[1] وفی الهندیة: الحیوان فی الاصل نوعان نوع یعیش فی البحر و نوع یعیش فی البر اما الذی یعیش فی البحر فجمیع ما فی البحر من الحیوان یحرم اکله الا السمك خاصة فانه یحل اکله الخ (الفتاوی الهندیة ج۵ ص۲۸۹ کتاب الذبائح۔ الباب الثانی فی بیان ما یوکل لحمه من الحیوان وما لا یوکل)

باب اللباس

(لباس کے احکام و مسائل)

سونے چاندی کی گھڑی پہننا

سوال:۔ سونے، چاندی یا لوہے اور تانبے کی بنی ہوئی گھڑی پہننا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ گھڑی اگر خالص سونے یا چاندی کی بنی ہوئی ہو تو مردوں کے لیے اس کا استعمال کرنا جائز نہیں لیکن اگر اندر سے سونا یا چاندی کی ہو اور باہر سے لوہا وغیرہ کی ہو تو مرد و زن کے لیے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس لیے کہ لوہے وغیرہ کا استعمال صرف انگوٹھی میں ممنوع ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: (ولا یتحلی) للرجل (بذهب و فضة) مطلقاً ....ولا یتختم الا بالفضة لحصول الاستغناء بها فیحرم (بغیرها کحجر) وذهب وحدید و صفر) ورصاص وغیرها لما مر فاذا ثبت کراهة لبسها للتختم۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۳۵۹ کتاب الحظر والاباحة۔فصل فی اللبس)[1]

عورتوں کے لیے سفید کپڑے پہننے کا حکم

سوال:۔ خواتین کے لیے رنگین کپڑوں کے علاوہ سفید کپڑے زیب تن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامیہ میں عورتوں کے لیے کسی خاص رنگ کے کپڑے پہننے کی کوئی پابندی نہیں تاہم ان کے لیے ایسے لباس سے اجتناب ضروری ہے جس سے مردوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہو۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وکره لبس المعصفر والمزعفر والاحمر والاصفر للرجال)

---

[1] قال العلامة ابوالبرکات النسفیؒ: ولا یتحلی للرجل بالذهب والفضة الا بالخاتم.....و حرم التختم بالحجر والحدید والصفر والذهب۔ (کنز الدقائق ص۴۲۲ کتاب الکراهیة فصل فی اللبس.

وَمِثْلُهٗ فی الجوهرة النیرة ج۲ ص۳۸۳ کتاب الحظر والاباحة۔

مفادہٗ انہٗ لا یکرہ للنساء (و لا بأس بسائر الالوان ۔ الخ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۵۸ کتاب الحظر والاباحۃ ۔ فصل فی اللبس) [1]

خواتین کا باریک لباس پہننا

سوال:۔ زمانہ حال میں اکثر خواتین اتنا باریک لباس زیب تن کرتی ہیں جس میں ان کے جملہ اعضاء نمایاں نظر آتے ہیں اور بعض اوقات ان پر کسی غیر محرم کی نگاہ بھی پڑ جاتی ہے۔ از روئے شرع ایسے لباس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اسلام نے خواتین کو پردے کا حکم دیا ہے اور ایسے ملبوسات کے استعمال سے منع فرمایا ہے جو بے حیائی کا موجب ہوں، لہٰذا خواتین کا ایسا لباس پہننا جس میں جسم کے پوشیدہ اعضاء کی وضاحت ہوتی ہو حرام و ناجائز ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: اقول مفادہ ان رؤیۃ الثوب بحیث یصف حجم العضو ممنوعۃ ولو کثیفاً لا تری البشرۃ منہ ۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۶۶ کتاب الحظر والاباحۃ ۔ فصل فی النظر واللمس) [2]

مردوں کے لیے تیلہ کے استعمال کا حکم

سوال:۔ خالص تیلہ جو سونے چاندی کا بنا ہو مردوں کے لیے استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ خالص تیلہ جو سونا چاندی کا بنا ہو اس سے بنی ہوئی اشیاء کا استعمال کرنا مردوں کے لیے ناجائز ہے، تاہم مروجہ تیلہ جو سونا چاندی پر مشتمل نہ ہو کی بنی ہوئی

---

[1] قال العلامۃ السید احمد الطحطاویؒ: (قولہ والمزعفر والاحمر والمعصفر) یعنی ان المزعفر بقسمیہ مکروہ واما الاصفر من غیر الزعفران فلا کراہۃ فیہ ولا بأس بسائر الالوان من الابیض والازرق والاشقر ۔ الخ
(الطحطاوی حاشیۃ الدر المختار ج ۴ ص ۱۸۰ کتاب الکراھیۃ ۔ فصل فی اللباس)

[2] رواہ الامام محمد بن اسماعیل البخاریؒ: عن ام سلمۃؓ قالت استیقظ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ۔۔۔۔ فرب کاسیۃ فی الدنیا عاریۃ فی الآخرۃ ۔
(الصحیح البخاری ج ۱ ص ۲۲ باب العلم والعظمۃ باللیل)
ومثلہٗ فی تبیین الحقائق ج ۶ ص ۱۷ کتاب الکراھیۃ ۔ فصل فی اللبس ۔

اشیاء کا استعمال مردوں کے لیے درست ہے۔

لما قال العلامۃ ابن عابدینؒ: یکرہ اَنْ یلبس الذکور قلنسوۃ من الحریر اوالذھب اوالفضۃ اوالکرباس۔ (ردّ المحتار ج۶ ص۳۵۴ کتاب الحظر والاباحۃ۔ فصل فی اللبس) [۱]

دانت جوڑنے کے لیے سونا، چاندی استعمال کرنا

سوال:۔ ٹوٹے ہوئے دانت کو جوڑنے کے لیے سونا، چاندی کا استعمال ہوتا ہے، تو کیا اس طرح سونا، چاندی کا استعمال مردوں کیلئے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ٹوٹے ہوئے دانت کو جوڑنے کے لیے سونے کا استعمال ناجائز ہے اس لیے کہ سونا مردوں کے لیے حرام ہے، تاہم صرف چاندی کا خول چڑھانے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

لما قال الامام المجتھد محمد بن حسن الشیبانیؒ: ولا تشد الاسنان بالذھب وتشد بالفضۃ۔ (الجامع الصغیر ص۳۱۹ کتاب الکراھیۃ) [۲]

لوہے کی انگوٹھی پہننے کا حکم

سوال:۔ مرد و زن کو لوہے وغیرہ کی انگوٹھی پہننا جائز ہے یا نہیں؟ نیز سونے چاندی کی انگوٹھی کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ لوہے کی انگوٹھی مرد و زن کو پہننا مکروہ ہے اور سونے کی انگوٹھی صرف مردوں کیلئے پہننا حرام ہے جبکہ چاندی کی انگوٹھی بمقدار ماذون جائز ہے اور خواتین کے لیے مطلقاً جائز ہے تاہم محتاج الیہ کے علاوہ مردوں کو انگوٹھی پہننا مستحسن نہیں۔

لما قال الامام عبد اللہ بن محمود الموصلیؒ: و یجوز للنساء التحلی بالذھب والفضۃ

---

[۱] لما فی الھندیۃ: یکرہ ان یلبس الذکور قلنسوۃ من الحریر والذھب والفضۃ والکرباس۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۳۳۲ الباب التاسع فی اللبس۔الخ)
وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی السراجیۃ ص۷۵ کتاب الکراھیۃ۔

[۲] قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاریؒ: ویشد الانسان بالفضۃ ولا یشدھا بالذھب۔ (خلاصۃ الفتاوی ج۴ ص۳۷ کتاب الکراھیۃ۔ الفصل السابع فی اللبس)
وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی الکاملیۃ ص۲۶۱ کتاب الکراھیۃ۔

ولا یجوز للرجال الا الخاتم ..... من الفضة (وقال فی شرح کتابہ) ثم التختم سنة لمن یحتاج الیہ کالسلطان والقاضی ومن فی معناهما ومن لاحاجة لہٗ الیہ فترکہ افضل ..... و یکرہ التختم بالحدید والصفر للرجال والنساء لانہٗ حلیة اهل النار وقد نهی عنہ۔
(الاختیار لتعلیل المختار ج۴ ص۱۵۹ کتاب الکراهیة. فصل فی اللباس) [1]

عورت کیلئے پازیب پہننے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آجکل بڑے گھرانوں کی خواتین میں پازیب پہننے کا رواج ہے، عورت جب پازیب پہن کر راستے میں چلتی ہے تو اس کی چھن چھن کی آواز کانوں میں پڑتی ہے جس کی وجہ سے آوارہ قسم کے لڑکے ایسی عورتوں پہ آوازے کسنے لگتے ہیں جو کہ فساد کا ذریعہ ہے، کیا شرعاً عورت کے لیے پازیب کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلام نے عورت کو حجاب (پردہ) کا حکم دیا ہے اور اُسے ہر اس عمل سے منع کیا ہے جو بے حیائی کا باعث بنتا ہو، چونکہ عورت کے پازیب پہننے میں ایک قسم کی بے حیائی ہے اور اس کی وجہ سے بعض اوقات بڑے بڑے فتنے وفساد پیدا ہو جاتے ہیں اور دوسرا یہ کہ پازیب حجاب شرعی کے بھی منافی ہے اس لیے اس کا استعمال ہر چھوٹی بڑی خاتون کے لیے ناجائز وحرام ہے۔

لما قال اللہ تعالیٰ: وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ۔
(سورۃ النور آیت ۳۱) [2]

---

[1] لما قال الامام ابو البرکات ابو عبد اللہ بن احمد النسفیؒ: ولا یتحلی الرجل بالذهب والفضة الا بالخاتم والمنطقة حلیة السیف من الفضة والا لغیر السلطان والقاضی ترک التختم بالحجر والحدید والصفر۔ (کنز الدقائق ص۴۲۳، ص۴۲۴ کتاب الکراهیة)
ومثلہٗ فی الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۳۵ الباب العاشر فی استعمال الذهب والفضة۔

[2] وعن بنانة مولاة عبد الرحمن بن حیانؓ الانصاری کانت عند عائشةؓ اذ دخلت علیها بجاریة وعلیها جلاجل یصوتن فقالت لا تدخلنها علی الا ان تقطعن جلاجلها سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا تدخل الملائکة بیتاً فیہ جرس۔ رواہ ابو داؤد
(مشکوٰۃ ج۲ ص۳۷۹ کتاب اللباس۔ باب النعال)
ومثلہٗ فی امداد الفتاوی ج۴ ص۱۳۷ کتاب الحظر والاباحة۔

بدن پر خال یا نام لکھوانا جائز نہیں

سوال:۔ پیشانی یا جسم کے کسی عضو پر خالیں بنانا یا نام کھودوانے کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ بدن پر نام گدوانا یا پیشانی پر خالیں بنانا تخلیقِ خداوندی میں تغیر کے مترادف ہے جو کہ ناجائز عمل ہے اس لیے بدن پر نام کھودوانے یا خال بنانا حرام ہے لیکن اگر ایک دفعہ نام لکھا گیا ہو تو اس کو مٹانے کے لیے چمڑا کاٹنا بھی ضروری نہیں اور اس سے وضو اور غسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے۔

لما رواہ الامام محمد بن اسماعیل البخاریؒ: عن عون بن ابی جحیفۃ عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن ثمن الدم وثمن الکلب وکسب البغی ولعن اٰکل الربٰو وموکلہ والواشمۃ والمستوشمۃ والمصوّر۔

(الصحیح البخاری ج۲ ص۸۸۱ باب من لعن المصور)[1]

بالوں کو سیاہ خضاب لگانا

سوال:۔ سفید بالوں کو سیاہ خضاب لگانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سفید بالوں خصوصاً داڑھی کو سیاہ خضاب لگانے کے متعلق فقہاء کرام کی عام روایات سے ممانعت کا رجحان غالب معلوم ہوتا ہے، جبکہ صوفیاء کے نزدیک حرام ہے اس لیے اس سے اجتناب ضروری ہے، تاہم دشمن پر رعب ڈالنے کی خاطر مجاہدین کے لیے رخصت موجود ہے۔

لما قال العلامۃ علی بن سلطان محمد القاریؒ: ذھب اکثر العلماء الی کراھۃ الخضاب بالسواد وجنح النووی الی انھا کراھۃ تحریم وان من العلماء من رخص فیہ فی الجھاد ولم یرخص فی غیرہ۔ (مرقاۃ المفاتیح ج۸ ص۳۰۴)[2]

---

[1] وله رواہ الامام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیریؒ: عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن الواصلۃ والمستوصلۃ والواشمۃ والمستوشمۃ۔ (الصحیح المسلم ج۲ ص۲۰۴ باب تحریم فعل الواصلۃ الخ)

وَمِثْلُہٗ فی سنن النسائی ج۲ ص۲۸۰ وصل الشعر بالخرق۔

[2] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (قولہ ویکرہ بالسواد) ای لغیر الحرب، قال فی الذخیرۃ أما الخضاب بسواد للغزو ویکون اھیب فی عین العدو فھو محمود بالاتفاق۔

(رد المحتار ج۶ ص۴۲۲ کتاب الحظر والاباحۃ۔ فصل فی البیع)

وَمِثْلُہٗ فی الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۳۵۹ الباب التاسع عشر فی الختان والخضاب۔

بچوں کے کانوں میں سونے کی بالیاں ڈالنا

سوال:۔ بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ چھوٹے بچوں یعنی لڑکوں کے کانوں میں سونے کی بالیاں پہنائی جاتی ہیں، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے لیے سونے اور ریشم کا استعمال ممنوع (حرام) قرار دیا ہے، البتہ عورتوں کے لیے یہ جائز ہے۔ اس لیے سونے کا استعمال جیسے بالغ مردوں کے لیے ممنوع (حرام) ہے اسی طرح نابالغ بچوں (لڑکوں) کے کانوں میں سونے کی بالیاں ڈالنا بھی ممنوع وحرام ہے اور اس کا وبال والدین یا سرپرست کے ذمہ ہوگا۔

لما ورد فی الحدیث: عن ابی موسیٰ الاشعریؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال احل الذهب والحریر للاناث من امتی احرم علی ذکورها۔

(رواہ مشکوٰۃ عن الترمذی ج۲ ص۳۷۵ کتاب اللباس الفصل الثانی)[1]

پگڑی کے شملے کی مقدار کا تعین

سوال:۔ شریعت مطہرہ میں پگڑی کے شملے کی مقدار کیا ہے اور کہاں چھوڑنا چاہیئے؟ یعنی آگے کی طرف ہو یا پیچھے کی طرف ہو؟

الجواب:۔ عمامہ (پگڑی) باندھنا سنتِ نبوی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمامہ مبارک کا شملہ اکثر پیچھے کی طرف دونوں کندھوں کے درمیان ہوتا تھا، اور شملہ کی مقدار میں فقہاء کرام کی آراء مختلف ہیں، بعض کی رائے ایک شبر ہے اور بعض کی رائے نصف الظہر ہے، اور بعض نے موضع الجلوس تک رکھنے کا قول فرمایا ہے۔

کمافی الهندیة: ندب لبس السواد وارسال ذنب العمامة بین الکتفین الی الی وسط الظهر، کذا فی الکنز: واختلفوا فی مقدار ماینبغی ذنب العمامة منهم

---

[1] قال العلامة علاؤ الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی رحمه اللہ: ومنها الذهب لان النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم جمع بین الذهب والحریر فی التحریم علی الذکور۔
(بدائع الصنائع ج ۵ ص۱۳۲ کتاب الاستحسان)

لما قال العلامة التمرتاشیؒ: وکره الباس الصبی ذهبا او حریرا فان ما حرم لبسه وشربه حرم الباسه واشرابه۔ (تنویر الابصار علیٰ صدر رد المحتار ج ۶ ص۳۶۲ کتاب الکراهیة)

من قدّر شبراً ومنهم من قال الیٰ وسط الظهر ومنهم من قال الیٰ موضع الجلوس۔
(الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۳۰ الباب التاسع فی اللبس) [1]

مسلمانوں کے لیے ٹائی باندھنا جائز نہیں

سوال:۔ بعض جدّت پسند مسلمان تعلیمی اداروں، سرکاری دفاتر یا عام معاشرہ میں ٹائی کا استعمال بڑے شوق سے کرتے ہیں، تو کیا ایک مسلمان کے لیے ٹائی باندھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ٹائی کا استعمال مسلمان کے قطعاً شایانِ شان نہیں، علماء کرام فرماتے ہیں کہ ٹائی صلیب کی نشانی ہے اور صلیب چونکہ نصاریٰ کا مذہبی شعار ہے، لہٰذا مسلمان کے لیے اس کا استعمال کفار سے مشابہت کے مترادف ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان قوم کے لیے غیر مسلموں سے مشابہت کو ممنوع قرار دیا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ قیامت کے دن آدمی اُسی قوم کے ساتھ اُٹھے گا دنیا میں جس کی مشابہت اختیار کی ہو گی، لہٰذا ٹائی کا استعمال جائز نہیں۔

لما قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ۔ (سورۃ ھود آیت ۱۱۳) [2]

دانتوں کے اردگرد چاندی کا خول لگانا

سوال:۔ بعض لوگ اپنے دانتوں کو مضبوط اور خوبصورت بنانے کے لیے

---

[1] لما قال العلامة ابن البزاز الکردریؒ: ویستحب ارسال ذنب العمامة بین کتفیه الیٰ وسط الظهر وقیل الیٰ موضع الجلوس وقیل مقدار شبرٍ۔
(البزازیة علیٰ هامش الهندیة ج۶ ص۳۶۸ کتاب الکراهیة۔ الباب السابع فی اللبس)
وَمِثْلُهٗ فی ردّ المحتار ج۶ ص۳۵۵ کتاب الکراهیة، فصل فی اللّبس۔

[2] لما ورد فی الحدیث: عن ابن عمرؓ قال قال النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم من تشبّه بقومٍ فهو منهم۔ (ابوداؤد ج۲ ص۲۰۳ کتاب اللباس)
والیضاً: عن عائشةؓ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم کان لا یترک فی بیته شیئاً فیه تصلیب الا قضبه۔ (ابوداؤد ج۲ ص۲۱۶ باب فی الصلیب فی الثوب)

ان کے ارد گرد سونے چاندی کا خول لگاتے ہیں اور وہ خول اس طریقہ پر لگایا جاتا ہے کہ اسے دوبارہ دور نہیں کیا جا سکتا، تو کیا اس طرح چاندی کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلام میں مردوں کے لیے سونے کا استعمال خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، ممنوع قرار دیا ہے، اور جہاں تک چاندی کا تعلق ہے تو شریعت نے مردوں کے لیے اس کا استعمال جائز قرار دیا ہے، لہٰذا دانتوں کی مضبوطی کے لیے چاندی کا استعمال شرعاً جائز ہے۔

لما قال العلامة ابی بکر الکاسانیؒ: اما شد السن المتحرك بالذهب کا یجوز..... ولو شدها بالفضة یجوز بالاجماع۔ (بدائع الصنائع ج۵ ص۱۳۲ کتاب الاستحسان) [۱]

داڑھی پر مہندی لگانا

سوال:۔ بعض لوگ سفید داڑھی پر مہندی لگاتے ہیں، تو کیا داڑھی پر مہندی لگانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ سر یا داڑھی کے سفید بالوں پر مہندی یا سرخ خضاب لگانا شرعاً مرخص ہے بلکہ فقہاء نے اسے مستحسن قرار دیا ہے۔

لما فی الهندیة: وعن الامام ان الخضاب حسن لکن فی الحناء والکتم والوسمة واراد به اللحیة وشعر الرأس۔ (الفتاویٰ الهندیة ج۵ ص۳۵۹ الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء) [۲]

شلوار یا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے رکھنا

سوال:۔ بعض لوگ شلوار یا پائجامہ ٹخنوں سے نیچے رکھنے کے عادی ہوتے ہیں البتہ

---

[۱] قال العلامة ابن نجیمؒ: ولا یشد الاسنان بالذهب ولو جدع انفه لا یتخذ انفاً من الذهب ویتخذها من الفضة۔ (البحر الرائق ج۳ ص۱۸۶ کتاب الکراهیة)

وَمِثْلُهٗ فی الفتاویٰ الهندیة ج۵ ص۳۳۰ الباب التاسع فی اللبس ...الخ

[۲] قال العلامة قاضی خانؒ: والخضاب بالحناء والوسمة حسن۔

(فتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الهندیة ج۳ ص۴۱۲ کتاب الکراهیة)

وَمِثْلُهٗ ورد فی الحدیث: عن عبد الله بن موهب قال دخلت علیٰ ام سلمةؓ فاخرجت الینا شعراً من شعر النبی صلی الله علیه وسلم مخضوباً۔ (الصحیح البخاری ج۲ ص۸۷۵ باب ما یذکر فی الشیب)

نماز کے دوران اوپر اٹھا لیتے ہیں، تو کیا شلوار یا پائجامہ کا اٹھانا صرف نماز تک خاص ہے یا ہر وقت ٹخنوں سے اوپر رکھنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ تکبر چونکہ باری تعالیٰ کا خاصہ ہے لہٰذا بندوں کے لیے متکبرانہ چال چلن اور لباس کا استعمال مناسب نہیں، شلوار، پائجامہ یا چادر وغیرہ ٹخنوں سے نیچے رکھنا عام طور پر تکبر اور غرور کی نشانی ہوتی ہے اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، شلوار اور پائجامہ وغیرہ جس طرح نماز میں ٹخنوں سے نیچے رکھنا حرام اور ممنوع ہے ویسا ہی نماز کے باہر بھی حرام اور ممنوع ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اسفل من الکعبین من الازار فی النار۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج۲ ص۳۹۵ کتاب اللباس) [1]

ریشمی لنگی استعمال کرنے کا حکم

سوال:۔ بعض علاقوں میں ریشمی لنگیاں (بطور پگڑی) استعمال کی جاتی ہیں، تو مردوں کے لیے ریشمی لنگیاں استعمال کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم اور سونا اپنی امت کے مردوں پر حرام فرمایا ہے اس لیے ریشم کا استعمال خواہ کپڑوں کی شکل میں ہو یا لنگی کی شکل میں ہو، حرمت میں یکساں ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن ابی موسیٰ الاشعریؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال احل الذھب والحریر للاناث من امتی وحرم علی ذکورھا۔ (مشکوٰۃ المصابیح ج۲ ص۳۷۵ کتاب اللباس۔ الفصل الثانی) [2]

---

[1] لما فی الھندیۃ: ینبغی ان یکون الازار فوق الکعبین الی نصف الساق وھذا فی حق الرجال واما النساء فیرخین ازارھن اسفل من کعب یستتر ظھر قدمھن۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج۵ ص۳۳۳ الباب التاسع فی اللبس)
ومِثلُہٗ فی الصحیح البخاری ج۲ ص۸۶۱ کتاب اللباس، باب من جر ازارہ من غیر خیلاء۔

[2] قال ابن نجیم المصریؒ: حرم للرجل لا للمرءۃ لبس الحریر الا قدر اربع اصابع۔
(البحر الرائق ج۸ ص۱۸۹ کتاب الکراھیۃ، فصل فی اللبس)
ومِثلُہٗ فی تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۳۵۱ کتاب الکراھیۃ۔ فصل فی اللبس۔

سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا

سوال: آجکل بعض لوگ کھانے پینے کے لیے ایسے برتن استعمال کرتے ہیں جو کہ چاندی یا سونے کے بنے ہوتے ہیں، کیا از روئے شریعت ایک مسلمان کے لیے ایسے برتنوں کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سادگی اور بے تکلفی کا مظہر ہیں، سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا پینا تکلف اور تکبر کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا ہے لہٰذا ایسے برتنوں کا استعمال جائز نہیں۔

عن حذیفۃؓ قال نہانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تشرب فی آنیۃ الذھب والفضۃ وان ناکل فیھا وعن لبس الحریر والدیباج وان نجلس علیہ۔
{الصحیح البخاری ج۲ ص۸۶۸ کتاب اللباس
باب مس الحریر من غیر لبس}

عورتوں کے لیے لوہے کی انگوٹھی کا استعمال جائز نہیں

سوال: بعض عورتیں سونے چاندی کے زیورات کے علاوہ لوہے یا دیگر دھاتوں کے زیورات مثل انگوٹھی وغیرہ بھی استعمال کرتی ہیں، کیا عورتوں کیلئے لوہے وغیرہ کی انگوٹھی استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اسلام میں خواتین کے لیے سونے چاندی کے زیورات کا استعمال اگرچہ مشروع ہے لیکن اس کے علاوہ لوہے، پیتل وغیرہ دھاتوں کی انگوٹھی اور دیگر زیورات کا استعمال کرنا جائز نہیں؟

قال العلامۃ التمرتاشیؒ: ولا یتختم بغیرھا کحجرٍ وذھبٍ وحدیدٍ وصفرٍ ورصاصٍ وزجاجٍ وغیرھا لما مر۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۳۶۰ کتاب الکراھیۃ۔ فصل فی اللبس)[۲][۱]

---

[۱] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وکرہ الاکل والشرب والادھان والتسطیب فی اناء ذھب وفضۃ للرجال والنساء۔ (البحرالرائق ج۸ ص۱۸۵ کتاب الکراھیۃ) ــــ ومثلہ فی بدائع الصنائع ج۵ ص۱۳۰ کتاب الاستحسان۔

[۲] قال فی الھندیۃ: والتختم بالحدید والصفر والنحاس مکروہ للرجال والنساء فافھم۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۵ ص۳۳۵ الباب العاشر فی استعمال الذھب والفضۃ) ــــ ومثلہ فی البحرالرائق ج۸ ص۱۹۱ کتاب الکراھیۃ۔ فصل فی اللبس۔

کپڑوں میں سونے کے بٹن استعمال کرنا

سوال :۔ کپڑوں میں اگر عام بٹن کی بجائے سونے کے بٹن استعمال کیے جائیں تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ اسلام میں مردوں کے لیے سونے اور ریشم کا استعمال ممنوع قرار دیا گیا ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے مردوں پران دونوں (ریشم اور سونے) کا استعمال حرام قرار دیا ہے، لیکن فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ مرد اگر حریر یعنی ریشم یا سونے کے بٹن کپڑوں میں استعمال کرے تو اگرچہ یہ اسراف ہے لیکن حرام نہیں ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ : وفی التاتارخانیة عن السیر الکبیر لابأس بازرار الدیباج والذهب ۔ (الدر المختار علیٰ هامش رد المختار ج ۵ ص ۲۲۵ کتاب الحظر والاباحة۔ فصل فی اللبس) [۱]

مرد کے لیے سونے کی انگوٹھی استعمال کرنا

سوال :۔ بعض علاقوں میں مرد بھی سونے کی انگوٹھی استعمال کرتے ہیں خصوصاً شادی کے موقع سسرال والوں کی طرف سے لڑکے کو بطور تحفہ سونے کی انگوٹھی دی جاتی ہے تو کیا مردوں کے لیے ایسی انگوٹھی کا استعمال مشروع ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے اور ریشم کو اپنی اُمت کے مردوں پر حرام قرار دیا ہے، سونا خواہ انگوٹھی کی شکل میں ہو یا دیگر زیورات کی شکل میں ہو مردوں کے لیے حرام ہے، لہٰذا اسلام میں مردوں کے لیے سونے کے استعمال کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

لما قال فی الهندیة :التختم بالذهب حرام فی الصحیح کذا فی الوجیز لکردری۔
(الفتاوی الهندیة ج ۵ ص ۳۳۵ الباب العاشر فی استعمال الذهب والفضة) [۲]

---

[۱] قال العلامة برهان الدین المرغینانی رحمه الله : ولا بأس بمسمار الذهب یجعل فی حجر الفص ای فی ثقبه لانه تابع کالعلم فی الثوب فلا یعد لابساله ۔
(الهدایة ج ۴ ص ۴۵۵ کتاب الکراهیة ۔فصل فی اللبس)

[۲] قال العلامة ابن نجیمؒ : التختم بالذهب حرام ۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۹۰ کتاب الکراهیة ،فصل فی اللبس)
ومثله فی البزازیة علیٰ هامش الهندیة ج ۶ ص ۳۶۸ کتاب الکراهیة فصل السابع فی اللبس۔

چاندی کی انگوٹھی کا بلاضرورت استعمال مناسب نہیں

سوال:۔ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ چاندی کی انگوٹھی کی اجازت صرف قاضی یا حاکم ہے ہر شخص کے لیے اس کی اجازت نہیں، کیا واقعی چاندی کی انگوٹھی صرف حاکم اور قاضی کے لیے مشروع ہے یا ہر شخص اس کو استعمال کر سکتا ہے؟

الجواب:۔ حاکم اور قاضی کو چونکہ دستاویزات وغیرہ پر مہر لگانے کی ضرورت ہوتی ہے اور پہلے زمانے میں یہ مہریں انگوٹھی میں ہوا کرتی تھیں اسلئے وہ ایسی انگوٹھی استعمال کرتے تھے لیکن فقہاء نے فرمایا ہے کہ قاضی اور حاکم کے علاوہ دوسرے لوگ بھی استعمال کر سکتے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ بلاضرورت استعمال نہ کیا جائے اور استعمال کی صورت میں زینت اور تکبر کی نیت سے بھی احتراز کیا جائے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وان تختم بالفضة قالوا ان قصد به یکره وان قصد به الختم ونحوه لا یکره۔ (رد المحتار ج۶ ص۳۵۹ کتاب الکراهیة۔ فصل فی اللبس)[1]

سٹیل اور لوہا وغیرہ کے زیورات کا استعمال کرنا

سوال:۔ آجکل بعض لوگ سونے چاندی کے علاوہ سٹیل، لوہا اور جسِت وغیرہ کے زیورات استعمال کرتے ہیں، کیا اس قسم کے زیورات کا استعمال شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: شریعتِ مطہرہ میں عورتوں کے لیے سونے اور چاندی کے ہر قسم کے زیورات استعمال کرنا جائز ہے جبکہ مردوں کے لیے صرف چاندی کا استعمال مشروع قرار دیا گیا ہے اور سونا چاندی کے علاوہ دیگر دھاتوں کے زیورات کا استعمال مکروہ ہے لہٰذا ایسے زیورات استعمال نہیں کرتے چاہئیں۔

لما قال فی الهندیة: والتختم بالحدید والصفر والنحاس مکروه للرجال والنساء فافهم۔
(الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۳۵ الباب العاشر فی استعمال الذهب والفضة)[2]

---

[1] لما فی الهندیة: یجوز التختم بالفضة اذا کان علی هیئة الرجال اما اذا کان علی هیئة النساء یکره...... ویکره للرجل بما سوی الفضة۔

(الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۳۵ الباب العاشر فی استعمال الذهب والفضة)

وَمِثْلُهٗ فی البزازیة علی هامش الهندیة ج۶ ص۳۶۸ کتاب الکراهیة السابع فی اللبس۔

[2] لما قال العلامة التمرتاشیؒ: ولا یتختم بغیرها کحجر وذهب وحدید وصفر ورصاص وزجاج وغیرها بما مر۔ (تنویر الابصار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۳۶۰ کتاب الکراهیة فصل فی اللبس)

وَمِثْلُهٗ فی البحر الرائق ج۸ ص۱۹۱ کتاب الکراهیة۔ فصل فی اللبس۔

عورتوں کا مردوں جیسے بال بنانا

سوال :۔ آجکل بعض خواتین مردوں جیسے بال بنواتی ہیں اور اسے ایک فیشن سمجھا جاتا ہے تو کیا عورتوں کے لیے ایسا کرنا شرعاً جائز ہے ؟

الجواب :۔ اسلام نے مردوں کو عورتوں کے ساتھ اور عورتوں کو مردوں کے ساتھ مشابہت سے منع کیا ہے اور ایسا کرنے والوں کو لعنت کا مستحق قرار دیا ہے، اس لیے خواتین کا ایسی ہیئت بنانا جس میں مردوں کے ساتھ مشابہت ہو ناجائز و حرام ہے ۔ اسی طرح خواتین کا ایسے بال بنانا بھی حرام اور موجبِ لعنت ہے جس میں مردوں کے ساتھ مشابہت ہو۔

لما ورد فی الحدیث : عن ابن عباسٍ رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال۔

(مشکوٰۃ المصابیح ص۳۸۰ کتاب النکاح ۔ باب الترجل) [1]

بڑے بڑے ناخن رکھنا

سوال :۔ آجکل بڑے بڑے ناخن رکھنے کا رواج ہے خصوصاً خواتین فیشن کے طور پر بڑے بڑے لمبے ناخن رکھتی ہیں ۔ تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ شریعتِ مقدسہ نے ناخن وغیرہ کٹوانے کو امورِ فطرت میں شمار کیا ہے اور اس کے لیے دن بھی مقرر کیے ہیں، یعنی ہفتہ میں ایک بار کٹوانا مستحب اور پندرہ دنوں کے بعد جائز جبکہ چالیس دن سے زیادہ تاخیر کرنا مکروہ ہے، جس کی وجہ سے انسان گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔ اس لیے خواتین اور مردوں کے لیے فیشن کے طور پر لمبے ناخن رکھنا مکروہ ہے ۔

قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ : (ویستحب قلم اظافیرہ یوم الجمعۃ) وکونہ بعد الصلوٰۃ افضل الا اذا اخرہ الیہ تاخیراً فاحشاً فیکرہ لان من

---

[1] وفی صحیح البخاری : عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم المتشبھین من الرجال بالنساء والمتشبھات من النساء بالرجال ۔

(صحیح البخاری ج ۲ ص۸۷۴ کتاب اللباس ۔ باب المتشبھین بالنساء والمتشبھات بالرجال)

ومثلہٗ فی سنن ابی داؤد ج ۲ ص۲۱۰ کتاب اللباس ۔ باب فی لباس النساء۔

كان ظفره طويلاً كان رزقه ضيقاً الخ ۔ (تنویر الابصار مع شرحه الدر المختار ج ۵ ص۲۸۷ کتاب الخطر والاباحة ۔ فصل فی النظر والمس) [1]

غیر ضروری بالوں کی صفائی کے بال صفا پاؤڈر استعمال کرنا

سوال:۔ کیا مردوں کے لیے غیر ضروری بال اُسترے سے صاف کرنا ضروری ہے یا بال صفا پاوڈر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مردوں کے لیے غیر ضروری بال اُسترے سے صاف کرنا لازمی ہے اور یہی مسنون طریقہ ہے، اس مقصد کے لیے ایسے کیمیکل پاؤڈر استعمال کرنا (جن سے بال صاف ہو جائیں) اگرچہ مرخص ہے مگر کراہت سے خالی نہیں، تاہم خواتین کو استعمال کرنے کی اجازت ہے۔

قال العلامة عبد الحی اللکھنویؒ: ھل یجوز قطع شعر العانة بالمقراض؟ الاستبشار ھو خلاف السنة ۔ قال الملا علی القاریؒ فی المرقاة: قال ابن الملك لو ازال شعرها بغیر الحلق لا یکون علی وجه السنة وفیه ان ازالته قد یکون بالنورة وقد ثبت انه علیه الصلوٰة والسلام استعمل النورة علی ما ذکره السیوطیؒ فی رسالته نعم لو ازالها بالمقراضة لا یکون آتیا للسنة علی وجه الکمال ۔ واللہ اعلم

(نفع المفتی والسائل ص۱۳۰،۱۳۱ کتاب الخطر والاباحة ۔ مایتعلق بالنوم والقیام ...الخ) [2]

---

[1] وفی الهندیة: الافضل ان یقلم اظفاره ویخفی شاربه ویحلق عانته وینظف بدنه بالاغتسال فی کل اسبوع مرة فان لم یفعل ففی کل خمسة عشر یوماً ولا یعذر فی ترکه وراء الاربعین فالاسبوع ھو الافضل الخ ۔ (الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۵۷ کتاب الکراهیة ۔ الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء الخ)
وَمِثْلُهٗ فی فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج۳ ص۴۱۱ کتاب الخطر والاباحة فصل فی الختان

[2] الافضل ان یقلم اظفاره ویخفی شاربه ویحلق عانته ...... وبعد اسطر قال ویبتدئ فی حلق العانة من تحت السرة ولو عالج بالنورة فی العانة یجوز ۔
(الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۵۷، ۳۵۸ کتاب الکراهیة ۔ الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء الخ)
وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار ورد المحتار ج۵ ص۲۸۸ کتاب الخطر والاباحة ۔ فصل فی البیع ۔

مصنوعی بھنویں (ابروم) بنانے کا حکم

سوال:۔ آجکل بعض خواتین زیبائش کے لیے مصنوعی طریقہ سے بھنویں (ابرو) بناتی ہیں جس میں چھوٹے بلکہ بعض بڑے بالوں کو کسی طریقہ سے نکال دیتی ہیں، کیا ان کے لیے ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی عورت پر لعنت فرمائی ہے جو اپنے بدن کو گوندتی ہے یا اپنے بالوں کے ساتھ دوسرے بال لگاتی ہے، چونکہ زیب و زینت کے لیے بھنویں بنانے میں بھی ان امور کا ارتکاب ہوتا ہے اس لیے خواتین کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن ابن عمرؓ قال لعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الواصلۃ والمستوصلۃ والواشمۃ والمستوشمۃ۔ (الصحیح البخاری ج۲ ص۸۷۹ کتاب اللباس) [۱]

عورتوں کے چہرے پر سیاہ بال نکل آنے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی عورت کے چہرے پر مردوں کی طرح سیاہ بال نکل آئیں تو کیا وہ ان کو صاف کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کسی عورت کے چہرے پر غیر معتاد بال نکل آئیں جس کی وجہ سے اس کا حسن و جمال متاثر ہوتا ہو تو فقہاء کرام نے اس کی اجازت دی ہے کہ وہ اپنے چہرے سے غیر معتاد سیاہ بال صاف کرسکتی ہے۔

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: تحت قولہ (والنامصۃ التی تنتف الشعر من الوجہ) ولعلہ محمول علی ما اذا فعلتہ للتزین للاجانب والا فلو کان فی وجہھا شعر ینفر زوجھا عنھا بسببہ ففی تحریم ازالتہ بعد لان الزینۃ للنساء مطلوبۃ للتحسین الا ان یحمل علی ما لا ضرورۃ الیہ لما فی نتفہ بالنماص من الایذاء وفی تبیین المحارم ازالۃ الشعر من الوجہ حرام الا اذا نبتت للمرأۃ لحیۃ او شوارب فلا تحرم ازالتہ بل تستحب الخ (رد المحتار ج۵ ص۲۶۴ کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی النظر والمس) [۲]

---

[۱] قال الحصکفیؒ: ووصل الشعر بشعر الآدمی حرام سواء کان شعرھا او شعر غیرھا لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم لعن اللہ الواصلۃ والمستوصلۃ والواشمۃ والمستوشمۃ والواشرۃ والمستوشرۃ والنامصۃ والمتنمصۃ الخ (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ج۵ ص۲۶۳، ۲۶۴ کتاب الحظر والاباحۃ۔ فصل فی النظر والمس) ومثلہ فی الھندیۃ ج۵ ص۳۵۸ کتاب الکراھیۃ۔ الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء وقلم الاظفار۔ الخ

[۲] قال العلامۃ عبدالحی الکھنویؒ: الاستفسار: لو نبتت للمرأۃ لحیۃ ماذا تفعل؟ الاستبشار: یستحب نتفھا وحلقھا الخ۔ (نفع المفتی والسائل ص۱۰۶ کتاب الحظر والاباحۃ۔ ما یتعلق بالنساء من الحیض والنفاس)

وسمہ استعمال کرنے کا حکم

سوال، جناب مفتی صاحب (۱) میں بوائے سکاؤٹس تھارمالاکنڈ ایجنسی کے شعبۂ تعلیمات سے وابستہ ہوں، ۱۱ر جون ۱۹۶۵ء کو جمعہ کی نماز کے مسائل بیان کرتے ہوئے ایک عالمِ دین نے خضاب (وسمہ) کی ممانعتِ شرعی کے بارہ میں بھی فرمایا، بعد میں ایک آدمی نے اس کی دلیلِ قطعی اور حوالۂ کتاب کے بارے میں پوچھا ہم نے اپنی معلومات کے مطابق جلالین شریف کے حاشیہ سے کسی حد تک ثابت کیا (پارہ ۵ رکوع ۱۸) مگر قطعی جواب کے لیے آنجناب سے رجوع کر رہے ہیں۔ امید واثق ہے کہ آنجناب اس بارے میں شرعی فیصلہ (حکم) سے آگاہ فرمائیں گے۔

(۲) انگریزی طرز کے بال کٹوانے، داڑھی منڈانے یا کتروانے کے بارے میں شریعتِ مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب (۱): علماء محققین کی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ خضاب کرنا سرخ یا زرد یا اور کسی رنگ کا سوائے سیاہی خالص کے مستحب ہے، اور خضاب نہ کرنا اور سفیدی قائم رکھنا بھی جائز ہے اور سیاہ خضاب ممنوع اور گناہ ہے۔ فتاویٰ قاضیخان میں ہے۔ الخضاب بالحناء حسن۔ انتہیٰ۔ اور صحیح مسلم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ غیروا ھٰذا الشیب واجتنبوا السواد۔ یعنی تغیر کرو سفیدی کو اور اجتناب کرو سیاہی سے۔ اور سنن ابی داؤد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: یکون فی آخر الزمان قوم یخضبون بالسواد کحواصل الحمام لا یجدون رائحۃ الجنۃ۔ یعنی آخر زمانہ میں ایسے لوگ ہوں گے جو سیاہ خضاب کریں گے مثل رنگ کبوتر کے سینہ کے، وہ لوگ جنت کی خوشبو کو بھی نہ پائیں گے ـــ اور معجم الطبرانی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے: من خضب بالسواد سود اللہ وجہہ یوم القیمۃ انتہیٰ۔ یعنی جو شخص سیاہ خضاب کرے گا قیامت کے روز وہ روسیاہ محشور ہوگا ـــ اور شیخ محدث دہلویؒ شرح مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں: خضاب بحنا بالاتفاق جائز است ومختار در سواد حرمت است۔ انتہیٰ ـــ اور مؤطا امام محمدؒ میں ہے: لا نری بالخضاب بالوسمۃ والحناء والصفرۃ باساً وان ترکہ ابیض فلا باس بذلک کل ذلک حسن۔ انتہیٰ

(۲) داڑھی کی مقدار کے بارہ میں بعض قوی اور مشہور روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ

داڑھی کو اپنی حالت میں چھوڑ دیا جائے ۔حدیث شریف میں ہے : عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اعفوا اللحیٰ واحفوا الشوارب ۔(ترمذی ج۲ ص۱۰۱) یعنی داڑھی کو بڑھاؤ اور مونچھوں کو کٹواؤ ــــ اس کے علاوہ ابن عمرؓ کی دوسری روایت میں ہے ۔عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر باحفاء الشوارب واعفاء اللحیٰ ــــ امام ترمذیؒ نے دونوں روایات کو حسن اور صحیح کہا ہے اور ان کے رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے ــــ احادیث داڑھی کی مقدار کے بارہ میں مطلق ہیں، اور مطلق اعفاء (بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے) جس سے داڑھی لمبی کرنے کا مسنون اور مامور بہ ہونا معلوم ہوتا ہے ۔اس کے مقابلہ میں امام ترمذیؒ نے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے : ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یأخذ من لحیتہ من عرضھا وطولھا ۔(الحدیث) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی کو طول وعرض سے کٹواتے تھے ۔ اس روایت کو امام ترمذیؒ نے حدیث غریب کہہ کر اس کی سند پر جرح بھی کی ہے ۔اس کے علاوہ خود ابن عمرؓ اور ابوہریرہؓ کے بارہ میں بھی منقول ہے کہ وہ مٹھی سے زیادہ کٹواتے تھے ۔ (ابوداؤد ، نسائی ، ابن ابی شیبہ)

بہرحال ان تمام روایات واقوال کو سامنے رکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی داڑھی کو کٹوانا بھی چاہے تو مٹھی بھر سے زیادہ کو کٹوا سکتا ہے اور مٹھی بھر سے کم کرنا بالاتفاق حرام ہے ۔اور اگر کوئی حضرت ابن عمرؓ کی مذکورہ بالا روایات پر عمل کرنا پسند کرے تو مٹھی سے بڑھا بھی سکتا ہے، دونوں صورتیں سنت کے خلاف نہیں ہیں ۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لمعات شرح مشکوٰۃ میں مٹھی بھر سے زیادہ بال کٹوانے کے بارہ میں فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص داڑھی کو مٹھی سے زیادہ کاٹ دے تو جائز ہے، کیونکہ حضرت ابن عمرؓ سے ایسا کرنا ثابت ہے ۔

امام شعبیؒ اور امام ابن سیرینؒ بھی اس کو پسند کرتے تھے جس سے مٹھی سے زیادہ کا کٹوانا جائز معلوم ہوتا ہے ۔دوسری طرف بعض سلف داڑھی بڑھانے اور لمبا کرنے کو پسند کرتے تھے ۔ جیسے حضرت حسن بصریؒ ،حضرت قتادہؓ ،حضرت عثمانؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے بارہ میں بھی یہی منقول ہے ۔یہاں تک کہ امام غزالیؒ نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں تصریح کی ہے : وکان یعفی لحیتہ ویأخذ شاربہ، کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی مبارک بڑھاتے تھے ۔

اور مونچھ مبارک کٹواتے تھے۔ (احیاء العلوم جلد۲ ص۳۸۳)

شیخ ابو بکر مالکیؒ شرح ترمذی میں فرماتے ہیں، ان ترک لحیتہ فلاحرج علیہ۔
(شرح ابی بکر مالکیؒ ج۱۰ ص۲۱۹)

ملا علی قاریؒ جو احناف کے بلند پایہ امام ہیں، نے ابن الملک کی ایک روایت میں داڑھی بڑھانے کو مختار اور بہتر کہا ہے: قال ابن الملک اما الاخذ من اطراف اللحیۃ من طولہا و عرضہا لتناسب محسن لکن المختار ان لا یاخذ منہا شیئاً۔ (نفع قوت المغتذی حاشیہ ترمذی ج۲ ص۱۰)

اسی طرح شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ کے بارہ میں بھی حاشیہ مذکور میں ہے:
قال عندی اخذ اللحیۃ ما فوق القبضۃ جائز لکن الاولیٰ ترکہا۔

خلاصہ یہ کہ ان روایات اور اقوال سے داڑھی کا بڑھانا اور لمبا کرنا ہی افضل اور بہتر و مسنون معلوم ہوتا ہے۔ اور جن روایات سے مٹھی سے زائد کا کٹوانا معلوم ہوتا ہے وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہیں، روایات میں تعارض نہیں ہے۔ حضرت الاستاذ شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس اللہ سرہ العزیز اعفاء اللحیۃ کو اطلاق پر حمل کر کے اس کو بڑھانا ہی افضل اور بہتر سمجھتے تھے اور مٹھی بھر سے زیادہ نہیں کٹواتے تھے۔ کئی صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور مشائخؒ کا نمونہ ان کے سامنے موجود تھا۔ جس کی وجہ سے بعض علماء کرام نے مٹھی بھر ہی کو قدر مسنون کہہ کر اسے افضل قرار دیا ہے مگر انہوں نے بھی بڑھانے کو ناجائز نہیں کہا۔

(۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ من تشبّہ بقومٍ فھو منہ۔ آپ کے اس فرمان کے مطابق انگریزی بال رکھنا ناجائز ہے کیونکہ اس میں غیر مسلم قوم کے ساتھ تشبّہ ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

پی ٹی (P.T) میں نیکر پہننے کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! بندہ پی اے ایف (PAF) رسالپور میں ملازم ہے جہاں تمام ملازمین نیکر پہن کر پی ٹی (فوجی مشقیں) کرتے ہیں جس سے ران وغیرہ ننگے ہوتے ہیں۔ میں نے افسرانِ بالا کو درخواست دی کہ چونکہ نیکر میں پردہ نہیں رہتا اور اسلام کا حکم یہ ہے کہ ناف سے لے کر گھٹنوں تک مخفی ہونا چاہیے، اس لیے مجھے پی ٹی (PT) کے موقعہ پر پتلون پہننے کی اجازت دی جائے۔ جواب میں مجھے یہ کہا گیا کہ اس کے لیے قرآن مجید یا حدیث شریف سے حوالہ پیش کروں۔ آپ سے

استدعا ہے کہ جلد از جلد قرآن وحدیث کی روشنی میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں اور اگر مناسب سمجھیں تو ایک سے زائد احادیث کا حوالہ بھی دے دیں۔ واضح ہو کہ نیکر ہم اپنی خوشی سے نہیں پہنتے بلکہ کھیل کود یا بعض دیگر فوجی مشقوں میں نیکر پہننا گورنمنٹ نے لازمی قرار دے رکھا ہے۔ امید ہے اس اہم شرعی مسئلہ میں آپ ضرور راہنما فرمائیں گے۔

الجواب:۔ مسلمان کے لیے ستر عورت کا چھپانا ہر حالت میں فرض ہے اور بلا عذر شرعی اس کے خلاف کرنا قانونِ اسلامی کی رُو سے سخت گناہ ہے، قرآن وحدیث کی نصوص اس پر شاہد ہیں۔ منجملہ ان نصوص کے خداوند قدوس کا ارشاد گرامی ہے: خذوا زینتکم (الآیۃ) ای مایواری عورتکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:۔ عن عبد الرحمٰن بن ابی سعید الخدری عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا ینظر الرجل الی عورۃ الرجل ولا المرأۃ الی عورۃ المرأۃ ولا یفضی الرجل الی الرجل فی ثوب واحدٍ ولا تفضی المرأۃ الی المرأۃ فی الثوب الواحد۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۵۴)

مسلم شریف کے ستر عورت کے باب میں جتنی احادیث رسولؐ مذکور ہیں اس کی شرح میں علامہ نووی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ اس باب میں جتنی احادیث رسولؐ ہیں ان سے یہ حکم ثابت ہوا: ففیہ تحریم نظر الرجل الی عورۃ الرجل والمرأۃ الی عورۃ المرأۃ وھذا لا اخلاف فیہ وکذلک نظر الرجل الی عورۃ المرأۃ والمرأۃ الی عورۃ الرجل حرام بالاجماع۔ آدمی کا آدمی کے عورت (ستر) کو دیکھنا اور عورت کا عورت کے عورت (ستر) کو دیکھنا حرام ہے اور اس میں کچھ خلاف نہیں ہے، اسی طرح آدمی کا عورت کے عورت (ستر) کو دیکھنا اور عورت کا آدمی کے عورت (ستر) کو دیکھنا بالاجماع حرام ہے۔

اب آدمی کے عورت کی تحدید کیا ہے، یعنی اس کے بدن کا کتنا حصہ عام حالات میں عورۃ ہے جس کا چھپانا اس پر فرض ہے؟ تو یہ احادیث سے بھی ثابت ہے اور فقہاء اسلام نے بھی اس کی تحدید کی ہے۔ قال علیہ السلام: عورۃ الرجل بین سرتہ الی رکبتہ۔ (الحدیث) (اخرجہ الحاکم فی المستدرک) ___ نیز امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: واما ضبط العورۃ فعورۃ الرجل مع الرجل ما بین السرۃ والرکبۃ ___ اور الدر المختار میں ہے: ووجوبہ عام ولو فی الخلوۃ علی الصحیح الی قولہ وھی للرجل ما تحت رکبتہ ___ علامہ شامی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ رکبتہ (گھٹنہ) بھی عورت

(پردہ) ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: فالرکبة من العورة لرواية الدارقطني ما تحت السرة الى الركبة من العورة ولحديث عليؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الركبة من العورة۔

ان نصوص اور فقہاء کرام کی عبارات کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدمی کو ستر عورت کا چھپانا فرض ہے اور کسی حالت میں بھی اس کو ظاہر نہیں کرنا چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم

مردوں کے لیے زرد رنگ کے لباس کا حکم

سوال:- جناب مفتی صاحب! آجکل بعض نوجوان زرد رنگ کا لباس پہنتے ہیں، اسلامی نقطہ نظر سے اس کا کیا حکم ہے؟ وضاحت کے ساتھ جواب عنایت فرما کر مشکور فرمائیں؟

الجواب:- بعض الوان (رنگ) ایسے ہیں کہ اسلام نے ان کے استعمال سے مسلمان مردوں کو منع فرمایا ہے، ان میں سے ایک زرد رنگ بھی ہے۔ احادیث نبویہ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اس رنگ کے استعمال کی ممانعت آئی ہے، اس لیے فقہاء اسلام نے مردوں کے لیے زرد رنگ کے کپڑے استعمال کرنا مکروہ قرار دیا ہے۔

لما قال العلامة الحصكفي رحمه الله: وكره لبس المعصفر والمزعفر الاحمر والاصفر للرجال۔ الخ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۵۸ كتاب الكراهية، باب اللبس)[1]

---

[1] لما نقل العلامة المفتي عبدالقادر الرافعي، عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم عليّ ثوبين معصفرين فقال ان هٰذه من ثياب الكفار فلا تلبسها۔ الخ

وفي رواية المسلم رأى عليّ ثوبين معصفرين فقال أأمك امرتك بهٰذا قلتُ اغسلها قال بل احرقها۔ الخ

(التقريرات للرافعي ج ۲ ص ۳۰۶ فصل في اللبس)

باب التصاویر
(تصویر کے احکام ومسائل)

خواتین کی تصاویر کو دیکھنا اور رکھنا حرام ہے

سوال:۔ آجکل بازاروں، دکانوں اور حجروں میں خواتین کی تصاویر لگی ہوتی ہیں، توکیا ان تصاویر کو دیکھنا اور ان سے لطف اندوز ہونا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جب ذی روح اشیاء کی تصاویر اتارنا اور ان کو دیکھ کر لطف اندوز ہونا حرام ہے تو پھر اجنبی عورتوں کی تصاویر کو دیکھ کر لطف اندوز ہونا تو بعینہٖ اس خاتون کو دیکھنے کے مترادف ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے۔

لما رواہ الامام محمد بن اسماعیل البخاریؒ: عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تباشر المرأۃُ المرأۃَ فتنعتها لزوجها کانہ ینظر الیها۔ (الصحیح البخاری ج ۲ ص۷۸۸ باب لا تباشر المرأۃ المرأۃ) [1]

کسی جاندار کی تصویر کا حکم

سوال:۔ کسی جاندار کی تصویر بنانا اور کھینچوانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ذی روح اشیاء کی فوٹوگرافی کرنا یا شبیہ بنانا تخلیقِ خداوندی کا مقابلہ کرنے کے مترادف ہے جو کہ گناہِ کبیرہ ہے، اس لیے جاندار اشیاء کی تصاویر بنانا شرعاً حرام و ناجائز ہے۔

لما رواہ الامام محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ: عن عائشۃؓ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اصحاب هٰذہ الصور

---

[1] لما رواہ الامام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانیؒ: عن ابن مسعودؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تباشر المرأۃُ المرأۃَ لتنعتها لزوجها کانما ینظر الیها۔ (سنن ابی داؤد ج ۱ ص۲۹۲ باب مایومر بہ من غض البصر)
ومِثلُہٗ فی مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص۲۶۸ کتاب النکاح، الفصل الاوّل۔

یعذبون یوم القیامۃ ویقال احیوا ما خلقتم وقال ان البیت الذی فیہ الصور لا تدخلہ الملٰئکۃ۔ (الصحیح البخاری ج ۲ ص ۸۸۱ باب من لم یدخل بیتاً فیہ صورۃ) [1]

بٹوہ میں رکھی ہوئی تصویر کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال:۔ ایک شخص کے پاس اپنی تصویر ہے جو کہ پوری نہیں بلکہ آدھی ہے اور بٹوہ میں بند کرکے جیب میں رکھی ہوئی ہے، تو کیا جیب میں رکھی ہوئی تصویر کے ساتھ نماز ادا ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویرکشی سے ہر حال میں منع فرمایا ہے جہاں کہیں دیواروں پر جانداراشیاء کی تصاویر لٹکائی گئی ہوں وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہوگی، لیکن جب تصویر چھوٹی ہو اور بٹوہ وغیرہ میں بند کرکے جیب میں رکھی گئی ہو تو اس سے نماز کی صحت کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

لما قال شیخ الاسلام علاؤالدین الحصکفیؒ: ولا یکرہ لو کانت تحت قدمیہ او فی یدہ او فی بدنہ لانہا مستورۃ بثیابہ او علی خاتمہ بنقش غیر مستبین۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۴۷ مکروہات الصلوٰۃ) [2]

کسی پیر یا بزرگ کی تصویر تبرکاً لٹکانا

سوال:۔ ایک شخص نے اپنی دوکان میں حصولِ برکت وعافیت کے لیے اپنے مرشد کی تصویر لگا رکھی ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] لما رواہ الامام مسلم بن الحجاج القشیریؒ: عن نافع ان ابن عمرؓ اخبرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الذین یصنعون الصور یعذبون یوم القیامۃ یقال لہم احیوا ما خلقتم۔ (الصحیح المسلم ج ۲ ص ۲۰۱ باب تحریم تصویر صورۃ الحیوان)

وَمِثْلُہٗ فی مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۳۸۵ باب التصاویر۔ الفصل الاول۔

[2] قال ابراهیم الحلبیؒ: اما اذا کانت مقطوعۃ الرأس یعنی بہ اذا لم یکن لہٗ رأس او کان فمحاہ بخیط او کانت صغیرۃ لاتبدو للناظر اذا کان قائماً وھی علی الارض ای لا تتبین تفاصیل اعضائہا فلا یکرہ حینئذٍ۔ (کبیری ص ۳۵۹ مکروہات الصلوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۰۶ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰۃ۔

الجواب:۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی بزرگ کی تصویر لگانے میں کسی قسم کی خیر وبرکت نہیں بلکہ معصیت میں عام آدمی کی تصویر کے ساتھ برابر ہے۔ حدیث میں ہے کہ جس گھر یا دوکان میں (عام آدمی یا کسی بزرگ کی) تصویر ہو اس گھر میں رحمت کا فرشتہ داخل نہیں ہوتا۔ لہٰذا مذکورہ بالامقصد کے لیے کسی بزرگ کی تصویر لگانے سے اجتناب ضروری ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن عائشةؓ قالت دخل علیّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا مستترة بقرام فیہ صورة فتلوّن وجهه ثم تناول الستر فهتكه ثم قال ان اشد الناس عذابًا یوم القیامة الذین یشبهون بخلق اللہ۔ (الصحیح المسلم ج۲ ص۲۰۰ باب تحریم صورة الحیوان) [1]

آرائش کے لیے گھر میں نصف فوٹو لگانا

سوال:۔ ضرورت کے تحت اگر نصف تصویر بنائی جائے اور پھر اس قسم کی دوسری تصویروں کو گھر کی سجاوٹ کے لیے دیواروں پر لگایا جائے تو کیا یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ متاخرین فقہاء کرام نے ضرورت کے تحت نصف تصویر بنانے کی اجازت دی ہے لیکن ضرورت کے لیے بنائی گئی تصویر کو اُسی ضرورت میں ہی استعمال کیا جاسکتا ہے، ایسی تصویروں کو گھر کی دیواروں پر بغرضِ زیب وزینت لگانا جائز نہیں۔

لما ورد فی الحدیث: عن ابی طلحة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا تدخل الملٰئکة بیتًا فیہ کلبٌ ولا صورة۔ (الصحیح المسلم ج۲ ص۲۰۰ باب تحریم التصویر صورة الحیوان) [2]

---

[1] لما ورد فی الحدیث:۔ عن ابی هریرةؓ قال استاذن جبریل علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ادخل فقال کیف ادخل وفی بیتك ستر فیہ تصاویر فاما ان تقطع رؤسها او تجعل بساطاً یوطأ فانا معشر الملٰئکة لا ندخل بیتًا فیہ تصاویر۔ (سنن النسائی ج۲ ص۳۰۱ ذکر اشد الناس عذابًا)

وَمِثْلُهٗ فی فتح الباری ج۱۰ ص۳۲۲ باب لا تدخل الملٰئکة بیتًا فیہ صورة۔

[2] قال الامام النوویؒ: قال العلماء سبب امتناعهم من بیتٍ فیہ صورةٌ کونها معصیة فاحشة وفیها مضاهاة لخلق اللہ۔ (شرح المسلم للامام النووی ج۲ ص۲۰۰ باب تحریم تصویر)

وَمِثْلُهٗ فی سنن النسائی ج۲ ص۳۰۱ ذکر اشد الناس عذابًا۔

شادی کی تقریبات کی تصاویر بنانا

سوال: بعض لوگ شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں فوٹو گرافی کرتے ہیں، تو کیا ایسے مواقع پر تصاویر بنانا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ کسی جاندار کی تصویر بنانے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے خواہ شادی بیاہ کے موقع پر ہو یا دیگر تقریبات کے مواقع پر، اس میں ایک تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہوتی ہے اور دوسرے بلاضرورت مال ضائع ہوتا ہے جس سے منع فرمایا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بروزِ قیامت مصورین کے لیے سخت ترین سزا کی پیشین گوئی فرمائی ہے۔

لما ورد فی الحدیث: عن عائشۃؓ قالت دخل علیّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانا مستترۃ بقرام فیہ صورۃ فتلون وجھہ ثم تناول الستر ------- ثم قال ان اشدّ النّاس عذابًا یوم القیامۃ الذین یشبھون بخلق اللہ۔

(الصحیح المسلم ج ۲ ص ۲۰۰ باب تحریم تصویر الخ)[1]

خانہ کعبہ کی تصاویر میں چھوٹی چھوٹی انسانی تصاویر کا حکم

سوال:۔ بعض مساجد میں خانہ کعبہ کی تصاویر آویزاں ہوتی ہیں، ان میں حاجیوں کی انتہائی چھوٹی چھوٹی تصویریں بھی ہوتی ہیں جو کہ قریب سے دیکھے بغیر انسانی تصویریں معلوم نہیں ہوتیں، کیا اس قسم کی تصویروں والے کتبے مساجد میں آویزاں کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ جو انسانی تصاویر اتنی چھوٹی اور باریک ہوں کہ انتہائی قریب سے دیکھے بغیر پہچانی نہ جاسکتی ہوں، اور قریب سے دیکھنے کا مقصد یہ ہے کہ تصویر کے اعضاء واضح طور پر نظر نہ آئیں، تو اس قسم کی تصویروں کا حکم عام تصویروں کی طرح نہیں

---

[1] کما ذکر فی الحدیث: عن عبد اللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال انّ الّذین یصنعون ھٰذہ الصّورۃ یعذبون یوم القیامۃ یقال لھم احیوا ما خلقتم۔ (فتح الباری ج ۱۰ ص ۳۱۶ باب نقض الصور)

وَمِثْلُہٗ فی شرح المسلم للنووی ج ۲ ص ۲۰۰ باب تحریم تصویر۔

جس کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں، لہٰذا اس قسم کے کتبے مساجد اور گھروں میں آویزاں کرنے میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی اس سے نماز کی صحت پر کوئی اثر پڑتا ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولا یکرہ لو کانت تحت قدمیہ او فی یدہ او فی بدنہ لانھا مستورۃ بثیابہ او علی خاتمہ بنقش غیر مستبین۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۶۰۱ مکروہات الصلوٰۃ) [۱]

جدید آلات (ٹی وی، وی سی آر) کا حکم

سوال:۔ آلاتِ جدیدہ یعنی ٹیلیویژن، ٹیپ ریکارڈر، وی سی آر وغیرہ سننا اور دیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ آلاتِ جدیدہ کا استعمال بذاتِ خود مرخص ہے لیکن ٹی وی اور وی سی آر میں چونکہ تصویر بینی کے علاوہ بعض فحش پروگراموں کی نمائش بھی ہوتی ہے جن کا دیکھنا ایک شریف آدمی کے لیے بہت مشکل ہے، لہٰذا ٹی وی اور وی سی آر وغیرہ کے دیکھنے سے اجتناب ہی لازم ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: (قولہ کرہ کل لھو) ای کل لعب وعبث فالثلاثۃ بمعنی واحد کما فی شرح التاویلات والاطلاق شامل لنفس الفعل واستماعہ کالرقص والسخریۃ والتصفیق وضرب الاوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والمزمار والصنج والبوق فانھا کلھا مکروھۃ لانھا زی الکفار واستماع ضرب دف والمزمار وغیرہ ذلک حرام۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۹۵ کتاب الحظر والاباحۃ۔ فصل فی البیع) [۲]

---

[۱] قال الشیخ ابراھیم الحلبیؒ: اما اذا کانت مقطوعۃ الرأس یعنی بہ اذا لم یکن لہ رأس او کان فمحاہ بخیط او کانت صغیرۃ لا تبدو للناظر اذا کان قائماً وھی علی الارض ای لا تتبین تفاصیل اعضائھا فلا یکرہ حینئذٍ۔ (حلبی کبیر ص ۳۵۹ مکروھات الصلوٰۃ)

ومثلہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۶ مکروھات الصلوٰۃ۔

[۲] رواہ الامام محمد بن اسماعیل البخاریؒ: عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اشد الناس عذاباً عند اللہ المصورون۔ (الصحیح البخاری ج ۲ ص ۸۸۰ باب عذاب المصورین یوم القیامۃ)

ومثلہٗ فی البحر الرائق ج ۸ ص ۲۰۷ کتاب الکراھیۃ۔ فصل فی البیع۔

تصویر والی گھڑی کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال:۔ اگر کسی شخص کی گھڑی یا انگوٹھی میں اتنی چھوٹی تصویر ہو جو کہ انتہائی غور سے دیکھے بغیر نظر نہیں آتی ہو تو کیا اس قسم کی گھڑی یا تصویر کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اسلام میں تصاویر رکھنا، دیکھنا اور بنانا سب ممنوع ہے اسلئے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، لیکن اس سے مراد وہ تصاویر ہیں جو ظاہر اور مستبین ہوں، صورتِ مسئولہ میں یہ تصویر صاف طور پر دکھائی نہیں دیتی لہٰذا اس سے اگرچہ نماز متاثر نہیں ہوتی لیکن پھر بھی ایسی گھڑی رکھنا مناسب نہیں۔

لما قال العلامۃ علاؤ الدین الحصکفیؒ: ولا یکرہ لو کانت تحت قدمیہ او فی یدہ او فی بدنہ لانہا مستورۃ بثیابہ او علی خاتمہ بنقشٍ غیر مستبین۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۶۰۷ فصل فی مکروہات الصلوٰۃ) [1]

بچھڑے کی کھال سے تصویر بنانا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! گائے بھینس رکھنے والوں میں یہ رواج ہے کہ جب ان کی گائے یا بھینس کا بچہ مر جائے تو اس کی کھال اتار کر اس میں بھوسہ بھر لیتے ہیں جسے گائے یا بھینس اپنا بچہ تصور کر کے دودھ آسانی سے دیدیتی ہے، تو کیا شرعاً یہ تصویر کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں بچھڑے کی کھال پر تصویر کی تعریف صادق نہیں آتی اور نہ یہ تصویر کے حکم میں ہے بلکہ ضرورت کی وجہ سے قدرتی پیدا کردہ جسم کو ایک گونہ محفوظ رکھا جاتا ہے اس لیے یہ تصویر کے حکم میں داخل نہیں ہے بلکہ بوقتِ ضرورت ایسا کرنا مرخص ہے۔

---

[1] قال الشیخ ابراہیم الحلبیؒ: اما اذا کانت مقطوعۃ الرأس یعنی بہ اذا لم یکن لہ رأس او کان فمحاہ بخیطٍ او کانت صغیرۃً لا تبدو للناظر اذا کان قائماً وھی علی الارض ای لا تتبین تفاصیل اعضائہا فلا یکرہ حینئذٍ۔ (حلبی کبیر ص۳۵۹ مکروہات الصلوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۱۰۶ الفصل الثانی فیما یکرہ فی الصلوٰۃ۔

باب الملاهی

(کھیل کود کے مسائل و احکام)

خوشی کی تقریبات میں ناچ گانے کا حکم

سوال:۔ شادی بیاہ اور دیگر خوشی کی تقریبات میں ناچ گانا اور ڈھول وسرور کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ خوشی کی تقریبات ہوں یا عام تقریبات ان تمام مواقع پر ناچ گانا اور ڈھول وغیرہ بجانا شرعاً حرام ہے تاہم شادی بیاہ کے موقع پر صرف دف بجانا (جو بغیر غنا کے ہو) مرخص ہے۔

لما قال العلامة ابن البزاز الکردری: استماع صوت الملاهی کالضرب بالقضیب ونحوه حرام لقوله علیه السلام استماع الملاهی معصیة والجلوس علیها فسق والتلذذ بها کفرای بالنعمة۔ (الفتاوی البزازیة علی هامش الهندیة ج۶ ص۳۵۹ الباب الثالث فیما یتعلق بالمناهی) [۱]

کیرم بورڈ کھیلنا

سوال:۔ آجکل بعض نوجوان جمع ہو کر کیرم بورڈ نامی کھیل بڑے شوق سے کھیلتے ہیں، کیا ایسا کھیل کھیلنا جائز ہے؟

الجواب:۔ وہ امور جن میں نہ دنیا کا فائدہ ہو اور نہ آخرت کا بلکہ وقت اور دولت کا ضیاع ہو (جیسا کہ کیرم بورڈ وغیرہ) کہ اس میں نہ تو صحت کا فائدہ ہے اور نہ دنیا و آخرت کا تو ایسے بے معنی اور بلا ضرورت کاموں پر اپنا قیمتی وقت ضائع کرنا کوئی دانشمندی کا کام نہیں، اور شریعت مقدسہ نے بھی ایسے لہو و لعب سے منع فرمایا ہے۔

قال العلامة ابن نجیم: ویکره اللعب بالشطرنج والنرد والاربعة عشر لقوله

---

[۱] رواه الامام محمد بن اسماعیل البخاری، عن ابن عباس: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ (سورة لقمان ۶) قال الغناء واشباهه۔ (ادب المفرد ص۲۰۴ باب الغناء واللهو) ومثله فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۶ ص۳۴۹ کتاب الحظر والاباحة۔

علیہ السلام کل لعب حرام الا ملاعبۃ الرجل مع زوجتہ وقوسہ وفرسہ لانہ یصد عن الجمع والجماعات وسبب لوقوع فی فواحش الکلام۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۸۹ کتاب الکراھیۃ) [1]

شطرنج کھیلنا

سوال:۔ بعض لوگ شطرنج کھیلنے کے عادی ہوتے ہیں، تو کیا شطرنج کھیلنا از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ جس کام میں دین اور دنیا کا فائدہ نہ ہو بلکہ قیمتی وقت ضائع ہوتا ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے کاموں سے مسلمانوں کو منع فرمایا ہے، شطرنج چونکہ ایسا ہی ایک کھیل ہے جس میں سوائے تضیع اوقات اور خواہش پرستی کے اور کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا لہٰذا اس قسم کے کھیل سے بچنا چاہیئے۔

لما قال العلامۃ ابن نجیمؒ: ویکرہ اللعب بالشطرنج والنرد والاربعۃ عشر لقولہ علیہ السلام کل لعب حرام الا ملاعبۃ الرجل مع زوجتہ وقوسہ وفرسہ لانہ یصد عن الجمع والجماعات وسبب لوقوع فی فواحش الکلام۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۱۸۹ کتاب الکراھیۃ) [2]

جوڈو کراٹے کھیلنا

سوال:۔ آجکل بعض مقامات میں جوڈو کراٹے سیکھنے کے مراکز کھلے ہوئے ہیں، اس کے سیکھنے سے بدن کو قوت اور مضبوطی ملتی ہے اس کھیل میں اگر آدمی اس غرض سے حصہ لے کہ صحت اور جسم کو مضبوط بنا کر جہاد میں حصہ لے سکوں تو کیا اس کا کھیلنا جائز ہوگا؟

الجواب:۔ انسان پر دیگر حقوق کے علاوہ اپنی صحت کا بھی حق ہے، اگر انسان کی صحت ہی خراب ہو تو باطل قوتوں کا مقابلہ تو درکنار عبادات بھی بطریق احسن ادا نہیں کر سکے گا،

---

[1] قال العلامۃ التمرتاشی رحمہ اللہ: وکرہ کل لھو لقولہ علیہ السلام کل لھو حرام الا ثلاثۃ۔ الخ (تنویر الابصار علیٰ صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۹۵ کتاب الکراھیۃ)
وَمِثْلُہٗ فی البدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۲۸ کتاب الاستحسان۔

[2] قال العلامۃ ابن عابدین رحمہ اللہ: والشطرنج وانما کرہ لان من اشتغل بہ ذھب عناؤہ الدنیوی وجاءہ الغناء الاخروی فھو حرام وکبیرۃ عندنا۔
(رد المحتار ج ۶ ص ۳۹۴ کتاب الحظر والاباحۃ۔ فصل فی البیع)
وَمِثْلُہٗ فی بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۲۸ کتاب الاستحسان۔

جوڈو کراٹے میں چونکہ صحت کا فائدہ ہے، لہٰذا اگر پردہ اور شرعی حدود وقیود کا اہتمام کرتے ہوئے اس میں حصہ لیا جائے تو جائز ہے بلکہ ثواب کی بھی امید ہے کیونکہ باطل قوتوں اور دشمنانِ اسلام کے مقابلے میں تیاری پر مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں۔

لما قال اللہ تبارک وتعالیٰ: وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ۔ (سورۃ الانفال آیت ۶۰) [۱]

کھیل کود میں رانوں کو کھلا رکھنے کا حکم

سوال: بعض کھیلوں مثلاً پی ٹی اور کبڈی وغیرہ میں عورتِ غلیظہ کے علاوہ رانوں کو ننگا رکھنا پڑتا ہے جس پر لوگوں کی نظریں پڑتی ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مرد کے لیے ناف سے گھٹنوں تک عورت (پردہ) ہے جس کا چھپانا شرعاً لازمی ہے، ان حدود کو کھلا رکھنا اور لوگوں کو دکھانا معصیت ہے اس لیے کھیل کود کے وقت اس کے چھپانے کا خاص طور پر خیال رکھنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة شیخ الاسلام ابو بکر بن علی الحدادی الیمنیؒ: قوله ینظر الرجل من الرجل الی جمیع البدن الا ما بین سرته الی رکبته) لقوله علیه السلام لعلیؓ لا تنظر الی فخذ حی ولا میت۔ (الجوهرة النیرة ج ۲ ص ۳۸۵ باب الحظر والاباحة) [۲]

---

[۱] قال العلامة ابن نجیم المصری رحمه اللہ: ویکره اللعب بالشطرنج والنرد والاربعة عشر لقوله علیه السلام کل لعب حرام الا ملاعبة الرجل مع زوجته وقوسه وفرسه لانه یصد عن الجمع والجماعات وسبب لوقوع فی فواحش الکلام۔
(البحر الرائق ج ۸ ص ۱۸۹ کتاب الکراهیة)
وَمِثْلُهٗ فی بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۲۸ کتاب الاستحسان۔

[۲] قال العلامة علی بن سلطان محمد القاریؒ: تحت قول النبی صلی اللہ علیه وسلم لا ینظر الرجل الی عورة الرجل ولا المرأة الی عورة المرأة الخ فیه بیان تحریم النظر الی ما لا یجوز وعورة الرجل ما بین سرته ورکبته۔ (مرقاة شرح مشکوٰة ج ۶ ص ۱۹۵ باب النظر الی المخطوبة وبیان العورات)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص ۳۶۴ تا ۳۶۶ کتاب الکراهیة فصل فی البیع

ورزش کرنا

سوال:۔ ورزش کی نیت سے کھیل کود کا شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جس کھیل کود میں دینی یا دنیوی منفعت ہو تو اس کھیل میں شرعاً کوئی قباحت نہیں لیکن اگر نیت جہاد کی تیاری ہو تو موجب اجر و ثواب ہے۔ تاہم ایسے کھیل سے اجتناب ضروری ہے جس میں کشفِ عورت (بے پردگی) یا کسی دوسرے حرام کا ارتکاب ہو۔

لما روی الامام مسلم بن الحجاج القشیریؒ: عن عائشۃؓ قالت رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسترنی بردائہ وانا انظر الی الحبشۃ وھم یلعبون۔ (الجامع الصحیح المسلم ج۱ ص۲۹۱ کتاب صلوٰۃ العیدین) [1]

تاش کھیلنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! آجکل ڈیروں اور پبلک مقامات میں لوگ تاش کھیلتے ہیں جسے وہ ترُپ کہتے ہیں، اگرچہ یہ کھیلنا صرف تفریح کے لیے ہوتا ہے اور اس پر عموماً کوئی خاص شرط وغیرہ بھی نہیں لگائی جاتی لیکن بسا اوقات اس میں چائے، حلوا وغیرہ کی شرط لگائی جاتی ہے جو کہ بازی ہار جانے والے کے ذمہ ہوتا ہے، کیا شرعاً ایسا کھیل جائز ہے؟

الجواب:۔ اگر ذہنی ورزش یا تفریح کیلئے تاش کھیلا جاتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں البتہ ہار جیت پر شرط لگانا صحیح نہیں، اس صورت میں یہ کھیل قمار کے حکم میں داخل ہو جاتا ہے جو کہ شرعاً حرام ہے۔

لما قال العلامۃ مولانا اشرف علی التھانویؒ: اگر ہار جیت (پر شرط) نہ ہو تو جائز ہے۔

{امداد الفتاوٰی ج۴ ص۲۵۲ کتاب الخطر والاباحۃ
غناء، مزامیر اور لہو ولعب کے احکام}

O

---

[1] لما رواہ الامام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانیؒ: عن عائشۃ انھا کانت مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی سفر قالت فسابقتہ فسبقتہ علی رجلی فلما حملت اللحم سابقتہ فسبقنی فقال ھٰذہ بتلك السبقۃ۔ (سنن ابی داؤد ج۱ ص۳۴۸ باب فی السبق علی الرجل)

ومثلہٗ فی رد المحتار ج۶ ص۴۰۴ کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع۔

بَابُ الْاَمْرِ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهِيِ عَنِ الْمُنْكَر

(امر بالمعروف والنہی عن المنکر کا بیان)

تبلیغِ دین فرضِ کفایہ ہے

سوال:۔ کیا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر فرضِ عین ہے یا فرضِ کفایہ ؟

الجواب:۔ خلقِ خدا کو اوامر کی دعوت دینا اور نواہی سے منع کرنا شرعاً فرضِ کفایہ ہے جو کہ بعض کے انجام دینے سے کل کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، فرضِ عین کی رائے رکھنا خطاء پر محمول ہے، تاہم اپنے آپ کو رذائل سے پاک کرنا فرضِ عین ہے۔

لما قال حجۃ الاسلام ابو بکر احمد بن علی الرازی الجصاصؒ: قال ابو بکر قد حوت هٰذه الآیة معنیین احدهما وجوب الامر بالمعروف والنهی عن المنکر والآخر انه فرض علی الکفایة لیس بفرض علی کل احد فی نفسه اذا قال به غیره لقوله تعالٰی (ولتکن منکم امة) وحقیقته تقتضی البعض دون البعض فدل علی انه فرض علی الکفایة اذا قام به بعضهم سقط عن الباقین۔ (احکام القرآن ج۲ ص۳۱۵ باب فرض الامر بالمعروف)[1]

مستورات کی تبلیغی جماعات کا حکم

سوال:۔ دورِ حاضر میں تبلیغی جماعت والے مستورات کی اصلاح اور تبلیغِ دین کے لیے خواتین کی جماعتیں نکالتے ہیں جبکہ خواتین کے ساتھ ان کے اپنے محارم اور دیگر حدود شرعیہ و پردے کا پورا لحاظ رکھا جاتا ہے، کیا ان شرعی حدود و قیود کی پابندی کرتے ہوئے مستورات کا تبلیغِ دین کے لیے نکلنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ مروجہ تبلیغ کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ اور تعلیم و تعلم ہے جس کا حصول ہر مسلمان مرد اور عورت کی شرعی ذمہ داری ہے اور دونوں کو تبلیغِ دین کا حق حاصل ہے، یہی وجہ ہے کہ

---

[1] قال العلامة شهاب الدین الآلوسیؒ: منشاء الخلاف فی ذٰلك ان العلماء اتفقوا علی ان الامر بالمعروف والنهی عن المنکر من فروض الکفایات۔ (روح المعانی ج۴ ص۲۱ سورة آل عمران) ومثله فی الاکلیل فی استنباط التنزیل ص۵۶ سورة آل عمران۔

بیشمار نیک خواتین قرآن وحدیث کے علوم کی ماہرات گذری ہیں، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور میں خواتینِ اسلام کا جہاد میں شریک ہونا بھی ثابت ہے، اس لحاظ سے خواتین کی جہاد میں شرکت کی بناء پر تبلیغی جماعات میں خواتین کی شرکت جائز معلوم ہوتی ہے۔ تاہم پردہ، محارم اور دیگر حدودِ شرعی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

لما رواہ الامام محمد بن اسماعیل البخاریؒ: عن انس قال لما کان یوم اُحد انہزم الناس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولقد رأیتُ عائشۃ بنت ابی بکر واُم سلیم وانہما مشمرتان اریٰ خدمَ سوقہما تنقزان القرب وقال غیرہ تنقلان القرب علیٰ متونہما ثمّ تفرغانہ فی افواہ القوم ثم ترجعان فتملانہا ثم تجیان فتفرغانہ فی افواہ القوم۔ (الصحیح البخاری ج ۱ ص۴۰۳ باب غزوۃ النساء وقتالہن مع الرجال) [1]

سالانہ چلّہ لگانے کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص اپنی اصلاح وتحصیلِ علم کے لیے تبلیغ میں سالانہ چلّہ لگاتا ہے تو کیا تحصیلِ علم واصلاح کے لیے مزدوری چھوڑ کر چلّے کے لیے نکلنا بہتر ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چوبیس گھنٹے زندگی کو شریعتِ اسلامیہ کے مطابق گذارنے کے لیے ضروری احکامات کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد وزن پر فرض ہے، اس کے علاوہ دیگر علوم کی تحصیل نفلی عبادات سے افضل ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص ضروری علوم کے علاوہ مزید علم کی تحصیل اور اصلاحِ نفس کے لیے سالانہ چلّہ لگانا چاہے اور اس سے اہل وعیال کا نان نفقہ متاثر نہ ہوتا ہو تو اس کے لیے تبلیغ میں سالانہ چلّے پر جانا بہتر ہے۔

لما قال العلامۃ ابن البزاز الکردریؒ: طلب العلم والفقہ اذا صحت النیۃ افضل اعمال البر وکذا الاشتغال بزیادۃ العلم اذا صحت النیۃ لأنہ اعم نفعاً لکن بشرط أن لا یدخل النقصان فی فرائضہ۔ (الفتاویٰ البزازیۃ علیٰ هامش الہندیۃ ج ۶ ص۳۷۸ کتاب الکراہیۃ) [2]

---

[1] لما ورد فی الحدیث:۔ وعن انسؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یغزو بام سلیم ونسوۃ من الانصار معہٗ اذا غزا فیسقین الماء ویداوین الجرحیٰ۔ (الصحیح لمسلم ج ۲ ص۱۱۶ باب غزوۃ النساء مع الرجال)
ومثلہٗ فی شرح کتاب السیر الکبیر ج ۱ ص۱۸۵ باب قتال النساء مع الرجال۔

[2] قال العلامۃ ابن عابدینؒ: طلب العلم والفقہ اذا صحت النیۃ أفضل من جمیع أعمال البر وکذا الاشتغال بزیادۃ العلم اذا صحت النیۃ لأنہ اعم نفعاً لکن بشرط أن لا یدخل النقصان فی فرائضہ۔ (رد المحتار ج ۶ ص۴۰۷ کتاب الحظر والاباحۃ۔ فصل فی البیع)

مروجہ طریقہ تبلیغ میں انچاس کروڑ کا ثواب

سوال: تبلیغی جماعت وقت لگانے پر ایک نیکی پر انچاس کروڑ نیکیوں کا ثواب ملنے کا بتایا جاتا ہے، شرعاً اس کا ثبوت کیا ہے؟

الجواب: تبلیغ کے لیے وقت لگانے پر انچاس کروڑ تک تضاعفِ اعمال کا مسئلہ دو احادیث کے ضرب دینے سے ثابت ہے لیکن یہ زیادت مطلقاً فی سبیل اللہ نکلنے سے وابستہ ہے اِس کو محض تبلیغی جماعت میں وقت لگانے کے ساتھ خاص کرنا مناسب نہیں۔

لما رواہ الامام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانیؒ فی سننہ: عن سهل بن معاذ عن ابیه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان الصّلوٰة والصّیام والذکر تضاعف علی النفقة فی سبیل الله عزوجل بسبعمائة ضعف۔ (سنن ابی داؤد ج۲ ص۳۳۸)

ورواه ابوعبدالله محمّد بن یزید بن ماجةؒ فی سُننه:۔ عن علیؓ ابن ابی طالب وابی الدرداءؓ وابی هریرةؓ وابی اُمامة الباهلیؓ وعبدالله بن عمرؓ وجابر بن عبداللهؓ وعمران بن الحصینؓ کلهم یحدث عن رسول الله صلی الله علیه وسلم انهٗ قال من ارسل بنفقة فی سبیل الله واقام فی بیته فلهٗ بکل درهم سبع مائة درهم ومن غزیٰ بنفسه فی سبیل الله وانفق فی وجه ذٰلك فلهٗ بکل درهم سبع مائة الف درهم ثمّ تلا هٰذه الاٰیة والله یضاعف لمن یشاء۔ (سنن ابن ماجة ص۱۹۸ باب من جهز غازیًا)[1]

---

[1] وقد ذکره الشیخ العلامة جلال الدین السیوطی رحمه الله:۔ عن عمران بن الحصین عن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال من ارسل بنفقة فی سبیل الله واقام فی بیته فله بکل درهم سبعمائة درهم ومن غزیٰ بنفسه فی سبیل الله وانفق فی وجهه ذٰلك فلهٗ بکل درهم یوم القیامة سبعمائة الف درهم ثمّ تلا هٰذه الاٰیة والله یضاعف لمن یشاء۔

وعن انس عن النبی صلی الله علیه وسلم النفقة فی سبیل الله تضاعف سبعمائة ضعف۔ (الدّر المنثور ج۱ ص۳۳۶ سورة آل عمران)

وَمِثْلُهٗ فی تفسیر القرآن لابن کثیرؒ ج۱ ص۳۱۷ سورة آل عمران۔

تبلیغی جماعت کو فرقہ جبریہ سے تعبیر کرنا درست نہیں

سوال:۔ تبلیغی جماعت کو کفریہ، جبریہ فرقوں سے تعبیر کرنا کیسا ہے، اور کہنے والے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ تبلیغی جماعت فی زمانہ ایک فعال دینی جماعت ہے، اس کی ہر کوشش خلقِ خدا کو راہِ راست پر لانے کے لیے ہے، اس کو فرقہ جبریہ و کفریہ وغیرہ سے تعبیر کرنا ضلالت اور گمراہی ہے اور ایسا کہنے والے پر کفر کا خطرہ ہے جو موجب تعزیر ہے۔

لما قال العلامة برهان الدين المرغيناني رحمه الله: اذا قذف مسلماً بغير الزنا فقال يا فاسق او يا كافر او يا خبيث او يا سارق لانه اذاه والحق الشين به ولا مدخل مقياس في الحدود فوجب التعزير۔ (الهداية ج۲ ص۱۸۳ كتاب الحدود) [1]

تبلیغی چلّے کی حقیقت

سوال: آجکل تبلیغی جماعت والے تبلیغ میں چلّہ لگانے پر بہت زور دیتے ہیں، کیا تبلیغ کے لیے دنوں کی یہ تعداد قرآن و سنت سے ثابت ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ روحانی امراض سے شفاء کیلئے ضروری ہے کہ طبیعت میں تبدیلی پیدا ہوجائے، چونکہ تبلیغ میں چلّہ یعنی چالیس دن لگانے والے میں کافی تبدیلی آجاتی ہے اسلئے تبلیغ والے چلّہ لگانے پر زور دیتے ہیں، یہ کوئی واجب، سنت یا فرض نہیں بلکہ صرف روحانی علاج کیلئے چلّہ مقرر کیا گیا ہے، جس طرح چالیس دن تک تکبیرِ اولیٰ سے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے تبدیلی رونما ہوتی ہے اسی طرح تبلیغ میں چلّہ لگانے سے بھی تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔

لما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلّى لله اربعين يوماً في جماعة يدرك التكبيرة الاولى كتب له براءتان براءة من النار وبراءة من النفاق۔ (مشكوٰة ج۱ ص۱۰۲ باب ما على الماموم من المتابعة وحكم المسبوق۔ الفصل الثاني)

---

[1] قال العلامة سراج الدين علي بن عثمان رحمه الله: اما اذا قال لآخر يا فاسق او بليد او يا اكل الربوٰ۔۔۔۔ او يا كافر او يا خبيث او يا فاجر يعزر وخيار التعيين الى الامام۔ (الفتاوىٰ السراجية ص۶۱ كتاب الحدود)
ومثله في الجوهرة النيرة ج۲ ص۲۵۳ كتاب الحدود۔ فصل في التعزير۔

تبلیغی جماعت کا طریقہ بدعت نہیں

سوال۔ (۱) کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع متین موجودہ طریقہ تبلیغ کے بارے میں کہ کیا اس طریقہ سے تبلیغ بدعت سیئہ ہے۔ یا نا جائز ہے ہمارے علاقے میں ایک مولوی ہے جو موجودہ طریقۂ تبلیغ کو بدعتِ سیئہ کہتا ہے۔ اور لوگوں کو اس سے منع کرتا ہے۔ اور تبلیغ والوں کو مسجد سے نکالتا ہے۔ اس مولوی کا یہ عمل اور قول خلاف شرع ہے یا موافق شریعت ہے۔ اگر خلاف شریعت ہو۔ تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

(۲) کیا تبلیغی جماعت اہل سنت والجماعت میں نہیں ہے کیا تبلیغی جماعت ضال اور مضل ہے اور گمراہ فرقہ ہے۔ ہمارے علاقے میں عالم موصوف تبلیغی جماعت کو اہل سنت والجماعت میں شمار نہیں کرتا ہے۔ اور تبلیغی جماعت کو فرقہ گمراہ کہتا ہے اور ضال اور مضل تصور کرتا ہے۔ کیا اس عالم کا یہ کہنا شریعت کی رو سے صحیح ہے یا غلط؟ اس کے مقابلے میں دیگر علماء تبلیغ والوں کے احترام کرتے ہیں۔ اور اس طریقہ سے تبلیغ کو جائز کہتے ہیں اور تبلیغی جماعت کو اہلسنت والجماعت میں شمار کرتے ہیں؟

الجواب: دین کی اشاعت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے سعی اور کوشش کرنا امر خداوندی ہے اس کی تعمیل لوگوں کے ذمے لازمی ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کے اندر کئی مقامات پر اس ذمہ داری کا مسلمانوں کو احساس دلایا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

(۱) ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر واولئك ھوالمفلحون (الایۃ)

(۲) دوسری جگہ ارشاد ہے:

قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی (الایۃ)

(۳) اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد ہے۔

ومن احسن قولاً ممن دعا الی اللہ وعمل صالحاً (الایۃ)

ان آیات کے علاوہ اور بھی آیات موجود ہیں جن سے اس امر کی ذمہ داری کا پتہ چلتا ہے، اس لیے حضرات مفسرین نے وضاحت کے ساتھ اس کو فرض کفایہ لکھا ہے، کما قال العلامۃ محمود الآلوسیؒ: ان العلماء اتفقوا علی ان الامر بالمعروف والنھی عن المنکر من فروض الکفایات ولم یخالف وذلك الا لنزر روح المعانی ۴/ ۲۰

اور علامہ ظفر احمد عثمانی فرماتے ہیں۔

فی ھذہ الآیۃ وفی التی بعدھا وھی قولہ تعالیٰ (کنتم خیر أمّۃٍ اخرجت للناس) دلیل علی ان الامر بالمعروف والنھی عن المنکر فرض علی الکفایۃ۔

(احکام القرآن ۲/ ۴۹)

اسی طرح علامہ ابوبکر الجصاص الرازیؒ لکھتے ہیں۔

قال ابوبکر قد حوت ھذہ الآیۃ معنیین احدھما وجوب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر والآخر انہ فرض علی الکفایۃ (احکام القرآن ۲/ ۳۱۵)

اور یہ امر بالمعروف والنہی عن المنکر سب کے لیے ہے چاہیئے کفار ہو یا مسلمان یہی حکم اکابر مفسرین کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے، چنانچہ علامہ سید محمود الالوسیؒ فرماتے ہیں۔

یدعون الی الخیر: المراد من الدعاء الی الخیر الدعاء الی ما فیہ صلاح دینی اودنیوی: روح المعانی ۴/ ۲۱)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔

دعا الی اللہ ای الی توحیدہ تعالیٰ وطاعتہ والظاھر العموم فی کل داع الیہ تعالیٰ روح المعانی ۱۲/ ۱۸۸۔

اسی طرح علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔

یدعون الی الخیر ای خیر العقائد والاخلاق والاعمال التی فیھا صلاح الدین والدنیا: تفسیر مظھری ۲/ ۱۱۴۔

اور ہذہ سبیلی کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

الدعوۃ الی التوحید والاعداد للمعاد: تفسیر مظھری ۵/ ۲۰۶

اسی طرح دعا الی اللہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وما الی اللہ ای الی عبادۃ اللہ وتوحیدہ۔ (تفسیر مظھری ۸/ ۲۹۴)

ان کے علاوہ تفسیر بیان القرآن، تفسیر عثمانی، اور تفسیر معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ وغیرہ تفاسیر میں بھی اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ دعوت الی اللہ مسلمان اور کافر دونوں کے لیے ہے، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں۔

پھر دعوت الی الخیر کے بھی دو درجے ہیں، پہلا یہ کہ غیر مسلموں کو خیر یعنی اسلام کی طرف دعوت

دینا ہے، مسلمانوں کا ہر فرد عموماً اور یہ جماعت خصوصاً دنیا کے تمام قوموں کو خیر یعنی اسلام کی دعوت دے ..... دعوت الی الخیر کا دوسرا درجہ خود مسلمانوں کو دعوت خیر دینا ہے کہ تمام مسلمان علی العموم اور جماعت خاصہ علی الخصوص مسلمانوں کے درمیان تبلیغ کرے اور فریضہ الی الخیر انجام دے۔

(معارف القرآن ۲/ ۱۴۰، ۱۴۱)

اور نہ ہی طریقہ کار کوئی انوکھا ہے بلکہ سلف صالحین اور دور صحابہ میں اس طرز عمل کی مثالیں موجود ہیں، چنانچہ حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے لکھا ہے تبلیغی جماعت جس طرز پر دعوت الی اللہ کا کام کر رہی ہے یہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقہ سلف صالحین کے عین مطابق ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۹/ ۳۶۳)

مفتی دار العلوم دیوبند مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے جواب سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے چنانچہ جب آپؒ سے تبلیغ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا۔

الجواب: حامداً ومصلیاً، تبلیغ دین ہر زمانے میں فرض ہے، اس زمانہ میں بھی فرض ہے لیکن فرض علی الکفایۃ ہے، جہاں جتنی ضرورت ہو اسی قدر اس کی اہمیت ہوگی اور جس جس میں جیسی اہلیت ہو اس کے حق اسی قدر ذمہ داری ہوگی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی صراحت قرآن کریم میں ہے، سب سے بڑا معروف ایمان اور سب سے بڑا منکر کفر ہے، ہر مومن اپنی اپنی حیثیت کے موافق مکلف ہے کہ خدا سے پاک کے نازل فرمائے ہوئے دین کو حضرت رسول مقبول کی ہدایت کے موافق پہنچائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۲/ ۲۴۶)

اسی بنا پر اکابر علماء دیوبند نے اس کام کی تعریف کی اور اس کو ضروری قرار دیا ہے۔

مفتی ہند مفتی کفایت اللہ صاحب نے لکھا ہے۔

کہ یہ تحریک (تبلیغی جماعت) اصل حقیقت کے اعتبار سے تو اسلام کی بنیادی چیز ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا پیغام اس کے بندوں کو پہنچایا اور ان کے گھروں پر جا کر خود پہنچانا اصل تبلیغ ہے (کفایت المفتی ۲/ ۹)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے آخر میں مولانا محمد الیاسؒ کے اس تحریک کو ان الفاظ سے سراہا ہے۔

کہ مولانا الیاسؒ نے یاس کو آس سے بدل دیا ہے۔

(مولانا الیاس اور ان کی دعوت ۱۱۲)

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ میرے محترم بزرگ یہ جماعت تبلیغیہ نہ صرف ایک ضروری اور اہم فریضہ کی حسب استطاعت انجام دہی کر رہی ہے بلکہ اس کی بھی سخت محتاج ہے کہ ان کی ہمت افزائی کی جائے اور ان کو خود بھی مسلمانوں سے رابطہ قوی پیدا ہو اور مسلمانوں میں اتحاد و یگانگت کا قوی جذبہ پیدا اور ان کو مذہبی احساسات کی سر گرمی کی طرف چلایا جائے جس سے مستقبل میں نہایت اعلیٰ درجے کے نتائج اور ثمرات کی قوی امیدیں پیدا ہوتی ہیں۔ بنابریں میں امیدوار ہوں کہ آئندہ اس میں پوری جدوجہد کو کام میں لایا جاوے اور ان کی ہمت افزائی کی صورتیں عمل میں لائی جاویں والسلام حسین احمد غفرلہ ۱۶ صفر ۱۳۶۱ھ
(تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص۴۴)

ایک اور مکتوب میں (جو آپؒ نے پہلی بار تبلیغی جماعت کو جو افغانستان جا رہی تھی اپنے تلامذہ کے نام دیا تھا) فرماتے ہیں

عرض ان کہ حاملین عریضہ ہمارے چند احباب خدمات عالیہ میں حاضر ہو رہے ہیں ان کا مقصد کوئی سیاسی اور ملکی نہیں ہے فقط خدمات دینیہ اور فرائض تبلیغیہ ادا کرنا ہے اور مسلمانان افغانستان کو وہ مقصد یاد دلانا جس کو عام مسلمانوں نے بھلا دیا ہے مقصود ہے، امید آنکہ آپ حضرات ان کی امداد و اعانت میں کوتاہی روا نہ رکھیں گے اور ان پر اعتماد کرتے ہوئے ممکن تسہیلات سے درگزر نہ فرمائیں گے والسلام ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ (تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ص ۴۵)

ان کے علاوہ شاہ عبدالقادر رائپوری، مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی، مولانا منظور احمد نعمانی مولانا مفتی محمد شفیعؒ مولانا محمد زکریا، مولانا سید سلیمان ندوی اور مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ وغیرہ نے بھی اس کی افادیت کا اعتراف کیا ہے اور اس کو اشاعت دین کا اہم ذریعہ قرار دیا ہے ان کے اجتماعات میں شریک ہوئے اور اس میں بیانات کیے، لوگوں کو اس جماعت میں شامل ہونے کی تلقین فرمائی، تو اس کے باوجود بھی اس کو بدعت سیئہ لکھنا جہالت اور ناسمجھی کی دلیل ہے، بدعت سیئہ ہر نو ایجاد امر کو نہیں کہا جاتا بلکہ بدعت سیئہ ہر وہ امر ہوتا ہے جس کے لیے شریعت مقدسہ میں کوئی اصل و بنیاد نہ ہو، اکابرین امت نے بدعت کی یہ تعریف کی ہے اور یہ تعریف چاروں مذاہب کا متفقہ تعریف ہے۔

چنانچہ علامہ ابن حجرؒ بدعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

والبدعۃ اصلھا ما احدث علی غیر مثال سابق وتطلق فی الشرع فی مقابل

السنة فتکون مذمومة (فتح الباری ۴/ ۲۱۹)

اور علامہ زبیدی حنفی فرماتے ہیں۔

کل محدثة بدعة انما یرید ما خالف اصول الشریعة ولم یوافق السنة۔

(تاج العروس ۵/ ۲۷۱)

علامہ ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں۔

المراد بالبدعة ما احدث مما لا اصل له فی الشریعة یدل علیه واما ما کان له اصل من الشرع یدل علیه فلیس ببدعة شرعاً وان کان بدعة لغة (جامع العلوم والحکم ص ۱۹۳)

اسی طرح علامہ قرطبی اور شیخ محمد علی الصابونی لکھتے ہیں۔

کل بدعة صدرت من مخلوق فلا یخلو ان یکون لها اصل فی الشرع ام لا فان کان لها اصل فهی فی خیز المدح ویعضده قول عمر نعمت البدعة هذه والا فهی فی خیز الذم والانکار۔ (تفسیر قرطبی ۲/ ۸۷ وتفسیر صابونی ۱/ ۹۲)

اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ تبلیغ کرنا مسلمانوں کو دین کی دعوت دینا ان کو نمازی، حاجی اور پابند صوم وزکاۃ بنانا اور اس کے لیے کوشش کرنا فرض کفایہ اور دینی ضروریات میں سے ہے، سلف صالحین اور صحابہ کرام سے ایسا کرنا ثابت ہے اس لیے اس کو بدعت سیئہ کہنا ضرور عناد یا جاہلیت و ناسمجھی کے سوا کچھ نہیں یہ کام نہ بدعت ہے اور نہ اس میں بدعت ہونے کا کوئی شبہ ہے ورنہ کبھی بھی اکابر علماء اس کو سرانجام نہ دیتے، لہذا ان لوگوں کو مساجد سے روکنا اور ان کو منع کرنا ان کو مسجد سے نکالنا وغیرہ گناہ ہے اور مانع عن الخیر کی قبیح صفت سے موصوف ہونے کے مترادف ہے، اس امر کا مرتکب شخص فاسق وفاجر ہے اس لیے اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا کراہت سے خالی نہیں۔

(۲) گذشتہ تفصیل سے خوب واضح ہوا ہے کہ یہ جماعت اہل السنۃ والجماعۃ میں داخل جماعت ہے اس کو ضال اور مضل کہنا جاہلیت کی دلیل ہے یہ ایک حق جماعت ہے جو دین کی اشاعت کے لیے مصروف عمل ہے، ان کا احترام کرنا چاہیئے اور ان کی حوصلہ افزائی ہر مسلمان کا فریضہ مذہبی ہے،

واللہ اعلم وعلمہ

باب مسائل المتفرقة

(متفرق مسائل کے بیان میں)

والدین کو گالی دینے والے کا حکم سوال:- والدین کو گالی دینے والے کا کیا حکم ہے؟
الجواب:- اسلام میں جب کسی عام مسلمان کو گالی دینا موجب فسق ہے تو والدین کو گالی دینا تو بدرجۂ اولیٰ عظیم گناہ ہے، اس فعلِ بد کا ارتکاب قرآن مجید کے صریح حکم کی خلاف ورزی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ... وَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا۔ (سورۃ الاسراء آیت ۲۱) [۱]

گالی گلوچ کرنے والے کا حکم سوال:- کسی مسلمان کو گالی دینے والے کا کیا حکم ہے؟
الجواب:- کسی مسلمان کو بے عزت اور سب وشتم کرنا موجب فسق وگناہِ کبیرہ ہے اور گالی دینے والا فاسق وگنہگار ہو جاتا ہے۔

لما رواہ الامام ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذیؒ: عن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوقٌ وقتالہ کفر۔ (الجامع الترمذی ج ۲ ص ۱۹ باب ما جاء فی الشتم) [۲]

---

[۱] لما رواہ الامام ابوعیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذیؒ: عن عبد اللہ بن عمرو قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الکبائر ان یشتم الرجل والدیہ قالوا یا رسول اللہ وھل یشتم الرجل والدیہ قال نعم یسُبُّ ابا الرجل فیسب اباہ ویشتم امہ فیشتم امہ۔ (الجامع الترمذی ج ۲ ص ۱۲ باب ما جاء فی عقوق الوالدین)
وَمِثْلُہٗ فی مشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۱۹ باب البر والصلۃ، الفصل الاول۔

[۲] رواہ الامام محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ: عن عیاض بن حماد قال قلتُ یا رسول اللہ الرجل یسبنی قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم المستبان شیطانان یتھاتران ویتکاذبان۔ (ادب المفرد ص ۱۱۵ باب سباب المسلم)
وَمِثْلُہٗ فی شرح المسلم للنووی ج ۲ ص ۳۲۱ باب النھی عن السباب۔

والدین میں سے کسی ایک کے حکم سے دوسرے سے حسن سلوک نہ کرنا

سوال :- ایک شخص کے ماں باپ کسی وجہ سے ایک دوسرے سے ناراض ہیں، باپ بیٹے کو ماں سے حسن سلوک بند کرنے پر مجبور کرتا ہے جبکہ درمیان میں کوئی شرعی مقاطعہ بھی نہیں، تو کیا بیٹے کے لیے باپ کے حکم سے ماں کے ساتھ حسن سلوک بند کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- شریعت نے اولاد کے لیے والدین کو حسن سلوک اور تعاون میں برابر کے شریک قرار دیئے ہیں جبکہ بعض احادیث کی روشنی میں والدہ زیادہ حسن سلوک کی مستحق ہے، لہٰذا والد کے کہنے سے بیٹے کے لیے والدہ سے حسن سلوک سے پیش نہ آنا نامناسب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مختلف مقامات پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں کسی ایک کی تخصیص نہیں فرمائی ہے لہٰذا دونوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور فرمانبرداری کرنا ضروری ہے۔

لما قال اللہ تبارک وتعالیٰ : وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۲۱) [1]

بلا کسی شرعی عذر کے والدین کے حکم سے بیوی کو طلاق دینا

سوال :- ایک شخص کے والدین اس سے اپنی بیوی کی طلاق کا مطالبہ کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کی بیوی رہائش کے لیے علیحدہ مکان چاہتی ہے اور اپنے شوہر کے والدین سے جدا ہونا چاہتی ہے، تو کیا یہ شخص اپنی بیوی کی بات مان کر والدین سے جدا ہو جائے یا والدین کی بات مان کر بیوی کو طلاق دے دے ؟

الجواب :- واضح رہے کہ ہر انسان پر والدین کی اطاعت اور فرمانبرداری اور ان کی خوشنودی حاصل کرنا لازمی ہے اور حتی الامکان اپنے والدین کی فرمانبرداری کرنا ضروری ہے، لیکن بعض اوقات اگر والدین خواہ مخواہ سخت مزاجی سے پیش آئیں اور

---

[1] قال اللہ تبارک وتعالیٰ : فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۲۱)

بغیر کسی شرعی عذر کے بیٹے کو مجبور کریں کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو والدین کی یہ بات نہ ماننے میں شرعاً کوئی مواخذہ نہیں اور جہاں تک مذکورہ معاملہ میں والدین کے مطالبہ پہ بیوی کو طلاق دینے کا تعلق ہے تو شریعت نے عورت کو علیحدہ رہائش اور نفقہ کے مطالبہ کا حق دیا ہے اور اس کی حق تلفی کرنا گناہ ہے، لہٰذا بیوی کے حقوق پورا نہ کرتے ہیں والدین کی بات ماننا گناہ ہے اور معصیتِ خالق (نافرمانی) میں اطاعتِ مخلوق کی کوئی گنجائش نہیں لہٰذا شخص مذکور کے لیے بیوی کے حقوق پورے کرنا لازمی ہے اور اس کے والدین کو بھی نرمی کا رویہ اختیار کرنا چاہیئے۔

لما فی الهندية: تجب السكنىٰ لها عليه في بيتٍ خالٍ عن اهله واهلها الا ان تختار ذٰلك۔ (الفتاوىٰ الهندية ج ۱ ص ۵۵۶ الباب السابع عشر في النفقات. الفصل الثاني في السكنى) له

والدین کی نافرمانی بدترین جرم ہے

سوال:۔ ایک آدمی اپنے بوڑھے اور ضعیف والدین کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا بلکہ اُن کی نافرمانی، توہین اور سب وشتم بھی کرتا ہے، تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ والدین کی نافرمانی اور ان کی گستاخی کرنا شریعت میں بدترین جُرم اور دُنیوی و اُخروی تباہی و بربادی کا باعث ہے اور ان کی خوشنودی اور تابعداری جنّت میں داخلے کا ذریعہ و سبب ہے، بلکہ حضور سیدِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنّت کو تحت اقدام الاُمّہات قرار دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی باپ کی خوشنودی سے جوڑ رکھی ہے۔ تو والدین کا نافرمان یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا مجرم ہے اور ایسا شخص سزا کے قابل ہے، البتہ دُنیا میں زجر و سزا رائی الامام کے حوالے ہے وہ جتنا اور جیسا مناسب سمجھے وہی بہتر ہوگا۔

له قال العلامة طاهر بن عبدالرشيد البخاريؒ: تجب السكنىٰ لها عليه في بيتٍ خالٍ عن اهله و اهلها الا ان تختار ذٰلك۔ (خلاصة الفتاوىٰ ج ۲ ص ۵۲ كتاب النكاح. الفصل الخامس عشر في الحظر والاباحة)

ومثلهٗ في الخانية على هامش الهندية ج ۱ ص ۴۲۴ باب النفقة۔

لما قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۔ (سورۃ بنی اسرائیل آیت ۲۱) [1]

علمِ دین کے حصول کے لیے والدین کی اجازت کا حکم

سوال: ایک شخص کو علومِ دینیہ حاصل کرنے کا بڑا شوق ہے، جبکہ اس کا کچھ نہ کچھ کاروبار بھی ہے اور کاروبار کے علاوہ بھی اُسکی مالی حالت اچھی ہے، تو کیا یہ شخص بلا اجازت والدین حصولِ علم کے لیے جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور نکلنے سے والدین کی نافرمانی تو نہیں ہوگی؟

الجواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق علم دین کا حصول ہر مسلمان مرد و عورت کی ذمہ داری ہے، کم از کم اتنا علم ہو کہ دین کی بنیادی ضرورتوں سے آگاہ ہو سکے اور اس کے لیے والدین کا منع کرنا کوئی شرعی عذر نہیں بلا اجازتِ والدین بھی بالغ بیٹا حصولِ علم کے لیے سفر کر سکتا ہے اور صورتِ مذکورہ میں والدین کے ضعف اور محتاج نہ ہونے کی وجہ سے یہ بیٹا عاق اور نافرمان بھی نہ ہو گا

لما فی الھندیۃ: رجل خرج فی طلب العلم بغیر اذن والدیہ فلا بأس بہ ولم یکن ھذا عقوقاً۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۵ ص ۳۶۶ الباب السادس والعشرون فی الرجل یخرج الی السفر... الخ) [2]

---

[1] لما ورد فی الحدیث: عن ابی بکرۃ (رضی اللہ عنہ) قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل الذنوب یغفر اللہ منھا ما شاء الا عقوق الوالدین فانہ یعجل لصاحبہ فی الحیوۃ قبل الممات۔
(مشکوۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۲۱ باب البر والصلۃ)
وَمِثْلُہٗ رواہ انس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (مشکوۃ المصابیح ج ۲ ص ۴۲۱ باب البر والصلۃ)

[2] قال العلامۃ طاھر بن عبد الرشید البخاری رحمہ اللہ: ولو خرج لطلب العلم بلا اذن ابویہ لا یصیر عاقاً کما ذکرنا فی الخزانۃ۔ (خلاصۃ الفتاوی ج ۴ ص ۳۲۷ کتاب الکراھیۃ)
وَمِثْلُہٗ قال العلامۃ شبیر احمد العثمانی فی الفتح الملھم ج ۱ ص ۲۵۲ باب الکبائر واکبرھا۔

کسی مسلمان کو بُرے القابات سے پکارنا

سوال :۔ اگر کوئی شخص بلا کسی شرعی وجہ کے دوسرے مسلمان کو فاسق اور فاجر کے القاب سے متہم کرے تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کی عزت اور آبرو کی حفاظت لازمی ہے اور ایسے بُرے القاب اور بیہودہ کلمات جن سے مسلمان کی عزت پر حرف آتا ہو، اس سے بھی پرہیز از حد ضروری ہے۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے ایسے فسق و فجور والے القابات سے کسی کو متہم کرنے سے منع فرمایا ہے، کسی مسلمان کو فاسق اور فاجر کہنے والا شخص قابلِ تعزیر ہے، اس بارے میں فقہاء نے فرمایا ہے کہ یہ سزا حاکم کی صوابدید پر مبنی ہے وہ جیسا مناسب سمجھے سزا دے سکتا ہے البتہ اس کی کوئی حد مقرر نہیں، اور اگر واقعی یہ فاسق اور فاجر ہو تو یہ بہت بُرا کام ہے لیکن ایسا کہنے والے پر تعزیر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

لما قال اللہ تبارک وتعالیٰ : وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۔ (سورۃ الحجرات آیت ۱۱) [1]

مسلمان کی توہین اور استہزاء کرنا

سوال :۔ ایک شخص بلا کسی وجہ کے مسلمان کا مذاق اڑاتا ہے، ان کی عدم موجودگی میں ان کا تمسخر اڑاتا ہے، ایسے شخص کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب :۔ قرآن وحدیث کی رُو سے ایک مسلمان کے لیے دوسرے مسلمان کا استہزاء اور تمسخر کرنا سخت گناہ ہے، خواہ عالم ہو یا جاہل ہو، گناہ گار ہو یا پرہیزگار، اس کا مذاق اڑانا شرعاً ممنوع ہے۔ سورۃ الحجرات میں جو اخلاقی تعلیمات بیان

---

[1] قال العلامۃ طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ : لو قال لاٰخر یا دیوث یا فاسق یا فاجر لا یجب الحد لکن یعزر ھٰذا اذا قال للصالح اما اذا قال للفاسق یا فاسق حذف یسیر لا یجب شیٔ واختیار التعزیر الی رأی الامام من واحد الی تسع وثلاثین ۔
(خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴ ص ۴۴۳ کتاب الحدود)
ومثلہٗ فی بدائع والصنائع ج ۷ ص ۶۴ کتاب الحدود۔

کی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی مسلمان کا مذاق نہ اڑایا جائے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمان کو مسلمان کا بھائی قرار دے کر اس کے تمسخر اور مذاق سے منع فرمایا ہے، ایسے شخص کے لیے بروز قیامت سخت سزا ہو گی۔

قال اللہ تبارك وتعالیٰ: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ۔

(سورۃ الحجرات آیت ۱۱) [1]

اِستمناء بالید کا حکم

سوال:۔ استمناء بالید (ہاتھ سے جنسی تسکین حاصل کرنا) کے مرتکب کا شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ قرآن وسنت کی تصریحات کے مطابق استمناء بالید بدون عذرِ شدید کے حرام وناجائز ہے اور ایسا کرنے والا مستحقِ تعزیر ہے؛ تاہم اگر کسی فتنے میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو اھون البلیتین کی رُو سے رخصت کا امکان ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: الاستمناء حرام وفیہ التعزیر۔ وقال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قولہ الاستمناء حرام) ای بالکف اذا کان لاستجلاب الشھوۃ اما اذا غلبتہ الشھوۃ ولیس لہ زوجۃ ولا أمۃ ففعل ذٰلك لتسکینھا فالرجاء انہ لاوبال علیہ۔

(ردالمحتار ج۴ ص۲۷ کتاب الحدود، فصل فی التعزیر) [2]

---

[1] لما ورد فی الحدیث: عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتحاسدوا ولاتناجشوا ولاتباغضوا ولاتدابروا ولایبع بعضکم علیٰ بعضٍ وکونوا عباد اللہ اخوانا المسلم اخ المسلم لایظلمہ وَلایخذلہ ولایحقرہ التقویٰ ھٰھنا ویشیر الیٰ صدرہ ثلاث مرار بحسب امرءٍ من الشر أن یحقر اخاہ المسلم کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ۔

(الصحیح المسلم ج۲ ص۳۱۷ باب تحریم ظلم المسلم)

[2] قال العلامۃ السید محمود الآلوسیؒ: وکذا اختلف فی استمناء الرجل بیدہ ویسمیٰ الخضخضۃ وجلد عمیرۃ فجمہور الائمۃ علیٰ تحریمہ وھو عندھم داخل فیما وراء ذٰلك قال ابن الھمامؒ: یحرم فان غلبتہ الشھوۃ ففعل ارادۃ تسکینھا بہ فالرجاء ألایعاقب۔ (روح المعانی ج۱۸ ص۱۰ سورۃ المؤمنون)

وَمِثْلُہٗ فی تفسیر المظھری ج۶ ص۳۶۵ سورۃ المؤمنون۔

ہاتھ پاؤں چومنے کا حکم

سوال: کسی قابلِ تعظیم شخص کے ہاتھ پاؤں چومنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: قابلِ تعظیم شخصیات کی دست بوسی میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ بوسہ دیتے وقت رکوع یا سجدہ کی کیفیت پیش نہ آئے۔

لما قال العلامة الحصكفیؒ: (ولا بأس بتقبیل ید) الرجل (العالم) المتورع علیٰ سبیل التبرك۔ (الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار ج ۶ ص ۳۸۳ کتاب الخطر والاباحة، فصل فی الاستبراء وغیرہا) [1]

کفار سے مصافحہ کرنے کا حکم

سوال: آجکل مسلمان حکمران غیر ملکی دورے کے دوران وہاں کے کفار سے مصافحہ کرتے ہیں، تو کیا اسلام میں کفار سے مصافحہ کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: کفار کی عزت و تکریم کی نیت سے ان سے مصافحہ کرنا ایمانی غیرت کے منافی ہے، تاہم اگر مواسات کے درجہ میں ہو یا کفار کی اسلام میں رغبت کے لیے ہو تو ان سے ہاتھ ملانے میں کوئی حرج نہیں، البتہ یہ ضروری ہے کہ ہاتھ ملاتے وقت السلام علیکم نہ کہا جائے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: ویکرہ مصافحة اهل الذمة۔ (خلاصة الفتاوی ج ۴ ص ۳۳۴ کتاب الکراهیة، نوع منه فی السلام) [2]

مرشد کے قدموں پر گرنے کا حکم

سوال: بعض مریدین اور چھوٹے اپنے بڑوں یا مرشد سے ملاقات کرتے وقت اُن کے قدموں پر گر جاتے ہیں، تو کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

---

[1] لما رواہ الامام محمد بن اسماعیل البخاریؒ: عن صهیب قال رأیت علیاً یقبل ید العباس ورجلیه۔ (ادب المفرد ص ۲۵۴ باب تقبیل الید والرجل۔

ومثله فی البحر الرائق ج ۸ ص ۱۹۸ کتاب الخطر والاباحة۔

[2] قال العلامة الحصكفیؒ: کما کرہ للمسلم مصافحة الذمی۔

(الدرالمختار علیٰ صدر ردالمحتار ج ۶ ص ۴۱۲ کتاب الخطر والاباحة، فصل فی البیع)

ومثله فی الهندیة ج ۵ ص ۳۴۸ الباب الرابع عشر فی اهل الذمة الخ۔

الجواب:۔ ماسوی اللہ کے کسی کی ایسی تعظیم کرنا جس میں رکوع کی طرح جھکنا ہو سجدہ بغیر اللہ کے مترادف ہے جو شرعاً ممنوع و ناجائز ہے، اس لیے فقہاء کرام نے اس قسم کی تعظیم کو مکروہ لکھا ہے۔

لما فی الهندیة: ویکره الانحناء عند التحیة وبه ورد النهی۔

(الفتاوی الهندیة ج ۵ ص ۳۶۹ الباب الثامن والعشرون فی ملاقات الملوک) [۱]

حشرات الارض کو جلانے کا حکم

سوال:۔ حشرات الارض یعنی کھٹمل، پسّو وغیرہ کو جلانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ذی روح اشیاء کو آگ سے جلانا یا ان پر گرم پانی ڈالنا ایک مکروہ عمل ہے اس لیے کہ تعذیب بالنار خالقِ حقیقی (اللہ تبارک وتعالیٰ) کا خاصہ ہے اس لیے اس عمل سے اجتناب ہی بہتر ہے۔

لما قال العلامة علی بن سلطان محمد القاریؒ: وأما فی شرعنا فلا یجوز احراق الحیوان بالنار الا بالاقتصاص وسواء فی منع الاحراق بالنار القمل وغیره للحدیث المشهور لا یعذب بالنار الا الله تعالیٰ۔ (مرقاة المفاتیح ج ۸ ص ۱۳۹ باب ما یحل أکله وما یحرم) [۲]

مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا

سوال:۔ مساجد میں گم شدہ اشیاء کا اعلان کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مساجد اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنائی جاتی ہیں، عبادتِ الٰہی کے علاوہ دوسرا کوئی بھی دنیاوی عمل کرنا سوءِ ادب ہے اور خصوصاً کسی گم شدہ چیز کے اعلان کے بارے میں تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑی سختی سے منع فرمایا ہے، تاہم اگر کوئی چیز مسجد ہی میں گم ہوئی ہو تو اس کا اعلان کرنا مرخص ہے لیکن

---

[۱] قال العلامة عبد الرحمٰن بن شیخ محمد المدعو بشیخ زادہؒ: ویکره الانحناء لانه یشبه فعل المجوس۔ (مجمع الانهر شرح ملتقی الابحر ج ۲ ص ۵۴۲ کتاب الکراهیة فصل فی البیع)

[۲] لما فی الهندیة: واحراق القمل والعقرب بالنار مکروه۔ (الفتاوی الهندیة ج ۵ ص ۳۶۱ الباب الحادی والعشرون فیما یسع من جراحات الخ)

پھر بھی پسندیدہ عمل نہیں ہے۔

لما رواہ الامام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیریؒ: عن شداد بن الهاد انه سمع اباهریرۃ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من سمع رَجُلاً ینشد ضالة فی المسجد فَلْیَقُلْ لا ردها اللہ علیك فان المساجد لم تبن لهٰذا۔

(الصحیح المسلم ج۱ ص۲۱۰ باب نشد الضالة فی المسجد) [1]

مسجد میں سوال کرنے کا حکم

سوال:۔ مسجد میں سوال کرنا اور سائل کو کچھ دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مساجد کی تاسیس اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کی گئی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے علاوہ دیگر اعمال کرنا مناسب نہیں، تاہم سائل کو بدون ایذاء کے دینے میں کوئی حرج نہیں، البتہ مسجد کی ضروریات، مدرسہ اور جہاد وغیرہ کے لیے چندہ کرنا بھی مرخص ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کاموں کے لیے چندہ کرنا ثابت ہے۔

لما قال العلامة علاؤالدین الحصکفیؒ: ویحرم فیه السوال۔ وقال العلامة ابن عابدینؒ: یکرہ اعطاء سائل المسجد الا اذا لم یتخط رقاب الناس فی المختار۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۶۵۹ مکروهات الصلوٰۃ) [2]

---

[1] قال العلامة محمد یوسف البنوریؒ: وأما انشاد الضالة فله صورتان احدهما وهی اقبح واشنع بأن یضل شئ خارج المسجد ثم ینشدہ فی المسجد لأجل اجتماع الناس فیه والثانیة أن یضل فی المسجد نفسه فینشدہ فیه وهٰذا یجوز اذا کان من غیر لغط و شغب۔ (معارف السنن ج۳ ص۳۱۳ باب ما جاء فی کراهیة البیع والشراء وانشاد الضالة الخ)

وَمِثْلُهٗ فی سنن ابی داؤد ج۱ ص۶۸ باب فی کراهیة انشاد الضالة فی المسجد۔

[2] قال العلامة علی بن سلطان محمد القاریؒ: ویدخل فی هٰذا کل أمر لم یبن له المسجد من البیع والشراء ونحو ذٰلك وکان بعض السلف لایریٰ ان یتصدق علی السائل المتعرض فی المسجد۔ (مرقاۃ المفاتیح ج۲ ص۱۹۹ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ۔

وَمِثْلُهٗ فی الاختیار لتعلیل المختار ج۴ ص۱۲۶ کتاب الکراهیة۔ فصل الکسب۔

مسجد میں سونے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! مسجد میں بلاعذر شرعی سونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مساجد کی تاسیس عبادت اور ذکراللہ کے لیے کی جاتی ہے لہٰذا ان میں علاوہ عبادت اور ذکراللہ کے اور کام مثلاً نوم (نیند) وغیرہ بلا عذر شرعی کے کرنا فقہاء کرام کے ہاں مکروہ ہے، تاہم اگر کسی شرعی عذر کی بناء پر مسجد میں سوگیا تو اس میں کوئی قباحت نہیں، البتہ مسافر، معتکف اور طلباء علوم دینیہ کے لیے مسجد میں سونا جائز ہے۔

لما قال العلامة علاؤالدين الحصكفيؒ: (يكره) وأكل ونوم الا لمعتكف وغريب۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار ج ۱ ص۶۶۱ مكروهات الصلوٰة)

لما ورد في الحديث: وعن ابن عمرؓ قال كنا ننام في المسجد على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم۔ (ابن ماجة ص۵۴ باب تنشيد المساجد)[1]

بار بار چھینک آنا

سوال:۔ ایک شخص کو زکام لگا ہوا ہے اور بار بار اس کو چھینک آتی ہے، تو ایک دفعہ چھینک آنے پر اس کا جواب دینا تو سننے والے مسلمان کا حق ہے، لیکن اگر بار بار چھینک آئے تو کیا پھر بھی جواب میں یرحمک اللہ کہنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامیہ میں ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کئی حقوق مقرر کیے گئے ہیں، ان حقوق میں سے ایک چھینکنے والے کو الحمد للہ کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا بھی ہے، لیکن اگر اس کو بار بار چھینکیں آتی ہوں تو تین دفعہ سے زائد پر جواب نہ دینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں، کیونکہ بار بار جواب دینے میں بھی تکلیف ہوتی ہے۔

---

[1] قال الشيخ عبدالغني المجددي الدهلويؒ: (تحت قوله كنا ننام) وهذه رخصة لابن السبيل والمسافر فان ابن عمرؓ ما كان له حينئذٍ اهل واما لغيره فيكره الاعتياد بالنوم فيه (حاشية ابن ماجة ج ۱ ص۵۴ باب تنشيد المساجد)

ومثلهٗ في مرقاة المفاتيح ج ۲ ص۱۹۷، ۱۹۸ باب المساجد ومواضع الصلوٰة۔

لما فی الهندیة: فان عطس اکثر من ثلاث مرات فالعاطس یحمد اللّٰه کل مرۃ فمن کان بحضرته ان شمته فی کل مرۃ فحسن وان لم یشمت بعد الثلاث تحسن ایضاً۔ (الفتاوی الهندیة ج۵ ص۳۲۶ الباب السابع فی السلام وتشمیت العاطس) [1]

زانی کا سوشل بائیکاٹ کرنا اور نمازِ جنازہ پڑھنے کا حکم

سوال: ایک شخص اعلانیہ طور پر کسی اجنبی عورت کو بغیر نکاح کے اپنے پاس رکھتا ہے جبکہ پورے معاشرے پر اس کی یہ قبیح حرکت واضح ہے جبکہ اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے اجراءِ حد مشکل ہے، تو ایسے حالات میں اس شخص کے ساتھ سماجی تعلقات قائم کرنے یا لین دین کرنے اور نمازِ جنازہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: بشرطِ صحتِ سوال اگر یہ شخص واقعی زانی ہو اور محصن بھی ہو تو شرعی شہادت کے ثابت ہونے کے بعد قابلِ رجم ہے لیکن یہ رجم کرنا قاضی اور حکومتِ اسلامیہ کی ذمہ داری ہے، عوام الناس کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں اور نہ ہی اس سے مالی جرمانہ لینے کی عوام کو اجازت ہے، البتہ فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ اسلامی مملکت میں بسا اوقات مالی تعزیر (جرمانہ) کے بغیر کسی کی اصلاح ممکن نہ ہو اور قاضی مناسب سمجھے تو مالی تعزیر بھی دے سکتا ہے لیکن عوام کے لیے ایسا کرنے کی اجازت ہرگز نہیں ہے، عوام الناس کو چاہیئے کہ ایسے شخص کا بائیکاٹ کرکے اس سے تمام تر تعلقات اور لین دین بند کر دیں اور اس کے غم وخوشی میں بھی شریک نہ ہوں تاکہ وہ اپنے اس خلافِ شریعت فعل کے ارتکاب سے باز آنے پر مجبور ہو، اور جہاں تک نمازِ جنازہ کا تعلق ہے تو علماء اہلِ سنت کے نزدیک ایک مسلمان گناہوں کا ارتکاب کرنے سے ایمان سے

---

[1] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: وفی العطاس فوق الثلاث ان شمتوہ فحسن وان لم یفعلوا فلا بأس به والعاطس یحمد اللّٰه۔

(خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۳۴ کتاب الکراهية، نوع منه فی اسلام)

ومثلهٗ فی الخانیة علی هامش الهندیة ج۳ ص۴۲۴ کتاب الکراهية فصل فی التسبیح والتسلیم الخ۔

خارج نہیں ہوتا خواہ کبیرہ گناہ ہوں یا صغیرہ! البتہ گنہگار اور قابلِ سزا ہے، مذکورہ صورت میں جنازہ بھی پڑھایا جائے گا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی کیا جائے گا۔

لما قال العلامة التمرتاشیؒ: التعزیر هو التادیب دون الحد.... لا بأخذ مال فی المذهب۔ (تنویر الابصار علی صدر ردالمحتار ج۴ ص۶۱ باب التعزیر) [1]

کسی کو ظلم وستم سے بچانے کیلئے جھوٹ بولنے کا حکم

سوال:- اگر کسی پر ظلم وستم کا اندیشہ ہو جبکہ کذب بیانی کے بغیر اس کا دفع ہونا ناممکن ہو تو اس کو ظلم وستم سے بچانے کے لیے کذب بیانی کی شریعت میں اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب:- جھوٹ اور کذب بیانی ایک ایسی عادت ہے جو کہ ہر وقت ناجائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سختی کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے اور احادیثِ نبوی میں بھی اس کے بارے میں وعیدیں وارد ہیں۔ لیکن بسا اوقات اگر کسی انسان پر ظلم وستم کا ایسا اندیشہ ہو کہ کذب بیانی کے علاوہ اس کی تلافی ناممکن ہو تو ایسے حالات میں توریہ کرنا مباح ہے جو کہ حقیقتاً جھوٹ نہیں اگرچہ بظاہر جھوٹ ہی لگتا ہو یا دین پر چوٹ لگنے کا خطرہ ہو جبکہ ظاہری کذب بیانی کے علاوہ کوئی اور راستہ نہ ہو تو ایسی صورت میں جھوٹ بولنا مرخص ہے۔

لما قال العلامة علاؤ الدین الحصکفی رحمہ اللہ: الکذب مباح لاحیاء حقه ودفع الظلم عن نفسه والمراد التعریض لان عین الکذب حرام۔

(الدرالمختار علی صدر ردالمحتار ج۶ ص۴۲۷ کتاب الحظر والاباحة، فصل فی البیع) [2]

---

[1] قال العلامة ملا علی القاری رحمہ اللہ: ولا نکفر مسلماً بذنب من الذنوب وان کانت کبیرة اذا لم یستحلها۔ (شرح الفقه الاکبر ص۱۱۷ الکبیرة لا تخرج المؤمن عن الایمان)

[2] قال العلامة طاهر بن عبدالرشید البخاریؒ: جوز الکذب فی ثلاثة مواضع فی الصلح بین الناس وفی الحرب ومع امرأته۔ (خلاصة الفتاوی ج۴ ص۳۴۶ الفصل الثالث فیما یتعلق بالمعاصی، کتاب الکراهیة)

ومثله فی البزازیة علی هامش الهندیة ج۶ ص۳۵۵ الباب الثالث فیما یتعلق بالمناهی۔

زلزلہ کے وقت گھروں سے باہر نکلنا

سوال :۔ بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ زلزلہ کے وقت گھروں اور گھروں سے فوراً باہر نکل آتے ہیں، کیا شریعتِ مقدسہ میں بوقتِ زلزلہ ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب :۔ زلزلہ کے دوران چونکہ عمارتوں کے گرنے یا اور کسی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے، اور اپنی جان کی حفاظت کرنا بھی انسان پر لازم ہے اس لیے اس لیے ایسے اوقات میں گھروں سے باہر نکلنا نہ صرف جائز بلکہ بہتر ہے کیونکہ نہ نکلنے کی صورت میں اپنی جان کو ہلاکت اور خطرہ میں ڈالنے کے مترادف ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے۔

لما قال اللہ تبارک وتعالیٰ : وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (البقرۃ آیت ۱۹۵) [۱]

گانے بجانے کو ذریعۂ معاش بنانا

سوال :۔ فحاشی اور بے دینی کے اس دور میں بعض لوگوں نے گانے بجانے کو اپنا ذریعۂ معاش بنایا ہوا ہے یعنی فلموں اور ریڈیو وغیرہ کے لیے گانے لکھ کر اور گا بجا کر رقم حاصل کرتے ہیں، تو کیا گانے بجانے کو ذریعۂ معاش بنانا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ گانے بجانے کے ذریعے کمائی کرنا اور اس کو ذریعۂ معاش بنانا جائز نہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے، اس لیے کہ گانے بجانے سے دل میں سختی اور دین سے دوری پیدا ہوتی ہے لہٰذا اس کے ذریعہ کمایا ہوا مال حرام ہوگا۔

لما قال العلامۃ ابن الہمام رحمہ اللہ : ویکرہ کسب المغنیۃ والنائحۃ کذا

---

[۱] لما قال العلامۃ ابن البزاز الکردری رحمہ اللہ : واذا تزلزلت الارض وھو فی بیتہ لہ الفرار الی الصحراء۔ (الفتاویٰ البزازیۃ علیٰ ھامش الھندیۃ ج۶ ص۳۷۱ الباب التاسع فی المتفرقات)
ومثلہ فی الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۶ ص۴۶۱ کتاب الکراھیۃ۔

فی الجوامع الفقہ علیٰ ان التغنی للھو اوجمع المال حرام ۔ (فتح القدیر ج ۳ ص ۱۵۸، کتاب الکراھیۃ) لہ

بغیر طہارت کے قرآن مجید کو ہاتھ لگانا

سوال:۔ ایک شخص نجاستِ حکمی سے پاک ہے لیکن باوضو نہیں جیسا کہ نماز کے لیے وضو کیا جاتا ہے، تو کیا اس شخص کے لیے قرآنِ پاک کو چھونا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قرآنِ پاک چونکہ کلامِ الٰہی ہے اس لیے اس کا مقام و مرتبہ بھی بلند و بالا ہے اس کو ہاتھ لگانے کے لیے ظاہری اور باطنی ناپاکی دور کرنا ضروری ہے کیونکہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ناپاک آدمی قرآنِ پاک کو مس نہیں کر سکتا اس لیے بے وضو انسان کے لیے قرآنِ پاک کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیئے، البتہ غلاف کی موجودگی میں چھونے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ مصحف سے لگا ہوا غلاف مراد نہیں بلکہ وقایہ سے غیر محیط کپڑا مراد ہے۔

لما قال اللہ تبارک وتعالیٰ: لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ؕ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (سورۃ الواقعۃ آیت ۷۹، ۸۰) ۲ہ

قاری یا سامعینِ تلاوت پر سلام کرنا

سوال:۔ ایک قاری قرآنِ پاک کی تلاوت کر رہا ہو اور لوگ اُس کے اردگرد بیٹھ کر قرآنِ پاک سُن رہے ہوں تو کیا اُن کو سلام کرنا چاہیئے یا نہیں؟ اور حاضرینِ مجلس (سامعین) پر اس سلام کا جواب دینا لازم ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی مقامات میں افشاء السلام کی

لہ لمافی الھندیۃ: امرءۃ نائحۃ اوصاحب طبلٍ او مزمارٍ اکتسب مالاً.... بازاء النیاحۃ ......او بازاء الغناء فکان الاخذ معصیۃ و السبیل فی المعاصی ردّھا۔
(الفتاوٰی الھندیۃ ج ۵ ص ۳۴۹ الباب الخامس عشر فی الکسب)

وَمِثْلُہٗ فی مجموعۃ الفتاوٰی ج ۲ ص ۲۹ کتاب الحظر والاباحۃ۔

۲ہ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: ومسّہ ای مس القرآن ولوح اودرھم اوحائط ......الا بغلافہٖ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۱۴ باب الحیض)

وَمِثْلُہٗ فی الفوائد العثمانیۃ ص ۷۱۲ للعلامۃ شبیر احمد عثمانیؒ۔

تاکید فرمائی ہے لیکن بعض مقامات ایسے ہیں کہ ان میں سلام کرنا مکروہ ہے، ان مقامات میں ایک مجلسِ تلاوتِ قرآنِ پاک بھی ہے، قرآنِ پاک کی عظمت کا خیال رکھتے ہوئے تلاوت کے وقت سلام نہیں کرنا چاہیئے، اور فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ ایسی محفل پر سلام کرنے سے جواب لازم نہیں آتا۔

لما فی الهندية: ويكره السّلام عند قرأة القرآن جهراً وكذا عند مذاكرة العلم وعند الاذان والاقامة والصحيح انه لا يرد فى هذه المواضع۔
(الفتاوى الهندية ج ۵ ص ۳۲۵ الباب السابع فى السلام)[1]

غائب کو سلام پہنچانے کا حکم

سوال:- بسا اوقات کسی آدمی کے ذریعے غائب کو سلام بھیجا جاتا ہے، تو کیا اس آدمی پر غائب کو سلام پہنچانا ضروری ہوگا یا نہیں؟

الجواب:- فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی کو سلام کہنا مسنون عمل ہے لیکن اس کا جواب دینا واجب اور ضروری ہے اور کسی کو اگر کسی غائب کو سلام پہنچانے کی ذمہ داری سونپی جائے تو اس پر سلام پہنچانا واجب ہے اور جس کو سلام پہنچایا جائے اس کو چاہیئے کہ پہلے مبلغ سلام کو جواب دے اور پھر سلام بھیجنے والے کو سلام کا جواب دے یعنی جواب میں وعليك وعليه السلام کہنا چاہیئے۔

لما ورد فى الحديث: عن اسماعيل عن غالب قال انا لجلوس بباب الحسن اذ جاء رجل فقال حدثنى ابى عن جدى قال بعثنى ابى الى رسول الله صلى الله عليه وسلم قال ائته فاقرأه السلام قال فاتيته فقلت ان ابى يقرئك السلام فقال عليك وعلى

---

[1] قال العلامة علاؤالدين الحصكفى رحمه الله: ويكره على عاجز عن الرد حقيقةً كاكلٍ اوشرعاً كمصلٍ اوقارئٍ ولو سلم لايستحق الجواب وهو الصحيح۔
(الدرالمختار على هامش ردالمحتار ج ۵ ص ۲۱۵ كتاب الحظر والاباحة)
ومثله فى فتاوى قاضيخان على هامش الهندية ج ۳ ص ۴۲۲ كتاب الكراهية. فصل فى التسبيح والتسليم۔

ابیک السلام۔ (سنن ابی داؤد ج ۲ ص۳۶۳ باب فی الرجل یقول فلان یقرئک السلام) [1]

ننگے سر نماز پڑھنا

سوال:۔ بعض لوگ بغیر ٹوپی کے نماز پڑھتے اور یہ اُن کی عادت ہوتی ہے، کیا ننگے سر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص محض سستی اور غفلت کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھتا ہو اور ٹوپی یا پگڑی استعمال کرنے اور سر ڈھانپنے کا خیال نہیں رکھتا تو مکروہ ہے البتہ اگر عاجزی اور تذلل کی وجہ سے ننگے سر نماز پڑھتا ہے تو اس میں کوئی کراہت نہیں اور اگر اس کام کو حقارت ونفرت کی نظر سے دیکھے تو اس کے کفر کا خطرہ ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: ویکرہ صلاتہ حاسراً ای کاشفاً رأسہ للتکاسل ولا بأس بہ للتذلل اما الاھانۃ بھا فکفر ولو سقطت قلنسوتہ فاعادتہا افضل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۴۷۴ مکروھات الصلوٰۃ) [2]

مونچھیں کاٹنے کا حکم

سوال:۔ کیا مونچھوں کا حلق اولیٰ ہے یا انہیں کاٹ کر کم کرنا اولیٰ ہے؟ بعض لوگ بلیڈ کے ذریعے کاٹنا مناسب نہیں سمجھتے، کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب:۔ مونچھوں کے بارے میں علماء کرام نے قصر اور حلق دونوں پر قول کیا ہے حلق کرنے میں یا قصر کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اکثر علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ کاٹنے میں اتنا مبالغہ کیا جائے کہ گویا حلق نظر آئے، تو اس طرح کرنے سے حلق اور قصر دونوں پر

---

[1] لما فی الهندیۃ: واذا امر رجلاً ان یقرء سلامہ علیٰ فلان یجب علیہ ذلک۔ (الفتاوی الهندیۃ ج ۵ ص۳۲۶ الباب السابع فی السلام الخ)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص۴۱۵ باب الحظر والاباحۃ۔

[2] قال الشیخ ابراهیم الحلبیؒ: یکرہ ان یصلی حاسراً ای حال کونہ کاشفاً رأسہ تکاسلاً ای لاجل الکسل وبسببہ ان استقل تغطیتہ ولم یرھا امراً مھماً فی الصلوٰۃ ولا بأس بہ اذا فعل بہ تذللاً وخشوعاً۔ (حلبی کبیر ص۳۴۸ مکروھات الصلوٰۃ)

وَمِثْلُہٗ فی الخانیۃ علیٰ هامش الهندیۃ ج ۱ ص۱۳۵ کتاب الصلوٰۃ فصل فی مکروھات الصلوٰۃ۔

عمل ہو جائے گا۔

لما قال العلامة الشیخ احمد الطحطاویؒ : ویستحب احفاء الشوارب وتراہ افضل من قصها وفی شرح شرعة الاسلام - قال الامامؒ الاحفاء قریب من الحلق - (الطحطاوی ص۲۸۷ باب الجمعة) ؎۱

عورتوں کا سر کے بال کٹوانا

سوال :- آجکل بعض فیشن ایبل عورتیں سر کے بال کٹواتی ہیں، تو کیا عورتوں کے لیے سر کے بال کٹوانا یا کم کروانا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- عورتوں کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مردوں سے مشابہت ممنوع قرار دی ہے، چونکہ سر کے بال کم کرنے یا کٹوانے کا معمول مردوں کا ہوتا ہے اس لیے عورتوں کے لیے یہ طریقہ اختیار کرنا مردوں سے مشابہت کی وجہ سے حرام ہے، البتہ کسی بیماری یا عذر ہونے کی صورت میں عورتوں کے لیے بھی بال کاٹنے یا کم کروانے کی شرعاً اجازت ہے، حج اور عمرہ میں عورتوں کے لیے بھی قصر کی اجازت ہے۔

قال العلامة ابن نجیم رحمه الله : واذا حلقت المرأة شعر رأسها فان کان لوجع اصابها فلا بأس به وان حلقت تشبیهاً بالرجال فهو مکروه -
(البحر الرائق ج ۸ ص۲۰۵ کتاب الکراهیة، فصل فی البیع) ؎۱

؎۱ لمافی الهندیة : ویأخذ من شاربه حتی یصیر مثل الحاجب .... قص الشارب حسن ..... وتقصیران یأخذ حتی تنقص من الاطار -
(الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۳۵۸ الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء)
ومثله فی البحر الرائق ج ۸ ص۲۰۵ کتاب الکراهیة، فصل فی البیع)

؎۱ لمافی الهندیة : ولو حلقت المرأة رأسها فان فعلت بوجع اصابها لا بأس به وان فعلت ذلك تشبیهاً بالرجل فهو مکروه -
(الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۳۵۸ الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء)
ومثله فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۶ ص۴۰۷ کتاب الحظر والاباحة -

مغربی فیشن کے مطابق سر کے بال کٹوانا

سوال:۔ اگر کوئی مسلمان اپنے سر کے بالوں کا بعض حصہ زیادہ کٹوائے اور بعض حصہ کم کٹوائے یا دیگر مغربی فیشن کے مطابق سر کے بال کٹوائے، تو کیا اس طریقے سے سر کے بال کٹوانا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو سر کا حلق کیا ہے اور یا تین طریقوں سے (یعنی وفرہ ، لمہ اور جمہ) سر کے بال رکھے ہیں ۔ لہٰذا اگر سر کے بعض بال زیادہ کاٹ دیئے جائیں اور بعض رکھے جائیں تو یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے ہٹ کر غیر مسلم اقوام کی مشابہت ہے اس لیے ان غیر مسلم اقوام کی وجہ سے اس قسم کے بال بنانے سے اجتناب ضروری ہے ۔

لما ورد فی الحدیث : عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تشبہ بقومٍ فھو منھم ۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۰۳ کتاب اللباس) [1]

غیر ضروری بالوں کی صفائی کا حکم

سوال :۔ زیرِ ناف بالوں کے ازالہ کے لیے مستحسن طریقہ کیا ہے ؟

الجواب :۔ مرد و زن کے لیے کسی بھی طریقے سے اپنے بدن کے غیر ضروری بالوں کا ازالہ ضروری ہے، ان کے ازالہ کے لیے کسی دوائی یا آلہ کا سہارا لینا جائز ہے تاہم خواتین کے لیے انگلیوں سے نکالنا مستحسن ہے ۔

لما قال العلامة ملا علی القاریؒ : قالوا الاولیٰ للمرأۃ النتف لانہ أنظف وأبعد لنفوۃ الحیل من بقایا اثر الحلق ولأن شھوۃ المرأۃ اضعاف شھوات الرجل اذ جاء ان لھا تسعاً وتسعین جزءً منھا وللرجل جزءٌ والنتف یضعفھا والحلق یقویھا فأمر کل منھا بما ھو انسب بہ ۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵) [2]

---

[1] لما فی الھندیۃ : ان السنۃ فی شعر الرأس اما الفرق واما الحلق وذکر الطحاوی ان الحلق سنۃ ۔ (الفتاوی الھندیۃ ج ۵ ص ۳۵۷ الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء)

[2] قال العلامۃ ابن عابدینؒ : (قولہ ویستحب حلق عانتہ) قال فی الھندیۃ ویبتدی من تحت السرۃ ولو عالج بالنورۃ یجوز، کذا فی الغرائب وفی الاشباہ والسنۃ فی عانۃ المرأۃ النتف ۔ (ردالمحتار ج ۶ ص ۴۰۶ کتاب الحظر والاباحۃ، فصل فی البیع)

زیرِ ناف بالوں کی صفائی کی حد

سوال:۔ از روئے شریعت زیرِ ناف بالوں کی کہاں سے کہاں تک صفائی کرنا ضروری ہے ؟

الجواب: عام شراح حدیث وفقہاء کے بقول شرمگاہ کے ارد گرد بالوں کا صاف کرنا ضروری ہے ناف تک صاف کرنا لازمی نہیں ہے ۔

لما قال الامام محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النوویؒ: المراد بالعانة الشعر الذی فوق ذکر الرجل وحوالیه وکذٰلك الشعر الذی حوالی فرج المرأة ۔

(شرح صحیح المسلم للنووی ج ۱ ص۱۲۸ باب خصال الفطرة)[1]

زیرِ ناف بالوں کی صفائی کا مستحب وقت

سوال:۔ زیرِ ناف بالوں کی صفائی کا مستحب وقت کیا ہے ؟

الجواب:۔ زیرِ ناف بال ہفتے میں ایک بار صاف کرنا مستحب ہے اور چالیس دن تک تاخیر کرنا مکروہ ہے ۔

قال العلامة علاؤ الدین الحصکفیؒ: (ویستحب) حلق عانة وتنظیف بدنه بالاغتسال فی کل اسبوع مرة) والافضل یوم الجمعة وجاز فی کل خمسة عشر وکره ترکه وراء الاربعین ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۴ ص۴۰۶ کتاب الحظر والاباحة فصل فی البیع)[2]

---

[1] قال الشیخ القاضی محمد بن علی الشوکانی رحمه الله: والمراد بالعانة الشعر فوق ذکر الرجل وحوالیه وکذٰلك الشعر الذی حول فرج المرأة ۔

(نیل الاوطار ج ۱ ص۱۲۳ باب الختان)

ومثله فی فتح الملهم ج ۱ ص۴۱۹ باب خصال الفطرة ۔

[2] وفی الهندیة: والافضل أن یقلم اظفاره ویحفی شاربه ویحلق عانته وینظف بدنه بالاغتسال فی کل السبوع مرة فان لم یفعل ففی کل خمسة عشر یوماً لایعذر فی ترکه وراء الاربعین فالاسبوع هو الافضل والخمسة عشر الاوسط والاربعون الابعد ولاعذر فیما وراء الاربعین ویستحق الوعید ۔

(الفتاوی الهندیة ج ۵ ص۳۵۷ الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء الخ)

ومثله فی مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر ج ۲ ص۵۵۶ کتاب الکراهیة ۔

پیدائشی طور پر مختون بچے کے ختنہ کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی بچہ مختون پیدا ہو یعنی اس کا حشفہ پوست سے باہر نظر آتا ہو اگرچہ مکمل طور پر باہر نہ ہو) تو کیا اس کا دوبارہ ختنہ کیا جائے گا یا نہیں ؟

الجواب:۔ مختون بچے کے بارے میں اہل الرائے سے مشورہ کیا جائے، اگر اس کا مختون ہونا یقینی ہو تو دوبارہ ختنہ کرنا ضروری نہیں۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاریؒ: الصبی اذا کانت حشفته ظاهرة ولا یمکن ان یمد جلده ذکره الا بتشدید وظهور حشفته بحاله لو رآها انسان یریها کانه اختتن لا یتشدد علیه ویترک ولا یتعرض۔ (خلاصة الفتاوی ج ۴ ص ۳۴۰ کتاب الکراهیة، جنس آخر) ؎۱

بعد البلوغ ختنہ میں شرمگاہ پر نگاہ پڑنے کا حکم

سوال:۔ بالغ ہونے کے بعد ختنہ کرنے کی صورت میں نگاہ شرمگاہ پڑنے کا شرعاً کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ ختنہ شعائرِ اسلام میں شمار ہوتا ہے جو شرعاً ہر مسلمان کے ذمّے لازمی ہے، اس لیے ضرورت کے تحت ڈاکٹر یا حجام کی نگاہ کا عورتِ غلیظہ پر پڑنا مرخص ہے۔

لما قال العلامة الکاسانیؒ: فلا بأس ان ینظر الرجل من الرجل الیٰ موضع الختان لیختنه او یداویه بعد الختن۔ (بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ۵ ص ۱۲۳ کتاب الاستحسان) ؎۲

؎۱ وفی الهندیة: الصبی اذا لم یختتن ولا یمکن ان یمد جلدته لتقطع الا بتشدید وحشفته ظاهرة اذا رآه الانسان یراه کانه ختن ینظر الیه الثقات واهل البصر من الحجامین فان قالوا هو علیٰ خلاف ما یمکن الاختتان فانه لا یشدد علیه ویترک۔ (الفتاوی الهندیة ج ۵ ص ۳۵۷ الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء)

؎۲ قال العلامة ابن البزاز الکردریؒ: یجوز النظر الیٰ فرج الرجل للختن۔ (الفتاوی البزازیة علیٰ هامش الهندیة ج ۶ ص ۳۷۲ کتاب الکراهیة۔ الباب التاسع فی المتفرقات)

ومثله فی رد المحتار ج ۶ ص ۳۷۱ کتاب الحظر والاباحة، فصل فی النظر والمس۔

چہرے کے زائد بال دُور کرنے کا حکم

سوال :- چہرے سے داڑھی کے علاوہ زائد بالوں کا دور کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- داڑھی کی حدود کے علاوہ چہرے کے زائد بالوں کے دور کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے تاہم اس میں اتنا مبالغہ نہ کیا جائے کہ مخنث سے مشابہت ہو جائے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ : ولا بأس بأخذ الحاجبین وشعر وجهه مالم یشبه المخنث ۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۴۰۷ کتاب الحظر والاباحة ، فصل فی البیع) [1]

داڑھی کی شرعی حد

سوال :- جناب مفتی صاحب ! شریعتِ مقدسہ میں داڑھی رکھنے کی کوئی حد مقرر ہے یا نہیں ؟

الجواب :- داڑھی انبیاء علیہم السلام کی سنتِ قدیمہ ہے اور شعائرِ اسلام میں اس کا شمار ہوتا ہے ، فقہاء کرام کی تحقیقات کی روشنی میں داڑھی کا رکھنا واجب ہے جس کی مقدار ایک مشت ہے اس سے کم داڑھی رکھنا خلافِ سُنّت ہے۔

لما رواہ امام ابویوسفؒ یعقوب بن ابراهیم الانصاری : عن ابن عمرؓ أنه کان یقبض علی لحیته فیأخذ منها ما جاوز القبضة ۔ (کتاب الآثار للامام ابو یوسف ص ۲۳۴ فی الخضاب والاخذ من اللحیة ، رقم حدیث ۱۰۳۹) [2]

---

[1] قال العلامة الاستاذ محمد التهیر بالطوری فی تکملة البحر : ولا بأس بان یأخذ الحاجبین وشعر وجهه مالم یشبه المخنث ۔ (البحر الرائق ج ۸ ص ۲۰۴ کتاب الکراهیة ، فصل فی البیع)

[2] قال العلامة علی بن سلطان محمد القاریؒ : وفی الاحیاء قد اختلفوا فیما طال من اللحیة ان قبض الرجل علی لحیته وأخذ ما تحت القبضة فلا بأس به وقد فعله ابن عمرؓ من التابعین واستحسنه الشعبی وابن سیرین ۔
(مرقاة المفاتیح ج ۸ ص ۲۹۸ باب الترجل ، الفصل الاول)

وَمِثْلُهٗ فی کتاب الآثار للمحمد ص ۱۹۸ باب حف الشعر من الوجه ۔

مصافحہ کے بعد ہاتھوں کو چومنا

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ جب وہ کسی سے ملتے ہیں تو مصافحہ کے بعد اپنے ہاتھ چومتے ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت مصافحہ کرنے کے بعد اپنے ہاتھ چومنا مکروہ ہے، شریعت مقدسہ میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ: وکذا ما یفعله الجهال تقبیل ید نفسها اذا لقی غیره فهو مکروه فلا رخصة فیه۔

(الدر المختار علیٰ هامش رد المحتار ج۵ ص۲۴۵ کتاب الکراهیة)

بے دین خواتین سے پردہ کرنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! بعض خواتین گندے اخلاق اور کردار والی ہوتی ہیں شرفاء اور دیندار گھرانوں میں اُن کے آنے جانے سے فتنہ اور فساد کا خطرہ ہر وقت رہتا ہے۔ تو کیا شرعاً اس بات کی اجازت ہے کہ دیندار گھرانوں کی باپردہ خواتین ان سے پردہ کریں؟

الجواب:۔ اسلام انسان کی عفت وعصمت اور عزت وآبرو کا خیال رکھتا ہے، اور جن عوامل سے اس کی عفت وعصمت پامال ہوتی ہو وہاں سے منع کرتا ہے، جیسا کہ دیندار اور باپردہ گھروں میں برے اور گندے اخلاق والی خواتین کے آنے جانے سے معصوم بچوں خصوصاً عفت مآب خواتین کے متاثر ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ لہٰذا فتنہ وفساد سے بچنے کے لیے بے دین اور بُرے اخلاق والی عورتوں سے عفیف اور دیندار خواتین کو پردہ کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدین رحمه الله: ولا ینبغی للمرأة الصالحة ان تنظر الیها المرأة الفاجرة لانها تصفها عند الرجال فلا تضع جلبابها ولا خمارها۔ (رد المحتار ج۵ ص۲۳۸ کتاب الحظر والاباحة۔ فصل فی البیع)۔

ٹیلیویژن کے بُرے اثرات اور مسلمانوں کی ذمہ داری

سوال: مخدومی حضرت شیخ الحدیث صاحب مدظلہ!

یہاں کلیرنس سٹریٹ بولٹن یوکے میں گھر گھر دل بہلانے کے لیے ٹیلیویژن نصب ہیں جس کے پروگرام عموماً یہ ہیں کہ برہنہ یا نیم برہنہ لڑکیاں رقص وسرود کرتی ہیں۔ گانا بجانا، بوس وکنار، دھینگا مشتی اور فحاشی کی اشاعت ہوتی ہے، عیسائیت کا پرچار اور عالمی حسیناؤں کے انتخاب کے دلخراش مناظر اور مختلف فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔ غیر محرم مرد وعورتیں اور خاندان کے افراد ماں بیٹا، بہن بھائی، باپ بیٹی اکٹھے بیٹھ کر ان فلموں کے حیاء سوز مناظر کو دیکھتے ہیں، تعلیم اور دنیاوی کاروبار سب کاموں میں اس سے رکاوٹ اور پیداوار میں کمی واقع ہو رہی۔ رنگون کے ایک مفتی صاحب نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ آنجناب ہمیں اسکی شرعی حیثیت سے مطلع فرمائیں، ہم آپ کی تحریر کی کاپیاں سائیکلوسٹائل کر کے انگلینڈ میں آباد تمام مساجد میں فریم کرا کے رکھ دیں گے تاکہ مسلمانوں کو انتباہ ہو سکے اور وہ اس کے بُرے اثرات اور تباہ کاریوں سے بچ سکیں؟

الجواب: ٹیلیویژن کے بارہ میں آپ کے خیالات بالکل صحیح ہے۔ تصویر پرستی اور تصویر کشی اسلام میں حرام ہے، پھر جبکہ ٹیلیویژن پر فحاشی اور عریانی کا غلبہ ہو تو اس کا نتیجہ سوائے اخلاقی بے راہروی، مادہ پرستی، خدا فراموشی، بیحیائی اور وقت ضائع کرنے کے اور کچھ ظاہر نہیں ہو سکتا، خاص کر یورپی ممالک میں تو ایسی چیزوں کی ہلاکت آفرینی اور بھی زیادہ ہے۔ تصویر کشی غلط تاویلات سے جائز نہیں ہو سکتی اور نہ مرد وعورت کا نامحرموں کی طرف دیکھنا خواہ آئینہ یا تصویر کی شکل میں ہو جائز ہو سکتا ہے۔ **الغرض** اس کے مفاسد اور قبائح یقینی ہیں، اس لیے تمام مسلمانوں کو اس لعنت سے احتراز کرنا ضروری ہے خصوصاً یورپ میں رہنے والے مسلمانوں کی ذمہ داری تو بہت نازک ہے، ان میں سے ہر ایک کو اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ اور مبلّغ بننا چاہیئے نہ کہ خود یورپی تہذیب میں ضم ہو کر اپنی اسلامی حیثیت ہی ختم کر دی جائے۔ افسوس کہ یہ برائی اب ہمارے ملک میں بھی تیزی سے پھیل رہی ہے۔ افراد خانہ اور بیوی بچوں کے اخلاق اور نفسیات پر اس کے جو قبیح اثرات پڑ رہے ہیں پوری مسلم قوم اس سے غافل ہے۔ نتیجہ عام خرابی اور وسیع بربادی کی شکل میں ظاہر ہوگا مگر اس وقت تدارک انتہائی مشکل ہوگا۔

ٹیلیویژن اور وی سی آر کا شرعی حکم

سوال: کیا ٹیلیویژن اور وی سی آر پر غیر محرم مرد و زن کو دیکھنا اور غیر محرم عورت کا نغمہ اور ترنم سننا اور ٹیپ ریکارڈر وغیرہ سے سرود سننا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: ٹی وی اور وی سی آر پر غیر محرم مرد و زن کو شہوت کے طور سے دیکھنا اور غیر محرم عورت کا نغمہ اور ترنم سننا اور ٹیپ ریکارڈر وغیرہ سے سرود سننا ناجائز اور حرام ہے، کیونکہ جو شیطانی لذت اصل کو دیکھنے اور سننے سے حاصل ہوتی ہے تو اس جیسی لذت اس کے عکس اور صوت سے بھی حاصل ہوتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ تصویر اور عکس میں فرق ہے، وہ یہ کہ جو شکل دھات، تار، زنگ، پلاسٹک وغیرہ ذی جرم اشیاء سے بنائی جائے اس کو تصویر اور صورت کہا جاتا ہے اور وہ قدرتی طور سے بقاء اور ثبات رکھتی ہے، اور جو شکل آئینہ وغیرہ سے تقابل کے وقت دکھائی دے اس کو عکس کہا جاتا ہے، یہ عکس صرف انتقاش ہوتا ہے ذی جرم اور ذی جسد نہیں ہوتا اور طبعی طور سے بقا اور ثبات نہیں رکھتا بلکہ تقابل کے زوال سے وہ بھی زائل ہو جاتا ہے البتہ اس کو مصنوعی طور سے باقی اور برقرار رکھا جاتا ہے اور تصویر جیسا دکھائی دیتا ہے بلکہ عرفِ عام میں اس کو بھی تصویر کہا جاتا ہے، جیسا کہ عرفِ عام میں اصل آواز کے عکس اور آوازِ بازگشت کو مصنوعی طور سے باقی رکھنے کے بعد اصل آواز کہا جاتا ہے، اور شرعی اصول کی بناء پر صورت اور عکس میں دیگر فرق بھی موجود ہے وہ یہ کہ زندہ اور جاندار اشیاء کی تصویر کشی شرعاً ناجائز ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

من صور صورۃ فی الدنیا کلف یوم القیٰمۃ ان ینفخ فیھا الروح ولیس بنافخ۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۸۱ باب من لعن المصور)

جس نے کسی زندہ چیز کی صورت بنائی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو مکلف اور مجبور کرے گا کہ وہ اس میں روح ڈالے اور وہ اس میں روح نہیں ڈال سکے گا۔

اور آئینہ وغیرہ کو دیکھنے سے عکس بنانا ناجائز نہیں ہے کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ دیکھتے تھے۔ فیض القدیر میں بحوالہ سنن ابن ماجہ، طبرانی اوسط، بیہقی مسطور ہے:۔

کان اذا نظر فی المرآۃ قال الحمد للہ۔	یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جب آئینہ دیکھتے تو اللہ کی حمد بیان کرتے۔

واضح رہے کہ عکس کی طرح بت اور تصویر کو دیکھنا بذاتِ خود ناجائز نہیں ہے، اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں:۔

وَتَرٰاهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ (الاعراف ع ۔۔)	اور تو دیکھے کہ تکتے ہیں تیری طرف اور حالانکہ وہ کچھ نہیں دیکھتے۔

بخاری شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:۔

انہا اشترت نمرقۃ فیہا تصاویر فلما راٰہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قام علی الباب فلم یدخل۔ (صحیح بخاری ج۲ ص۸۸۱ باب من لم یدخل بیتا فیہ صورۃ)	یعنی عائشہ صدیقہؓ نے ایک تکیہ خریدا جس میں تصاویر تھیں، پس جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور اندر تشریف نہ لائے۔

تو ان دلائل کی رُو سے عکس، تصویر، بت کو دیکھنا ممنوع نہیں ہے البتہ اگر ان کو دیکھنے میں مفسدہ موجود ہو، مثلاً یہ دیکھنا شیطانی تفریح اور شیطانی لذّت حاصل کرنے کیلئے ہو تو ممنوع ہوگا، بخاری شریف کی ایک حدیث میں وارد ہے کہ:۔

لا تباشر المرأۃ المرأۃ فتنعتہا لزوجہا کانہ ینظر الیہا۔ {صحیح بخاری ج۲ ص۷۸۸ باب لا تباشر المرأۃ فتنعتہا لزوجہا}	یعنی کوئی عورت کسی عورت کے ساتھ نہ لیٹے حتیٰ کہ اس کے بعد یہ عورت اپنے خاوند کو اس دوسری عورت کے اعضاء کی ترجمانی کرے گویا کہ یہ خاوند اس کو دیکھ رہا ہو۔

اس حدیث شریف کی روشنی میں جب بیوی کی ترجمانی سے اس کے خاوند کے دماغ میں اس اجنبی عورت کی خیالی تصویر سے لذّت حاصل کرنا شنیع اور منکر ہوا تو آنکھوں سے دکھائی دینے والے عکس اور تصویر سے یہ لذّت حاصل کرنا بطریق اولیٰ شنیع اور منکر ہوگا، کیونکہ اس میں اس مفسدہ کا خطرہ زیادہ ہے۔

اور جب اجنبی عورت کا نغمہ اور ترنم سننا حرام ہے کیونکہ اس سے غیر محرم عورت کا

میلان پیدا ہوتا ہے تو اس کے نغمہ اور ترنم کا عکس سننا بھی حرام ہوگا کیونکہ یہ مفسدہ اور جاذبیت اس میں بھی موجود ہے اور یہی حکم ٹیپ ریکارڈ وغیرہ سے سرود کے عکس کے سننے کا ہے۔

تو اس تفصیل کی بناء پر واضح ہوا کہ اگرچہ ٹی وی اور وی سی آر پر اصل شئے نظر نہیں آتی بلکہ ان پر عکس دیکھا جاتا ہے جو کہ جدید صناعت کی وجہ سے قائم اور ثابت ہوتا ہے لیکن یہ عکس اصل کے اعضاء اور محاسن کی بلا خیانت ترجمانی کرتا ہے، اور اس عکس کے دیکھنے سے اصل کے دیکھنے کی طرح شیطانی لذت اور خواہش پوری کی جاتی ہے تو لازمی طور پر ان آلات پر صنف مخالف کے عکس کو دیکھنا ناجائز اور حرام ہوگا، اسی طرح غیر محرم عورت کے ترنم اور نغمہ کے عکس کا سننا اور سرود کے عکس کا سننا بھی حرام ہوں گے۔

داڑھی کی مسنون مقدار

سوال: داڑھی کی مقدار مسنون اور اس کے بڑھانے کے بارہ میں شریعت مطہرہ کا کیا حکم ہے؟

الجواب۔ داڑھی کے مقدار کے بارہ میں بعض قوی اور مشہور روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ داڑھی اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے عن ابن عمران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال احفوا الشوارب واعفوا اللحی۔ یعنی مونچھوں کو کٹواؤ اور داڑھی کو بڑھاؤ ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۰۰ اس کے علاوہ ابن عمرؓ کی دوسری روایت میں ہے عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر باحفاء الشوارب واعفاء اللحی امام ترمذیؒ نے دونوں روایات کو حسن وصحیح کہا ہے اور ان کے رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے احادیث داڑھی کے مقدار کے بارہ میں مطلق ہیں اور مطلق اعفاء بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے جس سے داڑھی لمبا کرنے کا مسنون اور ... یہ ہونا معلوم ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں امام ترمذیؒ نے ایک دوسری روایت بھی نقل کی ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یاخذ من لحیتہ من عرضہا وطولہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی مبارک کو طول وعرض سے کٹواتے تھے کہ اس روایت کو امام ترمذیؒ نے حدیث "غریب" کہہ کر اس کی سند پر جرح بھی کی ہے اس کے علاوہ خود ابن عمرؓ اور ابی ہریرہ کے بارہ میں بھی منقول ہے کہ وہ مٹھی سے زیادہ کٹواتے تھے (ابوداؤد ونسائی) (ابن ابی شیبہ) بہرحال ان تمام روایات واقوال کو سامنے رکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ اگر داڑھی کٹوانا چاہے تو مٹھی بھر سے زیادہ بال کٹوا سکتا ہے مٹھی سے کم کٹوانا بالاتفاق حرام ہے اور اگر مذکورہ بالا ابن عمرؓ کے روایات پر عمل کرنا پسند کرے تو مٹھی سے زیادہ بڑھا سکتا ہے دونوں صورتیں سنت کے خلاف نہیں شیخ عبدالحق محدث دہلوی لمعات شرح مشکوٰۃ میں مٹھی بھر سے زیادہ کٹوانے کے بارہ میں

فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص داڑھی کو مٹھی سے زیادہ کٹا دے تو جائز ہے کیوں کہ ابن عمرؓ سے ایسا ثابت ہے امام شعبی ابن سیرین بھی اس کو پسند کرتے تھے جس سے جائز ہونا معلوم ہوتا ہے دوسری طرف بعض سلف داڑھی بڑھانے اور لمبا کرنے کو پسند کرتے تھے جیسے حسن بصریؒ اور حضرت قتادہ نیز صحابہ کرامؓ کے بارے میں بھی حضرت عثمان یہی منقول ہے یہاں تک کہ امام غزالیؒ نے خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں تصریح کی ہے کہ وکان یعنی لحیتہ ویأخذ شاربہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم داڑھی مبارک بڑھاتے تھے اور مونچھ مبارک کٹواتے تھے (احیاء العلوم ج ۲ ص ۳۸۳)

شیخ ابوبکر مالکیؒ شرح ترمذی میں فرماتے ہیں ان ترک لحیتہٗ فلاحرج علیہ۔
(شرح ابوبکر مالکیؒ ج ۱۰ ص ۲۱۹)

حضرت ملا علی قاری نے ابن الملک کی ایک روایت میں داڑھی بڑھانے کو مختار اور بہتر کہا ہے۔

قال ابن الملک اما لاجن من اطراف للحیۃ من طولہا وعرضہا للتناسب فحسن لکن المختار ان لا یاخذ تنہا شیئاً (نفع قوت المغتدی حاشیہ ترمذی ج ۲ ص ۱۰۰) اسی طرح شاہ محمد اسحاق المحدث دہلویؒ کے بارہ میں حاشیہ مذکور میں ہے قال عندی اخذ اللحیۃ ما فوق القبضۃ جائز لکن الاولیٰ (حوالہ تذکرہ) خلاصہ یہ کہ ان روایات واقوال سے داڑھی کا بڑھنا اور لمبا کرنا ہی افضل اور بہتر ومسنون معلوم ہوتا ہے اور جن روایات سے مٹھی سے زائد کٹوانا معلوم ہوتا ہے وہ بھی اپنی جگہ صحیح ہیں روایات میں تعارض نہیں ہمارے حضرت الاستاذ شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری قدس اللہ سرہ العزیز اعفاء اللحیۃ کو اطلاق پر حمل کرکے اس کو بڑھانا ہی افضل اور بہتر سمجھتے تھے اور مٹھی بھر سے زیادہ نہیں کٹواتے تھے کئی صحابہؓ و تابعین اور مشائخ کا نمونہ ان کے سامنے موجود تھا۔ جس وجہ سے بعض علماء نے مٹھی بھر ہی کو قدر مسنون کہہ کر اسے افضل قرار دیا مگر انہوں نے مٹھی بھر بڑھانے کو ناجائز نہیں کہا۔ والسلام

عورتوں کے حقوق

اسلام کامل اور مکمل نظام حیات ہے، اس میں ہر ایک کے حقوق کا خیال رکھا گیا ہے، چاہے مرد ہو یا عورت، اور خصوصاً عورت کو تو اسلام نے وہ مقام دیا ہے جو اسے پہلے حاصل نہ تھا۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ فتنہ و فساد اور بے حیائی کی روک تھام کے لیے ان کو پردے اور حجاب کا حکم دیا جو کہ موافق فطرت ہے۔ لیکن عصر حاضر میں یورپ جس طرح دوسرے امور میں خلافِ فطرت کام کرتا ہے اسی طرح عورتوں کے حقوق کی آڑ میں عورتوں کی غیر فطری آزادی اور بے حیائی کو عام کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے جبکہ بعض نام نہاد مسلمان بھی یورپ کی ذہنی غلامی سے مرعوب ہو کر اس نظریہ کو عام کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ نے "عورتوں کے حقوق، آزادی اور بے حیائی کا مسئلہ" کے عنوان سے ایک وقیع مضمون لکھا جو ماہنامہ الحق کی زینت بنا۔ مضمون کی افادیت کے پیش نظر "فتاویٰ حقانیہ" میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

یورپ کی غلامی میں آ کر جب عالم اسلام کے ذہن و فکر اور تہذیب و اخلاق کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور جن دینی علمی اور اخلاقی فتنوں نے اسلامی تہذیب و معاشرت پر یلغار کی۔

مساواتِ مرد و زن۔ تہذیبِ مغرب کا اہم فتنہ اس میں سرِفہرست ایک اہم فتنہ تحریک آزادیٔ نسواں اور مساواتِ مرد و زن ثابت ہوا، اسلام کے نظامِ ستر و حجاب اور عورتوں کے مقدس اور محترم مقام و منزلت اور اس پر مبنی ایک پاکیزہ خاندانی نظام کو تہ و بالا کرنے کیلئے مستشرقینِ یورپ، غیر مسلم مصنفین اور ہمارے ہاں کی یورپی کو معیارِ حق و انصاف سمجھنے والے نام نہاد

مصلحین اور ترقی پسندوں نے اس نظام کو نشانۂ تضحیک بنایا، مسلمانوں میں مغرب سے مرعوب اذہان نے مغرب کی لے میں لے ملائی کبھی تعددِ ازواج کی ہنسی اڑائی گئی، پردہ کو مشقِ تحقیق بنایا گیا اور کبھی مسلمان عورتوں کی مظلومیت اور قید و بند کا ماتم شروع کیا۔ اس طرح مسلمان عورت کی ایک نہایت بھیانک قابلِ رحم تصویر بنا دی گئی، برِصغیر کے عہدِ غلامی سے طرح طرح کی آوازیں اٹھتی رہیں۔

بے حیائی کا عروج قیامِ پاکستان کے بعد عورتوں کی بے پردگی اور بے حجابی میں بے پناہ اضافہ ہوا، عورت کو اس کے مقامِ حیا و عفت سے ہٹانے کی مساعی ہوتی رہی۔ مگر ایک دعوت اور تحریک کی شکل میں یہ کام بھی پچھلے دو ایک سال سے بڑی تیزی سے بڑھنے لگا پچھلے سال کو خواتین کا عالمی سال کہا گیا۔ پاکستان بھی اس مہم میں یورپی اقوام سے پیچھے نہ رہا یہاں تک کہ پاکستان کی اعلیٰ خواتین کے ایک وفد نے میکسیکو کی ایک تقریبِ خواتین میں شرکت کی جس میں پیشہ ور عورتوں نے پیشہ کو قانونی حق دینے اور ایک عورت کو کئی مردوں سے شادی رچانے جیسے مطالبے بھی کئے گئے۔ قومی اسمبلی میں خواتین کے عالمی سال کے متعلق ایک قرارداد پیش کی گئی اور سال بھر آزادئ نسواں اور حقوقِ نسواں کی تائید میں تقریریں ہوتی رہیں۔

وزیرِ اعظم بھٹو کی دعوتِ بے حجابی مگر اس مسئلہ کا نقطۂ عروج وہ تھا جب پاکستان کے محترم وزیرِ اعظم نے نبئ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی سیرتِ مقدسہ سے متعلق کانگریس کی آخری تقریب کراچی کے استقبالیہ میں دنیا بھر کے مفکرین کے سامنے پردہ کے بارہ میں اظہارِ خیال فرمایا اور یہ ہماری رائے میں اس کانگریس کا خاتمہ نہیں سوءِ خاتمہ تھا۔ جب آپ نے فرمایا کہ ہمیں اقتصادی مشکلات کی وجہ سے پردہ جیسے فرسودہ خیالات پر نظرِ ثانی کرنا ہوگی۔ پھر جناب وزیرِ اعظم نے ایک اور عملی قدم اٹھاتے ہوئے بلوچستان کی ایک تقریب میں عورتوں کو پردے سے باہر آجانے کی دعوت دی اور فرمایا کہ یہ مساوات نہیں کہ عورتیں گھروں کی قید و قفس میں محصور رہیں، انہیں سیاسی اور اجتماعی میدانوں

میں سامنے آنا چاہیئے اور یہ فرسودہ روایات ہیں۔ یہ صرف ایک رائے اور اظہارِ خیال نہ تھا، بلکہ ایک مسلم اور غیور و جسور قوم کو عملی دعوت تھی، اور یہ سطور لکھتے وقت اسلام آباد میں عورتوں کی حیثیت کے بارہ میں آر، سی، ڈی کے سیمنار میں صدرِ مملکت سمیت کئی اعیانِ سلطنت کے ایسے ہی خیالات اور پیغامات سامنے آرہے ہیں۔ پس جب قوم کھلے دل سے ایک اہم مسئلہ پر اپنے عمائدین کے ایسے خیالات سن رہی ہے، تو اسی طرح خدا اور رسول کی مسئولیت اور ذمہ داریوں کے پیشِ نظر ہمیں کچھ گذارشات پیش کرنے کا بھی حق ہے اور جب مسئلہ زیرِ بحث کا تعلق سیاسی نظریات اور سیاست سے نہیں، ملک کی اخلاقی، معاشرتی قدروں اور اسلام کے ایک مستقل نظامِ عصمت و عفت سے ہے تو ہر دردمند مسلمان کو قرآن وسنت کی روشنی میں اظہارِ خیال کا حق ملنا چاہیئے اور کھلے دل سے اسے سننا چاہیئے۔

اسلام میں عورت کی حیثیت اور حقوق اصولی طور پر پہلے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا واقعی اسلام میں عورت کی حیثیت اور حقوق کے تعین کا مسئلہ مبہم چھوڑ دیا گیا ہے۔ اور کیا واقعی اسلام نے عورت کو اس کا جائز مقام نہیں دیا اور یہ کہ اس بارہ میں دشمنانِ اسلام کا پروپیگنڈہ واقعی صحیح ہے؟ اس بارہ میں ہمیں تاریخ پر سرسری نگاہ ڈالنی ہوگی۔ اس بارہ میں کیا عرب اور کیا عجم اقوام و ادیانِ عالم کی تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب العلم بھی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اسلام ہی وہ دینِ فطرت اور دینِ رحمت تھا جس نے عورت کو تحت الثریٰ سے اٹھا کر اوجِ ثریا تک پہنچا دیا۔

ظہورِ اسلام سے قبل عورت کا مقام ظہورِ اسلام سے قبل دنیا بھر کے اقوام و ملل اور انسانی رسوم و رواج میں عورت جس ظلم وستم اور ابتذال و تحقیر کی حالت میں مبتلا تھی اسے قرآن نے ایک اعجازی لفظ جاہلیتِ اولیٰ سے تعبیر کیا ہے۔ یہ جاہلیت کیا تھی تاریخ شاہد ہے کہ اسے ایک مبتذل چیز سمجھا جاتا تھا جانوروں کی طرح اس کی خرید و فروخت عام بات تھی وہ کسی چیز کی مالک نہ سمجھی جاتی نہ وہ اپنے مال و متاع میں مردوں کی مرضی کے بغیر کوئی تصرف کرسکتی تھی نہ وہ کسی کی

وراثت کی حقدار تھی نہ اسے کسی قسم کی وصیت کرنے کا حق تھا۔ اس کے قتل ہو جانے کی صورت میں دیت اور قصاص میں وہ مردوں کے برابر نہ تھی۔ نکاح میں اس کی مرضی تو بڑی بات ہے مرد جب چاہتا اسے پیشہ کرانے پر بھی مجبور کر سکتا تھا۔

عورت اور جاہل اقوام کے نظریات | عورت کے بارہ میں جاہل اقوام کے عجیب روح فرسا نظریات تھے، روم جیسے متمدن اقوام میں ایک عرصہ تک سرے سے یہ مسئلہ بھی محل نظر رہا کہ عورت انسان بھی ہے یا جانوروں کی طرح کوئی اور مخلوق۔ رومی ادوار میں اسے ایک نجس جانور قرار دے کر فیصلہ کیا گیا کہ اسے بات چیت کرنے کا بھی حق نہیں، باؤلے کتے یا اونٹ کی طرح اس کے منہ پر غلاف، باندھا جائے گا۔ مغربی اقوام میں ایک رائے یہ بھی تھی کہ عورت، ذی روح ہی نہیں اس بارہ میں یہ بھی اختلاف تھا کہ عورت عبادت اور بندگی کی اہلیت بھی رکھتی ہے یا نہیں بعض اقوام میں شودروں کی طرح عورتوں کے پورے طبقہ کو مقدس مذہبی کتابوں کے پڑھنے پڑھانے کی قانونی ممانعت تھی۔ اس طرح ادائیگی عبادات کی بھی، کئی قبائل اور اقوام بلکہ خود ساختہ ادیان میں والد کو یہ حق دیا گیا کہ وہ اپنی بیٹیاں بیچ سکتا ہے یہاں تک کہ بعض عرب قبائل میں اسے بیٹی کو زندہ درگور کر دینے کا "سماجی حق" حاصل تھا۔ اور یہ کوئی معیوب بات نہ سمجھی جاتی۔

دوسری طرف اس جاہلی دور میں جسے جاہلیت اولیٰ اور تبرج جاہلیت میں اشارہ کیا گیا ہے، عورت کو محض ایک آلۂ تعیش اور ذریعۂ استلذاذ بنا کر رکھ دیا گیا تھا اس کی حیثیت مردوں کی ایک شاملات ایک وقف اور ایک مشترکہ قومی ملکیت کی تھی کہ وہ مردوں کے مفادِ عامہ کی ایک مخلوق اور تفریح طبع کا ایک سامان ہے۔ اس کا فریضہ ہے کہ غلاموں کی مانند مردوں کے آرام و راحت میں لگی رہے، اور نت نئی اداؤں، عشوہ طرازیوں اور نمود و نمائش کے نئے نئے طریقوں سے مردوں کو سامانِ تسکین فراہم کرتی رہے، کئی جاہلانہ رسومات میں عورت کئی مردوں کی مشترکہ متاعِ نشاط بن سکتی تھی۔ شوہر کے ہوتے ہوئے اس کا عاشق بھی برابر کا حقدار سمجھا جاتا اور ایک مرد بلا لحاظ عدل و

انصاف اور بلالحاظ تعداد جتنی بھی چاہے عورتوں کو نکاح یا تمتع میں رکھ سکتا تھا۔

عورت پر اسلام کے احسانات | اب اسلام نے آکر ایک طرف تو اس ضعیف و ناتواں جسم سے ظلم و استبداد کی ساری بیڑیاں توڑ ڈالیں، اسے مقامِ انسانیت میں مردوں کے ہمسر قرار دیا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: یاایھا النّاس انا خلقنٰکم من ذکرٍ و انثیٰ۔ حضورؐ نے فرمایا عورتیں مردوں کا جڑواں نصف ہیں۔ پھر اسے نہ صرف خطاباتِ خداوندی کا مکلف اور مخاطب بنایا بلکہ یہ بھی کہ وہ عبادات کی اہلیت رکھتی ہے اور احکامِ دین کی تعمیل و امتثال میں اجر و ثواب اور قدر و منزلت کے اعتبار سے مردوں سے بھی سبقت لے جا سکتی ہے۔ و لیس الذکر کالانثیٰ۔ قرآن کریم نے عبدیت و عبادات میں بلا تفریق اگر مردوں کو مسلمین، مؤمنین قانتین، صادقین، صابرین، خاشعین، متصدقین، صائمین، حافظین، ذاکرین کے خطابات دیئے تو اسی کے ساتھ عورتوں کو بھی مسلمات، مؤمنات، قانتات، صادقات، صابرات، خاشعات، متصدقات، صائمات، حافظات اور ذاکرات کے تمغوں سے نوازا اور بلا امتیاز ایسے دونوں طبقوں کو مغفرت اور اجرِ عظیم کی بشارت دی۔ فوزِ عظیم جناتِ خلد اور رضوان و خوشنودی کی بشارت دیتے ہوئے دونوں فریقوں کو کہا گیا: وعد اللہ المؤمنین و المؤمنات جنّٰتٍ (الیٰ قولہٖ) ذٰلک ھو الفوز العظیم۔

دینی، دنیوی، انفرادی، اجتماعی اور معاشرتی حقوق کا تحفظ | اسلام نے نہ صرف اس کا حقِ ملکیت تسلیم کیا بلکہ اپنے مال و دولت میں ہر طرح جائز عقد و تصرف، بیع شراء، عاریت، صدقہ اور ہبہ وغیرہ تصرفات کا اختیار دیا گیا اسے وصیت کرنے کا حق دیا میراث کا اسے مستحق قرار دیا۔ فرمایا: وللنساء نصیبٌ مّمّا ترک الوالدان والاقربون۔ عورتوں کا والدین اور رشتہ داروں کی وراثت میں حصہ ہے۔ دیت اور قصاص میں وہ مردوں کے برابر ہے۔ انہیں قتل کرنا تو بڑی بات مارنا پیٹنا بھی ممنوع ہے۔ ان کی پاکدامنی اور عفت پر غلط انگلی اٹھانے والے اور تہمت لگانے

والے دنیا اور آخرت میں لعنت کے سزاوار ہیں اور انہیں عذابِ عظیم کی وعید ہے ۔
ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المومنات لعنوا فی الدنیا والآخرۃ ولھم عذابٌ عظیم ۔۔۔ (الآیۃ) اگر چاہے تو اپنے شوہر کے غلط بہتان پر اس سے لعان کر سکتی ہے اور اس سے الگ ہو سکتی ہے ۔ شریعت نے پاک دامن خواتین کی بہتان تراشی کی سخت سزا حد قذف مقرر کر دی ہے ۔ الغرض وہ ہر طرح اپنے جائز حقوق کا دفاع کر سکتی ہے ۔ اسلام نے اس کی انفرادی اجتماعی اور معاشرتی زندگی کی ہر ناجائز بندش توڑ دی ہے ۔ نکاح میں اسے اپنی مرضی اور اختیار کا حق دیا گیا کہ جسے چاہے قبول کرے ، چاہے مسترد کر دے ۔ پھر اسلام نے نکاح کی حدود بھی متعین کر دیں کہ وہ مالکیت اور مملوکیت کا رشتہ نہیں زوجین کے باہمی تعلق اور ربط کا نام ہے اس عقد سے وہ مرد کی غلام نہیں بن جاتی ، بلکہ یہ ایک ایسی تمدنی اور معاشرتی ضرورت ہے جس کے مرد اور عورت دونوں محتاج ہیں ۔ اور یہ دونوں کے فطری تقاضوں کی تکمیل ہے ۔ البتہ فریقین کی خلقی اور فطری ضرورتوں سے شوہر کو اس پر ایک گونہ برتری حاصل ہے ۔ وللرجال علیھن درجۃ ۔۔۔ اور ۔۔۔ الرجال قوامون علی النساء کہ اس میں عورت ہی کا تحفظ اور بھلائی ہے ۔ اور اس ادنیٰ برتری کے صلہ میں بھی مرد کو مہر کا پابند بنا دیا گیا ہے ، نہ صرف یہ بلکہ اس کی تمام ضروریاتِ زندگی نان و نفقہ اور لباس و سکونت کا بھی ذمہ دار مرد ہی ہے خواہ عورت کتنی بڑی مالدار اور ذی استطاعت کیوں نہ ہو مرد طرح طرح کی مشقتیں اٹھا کر اس کی اور اس کی اولاد کی ضروریات کی کفالت کا پابند ہے ۔ اس کے علاوہ بھی مرد کو ہر قسم کے حسنِ سلوک کی تلقین کی گئی ۔ فرمایا وعاشروھن بالمعروف ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جس کا سلوک اپنی بیوی سے بہتر ہے ۔

حقوق والدین کی وصیت کی گئی تو بار بار ماں کے بارہ میں زیادہ تاکید کی گئی فرمایا جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے ، فرمایا جو شخص لڑکیوں کی کفالت کرے گا دوزخ کی آگ اس پر

حرام ہوگی۔ فرمایا جو شخص دو بیٹیوں کی بلوغت تک نگہداشت کرے گا وہ جنت میں میرے ساتھ اتنا قریب ہوگا جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں قریب ہوتی ہیں۔ فرمایا ما اکرم النساء الا کریمٌ ولا اھانھن الا لئیمٌ۔ عورتوں کی عزت و تکریم شرفاء کا اور ان کی اہانت و تحقیر رذیلوں کا شیوہ ہے۔

اسی طرح تعددِ ازدواج میں جاہلیت کی غیر محدود تعداد اور مردوں کی کھلی چھٹی کو چار تک محدود کردیا گیا اور یہ بھی اس شرط سے کہ جب عدل کے تقاضوں کو پورا کیا جا سکے۔ اب مرد استطاعتِ مالی کے باوجود بھی چاہے تو چار سے زیادہ شادیاں نہیں کر سکے گا۔ اس طرح طلاق میں بے تحاشا اسراف اور دھاندلی کا سلسلہ تھا۔ اس اسراف اور ابتذال کو روکنے کے لئے مرد پر طرح طرح کے قدغن لگائے گئے۔ فرمایا: فان کرھتموھن فعسٰی ان تکرھوا شیئاً و یجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً۔ ان کے ساتھ نیکی کی معاشرت کرو۔ اگر تم انہیں ناپسند کرتے ہو تب بھی، تم کسی چیز کو ناپسند کرو گے اور خدا اس میں بہت بھلائی رکھ دے گا۔ پھر رجوع کی شکل میں اس مبغوض الی اللہ عمل کی تلافی کا موقعہ بھی مردوں کو دیا گیا۔ اسلام سے قبل بیواؤں کی حالت نہایت قابلِ رحم تھی اسلام نے نہ صرف عقدِ بیوگان کو جائز قرار دیا بلکہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے پہلے نکاح میں عملی نمونہ پیش فرمایا اور بیواؤں کی مشکل حل کردی گئی۔ عورت کو یہ حق بھی اسلام نے بخش دیا کہ وہ نکاح کی شکل میں اس باہمی معاہدہ کو بامر مجبوری اور نامساعد حالات میں فریقین کی مرضی سے فسخ اور منسوخ بھی کر سکتی ہے۔ الغرض دنیا کا کوئی دستور و نظام اور رسم و رواج ایسا نہیں جس نے عورت کو وہ مقام دیا ہو جو اسلام نے دیا۔

عورت کی عصمت و آبرو کا احترام | اسی طرح عورت کی اُس بے کسی کا معاملہ ہے جسے قرآن نے جاہلیتِ اولیٰ سے تعبیر کیا ہے جس میں عورت ایک بازیچۂ اطفال اور کھلونا بن کر رہ گئی تھی۔ اور اس وجہ سے یہ صورتحال خانگی اور تمدنی زندگی کے درہم برہم ہو جانے اور معاشرہ کی تباہی کا باعث بن رہی

تھی ۔اسلام نے ان حالات کو اس طرح ختم کردیا کہ مرد کی دست درازیوں اور شیطان صفت انسان نما درندوں سے اس کی حفاظت کے تمام وہ طریقے اختیار فرمالئے جو عورت کو اس کی حیثیت اور مقام سے ہٹانے والے تھے خواہ وہ عملی وجوہات تھے یا نظریاتی یا پھر تصوراتی ہی کیوں نہ تھے۔ اسلام نے اسے حفاظت کے قابل ایک بیش بہا خزانہ ایک قیمتی اور انمول موتی اور ایک نازک آبگینہ قرار دیا۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا: ان المرأة عورة مستورة (فی روایة خدرٌ مخدرةٌ) فاذا خرجت استشرفها الشیطان ۔" بلاشبہ عورت ایک چھپی ہوئی چیز ہے جب وہ باہر نکل جاتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے کہ اب کسی کو دام میں پھنساؤں گا۔"

مردوں کو انہیں بُری نگاہ اٹھانے سے بھی روکتے ہوئے غض بصر کا حکم دیا گیا۔
حضور علیہ السلام نے فرمایا: زنا العین النظر۔ نگاہ بازی آنکھ کا زنا ہے کہ جیسی نگاہ ہو ویسے اس کے اثرات ہوتے ہیں۔

آزادیٔ نسواں تبرج جاہلیت کا دوسرا نام | مگر آج کا یہ دور آزادیٔ نسواں اور حقوق اور مساوات کے نام سے اس مقدس اور محترم صنفِ نازک کو دوبارہ اسی جاہلیتِ اولیٰ کی طرف لوٹانے کی سعیٔ مذموم کر رہا ہے کہ مسلمانوں کی یہ شرافت مآب دولت اور قیمتی خزانہ پھر ایک بار گھر کی دہلیز سے نکل کر سربازار تماشائے عالم بن جائے۔ رونقِ خانہ بننے کی بجائے شمعِ محفل ہو، آلات وصنائع اور حقیر سے حقیر مصنوعات کی تشہیر کا ذریعہ بن جائے۔ وہ سیرگاہوں ، پارکوں ، ہوٹلوں ، کلبوں ، جلسوں جلوسوں ، اسمبلیوں اور عدالتوں ، کارخانوں اور فیکٹریوں ، تھیٹروں اور سینماؤں ، سرکسوں اور میلوں میں اور سیاست کی اسٹیج پر بھٹکتی ہوئی ، رسوا ہوتی ہوئی ، مشقتیں اور مصیبتیں اٹھاتی ہوئی مردوں کی نشاطِ طبع کا سامان بن جائے اور یہ وہی فاسقانہ تبرج ، جاہلیتِ اولیٰ (جاہلیت کی نمود ونمائش

ہے جو اس آبگینۂ عصمت، دحیا کو سر بازار پاش پاش کرنا چاہتی ہے۔

آزادی نہیں غلامی کی دعوت | یہ دعوت وتحریک اسے مرد کا کھلونا اور لعبۃ لاعبین بنانے کی دعوت ہے۔ یہ دعوت درحقیقت عورت کی آزادی کی نہیں اسے پھر سے غلام اور بے بس بنا دینے کی دعوت ہے۔ اور جاہلیت کی وہی شکل ہے جسے اسلام نے تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا۔ اس صورتِ حال کا جاہلیتِ ماضی سے موازنہ کیجئے تب حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کی قدر و قیمت معلوم ہو سکے گی، فرمایا اس عظیم مصلح اور مفکر اور سیاستدانِ اسلام نے:

انما تنقض عُرَی الاسلام عروۃً عروۃً اذا نشأ فی الاسلام من لم یعرف الجاھلیۃ

جو شخص اسلام میں رہتے ہوئے جاہلیت کے طور طریقوں سے ناواقف ہے۔ اُس سے خطرہ ہے کہ وہ اسلام کو ایک ایک کڑی کر کے توڑ بیٹھے۔

اسلام کا نظام عفت وعصمت | اب دیکھنا یہ ہے کہ اسلام نے عورتوں کو کیسے اس جاہلیتِ اولیٰ کی ظلمتوں سے نکال کر نور کے اجالا میں کھڑا کر دیا اسلام نے عورتوں کے حقوق کی رعایت و نگہداشت، عصمت وعفت کی حفاظت، تہذیب و تربیت کا ایک ایسا مستقل نظام پیش فرمایا جو اصول و جزئیات، جلی اور خفی، علمی اور نظری، عملی اور خیالی، تمام گوشوں پر ایسا حاوی ہے کہ اس نظامِ عصمت پر فحشاء اور فواحش کا سایہ تک بھی نہیں پڑ سکتا۔ دواعی اور اسباب فحاشی کو بھی فواحش کی نظر سے دیکھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ خیال اور تصور کی لامحدود وسعتوں کو بھی عصمت و عفت کے دوائر میں محدود و محصور کر دیا گیا ہے۔ اس نظام میں حالات و مصالح، علل و بواعث اور جبلی اور فطری تقاضوں کی ہر طرح رعایت رکھی گئی ہے جس کے بغیر نہ سیاستِ مدنیہ درست ہو سکتی ہے نہ تہذیب اخلاق ممکن ہے نہ تدبیر منزل کارگر ہو سکتی ہے اور جس کے بغیر ایک پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر، اخلاقی قدروں کی حفاظت، خاندانی نظام کا قیام و استحکام اور تہذیب و تمدن کا کوئی مثالی نمونہ قائم کرنا قطعی ناممکن ہے۔ آئیے ہم اس سلسلہ میں

قرآن وسنت پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ مرد وزن کا خالقِ حکیم خداوند کریم اور بنی نوع انسان کے رحمتِ مجسّم نبی الرحمۃ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہماری رہنمائی کس طرح فرمائی ہے۔ اس کے بعد ایک انصاف پسند اور جویائے حق طبیعت خود فیصلہ کر سکتی ہے کہ خدا اور رسولؐ کا منشاء کیا ہے؟

پردہ کے احکام | ارشادِ ربانی ہے:۔

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن	اور گھروں میں ٹھہری رہو اور پچھلی
تبرّج الجاھلیۃ الاولیٰ ۔	جاہلیت کی زینت اور نمائش ترک کردو۔

چلنے پھرتے پابندی عائد کی کہ وہ ایسے لباس میں رہے کہ اس کے جسم کا کوئی حصّہ اور عضو نہ کھلے اور نہ مخفی محاسن کی نمائش ہو۔ فرمایا۔

ولیضربن بخمرھن علیٰ جیوبھنّ	اپنے سینوں اور گریبانوں پر دوپٹوں کا آنچل ماریں۔

دوسری جگہ ازواجِ مطہرات، بناتِ اطہار اور تمام مسلمان خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

ید نین علیھن من جلابیبھنّ	وہ لمبی لمبی چادریں اپنے اوپر ڈھانک لیں۔

جلباب | مفسرین نے جلباب کی تفسیر میں لکھا ہے:۔

ھو الرداء فوق الخمار۔ جلباب دوپٹہ کے اوپر اوڑھنے والی لمبی چادر کا نام ہے۔ حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں: تغطی ثغرۃ نحرھا بجلبابھا تدنیہ علیھا۔ وہ اپنے سینہ کو اوپر تک ڈھانپ لیتی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: الذی یستر من فوق الی اسفل۔ وہ کپڑا جو اوپر سے نیچے تک ڈھانپ لے۔

اس آیت کا مفہوم صحابیاتؓ نے یہی سمجھ لیا تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں انصاری عورتوں پر خدا رحم کرے کہ انھوں نے حکمِ حجاب سنا تو بڑی چادروں کو پھاڑ کر اپنے اوپر لپیٹ لیا۔

تشققن من وطهن نا عتجن ن منها اب اگر دینی اور دنیوی ضرورت کی وجہ سے انہیں باہر نکلنا بھی پڑ جاتا تو بقول حافظ ابن حجرؒ۔ فقد کن یحجن ویطفن وھن مستترات الابدان حضورؐ کے وصال کے بعد ازواجِ مطہرات حج اور طواف بھی کرتیں تو اپنے جسموں کو ڈھانپے ہوئے ہوتیں۔ ایک اور موقعہ پر جسم کی عام زینتوں کو چھپائے رکھنے کے لئے مزید تاکیدی حکم دیا گیا۔ فرمایا:۔

قل للمؤمنات یغضضن من	مومنات کو حکم دو کہ نگاہیں نیچی رکھیں
ابصارھن ویحفظن فروجھن	شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ اپنے
ولایبدین زینتھن الا ما ظھر	بناؤ سنگھار کو نہ کھولیں مگر یہ کہ
منھا۔ (الآیۃ)	مجبوری اور بلا قصد خود ظاہر ہو

جائے۔ اس پردہ اس میں گرفت نہیں۔

اس پردہ اور حجاب کا مزید واضح اور غیر مبہم حکم ان الفاظ میں دیا گیا۔

آیت حجاب | واذا سألتموھن متاعاً فسئلوھن من وراء حجاب۔ بغیر ضرورت کے پردہ کے پاس بھی مت آؤ۔ اگر بمجبوری کوئی ضرورت پڑ جائے تو گھر میں جھانکنے اور داخل ہونے کی بجائے پس پردہ مانگ لیا کرو۔ گویا گفتگو بھی پس پردہ ہو گی اور ضرورت بھی بڑے بڑے معاملات تجارتی لین دین کی نہیں، دوکانوں اور سٹوروں میں ماڈل گرل بن کر تجارت کے سودے چکانے کی نہیں، فٹ پاتھوں پر اور سرکسوں سے باہر ڈگڈگی بجا بجا کر لوگوں کو کھینچنے کی نہیں بلکہ صرف کوئی معمولی چھوٹی موٹی چیز جسے لفظ متاعاً میں اشارہ کر دیا۔

حامیان بے پردگی کی مغالطہ انگیزی | اس آیتِ حجاب کا مقصد واضح ہے کہ اجنبیوں کیلئے نہ صرف عورت کا عام جسم بلکہ اس کا چہرہ اور ہاتھ پاؤں بھی حجاب کے حکم میں شامل ہیں۔ بعض روایات میں آیت بالا کے استثناء الا ما ظھر منھا۔ کا مطلب یہ لیا گیا ہے کہ اس جملہ سے چہرہ، ہاتھ

اور پاؤں مستثنیٰ کر دیئے گئے کہ عورت ان اعضاء کے چھپانے کی پابند نہیں، ایسی روایات کو مخالفین پردہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں بے پردگی کا سرٹیفکیٹ مل گیا ہے، حالانکہ یہ ناسمجھی ہے یا جان بوجھ کر دجل وتلبیس سے کام لیتے ہوئے مغالطہ دیا جاتا ہے۔ اس طرح یہ لوگ ان تمام روایات ونصوص کو نظر انداز کر دیتے ہیں جن میں ہاتھ پاؤں اور چہرہ کے ڈھانپنے کا صریح حکم دیا گیا ہے۔

ستر اور حجاب میں فرق | حالانکہ درحقیقت دونوں قسم کی روایات میں کوئی تعارض نہیں دونوں اپنے اپنے دائرہ میں واجب العمل ہیں۔ ایک کا دائرہ ستر اور دوسرے کا حجاب ہے۔ ایک ہے ستر عورت اور ایک ہے حجاب یعنی مردوں سے پردہ کرنا۔ ستر عورت مرد اور عورت دونوں پر یکساں فرض ہے۔ مرد کے جسم کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے۔ یعنی وہ یہ حصہ جسم کا کسی کے سامنے نہیں کھولے گا۔ جسم کا اس کے علاوہ حصہ ستر سے خارج ہے۔ اور عورت کے جسم کا ستر والا حصہ اتنا نہیں بلکہ گردن سے لے کر سینہ، پیٹ، پیٹھ، رانیں، ٹانگیں بمعہ ٹخنوں اور گٹے تک چھپائے رکھنا فرض ہے۔ جس طرح مرد جسم کا حصہ ستر، نہ گھر میں کسی کے سامنے کھولے گا نہ باہر، خواہ اس کا والد، بھائی، بیٹا کیوں نہ ہوں، اسی طرح عورت اپنے جسم کا مذکورہ سارا حصہ اپنے گھر میں محارم سے بھی چھپائے رکھے گی، البتہ چہرہ، ہاتھ اور پاؤں کا چھپانا باپ بھائی بیٹے اور محارم سے چھپانا ضروری نہیں، اگر ان تین اعضاء کے علاوہ اکیلے میں بھی نماز کے دوران چوتھائی حصہ جسم کا کھل گیا یا مرد کے حصہ ستر کا ایک چوتھائی بھی کھل گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہ وہ حقیقی ستر ہے جو بذاتہٖ مردوں عورتوں پر یکساں لازم ہے، فرق ہے تو جسم کی حدود میں۔ اور جس طرح مرد اپنے ہم جنس مردوں سے بھی حصہ ستر چھپانے کا پابند ہے اسی طرح عورت اپنی ہی ہم صنف عورتوں سے بھی سوائے چہرہ اور ہاتھ پاؤں کے باقی سارا جسم چھپائے رکھے گی، یہاں تک کہ بلا ضرورت تنہائی میں بھی مرد یا عورت کو ستر کے حصے کھولنا مکروہ ہے۔ اور ایک ہے حجاب یعنی تمام اجنبی مردوں سے

پردہ جو صرف عورتوں پر لازم ہے، مردوں پر نہیں۔ اس میں سر سے پاؤں تک بشمول چہرہ سارا حصہ ڈھانپنا ضروری ہے، حجاب اور ستر کے مختلف دائروں کو خلط ملط کر کے بے پردگی کا جواز نکالنے والے عموماً دھوکہ دیتے ہیں، اگر چہرہ اور ہاتھ پاؤں ستر نہ ہوتے تو پسِ پردہ گفتگو یعنی من وراء حجاب کے قید لگانے کی ضرورت نہ ہوتی نہ ادناءِ جلابیب یعنی سر سے پاؤں تک لمبی چادر اوڑھنے کی۔ پس اگر بعض روایات میں کچھ مستثنیات ہیں تو ستر کے متعلق ہیں نہ کہ حجاب میں، جیسے ہمارے ہاں عرفِ عام میں پردہ کہا جاتا ہے [1]

بات چیت میں احتیاطی تدبیر اسی طرح آیت استیذان میں مردوں پر لازم کیا گیا کہ کسی بھی گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہوں۔ اور اگر پسِ پردہ کبھی مجبوراً کسی نامحرم سے گفتگو کی نوبت آ بھی جائے تو ہدایت کی گئی کہ سُریلی آواز اور نرم و نازک لہجہ میں عورت گفتگو نہ کرے۔ بلکہ شائستگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے روکھے پھیکے طرز میں جواب دے دے۔ تاکہ کسی بدنیت اور خبیث الطبع شخص کے دل میں فتور نہ آ جائے۔ فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرضٌ وقلن قولاً معروفا۔ (الآیۃ)

خاص حالت میں باہر نکلنے کی اجازت واویلا ہے کہ اس طرح تو عورت ایک قیدی کی طرح قفس میں محصور ہو کر رہ جاتی ہے کہ اس کے لئے گھر سے باہر قدم رکھنا بھی جرم ہے، حالانکہ آیات و نصوص اور روایاتِ ممانعت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عورت کسی دینی یا دنیوی ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے بھی باہر نہیں نکل سکتی۔ وہ بلاشبہ دینی و دنیوی ضروریات کے لئے باہر نکل سکتی ہے۔ حج و زیارت کے لئے، عیادات کے لئے، تعزیت اور تیمارداری کیلئے

---

[1] مضمون کے بعض فقہی اور حدیثی حصوں میں علامہ سید رشید رضا مصریؒ اور قاری محمد طیب صاحب مدظلہ کے موضوع سے متعلق مضامین کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

والدین اور قرابت داروں سے ملاقات کے لئے، علاج معالجہ کے لئے جا سکتی ہے۔ مگر اس کا یہ جانا کئی شرائط اور تقیدات کے ساتھ ہوگا۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ عورت بلا ضرورت باہر نہ نکلے اور اس لئے طرح طرح سے خروج کی حوصلہ شکنی کی گئی کہ یہ نقل و حرکت کم سے کم رہ جائے اور جب خروج کی نوبت آبھی جائے تو یہ چیز عریانی، بے پردگی، محاسن و نمائش کی تشہیر اور جذبات بھڑکانے کا ذریعہ نہ بنے اور اس کی چال میں، ڈھال میں، لباس اور گفتار میں فحاشی کا کوئی داعیہ اور عنصر شامل نہ ہو۔

خروج کے شرائط اور قیودات | یہ خروج شرائط کے ایک دائرہ میں محصور رہے۔ مردوں کو بھی اور عورتوں کو بھی غضِ بصر کا حکم دیا گیا۔ اسے سفر کی ضرورت پڑے تو خواہ یہ سفر حج ہی کیوں نہ ہو جس کی ادائیگی ایک فریضہ ہے۔ وہ باپ بیٹے، بھائی، شوہر اور محارم کے بغیر نہیں جا سکتی۔ جب عبادت کے سفر کا یہ حال ہے تو کیا عادت اور سیاحت کے اسفار میں اکیلے جانا جائز ہوگا؟ جو لوگ عورتوں کی قید کا رونا رو کر عورتوں کو دیس دیس کی سیاحت اور تنہا گھومنے پھرنے کا راستہ کھولنا چاہتے ہیں ان پر ایک اخبار کے مراسلاتی کالم میں ایک گمنام خاتون نے بہت سادہ الفاظ میں اس طرح طنز کی ہے کہ خدارا ہمیں ان فقیرنیوں کی طرح نہ بنائیں جو ننگے سر، ننگے پاؤں ننگے جسم کے ساتھ سامانِ سفر کا تھیلا پیٹھ پر لادے ہوئے، بھیک مانگتے ہوئے فٹ پاتھوں اور سڑکوں پر گھوم پھر رہی ہیں۔

یہی خروج، تبرج جاہلیت نہیں تو اور کیا ہے۔ ٹیڈی باریک اور چست لباس پہن کر یا منی سکرٹ پہن کر سڑکوں پر آوارہ گردی کرنا، اس خروج کی اجازت اگر اسلام سے مطلوب ہے تو اسلام ایسی کاسیات عاریات (برائے نام لباس والی مگر درحقیقت ننگی) پر لعنت بھیجتا ہے اور انہیں عذابِ جہنم کی وعید سناتا ہے۔

یہی حال حج کے علاوہ نماز باجماعت کا ہے جو افضل ترین عبادات میں سے ہے۔ صحابیاتؓ

کی خواہش ہوتی کہ جماعت میں شریک ہوں۔ مسجدِ نبوی کی نماز اور حضور اقدس ؐ کی اقتداء میں باجماعت نماز، کہ ساری متاعِ کائنات اس کے سامنے ہیچ، اس سے بڑھ کر سعادت کیا ہو سکتی ہے ــــــ نفسی اجازت تو دی گئی مگر یہاں بھی قیودات کے ساتھ کہ ماحول اور زمانہ فساد کا نہ ہو عورت کی عزت اور عصمت خطرہ میں نہ ہو۔ اور خواتین سر سے پاؤں تک ڈھکی چھپی ہوں جس کی طرف "متلفعات بمروطھن" میں بھی اشارہ ہے۔ اور صفوں میں بھی ان کی صف سب سے آخر میں ہوں۔ کہ سب سے آخر میں آکر سب سے پہلے چلی جائیں، اس طرح مردوں اور عورتوں کی نگاہوں کے تصادم کی نوبت ہی نہ آئے۔ اور بعض فقہا و آئمہ نے تو جماعت میں مرد و زن کے محاذات کو مفسد نماز قرار دیا۔ غرض طرح طرح کی رکاوٹیں اس معاملہ میں بھی ملحوظ رکھی گئیں۔

ایک صحابیہؓ نے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی خواہش ظاہر کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا گھر کی کوٹھڑی میں تمہارا نماز ادا کرنا اس نماز سے افضل ہے جو تم گھر کے دالان میں پڑھو۔ اور گھر کے برآمدہ میں نماز اس نماز سے افضل ہے جو تو گھر کے صحن میں ادا کرے۔ اور گھر کے صحن میں جو نماز پڑھے وہ مسجد کی نماز سے افضل ہے۔ اور گھر کی اس نماز کی یہ افضلیت اس مسجد کی نماز پر دی گئی جہاں کی ایک نماز دیگر مساجد کی نماز پر ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے۔ اور پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقتداء میں نماز کہ دنیا و آخرت کی ساری دولتیں اس کے سامنے بے وقعت ہیں۔ اور وہ اس عہدِ سعادت میں جب کہ عفت و تقویٰ کا چار سو دور دورہ تھا۔ اور تسلیم و انقیاد کی کیفیت خود عورتوں میں بھی ایسی تھی کہ آیتِ حجاب کے نازل ہونے پر جس خاتون نے راہ چلتے ہوئے اعلانِ حجاب سنا، اس کے وہیں قدم جم گئے۔ جو جہاں تھیں وہیں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئیں اور دوسرا قدم تب اٹھایا کہ اپنے آپ کو چادروں میں چھپا لیا تھا۔ مسجد جانے کے ضمن میں اجازت بھی دی گئی تو ایک آیت

میں اسے رات کی تاریکی سے مقید کر دیا گیا کہ جانا بھی چاہیں تو تاریکی شب میں جانا بہتر ہے۔ اور ایک روایت میں فرمایا کہ جب مسجد جانے کا قصد کرے تو خوشبو نہ لگائے بلکہ ممانعت بھی وارد ہوئی کہ جو عورت خوشبو لگائے وہ ہمارے ساتھ نمازِ عشاء میں شرکت نہ کرے۔ خوشبو کے علاوہ ایسا بناؤ سنگھار بھی منع ہے جو مسجد میں نمازیوں کے لئے فتنہ سامانی کا باعث بن جائے۔ فرمایا ولیخرجن تفلات۔ مسجد جانے کے لئے میلی کچیلی ہو کر نکلیں یعنی بناؤ سنگھار اور میک اپ کر کے نہ نکلیں پھر خوشبو کی یہ ممانعت مسجد کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جہاں بھی گھر سے باہر نکلے ایسی کوئی خوشبو لگانے سے احتراز کرے جو لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا ذریعہ بنے، ایسی عورت کو جو خوشبو لگا کر لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے زانیہ کہا گیا ہے۔ فھی کذا وکذا۔

باہر نکلنے کے دوران پر قید بھی لگائی گئی ولیضربن بخمرھن علیٰ جیوبھن لمبی چادریں اپنے سینوں پر ڈھانپ دیں۔ عورت اگر بجنے والا زیور پہنے ہوئے ہے تو چلتے ہوئے اسے بجا بجا کر نہ چلے کہ لوگوں کو مخفی زیور کا علم ہو سکے یا اس کے بجنے کی آواز سے لوگوں کو اس طرف رغبت ہو۔ ولا یضربن بارجلھن۔ الآیۃ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ عورتوں کو اجنبیوں پر سلام کرنا نہیں نہ اس پر اجنبی مردوں کے سلام کا جواب دینا ہے۔ تمدن و تہذیب کے نام سے عورتوں کو کلبوں اور مخلوط مجالس میں کھینچ کر لانے والوں کو اس میں سبق ہے کہ حضور علیہ السلام نے عورتوں کو حمام میں جانے سے روکا کہ وہ مرد و زن کے اختلاط کے مقامات میں سے ہے۔ اور ایسی تمدنی معاشرت اور سہولت صاحبِ شریعت کو گوارا نہ تھی۔ عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے سے روک دیا گیا۔

صرف عملی، علمی نہیں بلکہ خیالی اور تصوراتی تحدیدات | اسی طرح عورت کی ایسے مناصب اور اسامیوں پر تقرری ممنوع کر دی گئی جن میں مردوں سے اختلاط اور روبرو ہونا یا خلوت کے مواقع کی فراہمی

ناگوبر ہے۔ حکومت وریاست ولایتِ عامہ قضاء اور عدالتوں کے کاموں سے انہیں روک دیا گیا۔ یہ تحدیدات صرف تمدنی، معاشرتی عملی اور علمی حد تک نہ تھیں بلکہ خیالات اور تصورات تک میں حیاء وعفت کی نگہداشت کی گئی۔ مرد کا عورت کے بچے ہوئے پانی سے وضو کرنے کو کسی نے ناجائز اور کسی نے مکروہ تنزیہی کہا کہ کہیں خیالات کا سلسلہ وضوء سے گناہ تک نہ پہنچ جائے اور جو عمل تطہیرِ ذنوب وآثام کا ذریعہ تھا موجبِ آثام نہ بننے پائے۔ جنازہ میں امام عورت کے سینہ سے قدرے ہٹ کر کھڑا ہو گا گو اس پر ڈولی اور پردہ ہی کیوں نہ ہو کہ تصور محاسن مرأۃ کی طرف منتقل نہ ہونے پائے، امام جماعت مقتدیوں کے اقتداء کی نیت کرے گا۔ مگر خاص طور پر عورتوں کی نیت نہیں کرے۔ اسی طرح سلام پھیرتے وقت عورتوں کی نیت نہیں کی جائے گی۔ کہ آغاز یا انجام نماز تصوراتِ بد کا ذریعہ اور ناجائز حظ نفس کا موجب نہ بن جائے۔

کیا پردہ حبس بے جا ہے؟ | آج کہا جارہا ہے کہ عورتوں کا گھر میں بندر ہنا گویا انہیں قفس میں قید رکھنا ہے۔ اور یہ حبس بے جا "مساواتی دور" میں برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس طرح گھروں میں بیٹھے رہنے سے عورتوں کی صحت خراب ہوتی رہتی ہے۔ حالانکہ عورت کا اپنی مرضی اور طبعی وفطری تقاضوں سے گھروں میں بیٹھنا، جبکہ وہ دینی ودنیوی ضروریات کے لئے شرائط اور قیود کو ملحوظ رکھتے ہوئے نمائشِ زینت اور ذریعۂ فواحش بننے سے محترز رہتے ہوئے گھر سے باہر آجاسکتی ہے۔ اور گھر کی چار دیواری اس کے لئے ہزارہا خطرات اور مصائب سے تحفظ کا ذریعہ بنی ہوئی ہے۔ ہرگز قید یا اذیت نہیں بلکہ عین راحت اور نعمت ہے۔ اگر گھر میں اپنی مرضی سے بیٹھے رہنا قید ہے تو پھر تو مردوں کا بھی زیادہ تر وقت گھروں میں رہنا ہے۔ انہیں بھی جبراً نکال دیا جائے۔ پھر بلاضرورت آوارہ گردی کرنا تو مردوں کے لئے بھی معیوب ہے۔

مرد اور عورت کا دائرہ کار | تو اصل معاملہ خلقی اور جبلتی تقاضوں کی وجہ سے تقسیم کار ہے۔ مرد باہر نکلتا ہے تو عورت اور اس کے بچوں کی خاطر ہزاروں پریشانیوں اور مصیبتوں کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے، ورکشاپوں میں، فیکٹری اور کانوں میں پسینہ سے شرابور اپنا خون جلا رہا ہے۔ کہیں مزدوری اور کاشتکاری میں مقید و محصور ہے، کہیں دفتر کے ایک چھوٹے سے کونے میں صبح سے شام تک ساری زندگی ختم کر دیتا ہے۔ اسی طرح عورت کے ذمہ امور خانہ داری کی انجام دہی، بچوں کی تربیت و حفاظت، گھر کی نگہداشت کرنا ہے، وہ گھر کی اسیر نہیں، رونقِ خانہ اور نورِ منزل ہے۔ نئی تہذیب ظلم اور قید کے نام پر بظاہر جذباتِ ترحم ابھار کر اسے باہر کی ناقابلِ برداشت ذمہ داریوں اور صعوبتوں کی خاردار زندگی میں کھینچ کر اپنی فطری ذمہ داریوں کو اس کے سر منڈھنا چاہتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ گلیوں، کوچوں میں بازاروں اور فیکٹریوں میں اپنے لئے ذریعۂ تعیش پیدا کیا جاتا ہے۔ ایک طرف تو قید کا یہ استدلال اور دوسری طرف اسی سانس میں کہہ دیا جاتا ہے کہ پاکستان کی زیادہ تر آبادی دیہات میں پردے کی پابند نہیں اور اپنے خود ساختہ استدلال کی نفی کر دی جاتی ہے۔

گھر میں بیٹھنا قید نہیں راحت و نعمت ہے | اگر آرام و راحت اور جان و آبرو کے ایک گوشۂ راحت میں زندگی بسر کرنا قید ہے تو شہروں کے ان لاکھوں کروڑوں عوام کی زندگی کیا ہے جو ہزاروں مسائل کی چکی میں پستے ہوئے ایک ہی شہر میں حیاتِ مستعار ختم کر دیتے ہیں۔ ہر قسم کی آسائشوں سے محروم پانی کی قلت، خوراک کا فقدان، اور اب شہری فضاؤں کی آلودگی کی وجہ سے ہوا جیسی عام نعمت کو بھی ترسنے لگے ہیں۔ اگر یہ سب قید ہے اور قید سے بھی بدتر، تو پھر تو ساری شہری آبادی کو جنگلوں کی طرف دھکیل دیا جائے کہ وہ آزاد فضاؤں اور جنگلوں میں آزاد ہو کر گھومتی پھرے۔ اور اگر یہ سب کچھ قید و حبس نہیں تو عورتوں کو

اپنی اختیار، رغبت اور فطرت کی بنا پر گھروں میں رہنا بھی قید نہیں۔

پردہ نہیں بے پردگی خرابیٔ صحت کی باعث ہے | پھر عورتوں کی خرابیٔ صحت کا رونا رویا جاتا ہے۔ حالانکہ ہمارے ملک میں خرابیٔ صحت کی شرح میں اضافہ کے اسباب وہی ہیں جو صرف عورتوں کے نہیں مردوں، بڑوں بوڑھوں اور بچوں سب کو اپنی لپیٹ میں لے چکے ہیں۔ ضروریاتِ زندگی سے اکثریت استحصالی ہتھکنڈوں کی وجہ سے محروم رہتی ہے۔ کوئی غذا خالص نہیں ملتی۔ نہ سر چھپانے کے لئے موزوں مکان، نہ سردی و گرمی سے بچنے کے لئے مناسب لباس، پانی اور ہوا تک جب خالص میسر نہ ہو سکے تو صحت کی شرح کیسے بہتر ہو سکتی ہے، چاہیئے یہ کہ حفظانِ صحت کے اصل اسباب تلاش کئے جائیں، اور لوٹ کھسوٹ کے اس کاروبار میں کمی کی جائے جس کی وجہ سے عوام مصائب اور فاقہ کشی کی دلدل میں پھنستے جا رہے ہیں طبی سہولتوں بالخصوص عورتوں کے علاج معالجہ کی طرف توجہ دی جائے اگر عورتوں کا گھروں میں بیٹھنا بربادیٔ صحت کا ذریعہ ہے۔ تو آئیے ان مخلوط اور بے حیا اور بے حجاب ملکوں کا حال بھی دیکھتے چلیں جہاں عورت اتنی آزاد ہے کہ ہفتوں اسے گھر کی دہلیز دیکھنا نصیب نہیں ہوتی۔ وہاں جب عورت باہر قدم رکھتی ہے تو ہزاروں پریشانیوں، اور خطرات سے جسمانی اور نفسیاتی بیماریوں اور الجھنوں میں مبتلا ہو جاتی ہے، یورپ کے آئے دن کے ہزاروں نوع بنوع جنسی، اعصابی، نفسیاتی اور ذہنی و دماغی امراض اور اموات کی شرح میں اضافہ کی رپورٹیں پڑھیئے۔ تفریح گاہوں اور کلبوں کی زندگی نے یورپی اقوام کی صحت کو سرطان لگا دیا ہے۔ ایسے جنسی امراض کا دور دورہ ہے جس کا نام و نشان بھی اس سے پہلے نہ تھا۔ ہزاروں لاکھوں عورتیں اسقاطِ حمل اور متعلقاتِ حمل کی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ فیکٹری اور دفتر کی ملازمت نے اس کی صحت گرا دی ہے۔ وہ بچوں کی پرورش کے قابل نہیں رہی وہ والدین اور شوہر کی خدمت نہیں کر سکتی۔ اس

پر ہسٹیریا کے دورے پڑتے ہیں، وہ ذہنی خلفشار میں مبتلا ہوتی جارہی ہے۔

نظر بازی، ذہنی انتشار اور فسادِ معاشرہ کا ذریعہ | پھر عورت کا گھر سے یہ بے تحاشا صرف اس کی صحت کی تباہی کا موجب نہیں بنتا۔ بلکہ پورے معاشرہ کے سقم اور بیماری کا ذریعہ بنتا جارہا ہے۔ وہ جدھر سے گزرتی ہے بے شمار نگاہوں کا نشانہ بنتی ہے، ایک مرد راستہ میں چلتے ہوئے ایک سے ایک جاذبِ نظر چہرہ دیکھتا ہے۔ اسے دفتر میں کارخانوں میں بے حجابانہ اختلاط اور بات چیت کے مواقع ملتے ہیں، اور یہ نظر بازی اس کے اپنے گھریلو نظام کو ہلا دیتی ہے، ذہنی انتشار، فاسد خیالات کا ہیجان جنسی اور جذباتی تلاطم، محبت و عشق کی آفتیں۔ الغرض یہ سب کچھ اس کے ذہنی اختلال، قلبی پریشانی اور اعصاب کے کھچاؤ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ پھر دل کی بیماری جلسی اور اخلاقی بیماریوں، ضعفِ بصارت، دماغی عدم توازن، بلڈ پریشر اور اعصابی امراض کی شرح کا کسی پردہ دار معاشرہ سے موازنہ کر کے خود فیصلہ کر لیجئے۔

تعلیم کے لئے بے پردگی | پھر کہا جاتا ہے کہ عورت کو تعلیم کی ضرورت ہے، اور اقتصادی حالات جداگانہ تعلیم کے متحمل نہیں۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ کون سی تعلیم تھی جسے عورت کے لئے بھی ضروری قرار دیا گیا تھا۔ عورت کے لئے اسلام کا تصورِ تعلیم قطعی وہ نہیں جو یورپ کی پیداوار ہے۔ وہ اس سے دفتر، کارخانہ اور فیکٹریوں کے فرائض نہیں وابستہ کرتا تاکہ اس کے لئے وہ عورت کو کلرک، انجنیر یا مزدور بنائے اسلام کی تعلیم عورت کو ایک باسلیقہ، وفا شعار، مہذب اور باحیا ذات بنانے کے لئے ہے۔ وہ اس تعلیم کو اہمیت دیتا ہے جو عورت کو خدا اور رسولؐ، شوہر اور خاندان کے حقوق اولاد کے حسن تربیت سے باخبر کر دے اور اس کی گود بچوں کی اوّلین تربیت گاہ ثابت ہو سکے۔ اس تعلیم کے لئے یہ ہرگز لازم نہیں کہ وہ مخلوط درس گاہوں اور بے حجابانہ

ہاسٹلوں میں گوہرِ حیا کی نیلامی کرتی پھرے۔

الغرض وہ تعلیم جو بے پردگی کا باعث ہو، شریعت اور اسلام اس کا حکم نہیں دیتا۔ بے پردگی اگر اخلاق و معاشرت، صحتِ جسمانی و روحانی اور حسنِ سیرت کے لئے تباہ کن ہے۔ توجس تعلیم کے ذریعہ بے پردگی پھیلے گی شریعت ہرگز اس کی روادار نہ ہوگی، پھر تعلیمِ نسواں کی تاریخ دیکھئے، جب ظہورِ اسلام کے بعد حجاب اور عفت وعصمت کا دور دورہ ہوا اور عورت پردہ نشین ہوگئی تو اسلامی تاریخ میں تعلیمِ دین اور علوم وفنون سے آراستہ وہ خواتین نکلیں جن کے علوم سے خانہ نشینی کے باوجود ایک دُنیا مستفید ہوتی رہی۔ پس اگر مفاسد اور موجباتِ فحشاء کے بغیر شرعی حدود پردہ میں رہ کر مسلمان خواتین علم وفضل میں ایک نمونہ پیش کرسکتی ہیں تو مغرب کے بے حیاء عہدِ جاہلیت میں جو عورتیں باہر نکل بھی آئیں تو اسلامی علوم وفنون اور تعلیم اخلاق وتربیت معاشرہ میں کوئی ایک نمونہ بھی اس عہدِ جاہلیت نے پیش کیا، علم حیاء سے حاصل ہوتا ہے۔ بے پردگی سے جب آنکھوں کا پانی اتر گیا تو علمِ تحقیقی اور علمی ذہنیت بھی فنا ہوگئی، نئے دور کے علم نے مردوں کو کیا دیا، سوائے چند انگریزی نظام کے پرزوں کے۔ ہم اس تعلیمِ جدید کے لئے خواتین کی عظمت وحرمت بھی قربان کردیں۔

الغرض پردہ کا حکم نہ فرسودہ روایات (معاذ اللہ) میں سے ہے نہ کسی رسم ورواج کی پیداوار، اسلام عصمت وعفت کا محافظ ہے، وہ فحشاء اور منکرات کا ہرگز روادار نہیں۔ جہاں بھی فحشاء اور فواحش کے احتمالات زیادہ ہوں گے۔ پردہ کے احکام میں اتنی ہی شدت پیدا ہوگی۔ اور جہاں فحشاء کا احتمال نہ ہوگا عصمت وعفت کے پہرے سخت ہوں گے۔ وہاں اس میں نرمی اور وسعت پیدا ہوگی۔

ماڈرن بننے کے شوقین | پس جو لوگ مصلح اور ماڈرن ریفارمر بننے کے شوق میں اسلام کے

ایک مضبوط نظام کو نشانہ بنانا چاہیں وہ ایسی "اصلاحات" کا انجام یورپی اقوام میں دیکھ لیں کہ وہ بے پردگی اور فحاشی کے ہاتھوں کس قعرِ مذلت میں پہنچ چکا ہے ——— پھر انہیں عالمِ اسلام کے اس قسم کے نام نہاد مصلحین سے سبق لینا چاہیئے جنہوں نے ترکی وغیرہ میں تقلیدِ یہود و نصاریٰ کی خاطر اسلام کے ایک مستحکم نظام کو متزلزل کرنا چاہا، اور ان کا یہ اقدام ایک طرف قوم کی معاشرتی، اخلاقی قدروں کی بربادی اور دوسری طرف "مصلحین" ابدی ذلت اور مسلمانوں کے قلوب کی نفرت و ملامت کے مستحق بنے۔ (مئی ۱۹۷۶ء)

کتاب
الطهارة

باب الوضوء

وضو کے مسائل

★

وضو کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنے کا حکم

سوال: وضو شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اگر ایک شخص وضو کی ابتداء میں قصداً یا سہواً بسم اللہ نہ پڑھے تو وضو پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب: وضو شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا سنت ہے اگر کسی سے بسم اللہ عمداً یا سہواً رہ جائے تو وضو پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑے گا تاہم بار بار جان بوجھ کر ترک کرنا موجب ملامت ہے۔

قال الحصکفیؒ: فی باب سنن الوضوء والبدءۃ بالتسمیۃ (ای من سنن الوضوء) (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۰۸) وایضاً قال وترک السنۃ لا یوجب فساداً ولا سهواً بل اساءۃ لو عامداً غیر مستخف وقالوا الاساءۃ ادون من الکراهۃ۔[۱] (الدر المختار ج ۱ ص ۴۷۳)

برش مسواک کی سُنت کا متبادل نہیں

سوال: مسواک سے عموماً دانتوں کی صفائی مقصود ہوتی ہے موجودہ دور میں برش سے یہ فائدہ اچھے طریقہ سے حاصل ہوتا ہے کیا یہ مسواک کا نعم البدل ہو سکتا ہے؟ یعنی برش کے استعمال سے سُنّت ادا ہو گی یا نہیں؟

الجواب: دانتوں کی صفائی بلاشک مسواک کے فوائد میں سے ایک اہم فائدہ ہے لیکن مسواک کا استعمال صرف دانتوں کی صفائی کے لیے نہیں، بنیادی عنصر اس میں سنتِ رسولؐ کا اتباع ہے، برش میں وہ خصوصیات اور صفات نہیں پائی جاتیں جو مسواک میں موجود ہوتی ہیں اسلیئے اس سے سُنت ادا نہ ہو گی، تاہم برش کا نفسِ استعمال جائز ہے۔

---

[۱] قال ابن نجیمؒ: فی سنن الوضوء (قوله کالتسمیۃ) ای کما ان التسمیۃ سنۃ فی الابتداء مطلقاً۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۸) ومثله فی الهندیۃ ج ۱ ص ۶ الفصل الثانی فی سنن الوضوء۔

قال ابراهیم الحلبیؒ: ثم المستحب ان یکون المسواک من شجرۃ مرّۃ لزیادۃ ازالۃ تغیر الفم قالوا ویستاک بکل عود الا الرمان والقصب وافضله الاراک ثم الزیتون وان یکون طوله شبراً فی غلظ الخنصر[1] (کبیری۔ آداب الوضوء ص۳۷)

مسواک نہ ہونے کی صورت میں کیا انگلی قائم مقام ہو سکتی ہے؟

سوال:۔ اگر کسی شخص کے پاس مسواک نہ ہو یا مسواک کے استعمال سے تکلیف ہوتی ہو تو ایسی صورت میں انگلی مسواک کا قائم مقام ہو سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر مسواک میسر نہ ہو یا منہ میں دانت نہ ہوں یا اس کے استعمال سے کسی تکلیف اور ضرر کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں انگلی مسواک کا قائم مقام بن سکتی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: قال فی الحلیۃ ثم بای اصبع استاک لا باس به والافضل ان یستاک بالسبابتین یبدا بالسبابۃ الیسریٰ ثم بالیمنی وان شاء استاک بابهامه الیمنی والسبابۃ الیمنی یبدأ بالابهام من الجانب الایمن فوق وتحت ثم بالسبابۃ من الایسر کذلک[2] (رد المحتار علی الدر المختار۔ سنن الوضوء ج۱ ص۱۱۵)

مسواک چبانے کا حکم

سوال:۔ مسواک استعمال کرتے وقت اگر مسواک کو نرم کرنے کے لیے دانتوں سے چبایا جائے تو کیا ازروئے شرع یہ عمل جائز ہے؟

الجواب:۔ مسواک کو دانتوں سے باریک کرنے میں شرعاً کوئی قباحت نہیں اور سنت کی ادائیگی پر کوئی فرق نہیں پڑتا، البتہ طبی لحاظ سے مسواک کے چوسنے سے قوتِ بینائی متاثر ہو سکتی ہے اس لیے مسواک کا چوسنا مناسب نہیں۔

کما اخرجه البخاری عن عائشۃ ..... فاخذتُ السواک فقضمتهٗ ونفضتهٗ وطیّبتهٗ ثم دفعته النبی۔ (صحیح بخاری ج۲ ص۶۳۸ باب وفات النبی) قال الحصکفیؒ

---

[1] قال ابن عابدینؒ: (قوله والسواک) بالکسر بمعنی العود الذی یستاک به۔ (رد المحتار ج۱ ص۱۱۳، ۱۱۵ سنن الوضوء)

وفی ایضاً، ویستاک بکل عود الا الرمان والقصب وافضله الاراک ثم الزیتون۔

[2] قال ابن نجیمؒ: وتقوم الاصبع او الخرقۃ الخشنۃ مقامه عند فقده او عدم اسنانه فی تحصیل الثواب لا عند وجوده۔ (البحر الرائق، سنن الوضوء ج۱ ص۲۱) ومثله فی الزیلعی، سنن الوضوء ج۱ ص۴

ولا یمصه فانه یورث العمی۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار۔ سنن الوضوء ج ۱ ص ۱۱۴)

ناخن پالش کی موجودگی میں وضو کا حکم

سوال:۔ آجکل عام عورتیں ناخن پالش لگاتی ہیں کیا ناخن پالش کی موجودگی میں وضو اور غسل پر کوئی اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ ناخن پالش جدید دور کا مسئلہ ہے اس کیلئے مستقل جزئیہ کسی قدیم کتاب میں نہیں ملتا ہے، موجودہ دور کے نامور علماء ناخن پالش کے عدم جواز کے قائل ہیں، کیونکہ ناخن پالش سے ناخن کا جسم مستور ہو کر وضو اور غسل میں اس کو پانی پہنچنا ممکن نہیں رہتا، اس لیے گوندھے ہوئے آٹے کی طرح مانع وضو اور غسل ہے۔

لیکن بعض دوسرے علماء کے نزدیک ناخن پالش اگر عورت کی زینت مان لی جائے تو پھر ایسی صورت میں اگر ازالہ میں دشواری نہ ہو تو وضو اور غسل کے لیے ازالہ ضروری ہوگا اور اگر ازالہ میں حرج ہو لیکن اس کی تہہ نہ بنی ہو تو پھر اس کا حکم مہندی کی طرح ہوگا اور تہہ بن جانے کی صورت میں اس کے ازالہ میں حرج ہو تو موجب حرج ہونے کی وجہ سے پانی کا ایصال ضروری نہیں۔

قال الحصکفیؒ: ویجب ای یفرض غسل کل ما یمکن من البدن بلا حرج مرۃ (وبعد اسطر) ولا یمنع ما علیٰ ظفر صباغ ولا طعام بین اسنانه اوفی سنه المجوف به یفتی وقیل ان صلبا منع وهو الاصح۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار، ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۲/۱۵۳)

تاہم موجودہ وقت میں یہ مغربی ثقافت کا ایک جزء سمجھا جاتا ہے اس لیے معزز گھرانوں کی خواتین کے لیے اس سے اجتناب ضروری ہے، لہٰذا محققین علماء کے نزدیک (ناخن پالش) وضو اور غسل پر اثر انداز ہوتی ہے۔

وضو میں گردن کا مسح

سوال:۔ وضو میں گردن کا مسح کسی روایت سے ثابت ہے یا نہیں؟ بصورتِ ثبوت فقہاء کے نزدیک اس کا کیا درجہ ہے؟

---

[۱] اخرجه الزیلعیؒ عن عائشة قالت ...... فاخذت السواك فقضمته وطیبته ثم دفعته الیٰ رسول اللهؐ۔ (نصب الرایة ج ۱ ص ۸ احادیث السواك) قال الشیخ عبد الحی الکھنویؒ: لا یمص السواك فانه یورث العمی۔ (السعایة ج ۱ ص ۱۱۹ باب سنن الوضوء) ومثله فی مرقاة شرح مشکوٰۃ ج ۱۱ ص ۲۳۸ باب وفات النبی الفصل الاول۔

الجواب:۔ گردن کے مسح کے بارے میں متعدد روایات آتی ہیں جن میں موقوف روایات کے علاوہ مرفوع روایات بھی ہیں۔

لما ذکر العلامة العینیؒ: عن ابن عمر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من توضأ ومسح عنقه لم یغل بالاغلال یوم القیمة۔ (البنایة شرح الهدایة ج ۱ ص ۱۰۸ باب الوضوء)

البتہ فقہاء کے نزدیک تعیینِ حکم میں اختلاف ہے، بعض علماء اس کی سُنّیت کے قائل ہیں لیکن صاحب الخلاصہ نے استحباب کو ترجیح دی ہے اور صاحب کنز نے بھی اس کو مستحباتِ وضوء میں ذکر کیا ہے۔

قال ابن نجیمؒ: وقیل سنة وهو قول الفقیه ابی جعفر وبه اخذ کثیر من العلماء کذا فی شرح مسکین وفی الخلاصة الصحیح انه ادب وهو بمعنی المستحب۔ (البحر الرائق مستحبات الوضوء ج ۱ ص ۲۸)[۱]

سَر پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ

سوال: سَر پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

الجواب:۔ سَر پر مسح کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ سر کے ابتدائی حصہ پر دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں اور انگلیاں رکھ کر گردن تک ایسے طریقے سے لے جائے کہ اس سے تمام سر کا احاطہ ہو۔

قال العلامة محمد امینؒ: والاظهر ان یضع کفیه واصابعه علی مقدم راسه ویمدهما الی القفا علی وجه یستوعب جمیع الرأس۔ (ردّ المحتار علی الدّر المختار۔ سُنن الوضوء ج ۱ ص ۱۲۱)[۲]

---

[۱] عن وائل بن حجرؓ قال شهدت النبیؐ واُتی باناء فاکفأ علی یمینه ثلاثاً ثم غمس یمینه فی الماء فغسل بها ذراعه الیمنی حتی جاوز المرفق ثلاثاً ثم غسل یساره ثلاثاً حتی جاوز المرفق ثلاثاً ثم مسح علی راسه ثلاثاً وظاهر اُذُنَیهِ وظاهر رقبته۔ (نصب الرایة ج ۱ ص ۱۳)

وقال صاحب التنویرؒ فی مستحبات الوضوء ومسح الرقبة۔ وقال ابن عابدینؒ (تحت قوله ومسح الرقبة) هو الصحیح وقیل انه سنة۔ (ردّ المحتار علی الدّر المختار مستحبات الوضوء ج ۱ ص ۱۲۴) ومثله فی السعایة ج ۱ ص ۱۲۸ باب مسح الرقبة۔

[۲] قال ابن نجیمؒ: قال الزیلعی تکلموا فی کیفیة المسح والاظهر ان یضع کفیه واصابعه... الخ (البحر الرائق۔ سنن الوضوء ج ۱ ص ۲۶) ومثله فی الهندیة ج ۱ ص ۷ الفصل الثانی فی سُنن الوضوء

وضو کرتے وقت داڑھی تر کرنے کا حکم

سوال:۔ وضو کرتے وقت چہرہ دھونے کی حالت میں داڑھی کا کیا حکم ہے؟ کیا پوری داڑھی دھونا ضروری ہے یا بعض حصہ پر اکتفاء درست ہے، نیز گھنی اور ہلکی داڑھی کے درمیان فرق ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ واضح ہو کہ داڑھی کی دو قسمیں ہیں، گھنی اور ہلکی، اگر بالوں سے چہرے کی کھال نظر آتی ہو تو ایسی داڑھی ہلکی شمار ہوتی ہے اور جس داڑھی میں چہرے کی کھال مستور ہو تو اس کو گھنی داڑھی کہا جاتا ہے۔ اول الذکر یعنی ہلکی داڑھی کا دھونا فرض ہے یہانتک کہ جو کھال نظر آتی ہو اس کا دھونا بھی فرض ہے اور گھنی داڑھی میں چہرے کی حدود میں جو داڑھی واقع ہو اُس کا دھونا فرض ہے اور جو داڑھی لٹکی رہے اس کا دھونا نہیں بلکہ صرف مسح ضروری ہے۔

قال الحصکفیؒ: ثم لاخلاف ان المسترسل لایجب غسله ولامسحه بل یسن، وان الخفیفة التی تری بشرتها یجب غسل ما تحتها۔ وقال ابن عابدینؒ: (تحت قوله المسترسل) ای الخارج عن دائرة الوجه، وفسره ابن حجر فی شرح المنهاج بما لومد من جهة نزوله لخرج عن دائرة الوجه۔ (رد المحتار علی الدر المختار۔ فرائض الوضوء ج ۱ ص ۱۰۱) [1]

خضاب والی داڑھی پر وضو کا حکم

سوال:۔ بالوں پر خضاب لگانے سے حقیقت میں بالوں کی اپنی حقیقت غائب ہو کر اُن پر باریک سا پردہ آجاتا ہے، کیا اس سے وضو پر اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ بالوں پر خضاب لگانے سے کوئی تہہ نہیں بنتی اس لیے ایسے رنگ کی موجودگی میں وضو اور غسل پر کوئی فرق نہیں پڑتا، جیسا کہ رنگریز کے ہاتھوں پر کپڑے کو رنگ دیتے وقت رنگ کا لگ جانا مانع وضو اور غسل نہیں۔ البتہ اگر بدن کے کسی ایسے حصہ پر جس کا دھونا ضروری

---

[1] قال فی الهندیة: وروی عن ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ انه یجب امرار الماء علی ظاهر اللحیة هو الاصح کذا فی التبیین وهو الصحیح هکذا فی الزاهدی والشعر المسترسل من الذقن لایجب غسله کذا فی المحیطین۔ (الهندیة ج ۱ ص ۴ کتاب الطهارة۔ الباب الاوّل) ومثله فی البحر الرائق ج ۱ ص ۱۶ فرائض الوضوء۔

ہو جیسے لکڑی والا رنگ (پینٹ) لگ گیا ہو تو اس سے تہہ بن جانے کی وجہ سے پانی کا پہنچنا ممکن نہیں اس لیے اس کا ہٹانا ضروری ہے اور اس کی موجودگی میں وضو بھی درست نہیں۔

قال الحصکفیؒ: ولا یمنع ما علی ظفر صباغ ولا طعام بین اسنانه او فی سنه المجوف به یفتی وهو الاصح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۱۵۴ ابحاث الغسل) لـه

وضو کے بعد آسمان کی طرف دیکھنا

سوال:۔ وضو مکمل کرنے کے بعد آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

الجواب:۔ وضو مکمل کرنے کے بعد آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنا مقصود بالذات نہیں بلکہ مسنون دعائیں پڑھتے وقت ادب یہ ہے کہ آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی جائے۔

قال ابن عابدینؒ: وان یقول بعد فراغه سبحانك اللّٰهم وبحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك واتوب الیك واشهد ان محمداً عبدك ورسولك ناظرًا الی السماء۔ (رد المحتار علی الدر المختار مندوبات الوضوء ج۱ ص۱۲۸) لـه

عبادت کیے بغیر وضو علی الوضو کا حکم

سوال:۔ ایسا وضو جس سے کوئی عبادت نہ ہوئی ہو تو ایسی حالت میں دوبارہ وضو کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ وضو علی الوضو بالاتفاق جائز ہے، البتہ اگر ایک دفعہ کیے ہوئے وضو سے کوئی ایسی عبادت ادا نہ کی جائے جس کے لیے وضو شرط ہو تو ایسی صورت میں وضو علی الوضو کراہت سے خالی نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: وفی شرح المنیة فاذا لم یؤد به عمل مما هو المقصود من شرعیته کالصلوٰة وسجدة التلاوة ومس المصحف ینبغی ان لا یشرع تکراره قربة لکونه غیر مقصودة لذاته۔ (رد المحتار علی الدر المختار ج۱ ص۱۱۹ مطلب فی الوضوء علی الوضوء) سـه

لـه قال العلامة الشرنبلالیؒ: ولا ما علی ظفر الصباغ من صبغ للضرورة وعلیه الفتوٰی (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۵۰ فصل فی تمام اقسام الوضوء) ومثله فی منیة المصلی ص۲۳ ۔ لـه قال العلامة الکاشغریؒ: بعد ما ذکر الادعیة الماثورة ناظرًا الی السماء۔ (منیة المصلی ص۱۴ سنن الوضوء) سـه قال ابراهیم الحلبیؒ فاذا لم یؤد به عمل مما هو المقصود من شرعیته کالصلوٰة وسجدة التلاوة ومس المصحف ینبغی ان لا یشرع تکراره قربة۔۔۔۔ الخ (کبیری، سنن الوضوء ص۲۶)

وضو میں ایک ہاتھ سے منہ دھونے کا حکم

سوال:۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ وضو کرتے وقت چہرے کو ایک ہاتھ سے دھوتے ہیں، جس میں پانی کا ضیاع اور ایسا اوقات استیعاب میں بھی خلل آجاتا ہے، کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

الجواب:۔ وضو میں مغسولہ اور ممسوحہ اعضاء کا استیعاب مسنون ہے، اسلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ دھویا ہے لہٰذا ایک ہاتھ سے چہرہ دھونا خلافِ سنت ہے۔

لما قال الامام محمد اسماعیل البخاریؒ: باب غسل الوجه بالیدین من غرفة واحدة: عن ابن عباس انه توضاء وجهه اخذ غرفة من ماءٍ فتمضمض بها واستنشق ثم اخذ غرفة من ماءٍ فجعل بها هکذا اضافها الی یده الاخری فغسل بها وجهه الخ۔ (الجامع الصحیح البخاری ج۱ ص۲۶ باب غسل الوجه بالیدین من غرفة واحدة)[۱]

گلے کے مسح کا حکم

سوال:۔ بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ کچھ لوگ گردن کے مسح کے ساتھ ساتھ گلے کا مسح بھی کرجاتے ہیں، کیا گلے کا مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ آدابِ وضو میں گردن کا مسح شامل ہے، حلقوم (گلے) کا مسح اسلاف میں سے کسی سے ثابت نہیں، اس لیے گلے کا مسح کرنا بدعت ہے۔

لما قال ابن نجیمؒ: والثانی مسح الرقبة وهو بظهر الیدین واما مسح الحلقوم فبدعة۔ (البحر الرائق ج۱ ص۲۸ کتاب الطهارت)[۲]

وضو میں ہاتھ دھونے کی ابتداء انگلیوں کی طرف سے کرنا سُنت ہے

سوال:۔ ہمارے علاقہ میں لوگ وضو کے دوران ہاتھوں پر انگلیوں کی طرف سے پانی بہاتے ہیں، کیا یہ طریقہ درست ہے؟

---

[۱] قال الشیخ ظفر احمد العثمانی: چہرہ ایک ہاتھ سے دھونا اور سر کا مسح ایک ہاتھ سے کرنا خلافِ سنت ہے۔ (امداد الاحکام ج۱ ص۳۴۷ فصل فی سنن الوضوء وآدابه ومکروهاته)

[۲] قال الحصکفیؒ: ومسح الرقبة بظهر یدیه لا الحلقوم لانه بدعة۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۱۲۴ مستحبات الوضوء)
ومِثلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۸ الفصل الثالث فی المستحبات۔

الجواب:۔ وضو میں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت ایک مرتبہ دھونا فرض ہے اور تین مرتبہ دھونا سنت ہے، اسی طرح دھونے کی ابتداء انگلیوں کی طرف سے کرنا بھی سنت ہے۔

لما فی الہندیۃ: ومن السنن البدایۃ من رؤس الاصابع فی الیدین والرجلین۔ ¹

(الہندیۃ ج۱ ص۸ الفصل الثالث فی المستحبات)

وضو کرنے کا افضل طریقہ

سوال:۔ وضو کھڑے ہو کر کرنا چاہیئے یا بیٹھ کر؟

الجواب:۔ وضو بیٹھ کر کرنا چاہیئے، اس لیے کہ وضو کے آداب میں یہ بات ہے کہ وضو بیٹھ کر کیا جائے۔

ومن الاداب ان یجلس المتوضی مستقبل القبلۃ عند غسل سائر الاعضاء ومن الاداب ان یکون جلوسہ علی مکان مرتفع۔

(حلبی کبیر ج۱ ص۳۱ باب الوضوء) ²

سردی کے موسم میں اعضاءِ وضو دھونے کا طریقہ

سوال:۔ سردی کے مہینوں میں اعضاءِ وضو اتنے خشک ہو جاتے ہیں کہ اگر ان پر پانی بہایا جائے تو اس سے اندام تر نہیں ہوتا بلکہ خشک رہ جاتا ہے، اس صورت میں وضو کیسے کیا جائے؟

الجواب:۔ سردی کے موسم میں خشکی بہت ہو جاتی ہے اور پانی اعضاءِ وضو کو گیلا نہیں کرتا، اس لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ دھونے سے قبل مغسولہ اندام کو تر کیا جائے پھر پانی بہایا جائے تاکہ اندام اچھی طرح دھویا جا سکے۔

لما قال العلامۃ الکاسانیؒ: عن خلف بن ایوب انہ قال ینبغی للمتوضی فی الشتاء ان یبل اعضاءہ شبہ الدھن ثم یسیل الماء علیہا لان الماء یتجافی

---

¹ لما قال ابن الھمامؒ: ومن السنن الترتیب بین المضمضۃ والاستنشاق والبداءۃ من مقدم الرأس ومن رؤس الاصابع فی الیدین والرجلین۔ (فتح القدیر ج۱ ص۳ کتاب الطھارۃ)

² قال الحصکفیؒ: والجلوس فی مکان مرتفع تحرزا عن الماء المستعمل وعبارۃ الکمال: وحفظ ثیابہ من التقاطر، وھی اشمل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۱۲۷ آداب الوضوء)
وَمِثْلُہٗ فی السعایۃ ج۱ ص۱۸۰ آداب الوضوء۔

عن الاعضاء فی الشتاء۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳ کتاب الطہارۃ) [۱]

وضو میں دوسرے سے مدد لینے کا حکم

سوال:۔ فقہ کی عام کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ استعانت بالغیر مکروہ ہے لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ شاگرد اپنے استاد کے لیے اور ملازم اپنے مالک کے لیے وضو کا پانی تیار کر کے اس کو وضو کراتا ہے، کیا یہ استعانت مکروہ نہیں اور اس سے وضو پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب:۔ اس مسئلہ کے بارے میں اگرچہ فقہی ذخائر میں مطلقاً استعانت بالغیر پر کراہت کا قول کیا گیا ہے مگر محققین کے ہاں یہ مطلقاً نہیں بلکہ اس کے لیے دو حالتیں ہیں، (۱) استعانت تیاری آلاتِ غسل (۲) استعانت بالغسل والمسح۔ اول الذکر استعانت بلاکراہت جائز ہے، اس قسم کی استعانت حضورؐ کے لیے صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے جس پر آپؐ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی، البتہ ثانی الذکر استعانت بلاعذرِ شرعی مکروہ ہے۔

لما قال ابن عابدینؒ: وحاصله ان الاستعانة فی الوضوء ان کانت بصب الماء او استقائه او احضاره فلا کراهة بها اصلاً ولو بطلبه وان کانت بالغسل والمسح فتکره بلا عذر۔ (ردّ المحتار ج ۱ ص ۱۲۷ آداب الوضوء مطلب فی مباحث الاستعانة فی الوضوء بالغیر) [۲]

بیماری کی وجہ سے وضو میں کلی نہ کرنے کا مسئلہ

سوال:۔ بعض لوگوں کو یہ بیماری ہوتی ہے کہ اگر وہ کلی کرتے ہیں تو دانتوں سے خون آنا

---

[۱] وفی الهندیة: عن خلف بن ایوب انه قال ینبغی للمتوضی فی الشتاء ان یبل اعضاءه بالماء شبه الدهن ثم یسیل الماء علیها لان الماء یتجافی عن الاعضاء فی الشتاء۔ (الهندیة ج ۱ ص ۹ الفصل الثالث فی المستحبات)

[۲] قال العالم بن العلاء الانصاریؒ: ومن الاداب ان یقوم بامر الوضوء بنفسه لحدیث عمر رضی الله عنه قال انا لا نستعین علی وضوئنا ومع هذا لو استعان بغیره جاز ان لا یکون الغاسل غیره بل یغسل بنفسه وقد صح ان رسول الله صلی الله علیه وسلم استعان بالمغیرةؓ وکان المغیرةؓ یفیض الماء ورسولُ الله صلی الله علیه وسلم کان یغسل۔ (الفتاوٰی التاتارخانیة ج ۱ ص ۱۱۲ آداب الوضوء)

شروع ہو جاتا ہے، اب اگر بیمار بوجہ عذر کے کلی نہ کرے تو اس سے وضو پر کیا اثر پڑے گا؟

الجواب:۔ کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنن وضو میں داخل ہے، اگر کوئی شخص اس کو بدون عذر ترک کرے تو گنہگار ہوگا، تاہم عذر کی وجہ سے کلی ترک کرنے پر وضو متاثر نہ ہوگا اور نہ گناہ لازم آئے گا۔

قال الحصکفیؒ: وغسل الفم الخ بمیاہ ثلٰثة والانف بمیاہٍ وھما سنتان مؤکدتان۔ فلو ترکھا اثم علی الصحیح سراج قال فی الحلیة لعله محمول علی ما اذا جعل الترک عادة له من غیر عذرٍ۔ (رد المحتار ج ۱ ص۱۱۶ سنن الوضوء)[1]

بیسن میں وضو کرنے کا حکم

سوال:۔ آجکل کے نئے دور میں منہ ہاتھ دھونے کیلئے بیسن بنائے گئے ہیں جن میں کھڑے ہو کر منہ ہاتھ دھویا جاتا ہے، کیا ان میں وضو کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وضو کرنا جائز ہے لیکن خلاف الادب ہے۔

ومن الاداب ان یجلس المتوضی مستقبل القبلة عند غسل سائر الاعضاء ومن الاداب ان یکون جلوسه علی مکان مرتفع۔ (حلبی کبیر ج۱ ص۳۱ آداب الوضوء)[2]

وضو کے دوران باتیں کرنے کا حکم

سوال:۔ آجکل عموماً دیکھا جاتا ہے کہ بعض لوگ وضو کے دوران دنیاوی باتیں کرتے رہتے ہیں، کیا وضو کے دوران دنیاوی باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وضو کے دوران ادعیہ ماثورہ پڑھنا مسنون عمل ہے، دنیاوی باتوں

---

[1] وفی الھندیة: والسنة ان یتمضمض ثلاثاً اولاً ثم یستنشق ثلاثاً ویاخذ لکل واحدٍ منھما ماءً جدیداً فی کل مرة ..... ان ترک المضمضة والاستنشاق اُثم علی الصحیح لانھما من سنن الھدیٰ وترکھا یوجب الاساءة الخ (الھندیة ج۱ ص۶ الفصل الثانی فی سنن الوضوء)

[2] قال الحصکفیؒ: والجلوس فی مکان مرتفع تحرزاً عن الماء المستعمل وعبارة الکمال: وحفظ ثیابه من التقاطر، وھی اشمل۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۱۲۷ آداب الوضوء) ومثله فی السعایة ج۱ ص۱۸۰ آداب الوضوء۔

کی وجہ سے چونکہ اس میں خلل آتا ہے اس لیے فقہاء کرام نے اس کو مکروہ کہا ہے، البتہ کسی ضروری سوال کا جواب یا کسی کو پیغام وغیرہ دینا بلاکراہت جائز ہے۔

لما قال حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویکرہ التکلم بکلام الناس لانہ یشتغلہ عن الادعیۃ۔ قال الطحاویؒ: مالم یکن لحاجۃ تفوتہ بترکہ۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۴۲ فصل مکروہات الوضوء) [1]

بواسیر کے مریض کے وضو کا حکم

سوال:- بعض حضرات بواسیر کے مرض کا شکار ہوتے ہیں جس کی وجہ سے اُن سے ہر وقت ریح (ہوا) یا خون وغیرہ کا خروج رہتا ہے، ان کے وضوء کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- بواسیر کے مریض کا مرض اگر اتنا شدید ہو کہ ہر وقت ریح یا خون کی آمد رہتی ہو تو ایسا مریض معذورین کے حکم میں ہے، وہ ہر نماز کے وقت کے لیے وضو کرے گا اور اس وضو سے وقت کے اندر جتنی چاہے نمازیں پڑھے۔ اور اگر معذورین کی حد تک مرض نہ پہنچا ہو تو پھر بواسیر کی وجہ سے نکلنے والی ریح اور خون دونوں ناقضِ وضو ہیں۔

لما قال الحصکفیؒ: وصاحب عذر من بہ سلس بول لا یمکنہ امساکہ او استطلاق بطن او انفلات ریح...... ان استوعب عذرہ تمام وقت صلوٰۃ مفروضۃ بان لا یجد فی جمیع وقتہا زمنا یتوضأ ویصلی فیہ خالیاً عن الحدث ولو حکماً...... حکمہ الوضوء لکل فرضٍ اللام للوقت ثم یصلّی بہ فیہ فرضاً ونفلاً فاذا خرج الوقت بطل۔ اھ

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۳۰۵، ۳۰۶ باب الحیض) [2]

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: ومن ادابہ ...... وعدم التکلم بکلام الناس الا لحاجۃ تفوتہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۱۲۶ آداب الوضوء مطلب فی مباحث الاستعانۃ فی الوضوء بالغیر)

[2] قال المرغینانیؒ: ومن بہ سلسل البول والرعاف الدائم والجرح الذی لا یرقأ یتوضئون لوقت کل صلوٰۃ فیصلون بذلک الوضوء فی الوقت ما شاء۔

(الہدایۃ ج۱ ص۵۰ باب الحیض)

ومِثْلُہٗ فی ردّ المحتار ج۱ ص۳۰۵ باب الحیض مطلب فی احکام المعذور۔

وضو میں واجبات نہیں

سوال :۔ کیا وضو میں واجبات ہیں یا نہیں ؟

الجواب :۔ فقہاء کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وضو اور غسل دونوں میں واجبات نہیں ۔

لما قال الحصکفیؒ : وسننه افاد انه لا واجب للوضوء ولا للغسل والا لقدمه ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۰۲، ۱۰۳ ۔ سنن الوضوء)[1]

اخبارات اور دینی رسائل کو بلا وضو مس کرنے کا حکم

سوال :۔ اس دور میں اخبارات، جرائد اور رسائل میں قرآنِ کریم کے الفاظ مع ترجمہ و تفسیر درج ہوتے ہیں، اسی طرح تفاسیر میں اکثر حصہ صرف تفسیر کا ہوتا ہے، کیا الفاظِ قرآنی کے علاوہ تفسیری اوراق کو بلا وضو چھونا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ قرآنِ کریم کو بلا وضو مس کرنا جائز نہیں، البتہ تفسیر یا دیگر سفید کاغذات کو چھونے یا پکڑنے کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ سے مختلف روایات منقول ہیں جن میں بعض سے کراہت معلوم ہوتی ہے اور بعض سے عدم کراہت ــــ علامہ ابراہیم الحلبیؒ نے عدم کراہت کو ترجیح دی ہے اور اس پر عمل کرنے میں سہولت بھی ہے تاہم خلافِ اولیٰ ضرور ہے ۔

قال الشیخ ابراھیم الحلبیؒ : ویکرہ ایضاً للمحدث ونحوہ مس تفسیر القرآن و کتب الفقه وکذا کتب السنن ولانها لا یخلو عن آیات وھذا التعلیل یمنع مس شروح النحو ایضاً ...... والاصح انه لا یکرہ عند ابی حنیفةؒ ۔ (کبیری ص ۵۶ فی آخر باب الغسل)[2]

کان اور رخسار کے درمیانی حصّہ کا حکم

سوال :۔ بعض لوگ جلدی میں وضو کرتے ہوئے کان اور رخسار کے درمیان والے حصّے کو خشک چھوڑ دیتے ہیں

---

[1] قال ابن نجیمؒ : ذکر فی النھایة انه یجوز ان یکون الفرض فی مقدار المسح بمعنی الواجب لالتقائهما فی معنی اللزوم وتعقب بانه مخالف لما اتفق علیه الاصحاب اذ لا واجب فی الوضوء ۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۱۱ کتاب الطهارة)

[2] قال الشیخ اشرف علی تھانویؒ : اس سے معلوم ہوا کہ جب غیر قرآن کی عبارت غالب ہو اس کا مس مطلقاً کما ھو الظاھر امام صاحبؒ کے نزدیک درست ہے ۔ وفی الاخذ به سهولة ۔

(امداد الفتاوی ج ۱ ص ۹۲ مسائل منثورہ کتاب الطهارة)

کیا اس سے وضو پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟

الجواب: فقہی تصریحات کی رُو سے کان اور رخسار کے درمیان والا حصہ چہرے کے حکم میں داخل ہے، وضو میں جس طرح چہرے کا دھونا فرض ہے اسی طرح اس جگہ کا دھونا بھی فرض ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وما بین العذار والاُذن لدخوله فی الحد وبه یفتی۔ قال ابن عابدینؒ: قوله وما بین العذار والاُذن ای ما بینهما من البیاض قوله وبه یفتی وهو ظاهر المذهب وهو الصحیح وعلیه اکثر المشائخ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۹۷ کتاب الطهارة) [1]

سرخی، پاؤڈر، کریم کی موجودگی میں وضو کا حکم

سوال: لپ سٹک، کریم اور پاؤڈر کے ہوتے ہوئے وضو کرنا کیسا ہے؟

الجواب: مروجہ سرخی، کریم وغیرہ تیل کے مانند ہے اور پاؤڈر گرد وغبار کے مانند، جسکی وجہ سے اعضاء پر تہہ نہیں بنتی، اس لیے ان کے ہونے ہوئے بھی وضو درست ہے لیکن وضو کرتے وقت اولاً ان کو گیلا کرے پھر دھوئے، البتہ اگر سرخی یا کریم ایسی ہو جس سے ناخن پالش کی طرح تہہ جمتی ہو تو پھر وضو یا غسل جائز نہیں۔

لما قال العلامۃ ابوبکر الکاسانیؒ: عن خلف بن ایوب انہ قال ینبغی للمتوضئ فی الشتاء ان یبل اعضاءه شبه الدهن ثم یسیل الماء علیها لان الماء یتجافی عن الاعضاء فی الشتاء۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳ کتاب الطهارة) [2]

جماعت کے فوت ہونے کے ڈر کے باوجود کامل وضو کرنا ضروری ہے

سوال: بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ بسا اوقات جلدی میں ہوتے ہیں اور جماعت کے فوت ہونے کے ڈر سے وضو میں سُنن وغیرہ پورے نہیں کرتے، تو کیا وضو کی سنن کو چھوڑ کر جماعت میں شامل ہونا چاہیئے یا سُنن کو پورا کیا جائے

---

[1] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: واما البیاض الذی بین العذار وبین شحمۃ الاذن قد ذکر شمس الائمۃ الحلوانی انہ ظاهر المذهب۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج ۱ ص ۸۹ کتاب الطهارة)

[2] وفی الهندیۃ: عن خلف بن ایوب انہ قال ینبغی للمتوضئ فی الشتاء ان یبل اعضاءه بالماء شبه الدهن ثم یسیل الماء علیها لان الماء یتجافی عن الاعضاء فی الشتاء۔ (الفتاوی الهندیۃ ج ۱ ص ۹ باب الوضوء الفصل الثالث فی المستحبات)

اگرچہ جماعت فوت ہو جانے کا خطرہ ہو؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ میں اسباغ وضو کا حکم ہے یعنی وضو کے جملہ فرائض، سنن اور آداب کو پورا کرنے کا حکم ہے، اس لیے جماعت کے فوت ہونے کے خوف سے سننِ وضو ترک نہ کی جائیں اگرچہ جماعت فوت ہو جائے۔

قال الشیخ ملا علی القاریؒ: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسبغوا الوضوء۔ رواہ مسلم ای اتموہ باتیان جمیع فرائضہ وسننہ واکملوا واجباتہ۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج۱ ص۳۱۰) [1]

آبِ زمزم سے وضو و غسل کا حکم

سوال:۔ کیا آبِ زمزم سے وضو یا غسل کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ زمزم کا پانی ایک متبرک پانی ہے، اس کے آداب و احترام کا خیال رکھنا شرعی ذمہ داری ہے، اسلئے بے وضو شخص کا اس سے وضو کرنا مکروہ ہے بشرطیکہ دوسرا متبادل پانی مہیا ہو ورنہ بلا کراہت جائز ہے لیکن غسلِ جنابت ہر حال میں کراہت سے خالی نہیں اور نہ اس سے استنجیٰ کرنا بلا کراہت جائز ہے۔ تاہم اگر باوضو آدمی اس سے تبرک کے طور پر وضو کرے یا پاک بدن والا شخص اس سے غسل کرے تو بلا کراہت جائز ہے۔

لما قال السید احمد الطحطاویؒ: یجوز الاغتسال والتوضوء بماء زمزم ان کان علیٰ طہارۃ للتبرک فلا ینبغی ان یغتسل بہ جنب ولا محدث ولا فی مکان نجس ولا یستنجی بہ ولا یزال بہ نجاسۃ حقیقیۃ من بعض العلماء تحریم ذٰلک وقیل ان بعض الناس استنجیٰ بہ فحصل لہ باسور۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۱۷ کتاب الطہارۃ۔ اقسام المیاہ) [2]

---

[1] عن عبد اللہ بن عمر قال رجعنا مع رسول اللہ من مکۃ الی المدینۃ حتیٰ اذا کنا بماء بالطریق تعجل قوم عند العصر فتوضأ وا وھم عجال فانتھینا الیھم واعقابھم تلوح لم یمسھا الماء فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویل للاعقاب من النار اسبغوا الوضوء۔

(مشکوٰۃ ج۱ ص۴۶ باب سنن الوضوء)

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: یکرہ الاستنجاء بماء زمزم۔ قال ابن عابدینؒ: تحتہ وکذا ازالۃ النجاسۃ الحقیقیۃ من ثوبہ او بدنہ حتیٰ ذکر بعض العلماء تحریم ذٰلک۔

{ردّ المحتار ج۲ ص۶۲۵ کتاب الحج، مطلب فی کراھیۃ الاستنجاء بماء زمزم}

نشہ آور اشیاء کے استعمال سے وضو کا حکم

سوال:۔ کیا شراب، ہیروئن، چرس وغیرہ پینے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ چرس، افیون، شراب، ہیروئن پینا بذاتِ خود ناقضِ وضو نہیں، البتہ پینے کے بعد جب نشہ غالب آجائے تو وضو متاثر ہو کر ٹوٹ جائے گا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: (ینقضه اغماء) ومنه الغشی وجنون وسکر بان یدخل فی مشیه تمایل ولو باکل الحشیشة اھ۔ قال ابن عابدینؒ: (قوله سکر) هو حالة تعرض للانسان من امتلاء دماغه من الابخرة المتصاعدة من الخمر ونحوه فیتعطل معه العقل الممیز بین الامور الحسنة والقبیحة اسمٰعیل عن البرجندی۔ (رد المحتار ج۱ ص۱۴۴ باب نواقض الوضوء)[1]

نشہ آور دوائیوں کے استعمال کی صورت میں وضو کا حکم

سوال:۔ آجکل بعض دوائیاں ایسی ہیں جن میں نشہ ہوتا ہے، کیا ان کے استعمال سے وضو متاثر ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ دوائی اگرچہ بذاتِ خود ناقضِ وضو نہیں مگر جب اس کے نشہ کی وجہ سے انسان پر غشی طاری ہو جائے تو وضو باقی نہیں رہے گا ورنہ بغیر نشہ کے وضو متاثر نہ ہوگا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: (ینقضه اغماء) ومنه الغشی وجنون وسکر بان یدخل فی مشیه تمایل ولو باکل الحشیشة۔ وقال ابن عابدینؒ: (قوله سکر) هو حالة تعرض للانسان من امتلاء دماغه من الابخرة المتصاعدة من الخمر ونحوه فیتعطل معه العقل الممیز بین الامور الحسنة والقبیحة۔ (رد المحتار ج۱ ص۱۴۴ باب نواقض الوضوء)[2]

---

[1] وکذا فی الهندیة: والغشی والسکر) قال وحد السکر فی هذا الباب أن لا یعرف الرجل من المرأة وهو اختیار بعض المشائخ۔ وصدر الشهید والصحیح ما نقل عن شمس الائمة الحلوانی انه اذا دخل فی بعض مشیته تحرک کذا فی الذخیرة۔
(الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۲ الفصل الخامس فی نواقض الوضوء)

[2] وفی الهندیة: والغشی والسکر) قال وحد السکر فی هذا الباب ان لا یعرف الرجل من المرأة وهو اختیار بعض المشائخ۔ والصحیح ما نقل عن شمس الائمة الحلوانی أنّه اذا دخل فی بعض مشیته تحرک۔ (الفتاوٰی الهندیة ج۱ ص۱۲ الفصل الخامس فی نواقض الوضوء)

انجکشن (ٹیکہ) لگانے سے وضو کا حکم

سوال:- ڈاکٹر حضرات بیمار کو دو طرح کے انجکشن لگاتے ہیں، ایک عام کسی نرم جگہ (گوشت) میں، اور ایک رگ میں، جس کو وریدی انجکشن کہا جاتا ہے۔ کیا ان انجکشنوں سے وضو پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- ہر نجس چیز جب بدن کے کسی بھی حصّے سے نکل جائے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ ان دونوں قسم کے انجکشنوں میں وریدی انجکشن تب یقینی ہوتا ہے جب پچکاری میں خون آجائے ورنہ یقینی نہیں ہوتا، چونکہ اس انجکشن سے نجس شئے یعنی خون کا اخراج ہوجاتا ہے، اس لیے صرف وریدی انجکشن سے وضو متاثر ہوکر ٹوٹ جائے گا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وینقضه خروج کل خارج نجس منه ای من المتوضی الحی معتادا اولا من السبیلین اولا الی ما یطهر ای یلحقه حکم التطهیر۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۳۴ مطلب نواقض الوضوء) [۱]

فلم بینی سے وضو متاثر نہیں ہوتا

سوال:- ٹی وی، وی سی آر اور فلم بینی وغیرہ سے وضو پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب: ٹی وی، وی سی آر یا فلم وغیرہ دیکھنا امورِ فسقیہ ہیں، اس عمل سے انسان گناہ کا مرتکب ہوجاتا ہے لیکن اس سے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ مستحب یہ ہے کہ گناہ کے ان کاموں کے ارتکاب کے بعد وضو کر لیا جائے۔

لما قال حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ومندوب للنوم علی طهارة واذا استیقظ منه ...... وبعد غیبة وکذب ونمیمة وکل خطیئة الخ

(نور الایضاح ص ۳۴ فصل الوضوء علی ثلاثة اقسام) [۲]

---

[۱] قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: وینقضه خروج نجس منه ای وینقض الوضوء خروج نجس من المتوضی الخ۔ (البحر الرائق ج ۱ ص ۲۹ کتاب الطهارة)

[۲] قال قاضیخانؒ: ومندوب...... ومنها الوضوء بعد الغیبة وبعد انشاد الشعر۔ (فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج ۱ ص ۳۲ باب الوضوء والغسل فیه سبعة فصول)

وَمِثْلُهٗ فی الهندیة ج ۱ ص ۹ الفصل الثالث فی المستحبات۔

گرم پانی سے وضو جائز ہے

سوال:۔ گرم پانی سے وضو کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ہر وہ پانی جو پاک ہو اُس سے مطلقاً وضو کرنا جائز ہے چاہے پانی گرم ہو یا ٹھنڈا، تاہم دھوپ سے گرم شدہ پانی کا استعمال طبّی لحاظ سے مکروہ ہے۔

ان عمرؓ: کان یسخن لہٗ ماءٌ فی قمقمۃ و یغتسل بہ۔اھ

ان عمرؓ: قال لاتغسلوا بالماء المتشمس فانہٗ یوث البرص۔ اھ (دار قطنی ج۱ ص۳۸،۳۹، باب الماء المسخن) [1]

کشفِ عورت ناقضِ وضو نہیں

سوال:۔ کیا کشفِ عورت سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

الجواب:۔ کشفِ عورت مفسدِ صلوٰۃ ہے لیکن ناقض الوضو نہیں، لہٰذا مرد یا عورت کا ستر ظاہر ہونے سے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ اگر کشفِ عورت کا ارتکاب بلا ضرورت ہو تو حرام ہے۔

لما قال ابراھیم الحلبیؒ: ومن الآداب ان یستر عورتہ حین فرغ ای من الاستنجاء والتجفیف لان الکشف کان لضرورۃ لقولہ اللّٰہ احق ان یستحی منہ۔ (کبیری ص۳۱ آداب الوضوء) [2]

وضو کے بعد شک غیر مؤثر ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص کو وضو یا غسل کرنے کے بعد پیشاب نکلنے کا شک ہوا لیکن غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ کوئی چیز نہیں نکلی ہے، یا بسا اوقات ریح نکلنے کا شبہ ہوتا ہے، کیا ایسی صورت میں وضو متاثر ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ جب تک پیشاب کے قطرے یا ریح نکلنے کا یقین نہ ہو محض شک کی بناء پر

---

[1] عن الاسلع بن شریکؓ: ...... فقلتُ اصابتنی جنابۃٌ فخشیتُ البرد علی نفسی فامرتُہٗ ان یرحلہا ووضعتُ احجارًا فاسخنتُ ماءً فاغتسلتُ بہ۔ اھ وعن عائشۃؓ قالت نہی رسولُ اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان یتوضاء بالماء المتشمس

(نصب الرایۃ ج۱ ص۱۰۲،۱۰۳ باب الماء الذی یجوز بہ الطھارۃ)

وَمِثْلُہٗ فی السعایۃ ج۱ ص۳۳۶، ۳۳۷ باب الکراھیۃ فی الماء المتشمس الخ۔

[2] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاری ومن الاداب ان لا یترک عورتہٗ مکشوفۃ یعنی بعد الاستنجاء۔ (الفتاوی التاتارخانیۃ ج۱ ص۱۱۲ آداب الوضوء)

وضو متاثر نہیں ہوتا لہٰذا وضو کا اعادہ ضروری نہیں۔

قال طاهر بن عبدالرشیدؒ: ومن شك فی الحدث فهو علی وضوئه ولو كان محدثاً فشك فی الطهارة فهو علی حدثه۔ (خلاصة الفتاوی۔ الفصل الثالث فی الوضوء ج۱ ص۱۸) [1]

وضو کے بعد ہاتھ پاؤں پر صابن لگانے کا حکم

سوال: سرد علاقوں میں ہاتھ پاؤں کو پھٹنے سے بچانے کے لیے وضو مکمل کرنے کے بعد ہاتھ پاؤں پر مختلف قسم کا صابن لگایا جاتا ہے، کیا اس سے وضو متاثر ہوگا یا نہیں؟

الجواب: صابن بذاتِ خود پاک چیز ہے اور نظافت کے لیے اس کا استعمال جائز ہے اسلیئے مذکورہ صورت میں صابن لگاکر باقی رکھنا اور پھر اس کے ساتھ نماز پڑھنا درست ہے۔

قال القدوریؒ: ویجوز الطهارة بماءٍ خالطه شیء طاهر فغیر احد اوصافه كماء المد والماء الذی اختلط به الزعفران والصابون .....الخ

(مختصر القدوری ص۹ کتاب الطهارۃ) [2]

کیا سگریٹ اور نسوار سے وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال: کیا سگریٹ اور نسوار کے استعمال سے وضو پر کوئی اثر پڑتا ہے؟

الجواب: دیگر نواقض کے علاوہ وضو ہر اُس چیز سے بھی ٹوٹ جاتا ہے جس میں نشہ ہو، اور چونکہ نسوار اور سگریٹ میں نشہ کی وہ کیفیت نہیں جس کا اعتبار فقہاء نے کیا ہے لہٰذا ان دونوں سے وضو نہیں ٹوٹتا، البتہ بدبو کے ازالہ کے لیے منہ ضرور دھونا چاہیئے (یعنی کُلّی وغیرہ کرلینی چاہیئے)۔

---

[1] قال الحصكفیؒ: ولو ایقن بالطهارة وشك بالحدث او بالعكس اخذ بالیقین (الدر المختار علی صدر رد المحتار، نواقض الوضوء ج۱ ص۱۵۰) وقال فی الهندية
وَمِثْلُهُ فی الفتاوی الهندية ج۱ ص۱۱۳ نواقض الوضوء۔

[2] قال ابراهیم الحلبیؒ: وتجوز الطهارة بماءٍ خالطه شیٔ طاهر فغیر احد اوصافه كماء المد والماء الذی یختلط به الاشنان والصابون والزعفران .....الخ۔ (كبیری، باب ما یجوز به الطهارة ص۹۰)

قال العلامۃ ابن عابدینؒ: فانہ لم یثبت اسکارہ ولا تفتیرہ ولا اضرارہ بل ثبت لہ منافع۔۔۔الخ (ردّ المحتار علی الدر المختار کتاب الاشربۃ ج ۶ ص۴۵۹) [۱]

جب تک احلیل سے قطرہ خارج نہ ہو وضو نہیں ٹوٹتا

سوال:۔ اگر ایک شخص سے پیشاب یا مذی کے قطرے وقتاً فوقتاً نکلتے ہوں جس کی وجہ سے باقاعدہ ہر نماز کے لیے اس کو وضو کرنا پڑے، لیکن بعض اوقات ایک نماز سے دوسری نماز تک کوئی قطرہ نہیں نکلتا البتہ احلیل کے اندر قطرے موجود ہوں تو کیا ایسی صورت میں دوبارہ وضو کرنا لازمی ہے یا وہ پہلا وضو ہی کافی ہوگا؟

الجواب:۔ صاحبِ عذر ہو تو ہر نماز کے لیے وضو کرنا لازمی ہے البتہ غیر معذور کے وضو ٹوٹنے کا دارو مدار سببِ نقض کی قطعی اور یقینی موجودگی پر ہے، صورتِ مذکورہ میں جب پیشاب کے قطرے نکلنے کا یقین ہو تو وضو کرے گا اور اگر یقین نہ ہو تو دوبارہ وضو کرنا ضروری نہیں اگرچہ پیشاب کے قطرے احلیل میں موجود ہوں۔

قال الحصکفیؒ: (وینقضہ خروج) کل خارج نجسٍ (منہ) ای من المتوضئ الحی معتادًا اَوْلَا مِنَ السبیلین او لا (الی مایطھر) ثم المراد بالخروج من السبیلین مجرد الظھور۔

وقال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ مجرد الظھور) ای الظھور المجرد عن السیلان فلو نزل البول الی قصبۃ الذکر لا ینقض لعدم ظھورہ۔ (رد المحتار علی الدر المختار نواقض الوضوء ج ۱ ص۱۳۴، ۱۳۵) [۲]

بدن سے خالص پانی نکلنے پر وضو کا حکم

سوال:۔ اگر بدن کے کسی حصہ سے خالص پانی نکل آئے جو خون یا پیپ سے مخلوط نہ ہو تو کیا اس سے وضو ٹوٹتا ہے؟

الجواب:۔ اگر یہ نکلا ہوا مواد یقیناً خالص پانی ہو جو پیپ یا خون سے مخلوط نہ ہو

---

[۱] قال المفتی کفایت اللہ: "تمباکو نوشی اور نسوار کشی سے وضو نہیں ٹوٹتا۔" (کفایت المفتی ج ۲ ص۲۷۲ باب الطھارۃ فصل چہارم) [۲] وقال ابن نجیمؒ: تحت قول النسفیؒ (وینقضہ خروج نجس منہ) افاد بقولہ خروج نجس ان الناقض خروجہ لا عینہ (البحر الرائق، نواقض الوضوء ج ۱ ص۲۹) ومثلہ فی تبیین الحقائق ج ۱ ص۷ نواقض الوضوء۔

تو اسکے نکلنے سے وضو پر کوئی اثر نہیں پڑتا (وضو درست رہے گا)۔

قال الحسن بن عمارؒ: وعن الحسن ان ماء النفطة لا ینقض۔
(مراقی الفلاح ص۴۸ فصل فی نواقض الوضوء) [1]

خون پھیل جانے سے وضو کا حکم

سوال:۔ اگر خون یا پیپ نکل کر بہنے کی صورت اختیار نہ کرے اور یوں ہی بدن پر پھیل جائے تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جائے گا؟

الجواب:۔ جب خون یا پیپ زخم کے منہ سے خارج ہو کر پھیل جائے تو اس سے وضو کا ٹوٹنا بہنے پر موقوف نہیں۔

قال الحصکفیؒ: و ینقضه خروج کل خارج نجس منه الی ما یطهر ای یلحقه حکم التطهیر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار۔ نواقض الوضوء ج۱ ص۱۳۴۔۱۳۵) [2]

پاؤں کے شگاف میں دوائی لگانے کے بعد وضو کا حکم

سوال:۔ سردی کے موسم میں ہاتھ پاؤں کے اندر شگاف پڑ جاتے ہیں ایسی حالت میں اگر شقوق دوائی سے بھر دیئے جائیں اور وضو کرتے وقت پانی اس میں دخل انداز نہ ہو تو اس صورت میں وضو درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر زخموں کے اندر پانی پہنچنے سے نقصان کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں ہاتھ پاؤں کی جلد پر صرف پانی بہانا ہی کافی رہے گا، شقوق کے اندر پانی پہنچانا لازمی نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: تحت قول الحصکفیؒ: (فی اعضائه شقاق غسله ان قدر والا مسحه الخ) ولو کان فی رجله فجعل فیه الدواء یکفیه

---

[1] قال ابن نجیمؒ: وعن الحسن ان ماء النفطة لا ینقض (البحر الرائق بحث الوضوء ج۱ ص۳۲)

[2] قال ابراهیم الحلبیؒ: اذا خرج وتجاوز مکان خروجه الی موضع یلحقه ای یلحق ذلك الموضع حکم التطهیر ای یجب تطهیره فی الجملة۔ (کبیری۔ نواقض الوضوء ص۱۳۱) ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۰ الفصل الخامس فی نواقض الوضوء۔

امرار الماء فوقہ لایکفیہ المسح۔ (رد المحتار علی الدر المختار۔ فرائض الوضوء ج ۱ ص۱۰۲) ؎۱

انجکشن کے ذریعہ خون کا نکالنا ناقض وضو ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص انجکشن کے ذریعہ بدن سے خون نکالے تو اس سے وضو پر کیا اثر پڑتا ہے؟ یہ خون سوئی کے ذریعہ نکالا جاتا ہے اور بدن کے کسی حصہ پر یہ خون نہیں لگتا، جو الیٰ موضع یلحقہ حکم التطھیر نہ ہونے کی وجہ سے بظاہر ناقض وضو نہ ہونے کا شبہ ہے، کیا یہ درست ہے؟

الجواب:۔ مذکورہ صورت میں خون کا بدن کے کسی حصہ پر نہ لگنے کے باوجود ناقض وضو ہے کیونکہ اگر یہ خون تھیلے میں نہ جاتا تو اس کا جسم پر بہہ جانا لازمی امر تھا۔ تھیلا کا وجود ایک خارجی مانع ہے اس سے حکم پر کوئی اثر نہیں پڑتا یعنی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

قال ابن عابدینؒ: فالاحسن ما فی النھر عن بعض المتاخرین من ان المراد السیلان ولو بالقوۃ: ای فان دم الفصد ونحوہ سائل الیٰ ما یلحقہ حکم التطھیر حکمًا تامل۔ (رد المحتار علی الدر المختار۔ نواقض الوضوء ج ۱ ص۱۳۴) ؎۲

صاحب عذر کے وضو اور کپڑوں کا حکم

سوال:۔ صاحب عذر کے وضو کا اعتبار نہیں رہتا ہے، ایسے شخص کے لیے وضو کرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز بسا اوقات اس عذر کی موجودگی میں کپڑوں کا پاک رکھنا ناممکن رہتا ہے، تو معذور کے کپڑوں کی تطہیر کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ کسی شخص سے خون نکلنے یا سلسلِ بول یا خروجِ ریح کی بیماری ایسی صورت

؎۱ قال ابراھیم الحلبیؒ: اذا کان برجلہ شقاق فجعل فیہ الشحم اوالمرھم ان کان یضرہ ایصال الماء لایجوز غسلہ و وضوءہ وان کان لا یضرہ یجوز اذا مر الماء علیٰ ظاھر ذٰلک۔ (کبیری ص۵۷، الطھارۃ الکبریٰ فرائض الغسل) ومثلہ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص۲۳۔

؎۲ قال فی الھندیۃ: القراد اذا مص عضو انسان فامتلأ دمًا ان کان صغیرًا لاینتقض وضوءہ کما لو مصت الذباب اوالبعوض وان کان کبیرًا ینتقض وکذا العلقۃ اذا مصت عضو انسان حتیٰ امتلأت من دمہ انتقض وضوءہ کذا فی محیط السرخسی۔ (الھندیۃ۔ نواقض الوضوء ج ۱ ص۱۱) ومثلہ فی خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱ ص۱۷ الفصل الثالث نواقض الوضوء۔

اختیار کرے کہ نماز کا وقت اُس معذور شخص پر بغیر اس بیماری کے نہ گذرتا ہو تو یہ شخص معذورِ شرعی متصور ہوگا۔ اور معذور کے لیے لازمی ہے کہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرے جس سے وہ اُس وقت کے اندر تمام عبادات ادا کر سکتا ہے البتہ نماز کا وقت گذرنے سے اس کا وضو ٹوٹ جائے گا دوسرے وقت کی نماز کیلئے دوبارہ وضو کرنا لازمی ہوگا۔

علاوہ ازیں اگر کپڑوں کی صفائی ممکن ہو یعنی کپڑے دھونے سے نماز کے دوران یہ کپڑے پاک رہ سکتے ہوں تو پھر نماز کی ابتداء میں کپڑے صاف رکھنا ضروری ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر کپڑوں سے ملحقہ نجاست سے صفائی ضروری نہیں اور اس شخص پر کپڑے دھونا لازمی نہیں۔

قال الحصکفیؒ: وصاحب عذر من به سلسل بول او استطلاق بطن او انفلات ریح او استحاضة ان استوعب عذره تمام وقت صلوٰة مفروضة بان لا یجد فی جمیع وقتها زمنًا یتوضأ ویُصلّی فیه خالیًا عن الحدث (الی ان) وحکمه الوضوء لا غسل ثوبه ونحوه لکل فرض۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار۔ مطلب فی احکام المعذور ج ۱ ص۳۰۵) ؎۱

پاخانہ کے مقام سے کیڑا نکلنے پر وضو کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص کو بیماری کی وجہ سے یا ویسے پاخانہ کی جگہ سے کیڑا نکل آئے تو اس سے وضو پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:۔ پاخانہ کی جگہ سے کیڑا نکلنا موجبِ نقضِ وضو ہے اس سے وضو باقی نہیں رہتا، اس میں معذور اور غیر معذور دونوں برابر ہیں۔

[۱۳۵]

قال الحصکفیؒ: وخروج غیر نجس مثل ریح او دُودة او حصاة من دُبُرٍ لا۔ وقال ابن عابدینؒ: قوله من دُبُرٍ وکذا من ذکرٍ او فرج فی الدُودة

؎۱ قال طاهر بن عبد الرشیدؒ: ویتوضأ صاحب الجرح السائل لوقت کل صلوٰة ویصلّی بذلك ما شاء من الفرائض والنوافل ما دام فی الوقت فان خرج الوقت ینتقض طهارته (وبعد اسطر) فان اصاب ثوبه من ذلك الدم فعلیه ان یغسل ان کان مفیدًا اما اذا لم یکن مفیدًا بان کان مصیبه مرةً اخری۔ ثانیًا وثالثًا حینئذٍ لا یفترض علیه غسله۔ (خلاصة الفتاوی۔ الفصل الثالث ج ۱ ص۱۶)

والحصاة بالاجماع ۔ (رد المحتار علی الدر المختار۔ مطلب نواقض الوضوء ج ۱ ص۱۳۶) لہ

باب الغسل

(غسل کے مسائل)

غسل میں غرغرہ کا حکم

سوال:۔ اگر غسل کرتے وقت غرغرہ رہ جائے تو کیا غسل درست رہے گا؟

الجواب:۔ جنابت کے غسل میں مضمضہ فرائض غسل میں شامل ہے، اس میں منہ دھونا (کلی کرنا) کافی ہے، یہاں تک کہ پانی پینے سے بھی یہ فرض ادا ہوجاتا ہے، اگر مطلقاً منہ دھونا رہ جائے تو غسل ناقص رہے گا جبکہ دھونے میں مبالغہ رہ جانے کی صورت میں غسل کامل متصور ہوگا۔

قال الحصکفیؒ: وفرض الغسل غسل کل فمه ویکفی الشرب عباً لان المج لیس بشرط فی الاصح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار، ابحاث الغسل ج ۱ ص۱۵۱) ٢ہ

غسل کرتے وقت ناک دھونے کا حکم

سوال:۔ غسل کرتے وقت ناک میں پانی ڈالنے کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے؟ کیا پانی ناک میں ڈال کر انگلی مارنا کافی ہے یا پانی کھینچ کر اقصیٰ ناک تک پہنچانا ضروری ہے؟ جبکہ کھینچتے وقت دماغ تک پانی پہنچنے کی صورت میں تکلیف کا اٹھانا لازم ہوتا ہے۔

الجواب:۔ دورانِ غسل ناک کا دھونا فرض ہے اور ناک کی مقدار ناک کی نرمی تک ہے،

لہ قال فی الهندیة: منها ما یخرج من السبیلین من البول والغائط والریح الخارجة من الدبر والودی والمذی والمنی والدودة والحصاة۔ (الهندیة۔ الفصل الخامس فی نواقض الوضوء ج ۱ ص۹) ومثله فی خلاصة الفتاوی۔ الفصل الثالث فی نواقض الوضوء ج ۱ ص۱۷

٢ہ قال ابراهیم الحلبیؒ: وشرب الماء یقوم مقام المضمضة اذا کان لا علی وجه السنة اذا بلغ الماء الفم کله والا فلا۔ (کبیری۔ فرائض الغسل ص۵۰)

ایسی صورت میں اپنی سہولت کو مدِ نظر رکھ کر جو مناسب نظر آئے وہی طریقہ اختیار کریں۔

قال الحصکفیؒ: وفرض الغسل غسل کل فمه ویکفی الشرب عباً لان المج لیس بشرط فی الاصح وانفه حتی ما تحت الدرن۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار، ابحاث الفصل ج۱ ص۱۵۱) [۱]

مصنوعی دانت کے باوجود غسل کا حکم

سوال:۔ دانت گر جانے کے بعد مصنوعی دانت لگانے کی صورت میں کیا غسل کے لیے اس کا نکالنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ چونکہ مصنوعی دانت کا ہر وقت نکالنا موجب حرج نہیں اس لیے غسل کے وقت اس کا نکالنا ضروری ہے، لہٰذا آسانی سے نکالنے کے باوجود اگر کوئی اس کو نہیں نکالتا اور پانی کا وصول بھی ممکن نہ ہو تو اس صورت میں غسل کی ادائیگی جائز نہ ہوگی تاہم اگر دانت مستقل طور پر لگایا ہوا اور نکالنے میں تکلیف ہوتی ہو تو نکالے بغیر غسل درست ہے۔

قال الحصکفیؒ: بخلاف نحو عجین۔ ولا یمنع ما علی ظفر صباغ ولا طعام بین اسنانه او فی سنه المجوف به یفتی وقیل ان صلباً منع، وهو الاصح۔

قال ابن عابدینؒ: (قوله بخلاف نحو عجین) ای کعلك وشمع وقشر سمك وخبز ممضوغ متلبد جوهرة...... نعم ذکر الخلاف فی شرح المُنیة فی العجین واستظهر المنع لان فیه لزوجة وصلابة تمنع نفوذ الماء (قوله وهو الاصح) صرح به فی شرح المنیة وقال لامتناع نفوذ الماء مع عدم الضرورة والحرج اھ۔ (رد المحتار علی الدر المختار۔ ابحاث الغسل ج۱ ص۱۵۴) [۲]

---

[۱] قال طاهر بن عبد الرشیدؒ: وانما یجوز اذا تمضمض واستنشق بناءً علی ان المضمضة والاستنشاق فرض فی الغسل عندنا۔ (خلاصة الفتاوی۔ الفصل الثانی فی الغسل ج۱ ص۱۴) ومثله فی الطحطاوی حاشیة مراقی الفلاح ص۸۱ فصل فی فرائض الغسل)

[۲] قال العلامة ابراهیم الحلبیؒ: قال بعضهم هو ان کان صلباً ممضوغاً متاکدا لا یجوز غسله قل او کثر وهو الاصح لامتناع نفوذ الماء مع عدم الضرورة والحرج۔ (کبیری ص۴۹۔ الطهارة الکبری، فرائض الغسل) ومثله فی السعایة ج۱ ص۲۸۱ فرض الغسل۔

دانتوں پر سونے کے خول چڑھانے سے غسل کا حکم

سوال :۔ بسا اوقات لوگ دانت کے جل جانے یا کسی بیماری کی وجہ سے اس پر سونے کا خول چڑھاتے ہیں، سونے کے خول سے دانت مستور ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے مضمضہ کرتے وقت دانت کو پانی نہیں پہنچتا، کیا ایسی صورت میں جنابت کے غسل پہ کوئی اثر پڑے گا؟ علاوہ ازیں کبھی یہ خول ویسے حسن اور زینت کیلئے چڑھایا جاتا ہے تو اس حکم میں ضرورت اور عدم ضرورت مساوی ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ دانت پر ضرورت کے وقت سونے کا خول چڑھانا از روئے شرع جائز ہے، غسل کے لیے اس خول کا ہٹانا حرج و تکلیف سے خالی نہیں بلکہ بسا اوقات منہ کے زخمی ہونے کا خطرہ بھی رہتا ہے لہٰذا اس مجبوری کی وجہ سے بوقتِ غسل اصلی دانت تک پانی پہنچانا معاف ہے اور اس خول کے ہوتے ہوئے نماز بھی ہو جاتی ہے۔

قال الحصکفیؒ: ولا یمنع الطهارة ونیم ای خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحته وحناء ولو جرمه به یفتی۔ قال ابن عابدینؒ: (قوله به یفتی) صرح به فی المنیة عن الذخیرة فی مسئلة الحناء والطین والدرن معللاً بالضرورة (وبعد اسطر) فالاظهر التعلیل بالضرورة۔ (رد المحتار علی الدر المختار ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۴)[1]

بلا ضرورت سونے کا استعمال جائز نہیں، ایسے وقت میں اگر خول کے ہٹانے سے دانت سے محرومی ہوتی ہو تو موجب حرج ہوتے ہوئے غسل جائز ہے، لیکن ہٹانے میں اگر حرج نہ ہو تو پھر یہ بلا ضرورت کے چڑھایا ہوا خول ہٹایا جائے گا۔

دانت بھروانے سے غسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا

سوال :۔ دانتوں میں سوراخ ہو جانے کی وجہ سے مصالحہ بھرنے کی ضرورت پڑتی ہے، کیا دانت بھر جانے کی وجہ سے غسل پہ کوئی اثر پڑتا ہے؟ کیونکہ اس وقت دانت کے سوراخ میں پانی نہیں پہنچتا؟

---

[1] قال ابراهیم الحلبیؒ: ان کان بین اسنانه طعام ولم یصل الماء تحته فی الغسل من الجنابة جاز لان الماء شئ لطیف یصل تحته غالباً قال صاحب الخلاصة وبه یفتی (وبعد اسطر) والطین والدرن اذا بقیا علی البدن یجزئ وضوءهم للضرورة۔ (کبیری باب الغسل ص ۴۹)

الجواب: - دانت میں سوراخ ہو جانے سے عموماً کھانے پینے میں تکلیف ہوتی ہے اسلئے ایسے وقت میں پاک مصالحہ سے دانت بھرنا جائز معالجہ ہے، دانت بھرنے کے بعد ہر غسل کے لیے خالی کرنا موجب حرج ہے اس لیے اس کا خالی کرنا ضروری نہیں اور اس سے غسل پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال الحصکفیؒ: ولا یمنع الطہارۃ ونیم ای خرء ذباب وبرغوث لم یصل الماء تحتہ وحناء ولو جرمہ، بہ یفتیٰ۔ قال ابن عابدینؒ: (قولہ وبہ یفتیٰ) صرح بہ فی المنیۃ عن الذخیرۃ فی مسئلۃ الحناء والطین والدرن معللاً بالضرورۃ (وبعد اسطر) فالاظہر التعلیل بالضرورۃ۔ (رد المحتار علی الدر المختار - ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۴) ؎۱

جنابت کے غسل میں عورت کو مینڈھیاں کھولنا ضروری نہیں

سوال: - کیا عورت کو غسل کرتے وقت سر کے بال (مینڈھیاں) کھولنا ضروری ہے؟

الجواب: - اگر عورت کے سر کے بال گندھے ہوئے ہوں تو بالوں کے اصول (جڑ) تک پانی پہنچانا ضروری ہے مینڈھیاں کھولنا ضروری نہیں۔

البتہ اگر عورت کے بال کھلے ہوئے ہوں تو پورے بالوں کا دھونا ضروری ہے اگر کچھ حصہ خشک رہ جائے تو غسل درست نہیں ہوگا۔

قال الحصکفیؒ: وکفی بل اصل ضفیرتہا ای شعر المرأۃ المضفور للحرج اما المنقوض فیفرض غسل کلہ اتفاقاً ولو لم یبتل اصلہا یجب نقضہا مطلقاً ہو الصحیح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار - ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۵۳) ؎۲

؎۱ قال ابراھیم الحلبیؒ: والطین والدرن اذا بقیا علی البدن یجزئی وضوءھم للضرورۃ۔ (کبیری - باب الغسل ص ۴۹) مثلہ فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص ۵۱ فصل فی تمام احکام الوضوء۔

؎۲ قال ابن نجیمؒ: (قولہ ولا تنقض ضفیرۃ ان بل اصلہا) ای ولا یجب علی المرأۃ ان تنقض ضفیرتہا ان بلت فی الاغتسال اصل شعرھا (وبعد اسطر) ویجب علیہا الایصال الی اثناء شعرھا اذا کان منقوضاً لعدم الحرج۔ (البحر الرائق - کتاب الطہارۃ ج ۱ ص ۵۳) ومثلہ فی الھندیۃ - الباب الثانی فی الغسل ج ۱ ص ۱۳۔

جنابت کی حالت میں کھانے پینے کا حکم

سوال:- جنابت کی حالت میں کھانے پینے اور چلنے پھرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز لبسا اوقات ایسی حالت میں کسی سے باتیں کرنے اور سلام کا جواب دینے کا موقع بھی پیش آتا ہے، ایسی حالت میں کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:- جنابت کی حالت میں کھانا پینا، چلنا پھرنا، سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا تمام امور جائز ہیں۔ البتہ کھانے پینے کے وقت کُلی کرنا اور ہاتھوں کو دھولینا چاہیئے بغیر کُلی کے کھانا پینا مکروہ ہے۔

قال الحصکفیؒ: لا قرأت قنوت رای لا تکرہ) ولا اکلہ وشربہ بعد غسل ید وفم ولا معاودۃ اھلہ قبل اغتسالہ۔ رالدر المختار علی صدر ردّ المحتار: ابحاث الغسل ج۱ ص۱۲۹) [۱]

حالتِ جنابت میں ناخن اور بال کاٹنے کا حکم

سوال:- جنابت کی حالت میں ناخن تراشنا اور بال کٹوانے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- جنابت کی حالت میں پورا جسم ظاہری طور پر نجاست کا شکار رہتا ہے اسلیئے پورے جسم کا دھونا فرض ہے، ایسی حالت میں ناخن اور بال کٹوانا مکروہ ہے۔ فقہاء کرام نے کراہت مطلقاً ذکر کیا ہے لیکن قرائن کے اعتبار سے کراہت تنزیہی معلوم ہوتی ہے۔

وفی الھندیۃ حلق الشعر حالۃ الجنابۃ مکروہ وکذا قص الاظافیر۔ کذا فی الغرائب۔ رالھندیہ۔ الباب التاسع عشر فی الختان والخصاء وقلم الاظفار وقص الشارب ج۵ ص۳۵۸) [۲]

دورانِ غسل باتیں کرنے کا حکم

سوال:- غسل کرتے وقت باتیں کرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز اس دوران ادعیہ مسنونہ پڑھنے کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا عُریانی

---

[۱] قال سدید الدین الکاشغریؒ: واذا اراد الجنب الاکل والشرب ینبغی لہ ان یغسل یدہ وفیہ ثم یأکل ویشرب۔ (منیۃ المصلی۔ بحث الطہارۃ الکبریٰ ص۲۹) ومثلہ فی الھندیۃ۔ الفصل الثالث فی المعانی الموجبۃ للغسل ج۱ ص۱۶۔

[۲] قال الشیخ العلامۃ اشرف علی تھانویؒ: "درمطالب المؤمنین می آرد ستردن وتراشیدن موئے وگرفتن ناخنہا درحالتِ جنابت کراہت است"۔ (امداد الفتاویٰ ج۱ ص۲۸ فصل فی الغسل)

کی حالت میں باتیں کرنا جائز ہے ؟

الجواب :۔ دورانِ غسل خاموش رہنا بہتر ہے ، عریانی کی حالت میں فقہاء نے باتیں کرنے کو مکروہ لکھا ہے ، اور ادعیہ مسنونہ پڑھنے کے لیے یہ وقت مناسب نہیں ، کیونکہ نجس مکان میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا بے ادبی کے مترادف ہے ۔

قال ابن عابدینؒ : ویستحب ان لا یتکلم بکلام مطلقاً اما کلام الناس فلکراھتہ حال الکشف واما الدعا فلانہ فی مصب المستعمل ومحل الاقذار والاوحال .اھ

(رد المحتار علی الدر المختار مطلب سنن الغسل ج ۱ ص۱۵۶) [1]

غسل کرتے وقت بغیر لباس وضو کا حکم

سوال :۔ کپڑے اتار کر ننگے ہونے کی حالت میں وضو کرنے کا کیا حکم ہے ؟ عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ عریانی کی حالت میں وضو نہیں ہوتا ۔

الجواب :۔ کشفِ عورت نواقضِ وضو میں سے نہیں ہے لہٰذا یہ بات عوام میں غلط مشہور ہے کہ عریانی کی حالت میں وضو جائز نہیں ، غسل خانہ میں کپڑے اتار کر وضو کرنا جائز اور مشروع ہے ، البتہ حیاء کا تقاضا یہ ہے کہ خلوت میں بھی ستر کی رعایت ہو ۔

لما قال العلامۃ ملا علی القاریؒ : حاصل حکم من اغتسل عاریاً انہ ان کان بمحل خال لا یراہ احد یحرم علیہ نظر عورتہ حل لہٗ ذٰلک لکن الافضل التستر حیاء من اللہ تعالیٰ ۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲ ص۳۹ باب الغسل الفصل الثانی) [2]

کھڑے ہو کر غسل کرنا افضل ہے یا بیٹھ کر ؟

سوال :۔ غسل کرتے وقت کون سی کیفیت بہتر ہے ؟ کیا بیٹھ کر غسل کرنا چاہیئے یا

---

[1] قال الحسن بن عمارؒ : ویستحب ان لا یتکلم بکلام معہ ولو دعاء لانہ فی مصب الاقذار ویکرہ مع کشف العورۃ (وبعد السطر) ویزاد فیہ کراھۃ الدعاء ۔ (مراقی الفلاح ، اداب الاغتسال ص۵۷) ومثلہ فی الھندیۃ ۔ الفصل الثانی سنن الغسل ج ۱ ص۱۴ ۔

[2] عن ام ھانیؓ بنت ابی طالب : تقول ذھبتُ الیٰ رسول اللہ عام الفتح فوجدتہٗ یغتسل وفاطمۃ تسترہ ۔ (الجامع الصحیح البخاری ج ۱ ص۴۱ با[illegible] عریاناً وحدہٗ فی الخلوۃ) ومثلہ عن میمونۃؓ فی الصحیح المسلم ج ۱ ص۱۵۴ باب تستر المغتسل بثوب ونحوہٗ ۔

کھڑے ہوکر بھی غسل کرنا افضل ہے ؟

الجواب:۔ غسل کرتے وقت کسی خاص کیفیت کی پابندی ضروری نہیں، حالت اور موقع کو مدِنظر رکھ کر ایسی کیفیت اختیار کی جائے گی جو انسانی بدن کے لیے استر ہو، عموماً بیٹھ کر غسل کرنے سے پردہ قوی رہتا ہے اس لیے بیٹھ کر غسل کرنا بہتر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے بارے میں روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بیٹھ کر غسل فرمایا ہے۔

لما اخرجه الامام ابوعبد الله محمد بن اسماعیل البخاریؒ: عن اُمّ ھانیؓ تقول ذھبتُ الی رسول اللہ عام الفتح فوجدته یغتسل وفاطمة تسترہ فقال من ھٰذہ فقلتُ انا اُمّ ھانی۔ (الصحیح البخاری ج ۱ ص۴۲ باب التستر فی الغسل عند الناس) [۱]

دورانِ غسل سر پر مسح کرنا کافی نہیں

سوال:۔ کیا غسل کرتے وقت عورت کے لیے پورے بدن کا دھونا فرض ہے؟ بعض عورتیں بدن پر پانی ڈال کر سر پر مسح کرنا کافی سمجھتی ہیں، کیا ایسی صورت میں غسل ہو جاتا ہے؟

الجواب:۔ احکامِ غسل میں مرد اور عورت یکساں ہیں، جیسا مرد کے لیے پورے بدن کا دھونا فرض ہے اسی طرح عورت کے لیے بھی پورے بدن کا دھونا ضروری ہے، سر کے بالوں پر مسح کر لینا کافی نہیں، بال بھی دھونا ضروری ہیں، اگر غسل کرتے وقت بالوں پر مسح کر کے دھونا چھوڑ دیا جائے تو اس سے غسل ادا نہیں ہوگا۔

قال الحصکفیؒ: وفرض الغسل غسل کل فمه وانفه حتی ما تحت الدرن وباقی بدنه لکن فی المغرب وغیرہ البدن من المنکب الی الالیة، وحینئذٍ فالرأس والعنق والید والرجل خارجةٌ لغةً داخلة تبعًا شرعًا۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار۔ ابحاث الغسل ج ۱ ص۱۵۲) [۲]

---

[۱] واخرجه الامام مسلم فی صحیحة عن معاذة قالت قالت عائشةؓ کنتُ اغتسل انا ورسول اللہ من اناء واحد بینی وبینه فیبادرنی حتی اقول دع لی دع لی قالت ھما جنبان۔ (مسلم ج ۱ ص۱۴۸ باب غسل الرجل والمرأۃ من اناء واحد)۔

[۲] وفی الھندیة: الفصل الاول فی فرائضه وھی ثلاثة المضمضة والاستنشاق وغسل جمیع البدن علی ما فی المتون۔ (الھندیة۔ الباب الثانی فی الغسل ج ۱ ص۱۳) ومثله فی البحر الرائق کتاب الطھارۃ ج ۱ ص۴۵)

غسل کے لیے کشف عورت کا حکم

سوال:۔ بعض علاقوں میں لوگ بڑے بڑے تالابوں اور حوضوں میں اجتماعی طور پر غسل کرتے ہیں، اس میں ظاہر ہے کہ عضوِ مخصوصہ کے کشف پر جس کو لوگ دیکھ سکیں ضمیر ملامت کرتا ہے، لیکن اگر ایک شخص عضوِ مخصوصہ پر ایک کپڑا باندھ کر ایسی حالت میں غسل کرے کہ ناف کے نیچے اور گھٹنوں سے اوپر کا کچھ حصہ عام لوگوں کو نظر آئے، اس کا از روئے شرع کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ واضح ہو کہ اگر انسان ایسی جگہ میں غسل کرے جہاں پر اکیلا ہو تو ایسی حالت میں بھی بلا ضرورت کشفِ عورت سے احتراز کرے گا ضرورت کی حد تک اس کے لیے کشفِ عورت کی رخصت ہے۔ لیکن جہاں آس پاس لوگ موجود ہوں تو ایسی حالت میں گھٹنوں سے لے کر ناف تک کا حصہ مرد کے لیے چھپانا فرض ہے جس کا کشف حرام ہے، ایسی حالت میں یہ ضروری ہے کہ پردہ کر کے غسل کرے تاہم اگر ایک شخص نے اُس طریقہ سے غسل کر لیا تو ارتکابِ حرام کے باوجود جب فرائضِ غسل ادا ہوئے ہوں تو فریضۂ غسل ادا ہو جاتا ہے۔

قال ابراھیم الحلبیؒ: وان یغتسل فی موضع لا یراہ احد لاحتمال بدوّ العورۃ حال الاغتسال او اللبس والحدیث یعلی بن اُمیۃ ان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ حیّ ستیر یحب الحیاء والتستر فاذا اغتسل احدکم فلیستتر۔ (رواہ ابوداؤد)۔ (کبیری۔ فرائض الغسل ص۵۱) [1]

کشفِ عورت کی صورت میں تیمم کی رخصت

سوال:۔ اگر کسی شخص کو ایسی جگہ میں غسل کی ضرورت پڑے جہاں غسل کرنے کا باپردہ انتظام نہ ہو اور اگر غسل کرتا ہے تو کشفِ عورت کا قوی امکان ہے، تو ایسی صورت میں غسل کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جب دیگر آدمیوں کے سامنے کشفِ عورت کے بغیر غسل ممکن نہ ہو تو اس شخص کے لیے تیمم کرنا جائز ہے یعنی کشفِ عورت سے بچنے کیلئے تیمم پر اکتفاء کرے اور

---

[1] قال ابن عابدینؒ: قال فی شرح المُنیۃ: وھو غیر مسلم لان ترک المنھی مقدم علیٰ فعل المأمور وللغسل خلف وھو التیمم فلا یجوز کشف العورۃ لاجلہ عند من لا یجوز نظرہ الیھا۔ (رد المحتار علی الدر المختار: ابحاث الغسل ج۱ ص۱۵۶)

جب موقع ملے تو پھر غسل کرے ۔

قال ابراهیم الحلبیؒ: وللغسل خلف وهو التیمم ولا یجوز کشف العورة عند من لا یجوز نظره الیها لاجله۔ (کبیری۔ فرائض الغسل ص۵۱) [1]

شہوت کے باوجود منی بند کرنے سے غسل کا حکم

سوال:۔ اگر کسی نے رأس الذکر پکڑ کر منی روک کر شہوت ختم ہونے کے بعد منی چھوڑ دی تو ایسی صورت میں غسل واجب ہوگا یا نہیں؟

الجواب:۔ طرفین کے نزدیک ایسی صورت میں غسل واجب رہے گا جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک خروجِ منی کے وقت شہوت کی موجودگی ضروری ہے۔ صورتِ مذکورہ میں خروجِ منی کے وقت شہوت نہ ہونے کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غسل واجب نہیں ہوتا لیکن مفتیٰ بہ قول طرفین کا ہے۔

البتہ اگر کوئی شخص کہیں مہمان ہو اور احتلام کی صورت میں میزبان کی طرف سے شک پیدا ہونے کا امکان ہو تو پھر احتلام کے وقت اسی طریقہ کو اختیار کرنے پر امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنا جائز ہے، البتہ فتویٰ اس پر نہیں دیا جاسکتا۔

قال الحصکفیؒ: وشرطه ابویوسفؒ وبقوله یفتی فی ضیفٍ خاف ریبةً او استحیٰ کما فی المستصفی وفی القهستانی والتاتارخانیة معزیًا للنوازل: وبقول ابی یوسفؒ ناخذ لانه أیسر علی المسلمین قلت ولا سیما فی الشتاء والسفر۔ وقال ابن عابدینؒ قوله وشرطه ابویوسفؒ ای شرط الدفق، واثر الخلاف یظهر فیما لو احتلم او نظر بشهوة فامسك ذکره حتی سکنت شهوته ثم ارسله فانزل وجب عندهما لا عنده (وبعد اسطر) (قوله قلتُ) ظاهره المیل الی اختیار ما فی النوازل ولکن اکثر الکتب علی خلافه حتی البحر والنهر ولا سیما قد ذکروا ان قوله قیاس وقولهما استحسان وانه الاحوط فینبغی الافتاء

---

[1] قال ابن عابدینؒ: ولا یخفی ان تاخیر الغسل لا یقتضی عدم التیمم فان المبیح له وهو العجز عن الماء قد وجد فافهم۔
(ردالمحتار علی الدرالمختار۔ ابحاث الغسل ج۱ ص۱۵۵)

بقوله فی مواضع الضرورة - فقط (ردّ المحتار علی الدر المختار - ابحاث الغسل ج۱ ص۱۶۰) لـه

غسل کرتے وقت جہاں پانی پہنچانا مشکل ہو تو اس کا حکم

سوال:۔ ختنے کے وقت بعض اوقات حشفہ کے اردگرد چمڑہ رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے غسل کے وقت حشفہ تک پانی پہنچانا مشکل ہو جاتا ہے بلکہ بغیر کسی تکلف اور سخت کوشش کے پانی داخل نہیں ہوتا، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئیے؟

الجواب:۔ جس جگہ میں پانی داخل کرنا شاق ہو تو وہاں کانوں کے سوراخ کی طرح ظاہر پر پانی ڈالنے سے غسل صحیح ہوتا ہے، ایسی تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت نہیں جو موجب حرج ہوں۔

قال الحصکفیؒ: ولو کان خاتمه ضیقًا نزعه اوحرکه وجوبًا کقرط ولولم یکن بثقب اذنه قرط قدخل الماء فیه ای الثقب عند مروره علی اذنه اجزاه کسُرّة واذن دخلهما الماء والا) یدخل أدخله ولو باصبعه ولا یتکلّف بخشب ونحوه والمعتبر غلبة ظنه بالوصول۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ابحاث الغسل ج۱ ص۱۵۵) لـه۲

غسل کے بعد دوبارہ وضو کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا غسل کرنے کے بعد دوبارہ وضو ضروری ہے یا غسل کے ضمن میں کیے گئے وضو پر اکتفاء

لـه قال ابن نجیمؒ: ثم اتفق اصحاب المذهب انه لا یجب الغسل اذا انفصل عن مقره من الصلب بشهوة الا اذا خرج علی رأس الذکر وانما الخلاف فی انه هل یشترط مقارنة الشهوة الخروج فعند ابی یوسفؒ نعم وعندهما لا وقد اشار الی اختیار قولهما بقوله عند انفصاله ای فرض الغسل عند خروج منی موصوف بالدفق والشهوة عند الانفصال عن محله عندهما۔ (البحر الرائق ۔مبحث الغسل ج۱ ص۵۵)

لـه۲ قال ابراهیم الحلبیؒ: امرأة اغتسلت هل تتکلّف فی ایصال الماء الی ثقب القرط ام لا قال ای محمد تتکلّف فیه ای فی ایصال الماء الی ثقب القرط کما تتکلّف فی تحریك الخاتم ان کان ضیقًا والمعتبر فیه غلبة الظن بالوصول (وبعد اسطر) ولا تتکلّف لغیر الامر ارمن ادخال عود ونحوه فان الحرج مدفوع۔ (کبیری۔ فرائض الغسل ج ص۴۸)

ومثله فی الهندیة الفصل الاول فی فرائض الغسل ج۱ ص۱۴۔

کیا جاسکتا ہے؟

الجواب:۔ بہتر یہ ہے کہ غسل کرنے سے قبل وضو کر لیا جائے البتہ اگر غسل سے قبل وضو نہ کیا گیا ہو تو غسل میں ضمناً وضو پر اکتفاء ہو سکتا ہے، ایسی حالت میں غسل کے بعد دوبارہ وضو ضروری نہیں، البتہ اگر غسل کرنے کے بعد کسی دوسری مجلس میں وضو کرے تو جائز ہے۔

قال ابن نجیمؒ: واتفق العلماء علی عدم وجوب الوضوء فی الغسل الا داؤد الظاهری فقال بالوجوب فی غسل الجنابة واذ توضأ اولاً لا یاتی به ثانیاً بعد الغسل فقد اتفق العلماء علی انه لا یستحب وضوءان للغسل اما اذا توضأ بعد الغسل واختلف المجلس علی مذهبنا او فصل بینهما بصلوٰة کما هو مذهب الشافعی فیستحب۔ (البحر الرائق سنن الغسل ج ۱ ص۵۰) [1]

خواب سے بیداری کے بعد محض تری کے احساس سے غسل کا حکم

سوال:۔ اگر کوئی شخص صبح نیند سے بیدار ہوتے وقت احلیل میں بغیر کسی شہوت اور دفق کے تری محسوس کرے تو کیا اس پر غسل واجب ہے؟ جبکہ احتلام بھی یاد نہ ہو اور نہ تری کے بارے میں منی ہونے کا یقین ہو؟

الجواب:۔ خواب میں احتلام یاد نہ ہونے کے باوجود نفس تری کے احساس کی صورت میں غسل احتیاطاً واجب ہے، البتہ اگر مذی ہونے کا یقین ہو تو پھر غسل واجب نہیں۔

قال ابراهیم الحلبیؒ: واما اذا لم یتذکر الاحتلام وتیقن انه منی او شک هل هو منی او مذی فکذلک یجب علیه الغسل فی هاتین الحالتین ایضاً اجماعاً للاحتیاط۔ وان تیقن انه مذی فلا غسل علیه۔ (کبیری۔ اما الطهارة الکبریٰ تمهی لاغتسال ص۴۲) [2]

---

[1] قال العلامة الحصکفیؒ: لو توضأ اولاً لا یأتی به ثانیاً لانه لا یستحب وضوءان للغسل اتفاقاً اما لو توضأ بعد الغسل واختلف المجلس علی مذهبنا او فصل بینهما بصلوٰة کقول الشافعیة فیستحب۔ (الدر المختار علیٰ صدر ردّ المحتار ج ۱ ص۱۵۸ سنن الغسل)

[2] قال طاهر بن عبد الرشید:۔ والثالث اذ رئی البلل علی فراشه ولم یتذکر الاحتلام عندهما یجب علیه الغسل وعند ابی یوسفؒ لا غسل علیه۔ (خلاصة الفتاوی۔ الفصل الثانی فی الغسل ج ۱ ص۱۳) ومثله فی الهندیة۔ الفصل الثالث فی المعانی الموجبة للغسل ج ۱ ص۱۵۔

احتلام بھول جانے کی صورت میں پڑھی گئی نمازوں کا حکم

سوال :۔ کسی شخص سے احتلام بھول گیا تھا مگر چند دن بعد یاد آیا کہ چند روز قبل اس کو احتلام ہوا تھا، تو اس دوران پڑھی گئی نمازوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب :۔ اگر کسی کو چند روز کے بعد احتلام کا علم ہوا کہ فلاں دن کو مجھے احتلام ہوا تھا تو اسی روز سے نمازوں کی قضاء کرے گا اور اگر متعین دن کا علم نہ ہو تو آخری نوم (نیند) سے جنبی شمار ہوگا، اس کے بعد جتنی نمازیں پڑھی گئی ہوں اُن کی قضاء لازم ہو گی۔

لما قال الشیخ عبد الحیؒ :۔ اگر دانست کہ احتلام فلاں روز ست حکم جنابت از آں روز جاری خواہد شُد و اگر تعین روز معلوم نہ شُد حکم احتلام از آخر نوم کہ بعد آں نخسپیدہ است داد خواہد شُد۔ (مجموعۃ الفتاوٰی (فارسی) ج ۳ ص ۲۶ باب الغسل)

کنڈوم (ساتھی) کے ساتھ ایلاج موجب غسل ہے

سوال :۔ کنڈوم (ساتھی) کو استعمال کرنے کی صورت میں جماع بدون انزال کے موجب غسل ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ نفس التقاء ختانین (دونوں شرمگاہوں کا مل جانا) جب سپاری غائب ہو جائے تو بغیر انزال کے موجب غسل ہے بشرطیکہ دونوں کو ایک دوسرے کی حرارت محسوس ہو اس لیے فقہاء نے اُس ایلاج (دخول) کو موجب غسل قرار نہیں دیا جو موٹے کپڑے کے ساتھ ہو اور اُس میں فرج داخل کی حرارت محسوس نہ ہو لیکن کنڈوم (ساتھی) میں اگرچہ ذکر ملفوف ہوتا ہے مگر یہ غلاف اتنا باریک ہوتا ہے کہ اس کی موجودگی میں بھی تمام تر لذت کا احساس ہوتا ہے اور طرفین ایک دوسرے سے لذت یاب ہوتے ہیں، اس لیے کنڈوم کے ساتھ ادخال بدون انزال بھی موجب غسل ہے۔

لما قال حسن بن عمار: ومنها ایلاج بخرقة مانعة من وجود اللذة علی الاصح ۔ قال الشیخ احمد الطحطاوی (قوله مانعة من وجود اللذة) اقتصر علی ذکر اللذة هنا و زاد فیما تقدم وجود الحرارة ولعلهما متلازمان۔

(الطحطاوی حاشیة مراقی الفلاح ص۸۰ فصل عشرة اشیاء لا یغتسل منها)

ایضاً قال ولو لف ذکره بخرقة واولجه ولم ینزل فالاصح انه ان وجد حرارة الفرج واللذة وجب الغسل والا فلا ۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۷۸ موجبات الغسل)[1]

---

[1] قال الحصکفیؒ: اولج حشفته او قدرها ملفوفة بخرقة ان وجد لذة الجماع وجب الغسل والا لا علی الاصح ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۶۴، ۱۶۵ باب الغسل)

ٹیسٹ ٹیوب بے بی سے وجوبِ غسل کا مسئلہ

سوال:۔ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعے جو مادہ منویہ عورت کے رحم میں رکھا جاتا ہے، کیا اس عمل سے عورت پر غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ وجوبِ غسل کا سبب نفس خروجِ منی یا دخولِ منی نہیں بلکہ اصل علت اس میں لذت اور تسکینِ قلب ہوتی ہے جو شہوت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، ٹیسٹ ٹیوب میں لذت اور تسکین کی علت مفقود ہوتی ہے اور اس میں صرف مادہ منویہ عورت کے رحم میں بذریعہ مشین پہنچایا جاتا ہے، ظاہر ہے کہ اس طریقہ سے وہ لذت و تسکین نہیں جو مرد کے جماع کرنے سے عورت کو حاصل ہوتی ہے۔

اس کی مثال عورت کا اپنی شرمگاہ میں اُنگلی داخل کرتے یا غیر آدمی کے ذکر وغیرہ کو داخل کرتے کی ہے جو موجبِ غسل نہیں۔۔۔ البتہ اگر ٹیسٹ ٹیوب کے عمل کے وقت عورت کو انزال ہو جائے تو تب غسل واجب ہوگا اگرچہ بدون انزال کے غسل کرنا زیادہ احوط ہے۔

لما قال الحصکفیؒ: وفرض الغسل عند خروج منی من العضو.... منفصل عن مقرہ ھو صلب الرجل وترائب المرأۃ.... بشھوۃ ای لذۃٍ ولو حکماً کمُحتلم ولم یذکر الدفق یشمل منی المرأۃ، لان الدفق فیہ غیر ظاھرٍ۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۵۹، ۱۶۰ باب الغسل)

وایضاً قال: ولا عند ادخال اصبع ونحوہ کذکر غیر آدمی وذکر خنثیٰ ومیّت وصبیّ لایشتھی وما یصنع من نحو خشب فی الدبر او القبل علی المختار۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۶۶ باب الغسل)[۱]

جانور سے وطی کرنے کی صورت میں غسل کا مسئلہ

سوال:۔ اگر ایک آدمی کسی جانور سے وطی کرے لیکن انزال

---

[۱] قال حسن بن عمار: اولھا خروج المنی وھو ماء الیٰ ظاھر الجسد لانہ مالم یظھر لاحکم لہ اذا انفصل عن مقرہ بشھوۃٍ من غیر جماعٍ۔ (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص ۷۶ فصل موجبات الغسل)
وایضاً ومنھا ادخال اصبع ونحوہ کشبہ ذکر مصنوع من نحو الجلد فی احد السبلین علی المختار مقصور الشھوۃ۔ (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص ۸۱ فصل عشرۃ اشیاء لایغتسل منھا)

انزال نہ ہو تو غسل واجب ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ نفسِ ایلاج موجبِ غسل نہیں بلکہ ایلاج (التقاء ختانین) کے لیے محلِ مشتہاۃ کا ہونا ضروری ہے ۔ چونکہ بہیمہ (جانور) یا میتہ (مردہ) محلِ مشتہات نہیں اس لیے نفسِ وطی بدون انزال کے غسل واجب نہیں ۔

لما قال الحصکفیؒ : ولا عند وطی بہیمۃ او میتۃ او صغیرۃ غیر مشتہاۃ بان تصیر مفضاۃ بالوطیٔ وان غابت الحشفۃ ...... بلا انزال لقصور الشہوۃ ۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۶۶ ابحاث الغسل ، سنن الغسل) [۱]

التقاء ختانین کی صورت میں غسل کا حکم

سوال :۔ مرد و عورت کی شرمگاہیں جب آپس میں مل جائیں تو کیا دونوں پر غسل ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ احادیثِ مقدسہ کے صریح اور واضح الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس التقاء ختانین موجبِ غسل ہے بشرطیکہ حشفہ (سپاری) فرج میں غائب ہو جائے ۔

لما اخرج الامام ابو عیسٰی الترمذیؒ : عن عائشۃؓ قالت اذا جاوز الختانُ الختانَ وجب الغسل فعلتُہ انا ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاغتسلنا ۔

(الجامع الترمذی ج ۱ ص ۳۰ باب ما جاء اذا التقی الختان وجب الغسل) [۲]

غسل کے بعد منی نکلنے پر غسل کا حکم

سوال :۔ کبھی کبھی جلدی کی وجہ سے جماع یا احتلام کے بعد غسل کیا جاتا ہے اور غسل کے بعد منی کے قطرے خارج ہو جاتے ہیں ، تو کیا دوبارہ غسل کرنا واجب ہے یا پہلا غسل ہی کافی ہوگا ؟

---

[۱] وفی الھندیۃ : والایلاج فی البہیمۃ والمیتۃ والصغیرۃ التی لا یجامع مثلھا لا یوجب الغسل بدون الانزال ۔ (الھندیۃ ج ۱ ص ۱۵ الفصل الثالث فی المعانی الموجبۃ الغسل)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوٰی ج ۱ ص ۱۳ الفصل الثانی فی الغسل ۔

[۲] قال الحصکفیؒ : وعند ایلاج حشفۃ ھی ما فوق الختان آدمی احتراز عن الجنی یعنی اذا لم تنزل ..... او ایلاج قدرھا من مقطوعھا ولو لم یبق منہ قدرھا ..... فی احد سبیلی آدمی حی یجامع مِثْلُہٗ علیھما ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۱۶۱، ۱۶۲ سنن الغسل)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۵ الفصل الثالث فی المعانی الموجبۃ ۔

الجواب: غسل کرنے کے بعد منی کے جو قطرات خارج ہوتے ہیں اس میں قدرے تفصیل ہے، اگر منی کے قطرات کثرتِ مشی (زیادہ چلنے) سونے یا پیشاب کے بعد نکلے ہوں تو چونکہ بسا اوقات ان حالات میں بغیر شہوت و دفق کے منی خارج ہو جاتی ہے اسلئے عدم شہوت کیوجہ سے پہلا غسل ہی کافی ہے دوبارہ غسل واجب نہیں اور اگر ان عوارض سے قبل منی کے قطرات خارج ہو جائیں تو دوبارہ غسل واجب ہوگا۔

لما فی الهندية: لو اغتسل من الجنابة قبل ان يبول او ينام وصلى ثم خرج بقية المنى فعليه ان يغتسل عندهما خلافا لابی يوسفؒ ولكن لا يعيد تلك الصلوٰة فی قولهم جميعا كذا فی الذخيرة ولو خرج بعد ما بال او نام او مشى لا يجب عليه الغسل اتفاقاً كذا فی التبيين۔

(الهندية ج ۱ ص ۱۴ الفصل الثالث فی المعانی الموجبة الغسل) ؎۱

سوئمنگ پول میں غسل کرنے کا حکم

سوال: آجکل غسل کے لیے بعض مقامات پر سوئمنگ پول بنا دیئے گئے ہیں جو دَہ در دَہ حوض (ایک صد زراع) سے کہیں زیادہ ہوتے ہیں، اُن میں غسل کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: جو حوض دَہ در دَہ ہو تو مفتی بہ قول کے اعتبار سے اس کا پانی ماءِ جاری کے حکم میں ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں سوئمنگ پول اگر دَہ در دَہ زراع یا اس سے زیادہ ہو تو وہ ماءِ جاری کے حکم میں ہے اس لیے اس میں غسل کرنا جائز ہے۔ البتہ چونکہ سوئمنگ پول میں غسل کرنا کفار اور فساق کا وطیرہ ہے اس لیے ایسی جگہوں میں غسل کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

لما قال طاهر بن عبد الرشيدؒ: الحوض الكبير مقدار بعشرة اذرع فی عشرة اذرع ...... وعليه الفتوىٰ۔ (خلاصة الفتاوىٰ ج ۱ ص ۳ كتاب الطهارة) ؎۲

؎۱ قال ابن عابدينؒ، وكذا لو خرج منه بقية المنى بعد الغسل قبل النوم او البول او المشى الكثير نهراى لا بعده لان النوم والبول والمشى يقطع مادة الزائل عن مكانه بشهوة فيكون الثانی زائلا عن مكانه بلا شهوة فلا يجب الغسل اتفاقاً۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۱۶۰ مواجبات الغسل)

؎۲ التقدير بعشر فی عشر هو المفتى به قال السيد احمد الطحطاوی (قوله هو المفتى به) هو قول عامة المشائخ خانية وهو قول الاكثر وبه ناخذ نوازل وعليه الفتوىٰ كما فی شرح الطحاوی۔ (طحطاوی حاشية مراقی الفلاح ص ۲۱ كتاب الطهارة بحث اقسام المياه)

وَمِثْلُهٗ فی الهندية ج ۱ ص ۱۸ الباب الثالث فی المياه۔

جنابت کا غسل فوراً کرنا ضروری نہیں

سوال:۔ عوام میں یہ بات بہت زیادہ مشہور ہے کہ بیوی سے جماع کے فوراً بعد غسل کرنا ضروری ہے ورنہ گناہ ہوتا ہے، کیا واقعی یہ بات درست ہے؟

الجواب:۔ جماع کرنے کے بعد اگرچہ غسل کرنا واجب ہو جاتا ہے مگر یہ وجوب علی الفور نہیں بلکہ جب موقع ملے تو غسلِ جنابت کر لیا جائے، اگرچہ اولیٰ اور بہتر یہی ہے کہ فوراً غسل کر لیا جائے۔

عن ابن عمرؓ قال ذکر عمر بن الخطاب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: انہ تصیبہ الجنابۃ من اللیل فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم توضأ وا غسل ذکرک ثم نم۔ متفق علیہ۔ (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۹ باب مخالطۃ الجنب) [1]

مصنوعی بالوں کا وضوء و غسل میں حکم

سوال:۔ موجودہ دور میں خواتین اپنے بالوں کو لمبا اور گھنا ظاہر کرنے کے لیے مصنوعی بال لگاتی ہیں غسل یا وضو میں ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگرچہ یہ عمل شرعاً ممنوع ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کے عمل کو موجبِ لعنت قرار دیا ہے لیکن اگر یہ عمل کر بھی لیا جائے تو غسل میں چونکہ عورتوں پر صرف بالوں کی جڑوں میں پانی پہنچانا ضروری ہوتا ہے اس لیے وضو اور غسل میں ان خارجی بالوں کا ہٹانا ضروری نہیں بشرطیکہ وضو میں چوتھائی سر کا مسح اصلی بالوں پر ہو، ہاں اگر مصنوعی بالوں پر مسح کیا جائے تو وضو جائز نہ ہوگا۔

لما قال العلامۃ برہان الدین المرغینانیؒ: لیس علی المرأۃ ان تنقض ضفائرھا فی الغسل اذا بلغ الماء اصول الشعر۔ (الھدایۃ ج ۱ ص ۱۴ فصل فی الغسل) [2]

---

[1] عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان جنباً فاراد ان یأکل او ینام توضأ وضوءہ للصلوٰۃ۔ (متفق علیہ)
(مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۴۹ باب مخالطۃ الجنب وما یباح لہ)

وَمِثْلُہٗ فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۱ ص ۳۸۲ المطلب الخامس مکروھات الغسل۔

[2] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: لا یفترض نقض المضفور من شعر المرأۃ إن سری الماء فی اصولہ اتفاقاً الخ۔ (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص ۸۲ فصل فرائض الغسل)

وَمِثْلُہٗ فی کبیری ص ۴۷ فرائض الغسل۔

صرف تری محسوس کرنا موجب غسل نہیں

سوال:۔ اگر ایک شخص بیداری کی حالت میں بلاشہوت و دفق احلیل میں منی یا مذی کی کچھ تری محسوس کرے اور وہ قلیل المقدار ہونے کی وجہ سے اس کے اندر ہی رک جائے اور باہر خارج نہ ہو تو اس صورت میں غسل کرنے کا کیا حکم ہے ؟

الجواب:۔ صورتِ مذکورہ میں غسل واجب نہیں کیونکہ وجوبِ غسل کے لیے خروجِ منی علیٰ وجہ الدفق والشہوت ضروری ہے جو کہ صورتِ مسئولہ میں مفقود ہے ، البتہ اس تری کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور اگر قطرات صرف احلیل کے اندر ہوں خارج نہ ہوئے ہوں تو وضو پر بھی کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

وفی الھندیۃ : منھا الجنابۃ وھی تثبت بسببین احدھما خروج المنی علیٰ وجہ الدفق والشھوۃ۔ (الھندیۃ الفصل الثالث فی المعانی الموجبۃ للغسل ج۱ ص۱۴) [۱]

متعدد بار جماع کیلئے ایک غسل کافی ہے

سوال:۔ اگر ایک شخص اپنی منکوحہ سے متعدد بار یا دو تین بیویوں سے جماع کرکے آخر میں ایک دفعہ غسل کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں یا ہر بار جماع کے لیے مستقل غسل کرنا ہوگا ؟

الجواب:۔ ایک بیوی سے یا متعدد بیویوں سے کئی بار جماع کرنے کیلئے ایک غسل کرنا کافی ہے، ہر دفعہ جماع کے لیے الگ غسل کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے : ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طاف ذات یوم علیٰ نسائہ فی غسل واحد۔ (ترمذی ج۱ ص۳۶ باب ماجاء فی الرجل یطوف علیٰ نسائہ بغسل واحد)

وقال الحصکفیؒ: ولا معاودۃ اھلہ قبل اغتسالہ الا اذا احتلم لم یأت اھلہ۔ قال الحلبیؒ ظاھر الاحادیث انما یفید الندب لا نفی الجواز

---

[۱] قال برھان الدینؒ : المعانی الموجبۃ للغسل انزال المنی علیٰ وجہ الدفق والشھوۃ من الرجل والمرأۃ حالۃ النوم والیقظۃ (الھدایۃ۔ فصل فی الغسل ج۱ ص۳۱) ومثلہ فی خلاصۃ الفتاویٰ الفصل الثانی فی الغسل ج۱ ص۱۲ ۔

المفاد من کلامه۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار۔ ابحاث الغسل ج ۱ ص ۱۷۵، ۱۷۶) [۱]

جنابت کی حالت میں بوقتِ ضرورت مسجد میں جانا

سوال:۔ اگر مسجد کے باہر گرم پانی میسّر نہ ہو اور ٹھنڈے پانی سے غسل میں تکلیف ہوتی ہو تو گرم پانی کے لیے مسجد میں داخل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ایسا ہی بسا اوقات پانی کے پمپ کا بٹن مسجد کے اندر ہوتا ہے، تو کیا جُنبی شخص پانی کی مشین چلانے کے لیے مسجد میں داخل ہوسکتا ہے؟

الجواب:۔ اگر مسجد سے باہر غسل کا انتظام نہ ہو اور ضرورت کے تحت مسجد میں داخل ہونا ضروری ہو تو تیمّم کر کے مسجد میں داخل ہونا جائز ہے۔

قال ابن عابدینؒ: لکن لقائل ان یقول ان مراد المبتغی ان الجنب اذا وجد ماء فی المسجد و اراد دخوله للاغتسال تیمم و یدخل۔

(رد المحتار علی الدر المختار۔ باب التیمم ج ۱ ص ۲۴۳) [۲]

جنابت کی صورت میں پورے بدن کے غسل کا فلسفہ

سوال:۔ جنابت کی حالت میں پورے جسم کا غسل کیوں ضروری قرار دیا گیا ہے، حالانکہ نجاست تو عضوِ مخصوص سے نکلتی ہے۔ مناسب تو یہ ہے کہ صرف عضوِ مخصوص ہی دھویا جائے۔ آخر کار جنابت کا پورے جسم پر کیا اثر پڑتا ہے جس کی وجہ سے غسل میں ہر بال تک پانی پہنچانا ضروری قرار دیا گیا ہے؟

الجواب:۔ احکاماتِ شرعیہ میں حکمتیں تلاش کرنا ضعفِ ایمان کی دلیل ہے، مسلمان کے لیے بغیر کسی چون وچرا کے احکامِ شرعیہ پر عمل ضروری ہے، احکامِ شرعیہ میں حکمتیں تلاش کرنا ایمان کا تقاضا نہیں، کیونکہ ایمان اور اسلام فرمانبرداری اور اطاعت کا نام ہے اس کا

---

[۱] قال طاهر بن عبد الرشیدؒ: ولا بأس للجنب ان ینام و یعاود اهله قبل ان یغتسل او یتوضاء۔ (خلاصة الفتاویٰ الفصل الثانی فی الغسل ج ۱ ص ۱۴) ومثله فی مشکوٰة ج ۱ ص ۴۹ باب مخالطة الجنب و یباح له الفصل الاوّل۔

[۲] قال ابراهیم الحلبیؒ: جنب وجد الماء فی المسجد ولم یجده فی غیره ولیس معه احد یاتیه به تیمم لاجل الدخول۔ (کبیری باب التیمم ص ۷۲)

یہ مطلب نہیں کہ احکام شرعیہ عقل سے متصادم ہیں بلکہ ہماری عقل ناقص ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات ان حکمتوں اور فلسفوں کے ادراک سے ہم قاصر رہ جاتے ہیں۔

تاہم جنابت کی حالت میں پورے بدن کے دھونے کے بارے میں علماء کرام فرماتے ہیں کہ جنابت سے جسم میں گرانی و کاہلی اور کمزوری و غفلت پیدا ہو جاتی ہے اور غسل سے دل میں قوت و نشاط و سرور اور بدن میں سبکساری پیدا ہوتی ہے۔ جنابت سے انسان کو ارواح طیبہ یعنی فرشتوں سے بُعد و دوری پیدا ہوتی ہے اور جب غسل کرتا ہے تو وہ بُعد اور دُوری ختم ہو جاتی ہے۔ جب انسان مجامعت سے فارغ ہو جاتا ہے تو حالتِ جنابت میں ہونے کی وجہ سے اس کا دل انقباض اور تنگی کی حالت میں ہوتا ہے اور اس پر بوجھ سا طاری ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو نہایت تنگی اور گھٹن میں پاتا ہے، اور جب دونوں قسم کی نجاستیں دُور ہو جاتی ہیں اور انسان اپنے بدن کو ملتا اور غسل کرتا ہے تب اس کی گھٹن اور سستی دور ہو جاتی ہے۔

حاذق طبیبوں نے لکھا ہے کہ جماع کے بعد غسل کرنا بدن کی تحلیل شدہ قوتوں اور کمزوریوں کو لوٹا دیتا ہے اور بدن اور رُوح کے لیے نہایت نافع اور مفید ہے، اور جنابت میں رہنا اور غسل نہ کرنا بدن و رُوح کے لیے سخت مُضر ہے۔ اس امر کی خوبی پر عقل و فطرتِ سلیمہ کافی گواہ ہے۔

والیہ اشار الشیخ ابن القیم الجوزیہ: حیث قال فان الاغتسال من خروج المنی من انفع شیٔ للبدن والقلب والروح بل جمیع الارواح القائمۃ بالبدن فانہا تقویٰ بالاغتسال۔ والغسل یخلف علیہ ما تحلل منہ بخروج المنی وایضاً فانّ الجنابۃ توجب ثقلاً وکسلاً والغسل یحدث لہ نشاطاً وخفۃً (وبعد اسطر) وقد صرح افاضل الاطباء بان الاغتسال بعد الجماع یعید الی البدن ویخلف علیہ ما تحلل منہ وانہ انفع شیٔ للبدن والروح وترکہ مضر۔ (اعلام الموقعین۔ جواب ابن القیم المفصل عن الباب الغسل من المنی ج ۲ ص ۴۲)

باب البئر

(کنوئیں کے مسائل و احکام)

مینڈک مرنے کی صورت میں پانی کا حکم

سوال:- اگر کنوئیں میں یا حوض کے پانی میں مینڈک گر کر مرجائے تو ایسے پانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- مینڈک کی دو قسمیں ہیں، ایک بحری دوسری برّی۔ اگر بحری مینڈک جس کا رہن سہن پانی میں ہو تو مائی المولد کے حکم میں ہو کر اس کے مرنے سے پانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور برّی مینڈک کے بدن میں اگر خون نہ ہو تو اس سے بھی پانی نجس نہیں ہوتا البتہ اگر اسکے بدن میں خون ہو تو پھر اس کے مرنے سے پانی نجس ہوگا۔

قال الحصکفیؒ: ومائی مولد کسمك وسرطان وضفدع الا بریا له دم سائل وهو ما لاسترة له بین اصابعه فیفسد فی الاصح کحیة بریة ان لها دم والا لا۔

قال ابن عابدینؒ: (قوله فیفسد فی الاصح) وعلیه فما جزم به فی الهدایة من عدم الافساد بالضفدع البری وصححه فی السراج محمول علی ما لا دم له سائل کما فی البحر۔ (رد المحتار علی الدر المختار ـ باب المیاه ج ۱ ص۱۸۵) [1]

انسان گرنے سے کنوئیں کے پانی کا حکم

سوال:- اگر کنوئیں میں انسان گر کر مرجائے تو اُس کنوئیں کے پانی کا کیا حکم ہے؟ اور اگر گرنے کے بعد زندہ نکل آئے تو پانی کی طہارت پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں؟

الجواب:- غیر جنب انسان کا بدن پاک ہے، اگر انسان کنوئیں میں گر جائے اور اسے زندہ نکال لیا جائے تو پانی پاک ہے، البتہ اگر مرگیا ہو تو پانی نجس ہوگا اور اس صورت میں کنوئیں سے

---

[1] قال قاضی خان: موت ما لا دم له کالسمك والسرطان والحیة وکل ما یعیش فی الماء لا یفسد الماء والاوانی وکذا الضفدع بریة کانت او بحریة فان کانت الحیة او الضفدع عظیمة لها دم سائل یفسد الماء وکذا الوزغة الکبیرة۔ (فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة فصل فیما یقع فی البئر ج ۱ ص۱)

تمام پانی نکالا جائے گا۔ اور اگر تمام پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو پھر دو سو سے لے کر تین سو ڈول تک نکالنے سے کنواں پاک ہوگا۔ تاہم اگر گرا ہوا آدمی مُحدِث یا جُنب ہو تو چالیس ڈول پانی نکالا جائے گا۔

قال ابراهیم الحلبیؒ: وان ماتت فیها شاۃ اوکلب او ادمی نزح جمیع الماء...... وکذا ینزح جمیع الماء اذا استخرج الکلب او الخنزیر حیًا۔ (کبیری فصل فی البئر ص۱۵۷)[1]

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: ان کان محدثاً ینزح اربعون دلواً۔ (تاتارخانیة ج۱ ص۱۸۲ مسائل البئر)

پانی کے کنوئیں اور بیت الخلاء کے درمیان فاصلہ

سوال:۔ گھروں میں بیت الخلاء کیلئے گٹر کھودا جاتا ہے جس میں بول و براز بیت الخلاء سے نکل کر جمع ہوتے ہیں، چھوٹے گھروں میں اس کے قرب وجوار میں پانی کا کنواں بھی بنایا جاتا ہے، کیا اس سے پانی کے کنوئیں پر کوئی اثر پڑتا ہے یا نہیں اور ان کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیئے؟

الجواب:۔ پانی کی طہارت ونجاست کا حکم گٹر اور کنوئیں کے درمیان گندگی کے وصول پر مبنی ہے اور یہ وصول زمین کی نرمی اور سختی کی وجہ سے متفاوت ہے، کوئی خاص فاصلہ اسکے بارے میں متعین نہیں۔ تاہم یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ جہاں تک لون طعم ریح (بو) متاثر ہونے کا خطرہ نہ ہو تو اتنا فاصلہ رکھ کر بیت الخلاء کا گٹر بنایا جائے جس سے کنوئیں کا پانی متاثر نہ ہو۔

قال فی الهندیة: بئر الماء اذا کانت بقرب البئر النجسة فهی طاهرة مالم یتغیر طعمه اَوْلَوْنُهٗ اوریحه کذا فی الظهیریة ولا یقدر هذا بالذرعان حتی اذا کان بینهما عشرة اذرع وکان یوجد فی البئر اثر البالوعة فماء البئر نجس وان کان بینهما ذراع واحد ولا یوجد اثر البالوعة فماء البئر

---

[1] قال الحصکفیؒ: فان اخرج الحیوان غیر منتفخ ولا متفسخ ولا متمعط فان کان کادمی وکذا سقط وسخلة وجدی واوزکبیر نزح کله۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار۔ فصل البئر ج۱ ص۲۱۵) ومثله فی الهندیة ج۱ ص۱۹ الباب الثالث فی المیاه۔

قال العلامة ابن عابدینؒ۔ تحت قوله کادمی محدث) ای انه ینزح فیه اربعون۔ (رد المحتار ج۱ ص۲۱۳ باب البئر)

طاهر۔ کذا فی المحیط وھو الصحیح۔ (الھندیۃ۔ الباب الثالث فی المیاہ ج ۱ صفحہ ۲) [۱]

کنوئیں میں گندی چیز مثلاً چپل یا لکڑی گر جانے کا حکم

سوال:۔ کنوئیں میں گندی چیز مثلاً چپل، لکڑی یا نجس کپڑا اگر جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر اس گری ہوئی گندی چیز کا نکالنا ممکن ہو تو نکالنا لازمی ہے اور اگر نکالنا ممکن نہ ہو تو پھر اگر کنوئیں سے سارا پانی نکالنا مشکل نہ ہو تو سارا پانی نکالا جائے ورنہ تین سو ڈول نکالنے سے کنواں پاک متصور ہوگا۔

قال الحصکفیؒ: ینزح کل مائھا بعد اخراجہ الا اذا تعذر کخشبۃ او خرقۃ مُتَنَجِّسَۃ فینزح الماء الی حد لا یملأ نصف الدلو یطھر الکل تبعاً۔

(الدر المختار علی صدر رد المحتار۔ فصل فی البئر ج ۱ صفحہ ۲۱۲) [۲]

اس کنوئیں کا حکم جس سے مرا ہوا حیوان نکالنا مشکل ہو

سوال:۔ اگر کنوئیں میں مرغی کا بچہ گر کر مر جائے اور کنوئیں سے اس کا نکالنا ممکن نہ ہو اور نہ تمام پانی کا نکالنا ممکن ہو تو تین سو ڈول نکالنے کے باوجود بھی کنوئیں میں نجاست کی موجودگی میں پانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ ایسی حالت میں جبکہ تمام پانی کا نکالنا ممکن نہ رہے اور نجاست کا نکالنا بھی انسان کے بس میں نہ ہو تو کنوئیں سے اتنی مدت تک پانی استعمال نہیں کیا جائے گا جب تک وہ بچہ مٹی نہ ہو جائے، البعض نے چھ مہینہ تک کی تحدید کی ہے۔

قال ابن عابدینؒ: قلت فلو تعذر ایضاً ففی القھستانی عن الجواھر: لو وقع

---

[۱] قال طاھر بن عبد الرشیدؒ: وادنیٰ ما ینبغی ان یکون بین بئر الماء والبالوعۃ سبعۃ اذرع والتعویل علی نفوذ الرائحۃ ان تغیر لونہ او طعمہ او ریحہ نجسۃ والا فلا۔ (خلاصۃ الفتاویٰ الجنس الثالث فی الآبار ج ۱ صفحہ ۱۲) ومثلہ فی رد المحتار علی الدر المختار فصل فی البئر ج ۱ صفحہ ۶۲)

[۲] قال فی الھندیۃ۔ ولو وقعت فی البئر خشبۃ نجسۃ او قطعۃ ثوب نجس وتعذر اخراجھا وتغیبت فیھا طھرت الخشبۃ والثوب تبعاً بطھارۃ البئر کذا فی الظھیریۃ (الھندیۃ۔ الباب الثالث فی المیاہ ج ۱ صفحہ ۲) ومثلہ فی السعایۃ ج ۱ صفحہ ۴۲۶)

عصفور فیھا فعجز واعن اخراجه فمادام فیھا فنجسة فتترك مدةً یعلم انه استحال وصار حمأة وقیل مدة ستة اشھرٍ۔

(رد المحتار علی الدر المختار، فصل فی البئر ج ۱ ص۲۱۲) [1]

کُتا گرنے سے پانی کا حکم

سوال:۔ اگر ایک کنوئیں میں کتا گر کر مر جائے تو اس سے پانی پر کیا اثر پڑے گا؟ ناپاکی کی صورت میں کنوئیں کے کیچڑ، ڈول اور رسّی کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ کُتا گرنے سے پانی نجس ہو جاتا ہے، کُتے کا جسم نکالنے کے بعد سارا پانی نکالنا اگر ممکن ہو تو ضروری ہے ورنہ دو سو سے لے کر تین سو ڈول تک پانی نکالا جائے گا۔ کیچڑ نکالنا، ڈول اور رسی دھونا ضروری نہیں۔ ایسا ہی کنوئیں کی دیواروں میں تری رہ جانے سے اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال فی الھندیة: اذا وقعت فی البئر نجاسة نزحت وکان نزح ما فیھا من الماء طھارةً لھا باجماع السلف کذا فی الھدایة۔ (الھندیة۔ الباب الثالث فی المیاہ ج۱ ص۱۹) [2]

ناپاک پانی سے پکی ہوئی چیز کے کھانے اور وضو کی صورت میں اس سے اداشدہ نماز کا حکم

سوال:۔ کنوئیں سے مردہ جانور خواہ گلا سڑا ہوا ہو یا نہ نکالا جائے تو گرنے کے وقت سے لاعلمی کی بناء پر وہ پانی وضو یا غسل کے لیے استعمال ہوا ہے اور اس سے جو کپڑے اور برتن وغیرہ دھوئے گئے ہوں یا آٹا گوندا گیا ہو، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

---

[1] قال محمد عبد الحیؒ۔ وذکر القھستانی فی جامع الرموز نقلاً عن الجواھر لو وقع فیھا عصفور فعجز واعن اخراجه فمادام فیھا فنجسة فیترك مدةً یعلم انه استحال وصار حمأة وقیل مدة ستة اشھرٍ انتھی وھذا ایضاً یفید انه لابد من اخراج عین النجس فاذا تعذر فیترك الی ان یستحیل۔ (السعایة ج۱ ص۴۲۶ فصل فی البئر)

[2] قال ابن عابدینؒ: (قوله ینزح کل مائھا) ای دون الطین لورود الآثار بنزح الماء (وبعد اسطر) (یطھر الکل) ای من الدلو والرشاء والبکرة۔ (رد المحتار علی الدر المختار، فصل فی البئر ج۱ ص۲۱۲) ومثله فی مراقی الفلاح فصل فی مسائل البئر ص۲۲۔

الجواب: کنوئیں میں نجاست مل جائے اور اس کا وقتِ وقوع معلوم نہ ہو تو علمِ وقوع سے قبل اگر اس کنوئیں کے پانی سے وضو کیا گیا ہو یا پاک کپڑے دھوئے گئے ہوں تو بالاجماع کسی چیز کا اعادہ نہیں، اور اگر حالتِ حدث میں وضو یا غسل کیا گیا ہو یا نجس کپڑے دھوئے گئے ہوں تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اگر حیوان (نجاست) گلا سڑا ہو تو تین دن ورات کی جملہ نمازوں کا اعادہ ضروری ہے، اسی طرح ان دنوں کے دوران جو کپڑے یا برتن دھوئے گئے ہوں تو ان کا دوبارہ دھونا لازمی ہے اور جو آٹا گوندھا گیا ہو اگر وہ موجود ہو تو کسی حیوان کو کھلا دیں۔ اور صاحبین کے ہاں کسی چیز کا اعادہ نہیں بلکہ جس وقت اس کا علم ہوا اُسی وقت سے اس کی نجاست کا اعتبار ہوگا۔ بعض علماؒ نے صاحبین کے قول کو راجح کر کے اُسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے لیکن اکثریت نے امام صاحبؒ کی رائے کو مفتی بہ قرار دیا ہے، تاہم اگر صحراء وغیرہ ہو اور اس کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ ہو تو پھر صاحبینؒ کی رائے کو اپنانا بھی درست ہے۔

لما قال شیخ الاسلام ابوبکر بن علی الحداد: اذا وجد فی البئر فارۃ میتۃ اوغیرھا .... ولا یدرون متی وقعت ولم تنتفخ ولم تتفسخ اعادوا صلوۃ یوم ولیلۃ وان کانت قد انتفخت او تفسخت اعادوا صلوۃ ثلثۃ ایام ولیالیھا فی قول ابی حنیفۃؒ (اذا کانوا توضئوا منھا) ای وھو محدثون وغسلوا کل شیء اصابہ ماؤھا ای غسلوا ثیابھم من نجاسۃ اما ان توضئوا منھا وھو متوضئون او غسلوا ثیابھم من غیر نجاسۃ فانھم لا یعیدون اجماعًا.... وقال ابو یوسفؒ ومحمدؒ لیس علیھم شیء حتی یتحققوا متی وقعت۔
(الجوھرۃ النیرہ ج ۱ ص۲۰ فصل فی البئر)

قال ابن عابدینؒ: (قولہ قیل وبہ یفتی) قائلہ صاحب الجوھرۃ وقال العلامۃ قاسم فی تصحیح القدوری، قال فی فتاوی العتابی قولھما ھو المختار قلت: لم یوافق علی ذلک، فقد اعتمد قول الامام البرھانی والنسفی والموصلی وصدر الشریعۃ، ورجح دلیلہ فی جمیع المصنفات۔
(رد المختار ج ۱ ص۲۱۹ مطلب مھم فی تعریف الاستحسان) ؎

؎ قال ابن نجیمؒ: اعلم ان البئر تنجس من وقت وقوع الحیوان الذی وجد میتًا فیھا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

باب الحوض

(حوض کے مسائل و احکام)

دہ در دہ سے کم تالاب کا حکم

سوال: بعض علاقوں میں چھوٹے چھوٹے حوض بنائے جاتے ہیں، پانی کی روانگی کے وقت تو کوئی مسئلہ نہیں رہتا لیکن جب پانی جاری نہ ہو تو ایسے حوض (تالاب) سے وضو کرنے کا کیا حکم ہے؟ خاص کر اس وقت جبکہ حوض کے ایک جانب کتوں یا دوسرے حیوانات کی نجاست پڑی ہو۔

الجواب: جو حوض دہ در دہ سے کم مقدار کا ہو تو صرف نجاست گرنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے، اور جو حوض دہ در دہ یا اس سے زیادہ مقدار کا ہو تو جب تک پانی کے اوصاف تبدیل نہ ہوئے ہوں نفسِ نجاست گرنا ناپاکی کا سبب نہیں بنتا۔ لہٰذا مسئولہ حوض اگر دہ در دہ سے کم ہو اور اس میں نجاست پڑی ہوئی ہو تو پانی کے نجس ہونے کی بنا پر اس سے وضو کرنا جائز

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

ان علم ذٰلك الوقت وان لم يعلم فقد صار الماء مشكوكا فى طهارته ونجاسته فاذا توضؤا منها وهم متوضؤن اوغسلوا ثيابهم من غير نجاسة فانهم لا يعيدون اجماعاً لان الطهارة لا تبطل بالشك وان توضؤا منها وهم محدثون أو اغتسلوا من جنابة اوغسلوا ثيابهم عن نجاسة ..... ففى الاول والثانى خلاف فعند ابى حنيفة التفصيل المذكور فى الكتاب وقالا يحكم بنجاسته وقت العلم بها ولا يلزمهم اعادة شئ من الصلوٰة ولا غسل ما اصابه ماؤها قبل العلم وهو القياس لان اليقين لا يزول بالشك۔ (البحر الرائق۔كتاب الطهارة ج ۱ ص۱۲۳)

وقال (بعد اسطر) فى تصحيح الشيخ القاسم وفى فتاوى العتابى المختار قولهما قلت هو المخالف لعامة الكتب فقد رجح دليله فى كثير من الكتب وقالوا انه الاحتياط فكان العمل عليه وذكر الاسبيجابى ان ماعجن به قال بعضهم يلقى الى الكلاب وقال بعضهم يعلف المواشى۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۱۲۵ كتاب الطهارة)

ومثله فى السعاية ج ۱ ص۴۳۸، ۴۳۹ كتاب الطهارة فى احكام الاسآر۔

نہیں، البتہ جاری ہونے کی صورت میں دہ در دہ سے کم حوض بھی نجس نہیں ہوتا۔

لما قال العلامة عبد الله بن محمود الموصلی: والماء الراکد اذا وقعت فیه نجاسة لا یجوز به الوضوء الا ان یکون عشرة اذرع فی عشرة۔
(الاختیار لتعلیل المختار ج ۱ ص۱۴ حکم الماء الراکد ان وقعت فیه نجاسة) لہ

گول حوض کا حکم

سوال: طول وعرض کی مقدار بیان کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حوض کا مستطیل یا مربع ہونا ضروری ہے، لیکن بسا اوقات حوض گول ہوتا ہے تو کیا چالیس گز گولائی والے حوض کو حوضِ کبیر کہا جا سکتا ہے؟

الجواب: حوض کا مستطیل یا مربع ہونا ضروری نہیں، طہارت کا دار ومدار پانی کی کثرت پر ہے لہٰذا گول حوض ہونے کے باوجود جب دہ در دہ جتنا رقبہ بنتا ہو تو یہ ماءِ جاری کے حکم میں ہوگا۔

قال ابن عابدینؒ: (قوله ای فی المربع) اشار الی ان المراد من اعتبار العشر فی العشر ما یکون وجهه مائة ذراع سواء کان مربعاً وهو ما یکون کل جانب من جوانبه عشرة وحول الماء اربعون ووجهه مائة او کان مدوراً او مثلثاً۔
(رد المحتار علی الدر المختار۔ باب المیاہ ج ۱ ص۱۴۲) ۲ہ

متفاوت کناروں والے حوض کا حکم

سوال: اگر حوض کی لمبائی اور چوڑائی متفاوت ہو، پھر بھی اوسط رقبہ دہ در دہ سے زیادہ ہو تو

لہ قال العلامة ابراهیم الحلبیؒ: والماء الراکد الاصل عندنا ان الماء القلیل ما لم یکن عشراً فی عشر ینجس بوقوع النجاسة فیه وان لم یظهر فیه اثرها من لون ونحوه۔ (کبیری ص۹۴، فصل فی احکام الحیاض) ومثله فی خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۴ احکام الحیاض۔

۲ہ قال ابن نجیمؒ: فان کان الحوض مدوراً ففی الظهیریة یعتبر ستة وثلاثون وهو الصحیح وهو مبرهن عند الحُسّاب ... وفی الخلاصة وصورة الحوض الکبیر المقدر بعشرة فی عشرة ان یکون من کل جانب من جوانب الحوض عشرة وحول الماء اربعون ذراعاً۔ (البحر الرائق۔ کتاب الطهارة ج ۱ ص۷۷)

کیا اس کو حوضِ کبیر کے حکم میں شمار کیا جا سکتا ہے؟

الجواب:۔ حوضِ کبیر کے ماءِ جاری کے حکم میں ہونے کا دار و مدار تناسبِ اطراف پہ نہیں بلکہ پانی کی کثرت پر ہے، اگر اوسط رقبہ دَہ در دَہ سے زیادہ بنتا ہو اور مبتلی بہ کی رائے میں پانی زیادہ ہو تو پھر طول اور عرض متفاوت ہونے کے باوجود یہ حوض دَہ در دَہ کے حکم میں ہو کر ماءِ جاری کے حکم میں رہ جائے گا۔

قال الحصکفیؒ: ولو لہ طول لا عرض لکنہ یبلغ عشرًا فی عشرٍ جاز تیسرًا۔

قال ابن عابدینؒ: (قولہ تیسرًا) ای جاز الوضوء منہ بناءً علی نجاسۃ الماء المستعمل او المراد جاز وان وقعت فیہ نجاسۃ، وھٰذا احد قولین، وھو المختار۔ (رد المحتار علی الدر المختار۔ باب المیاہ ج ۱ ص ۱۹۳) [1]

بڑے حوض سے وضو کا حکم

سوال:۔ ایک بڑا حوض ہونے کی صورت میں اگر وضو کرتے وقت ماءِ مستعمل کے کچھ قطرے گرتے رہیں اور پانی نکلنے کا کوئی راستہ بھی نہ ہو تو کیا اس حوض سے وضو کرنا درست ہے؟

الجواب:۔ بڑے حوض میں جب تک پانی کے اوصاف یعنی رنگ، ذائقہ اور بُو متغیر نہ ہو تو ماءِ مستعمل کے قطرے گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، از روئے شرع ایسا پانی پاک ہے اس سے وضو اور غسل دونوں جائز ہیں۔

قال الحصکفیؒ: وکذا یجوز براکد کثیر کذلک ای وقع فیہ نجس لم یر اثرہ ولو فی موضع وقوع المرئیۃ، بہ یفتی بحر۔ (الدر المختار علی ھامش رد المختار باب المیاہ ج ۱ ص ۱۹۰، ۱۹۱) [2]

---

[1] قال ابن نجیمؒ: فان کان الحوض مدورًا فقی الظھیریۃ یعتبر ستۃ وثلاثون وھو الصحیح وھو مبرھن عند الحساب وفی الخلاصۃ وصورۃ الحوض الکبیر المقدر بعشرۃ فی عشرۃ ان یکون من کل جانب من جوانب الحوض عشرۃ وحول الماء اربعون ذراعًا۔ (البحر الرائق۔ کتاب الطھارۃ ج ۱ ص ۷۷)

[2] قال ابن نجیمؒ: (قولہ والا فھو کالجاری) ای وان یکن عشرًا فی عشرٍ فھو کالجاری فلا یتنجس الا اذا تغیّر احد اوصافہ ثم فی قولہ کالجاری اشارۃ الی انہ لا یتنجس موضع الوقوع۔ (البحر الرائق کتاب الطھارۃ ج ۱ ص ۸۲)

ومثلہ فی الھندیۃ۔ الباب الثالث فی المیاہ ج ۱ ص ۱۸۔

زیادہ پانی تغیرِ اوصاف کے بغیر پاک ہے

سوال:- اگر بڑا حوض جس کی مقدار عُشر اً فی عُشر سے زیادہ ہو، گوبر یا بول و براز واقع ہونے سے اس کے پانی پر کیا اثر پڑتا ہے؟

الجواب:- واضح ہو کہ پانی خواہ حقیقتاً جاری ہو یا حکماً، اس میں نجاست واقع ہونے کی صورت میں تغیرِ اوصاف کے بغیر پانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لیکن یہ بھی واضح ہو کہ دہ در دہ گز حوض ماءِ جاری کے حکم میں ہونا احناف کے مذہب میں ایک روایت ہے جو امام ابوحنیفہؒ سے منقول نہیں، لیکن زمانۂ حال میں جہل کی بناء پر فقہاءِ کرام دہ در دہ پر فتویٰ دیتے ہیں۔

قال العلامہ طاهر بن عبد الرشیدؒ: النجاسة اذا وقعت فی حوض ان کان کبیراً فهو بمنزلة البحر لا یتنجس الا ان یتغیر طعمه او لونه او ریحه..... قال (بعد اسطر) الحوض الکبیر مقدر بعشرة اذرع فی عشرة اذرع وعلیه الفتوٰی۔

(خلاصة الفتاوٰی- کتاب الطهارة ج ۱ ص ۳) [1]

نہریں گندگی ڈالنے کی صورت میں پانی کا حکم

سوال:- بڑی بڑی نہریں آبادیوں کے قریب سے گذرتی ہیں تو لوگ عموماً اس میں نجاست اور گندگی پھینکتے رہتے ہیں یہاں تک کہ گاؤں سے بیت الخلاء کا پانی بھی انہی نہروں میں شامل ہوتا ہے، بسا اوقات نجاسات کے ڈھیر تک پانی میں نظر آتے ہیں تو ایسی نہروں کے پانی سے وضو اور غسل کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب:- نہروں کا پانی جاری ہے اور جاری پانی میں جب تک اوصاف متغیر نہ ہوں یعنی رنگ، ذائقہ اور بُو میں فرق نہ آیا ہو تو نجاست کے وقوع سے پانی ناپاک نہیں ہوتا، ایسی بڑی نہروں میں عموماً نجاست مغلوب ہو جاتی ہے اور پانی میں اس کا کوئی خاص اثر ظاہر نہیں ہوتا، اس لیے نہروں کا پانی پاک ہے اس سے وضو اور غسل جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ: ویجوز بجار وقعت فیه نجاسة والجاری هو ما یعد جاریاً عرفاً.....

---

[1] والتقدیر بعشر فی عشر هو المفتی به وذکر السید احمد الطحطاوی فی تحت (قوله هو المفتی به) هو قول عامة المشائخ خانیة وهو قول الاکثر وبه نأخذ نوازل وعلیه الفتوٰی۔
(الطحطاوی حاشیه مراقی الفلاح ص ۲۱ بحث اقسام المیاه) ومثله فی الهندیة- الباب الثالث فی المیاه ج ۱ ص ۱۸

ان لم یرای یعلم اثرہ فلوفیہ جیفۃ او بال فیہ رجال فتوضأ اٰخر من اسفلہ جاز مالم یرفی الجریۃ اثرہ وھوا ما طعم اولون اوریح۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار باب المیاہ ج ۱ ص ۱۸۷) [1]

باب التیمّم

(تیمّم کے احکام ومسائل)

تیمّم کی نیّت

سوال: تیمّم کی نیّت کیسے کرنی چاہیئے؟ اگر عربی کی نیّت انسان کو یاد نہ ہو مادری زبان میں نیّت کرنے کا کیا حکم ہے؟ نیز عربی میں نیّت کے الفاظ کیا ہیں؟

الجواب: تیمّم کی نیّت دل کے ارادہ سے عبارت ہے، اگر دل میں ارادہ ہو تو یہ نیّت صحتِ تیمّم کے لیے کافی ہے، تاہم بہتر یہ ہے کہ زبان سے بھی نیّت کی جائے، اگر عربی میں نیّت یاد نہ ہو تو اپنی زبان میں اس کا ترجمہ کرے، البتہ عربی میں نیّت یوں ہے "نویت ان اتیمم لرفع الحدث ولا ستباحۃ الصلوٰۃ" لیکن نیّت پر تلفظ کرتے وقت متعلقہ فعل کا دل سے ارادہ کرنا ہوگا تاکہ زبان اور دل کے ارادہ میں یکسانیت رہے۔

قال الحسن بن عمارؒ: وھو لغۃً القصد وشرعاً مسح الوجہ والیدین عن صعید مطھر والقصد شرط لہ۔ (وبعد اسطر) یشترط لصحۃ نیۃ التیمم للصلوٰۃ بہ احد ثلاثۃ اشیاء اما نیۃ الطھارۃ من الحدث القائم بہ اونیۃ استباحۃ الصلوٰۃ اونیۃ عبادۃ مقصودۃ لاتصح بدون طھارۃ۔ (مراقی الفلاح باب التیمم ص ۶۰) [2]

---

[1] قال فی الھندیۃ: وفی النصاب والفتوٰی فی الماء الجاری انہ لا یتنجس مالم یتغیر طعمہ اولونہ اوریحہ من النجاسۃ کذا فی المضمرات۔ (الھندیۃ۔ الباب الثالث فی المیاہ ج ۱ ص ۱۷) ومثلہ فی البحر الرائق۔ کتاب الطھارت ج ۱ ص ۸۲۔

[2] وفی الھندیۃ: منھا النیۃ وکیفیتھا ان ینوی عبادۃ مقصودۃ لاتصح الا بالطھارۃ اونیۃ الطھارۃ اواستباحۃ الصلوٰۃ تقوم مقام ارادۃ الصلوٰۃ۔۔۔ الخ (الھندیۃ ج ۱ ص ۲۵، ۲۶ باب التیمّم) ومثلہ فی تبیین الحقائق ج ۱ ص ۳۹، ۴۰، باب التیمم۔

مسجد کی مٹی پر تیمم کا حکم

سوال: تیمم کی ضرورت پڑنے پر مسجد کی دیوار دل سے تیمم کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مسجد کی دیوار یا فرش پر تیمم کرنا مکروہ ہے کیونکہ تیمم کی صورت میں یہ مٹی حدث کے لیے مزیل ہے، جو مٹی یا پتھر مسجد میں نصب اور قائم ہو وہ واجب التعظیم ہونے کی وجہ سے اس کی طرف ازالۂ حدث کی نسبت بے ادبی کے مترادف ہے، البتہ اگر دیوار یا فرش کی مٹی کسی نے جمع کر کے مسجد کے ایک کونے میں رکھی ہو تو پھر اس پر تیمم جائز ہے کیونکہ مٹی کو اکٹھا کر کے کسی کونے میں رکھنا مسجد سے خارج ہونے کے معنی میں ہے اور مسجد کی مٹی جب مسجد سے باہر نکالی جائے تو اس کا تقدس اور حرمت باقی نہیں رہتی۔

قال قاضی خانؒ: ویکرہ مسح الرجل من طین والردغة باُسطوانة المسجد وحائطه وان مسح بتراب فی المسجد ان کان ذلك التراب مجموعاً فی ناحیة غیر منبسط لا بأس به وان کان منبسطاً مفروشاً یکرہ لانه بمنزلة ارض المسجد۔ (فتاوی قاضیخان علی هامش الهندیة۔ فصل فی المسجد ج ۱ ص۶۵) [1]

تیمم میں تخلیلِ لحیہ کا حکم

سوال: وضو کے وقت داڑھی کا خلال تو ہوتا رہتا ہے لیکن تیمم کے وقت داڑھی کے خلال کا کیا حکم ہے؟

الجواب: تیمم میں داڑھی کا خلال مسنون ہے تاہم اس کے لیے مستقل ضرب کی ضرورت نہیں ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: وفی الفیض: ویخلل لحیته واصابعه ویحرك الخاتم والقرط کالوضوء والغسل اھ قلت لکن فی الخانیة ان تخلیل الاصابع لابد منه لیتم الاستیعاب وقال فی البحر وکذا نزع الخاتم او تحریکه اھ فبقی تخلیل اللحیة من السنن۔ (رد المحتار علی الدر المختار۔ باب التیمم ج ۱ ص۲۳۲)

---

[1] قال العلامة اشرف علی تھانویؒ: "اس وقت روایت نہیں ملی مگر کہیں دیکھا ہے کہ مکروہ ہے"۔ (امداد الفتاویٰ ج ۱ ص۳۹ فصل فی التیمم)

ومثله فی امداد الاحکام ج ۱ ص۴۲۲۔ آداب المساجد۔

نمازِ جنازہ کے لیے تیمم

سوال:۔ پانی کی موجودگی میں اگر جنازہ فوت ہونے کا خطرہ ہو تو تیمم جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ہر وہ نماز جس کے فوت ہو جانے کے بعد اس کی تلافی بصورتِ قضاء ممکن نہ ہو اور اس کے فوت ہونے کا خطرہ ہو تو اس مجبوری کی وجہ سے اس کی ادائیگی کے لیے تیمم کرنا مرخص ہے، لہٰذا نماز جنازہ فوت ہونے کے خدشہ کی صورت میں تیمم کرنا جائز ہے، تاہم ولیِ میت اس حکم سے مستثنیٰ ہے اور اس کے لیے وضو کرنا ضروری ہے۔

قال الحصکفیؒ۔ وجاز لخوف فوت صلوٰۃ جنازۃ ای کل تکبیراتھا ولو جنباً او فوت عید بفراغ إمام او زوال شمس۔

قال ابن عابدینؒ (قوله وجاز لخوف فوت صلوٰۃ جنازۃ) ای لو کان الماء قریباً (قوله کل تکبیراتھا) فان کان یرجوان یدرک البعض لا یتیمم لانه یمکنه اداء الباقی وحده۔ بحر عن البدائع والقنیۃ۔ (رد المحتار علی الدر المختار، باب التیمم ج۱ ص۲۴۱)[1]

تلاوتِ قرآن کیلئے تیمم جائز ہے

سوال:۔ کیا تلاوتِ قرآن مجید کے لیے بلا عذر تیمم جائز ہے؟

الجواب:۔ تلاوت کے لیے طہارت شرط نہیں، ہر وہ عبادت جس کے لیے طہارت شرط نہ ہو تو اس کی ادائیگی بلا وضو بھی جائز ہے تاہم اس کے لیے تیمم کرنا مستحب ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دفعہ صرف سلام کے جواب کے لیے تیمم فرمایا تھا۔

قال محمد عبد الحیؒ: ویتیمم لذکر اللہ ولکل خیر ولو السلام قال ابن عمرؓ مرّ رجل من المهاجرین علی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وهو یبول فسلّم علیه ولم یرد علیه حتی کاد الرجل یتواری عنه ثم تیمم فرد السلام وقال لم یمنعنی ان ارد علیك السلام الا انی لم اکن علی طهر ففی هذا الحدیث دلالة علی کراهة الکلام وعدم استحباب السلام ورده فی هذا المقام وعلی انه یستحب ان یکون

---

[1] قال فی الهندیة ویجوز التیمم اذا حضرته جنازة الولی غیره فخاف ان اشتغل بالطهارة ان تفوته الصلوٰة ولا یجوز للولی وهو الصحیح هکذا فی الهدایة۔ (الهندیة الفصل الثالث فی المتفرقات ج۱ ص۳۱) ومثله فی مختصر القدوری ص۱۵ باب التیمم۔

ذکر اللہ علی الوضوء والتیمم لان السلام اسم من اسماء اللہ تعالیٰ کذا فی المصابیح ونحوه ای یتیمم ایضاً لمثل ذلک المذکور کمس المصحف وقراءة القرآن عنه او عن ظهر القلب۔ وزیارة القبور ودفن المیت والاذان والاقامة والدخول فی المسجد اوخروجه ولو عند وجود الماء صرح به فی شرح النقایة نقلاً من المبسوط۔ (السعایة باب التیمم ج ۱ ص۵۳۲) [1]

صاحبِ عذر کیلئے خادم نہ ہونے کی صورت میں تیمم کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص کے ہاتھ پاؤں پر ایسی بیماری ہو جس کی وجہ سے یہ شخص خود وضو کرنے پر قادر نہ ہو تو کیا یہ شخص خدمت کے لئے خادم رکھے گا یا تیمم کرے گا؟

الجواب:۔ اس پر خادم رکھنا ضروری نہیں، جب خادم یا معاون کی کوئی ممکن صورت میسّر ہو تو وضو کرے ورنہ تیمم کر کے نماز پڑھے۔

قال ابن نجیمؒ: او کان لا یجد من یوضئه ولا یقدر بنفسه اتفاقاً وان وجد خادماً کعبده وولده واجیره لا یجزیه التیمم اتفاقاً۔ (البحر الرائق باب التیمم ج ۱ ص۱۴۷) [2]

جنابت کے تیمم پر وضو ٹوٹ جانے کا کوئی اثر نہیں پڑتا

سوال:۔ جنب اگر کسی عذر کی وجہ سے تیمم کرے اور اسکے بعد وضو ٹوٹ جائے لیکن تا ہنوز غسل پر قادر نہیں تو کیا وضو کے ساتھ ساتھ جنابت کے لیے دوبارہ تیمم کی ضرورت ہوگی یا وہ ایک تیمم کافی ہے؟

الجواب:۔ جب تک عذر باقی ہو تو جنابت کے لیے یہ ایک تیمم کافی ہے، موجبِ غسل اگر دوبارہ متحقق نہ ہو تو قدرت علی الماء تک جنابت کے لیے دوبارہ تیمم کی ضرورت نہیں، البتہ نواقضِ وضو کی موجودگی میں وضو باقاعدہ کرنا پڑے گا، تاہم اگر دوبارہ احتلام ہو جائے یا جماع

---

[1] قال العلامة محمد یوسف البنوریؒ: ویجوز التیمم مع وجود الماء لما لیس الطهور شرطاً فی فعله وحله کدخول المسجد للمحدث وکذا النوم او قراءة القرآن علی ظهر القلب۔۔۔ الخ (معارف السنن ج ۱ ص۴۹۷ بیان مسئلة جواز التیمم مع وجود الماء لما لم یکن الطهور شرطاً۔

[2] قال الحصکفیؒ: او لم یجد من یوضئه فان وجد ولو باجرة مثل وله ذلک لا یتیمم فی ظاهر المذهب۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار باب التیمم ج ۱ ص۲۳۳) ومثله فی الهندیة باب التیمم ج ۱ ص۲۸۔

کرے تو پھر دوبارہ تیمم ضروری ہوگا۔

قال ابراهیم الحلبیؒ: وان کان الماء یکفی للوضوء ولا یکفی للمعة یتوضأ به ولا ینتقض تیمم الجنابة لان الماء فی حق اللمعة کالمعدوم لعدم کفایته لها۔
(کبیری۔ باب التیمم ص۸۶) ۱؎

باب المسح علی الخفین

(موزوں پر مسح کے مسائل)

ٹخنوں تک موزوں پر مسح کرنے کا حکم

سوال:۔ اگر موزے مضبوط قسم کے چمڑے سے اس طرح بنائے جائیں کہ ان میں ٹخنے چھپ جائیں تو کیا ایسے موزوں پر مسح جائز ہے؟

الجواب:۔ موزوں پر مسح کے جواز کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان میں ٹخنے چھپے ہوں بلکہ اگر پنڈلی کا کچھ حصہ بھی چھپ جائے تو بھی مسح کرنے پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

قال فی الهندیة: منها ان یکون الخف مما یمکن قطع السفر به وتتابع المشی علیه ویستر الکعبین وستر ما فوقهما لیس بشرط هکذا فی المحیط حتی لو لبس خفاً لا ساق له یجوز المسح ان کان الکعب مستوراً۔
(الفتاوی الهندیة الباب الخامس فی المسح علی الخفین ج ۱ ص۳۲) ۲؎

جرابوں کے ہوتے ہوئے موزوں پر مسح کا حکم

سوال:۔ اگر ایک شخص پہلے سوتی جراب پہن کر اس کے اوپر موزے پہن لے تو کیا ایسی

۱؎ قال فی الهندیة: لو کان مع الجنب ما یکفی للوضوء یتیمم ولا یجب التوضوء به الا اذا کان مع الجنابة حدث یوجب الوضوء۔ (الهندیة الفصل الثالث فی المتفرقات ج ۱ ص۳)

۲؎ قال الحصکفیؒ: شرط مسحه ثلاثة امور الاول کونه ساتراً محل فرض غسل القدم مع الکعب۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار باب المسح علی الخفین ج ۱ ص۲۶۱)

صورت میں ان موزوں پر مسح کرنا جائز ہے ؟

الجواب :۔ صورتِ مسئولہ میں مسح حقیقتاً موزوں پر ہی رہتا ہے، موزوں کے نیچے جراب پہننا کوئی مانع مسح عمل نہیں لہٰذا جرابوں کے ہوتے ہوئے بھی موزوں پر مسح شرعاً مقبول ہے۔

قال ابن عابدینؒ : قوله او جرموقیه ولو فوق خفٍّ او لفافة ای سواء کانت ملفوفة علی الرجل تحت الخف او کان مخیطة ملبوسة تحته کما افاده فی شرح المنیة ۔ (رد المحتار علی الدر المختار۔ باب المسح علی الخفین ج ۱ ص ۲۶۸، ۲۶۹) [۱]

جرابوں پر مسح کی شرائط

سوال :۔ جرابوں پر مسح کرنے کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے ؟ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ نیلون کی بنی ہوئی جرابوں پر مسح کرتے ہیں، از روئے شرع ایسی صورت میں وضو ہو جاتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ احادیثِ متواترہ سے موزوں پر مسح کرنا ثابت ہے، موزے عموماً چمڑے کے بنے ہوتے ہیں اس لیے مطلق جراب پر مسح جائز نہیں، البتہ علماء نے جرابوں پر مسح کرنے کیلئے چار شرائط ذکر کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں :۔

(۱) ایسی گاڑھی اور موٹی ہوں جن میں تین میل (بارہ ہزار قدم) بغیر جوتے کے چلنا ممکن ہو۔

(۲) پہننے کے بعد پنڈلیوں پر خود چپکی رہیں اور نیچے نہ گریں ۔

(۳) پانی نیچے سے جذب نہ کریں ۔

(۴) جرابوں میں دیکھنے سے اندر پاؤں کا کوئی حصہ نظر نہ آئے ۔

چونکہ موجودہ نائیلون کی جرابوں میں یہ شرائط نہیں پائی جاتیں اس لیے ان پر مسح کرنا جائز نہیں، ایسی صورت میں وضو ناقص رہے گا۔

قال الحصکفیؒ : او جورب ولو من غزل او شعر الثخینین بحیث یمشی فرسخاً

---

[۱] قال ابراهیم الحلبیؒ : یعلم منه جواز المسح علی خفٍّ لبس فوق خفٍّ مخیط من کرباس او جوخ او نحوهما مما لا یجوز علیه المسح لان الجرموق اذا کان بدلاً عن الرجل وجعل الخف مع جواز المسح علیه فی حکم العدم فلان یکون الخف بدلاً عن الرجل ویجعل ما لا یجوز المسح علیه فی حکم العدم اولی کما فی اللفافة ۔ (کبیری۔ فصل فی المسح علی الخفین ص ۱۱۲) ومثله فی البحر الرائق باب المسح علی الخفین ج ۱ ص ۱۸۱)

ویثبت علی الساق بنفسه ولا یری ماتحته ولا یشف الا ان ینفذ الی الخف قدر الفرض۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار۔ باب المسح علی الخفین ج ۱ ص۲۶۹) [1]

بوٹ پر مسح کرنے کا حکم

سوال: اگر ایسے بوٹ پہنے ہوں کہ جن میں ٹخنے چھپ جائیں اور مضبوطی بھی اس درجہ کی ہو کہ ان میں پھٹن نہ ہو تو کیا ان پر مسح کرنا جائز ہے۔ واضح رہے کہ ان میں پیدل چلنا بھی تین میل سے زائد ہوسکتا ہو؟

الجواب: ایسے بوٹوں میں جواز مسح کی تمام شرطیں پائی جاتی ہیں لہٰذا ان پر مسح کرنا جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ: شرط مسحه ثلاثة امور الاول کونه ساترًا لقدم مع الکعب او یکون نقصانه اقل من الخرق المانع فیجوز علی الزربول لو مشدودًا۔ والثانی کونه مشغولًا بالرجل لیمنع سرایة الحدث۔ الثالث کونه مما یمکن متابعة المشیٔ المعتاد فیه فرسخًا فاکثر۔ قال ابن عابدینؒ: (قوله لو مشدودًا) لان شده بمنزلة الخیاطة وهو مستمسك بنفسه بعد الشد کالخف المخیط بعضه ببعض فافهم۔ وفی البحر عن المعراج: ویجوز علی الجاروق المشقوق علی ظهر القدم وله ازرار یشدها علیه تسده لانه کغیر المشقوق ... الخ (رد المحتار علی الدر المختار۔ باب المسح علی الخفین ج ۱ ص۲۶۱ تا ۲۶۳) [2]

انگلیوں میں ورم پیدا ہونے سے پاؤں پر مسح

سوال: سردی کے موسم میں بسا اوقات پاؤں میں سوجن پیدا ہو کر انگلیاں متورم ہوجاتی ہیں جس کی وجہ سے پانی کے استعمال سے تکلیف ہوتی ہے، کیا ایسے پاؤں پر مسح

---

[1] قال ابن نجیمؒ: (قوله والجورب المجلد والمنعل والثخینین) ای یجوز المسح علی الجورب اذا کان مجلدًا او منعلًا او ثخینًا (و بعد اسطر) والثخین ان یقوم علی الساق من غیر شد ولا یسقط ولا یشف وفی التبیین ولا یری ماتحته۔ (البحر الرائق باب المسح علی الخفین ج ۱ ص۱۸۲) ومثله فی خلاصة الفتاوی باب المسح علی الخفین ج ۱ ص۲۸۔

[2] قال ابن نجیمؒ: ویجوز علی الجاروق المشقوق علی ظهر القدم وله ازرار یشده علیه یسده لانه کغیر المشقوق وان ظهر من ظهر القدم شیٔ فهو کخروق الخف۔ (البحر الرائق باب المسح علی الخفین ج ۱ ص۱۸۳) ومثله فی خلاصة الفتاوی۔ باب المسح علی الخفین ج ۱ ص۲۸)

کرنا جائز ہے؟

الجواب: صورتِ مذکورہ میں اگر ٹھنڈے پانی کے استعمال سے تکلیف ہوتی ہے تو گرم پانی استعمال کرے، اور اگر گرم پانی دستیاب نہ ہو یا گرم پانی کا استعمال بھی باعثِ تکلیف ہو تو پھر اس پر مسح کافی ہے گا، تاہم اگر جبیرہ کے نیچے مسح کرنے سے تکلیف نہ ہو تو جلد پر مسح کرے گا، اور اگر جلد پر مسح کرنے سے تکلیف ہوتی ہو یا بیماری بڑھ جانے کا خطرہ ہو تو جبیرہ کے مسح پر اکتفاء ہوسکتا ہے۔

قال ابن نجیمؒ: وفی شرح الجامع الصغیر لقاضیخان والمسح علی الجبائر علی وجوہ ان کان لایضرّہ غسل ماتحتہ یلزمہ الغسل وان کان یضرہ الغسل بالماء البارد ولایضرّہ الغسل بالماء الحار یلزمہ الغسل بالماء الحار وان کان یضرّہ الغسل ولایضرّہ المسح یمسح ماتحت الجبیرۃ ولایمسح فوقھا۔ (البحرالرائق باب المسح علی الخفین ج۱ ص۱۸۷) [1]

باب الحیض

(حیض کے مسائل واحکام)

حالتِ حیض میں تسبیح پڑھنے کا حکم

سوال: دورانِ حیض ونفاس عورت قرآنِ کریم کی تلاوت تو نہیں کرسکتی، لیکن کیا تسبیحات اور قرآنی دعائیں پڑھ سکتی ہے؟

الجواب: حالتِ حیض ونفاس میں عورت کے لیے تسبیحات یا دعائیں پڑھنا جائز ہے، البتہ قرآنی ادعیہ بہ نیتِ تلاوت پڑھنا حرام ہے جبکہ دعا کی نیت سے جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ: ولایکرہ النظر الیہ ای القرآن لجنب وحائض ونفساء لان الجنابۃ لاتحل العین کما لاتکرہ ادعیۃ ای تحریمًا، والا فالوضوء لمطلق الذکر مندوب

---

[1] قال ابراھیم الحلبیؒ: والمسح علی الجبیرۃ علی وجوہٍ ان کان لایضرّہٗ غسل ماتحتہ یلزمہ الغسل بالاجماع وان کان یضرّہ الغسل ماتحتہ بالماء البارد ولایضرّہ بالماء الحار یلزمہ الغسل بالماء الحار وان کان یضرّہ الغسل ولایضرّہ المسح یمسح ماتحت الجبیرۃ ولایمسح مافوق الجبیرۃ۔ (صغیری۔باب المسح ص۶۵) ومثلہ فی الھندیۃ باب المسح ج۱ ص۳۵۔

وترکہ خلاف الاولیٰ وھو مرجع کراھۃ التنزیۃ۔ (الدر المختار علی صدر ردالمحتار مطلب یطلق الدعاء علیٰ مایشمل الثناء ج ۱ ص۱۷۴) [1]

حالتِ حیض میں جماع کرنے کا حکم

سوال:۔ ایامِ حیض میں بیوی کے ساتھ جماع کرنے کا کیا حکم ہے؟ جماع کے علاوہ لمس وتقبیل (چومنا) جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ حائضہ عورت کے ساتھ بنصِ قرآنی جماع حرام اور ناجائز ہے ایسی حالت میں جماع سے احتراز اور اجتناب لازمی ہے۔

لقولہٖ تعالیٰ: وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ ھُوَ اَذًی فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰی یَطْھُرْنَ۔

البتہ جماع کے علاوہ لمس وتقبیل یا بوقتِ ضرورت ما فوق الازار استفادہ جائز اور مرخص ہے۔

قال الحصکفیؒ: وقربان ما تحت ازار یعنی ما بین سرۃ ورکبۃ ولو بلا شھوۃ وحل ماعداہ۔

وقال ابن عابدینؒ: تحت قولہ (یعنی ما بین سرۃ ورکبۃ) فیجوز الاستمتاع بالسرۃ وما فوقھا والرکبۃ وتحتھا ولو بلا حائل وکذا بما بینھما بحائل بغیر الوطئ۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار۔ باب الحیض ج ۱ ص۲۹۲) [2]

ناقص الخلقت بچے کی ولادت پر نفاس کا حکم

سوال:۔ اگر کسی عورت کا بچہ تام الخلقت نہ ہو، بعض اعضاء بنے ہوں یا اعضاء بالکل نہ ہوں بلکہ گوشت کا ایک لوتھڑا ہو تو اس ناقص الخلقت یا علقہ کے خروج کے بعد عورت سے جو خون نکلتا ہے اس پر نفاس کا حکم جاری ہو سکتا ہے یا نہیں؟

---

[1] وفی الھندیۃ: ولا یکرہ قرأت القنوت فی ظاھر الروایۃ کذا فی التبیین وعلیہ الفتویٰ کذا فی التجنیس والظھیریۃ ویجوز للجنب والحائض الدعوات وجواب الاذان ونحو ذلک کذا فی السراجیۃ۔ (الھندیۃ۔ الفصل الرابع فی احکام الحیض والنفاس ج ۱ ص۳۸)

[2] قال العلامۃ ابوبکر بن علی الحداد: حرمۃ الجماع ولہ ان یقبلھا ویضاجعھا ویستمتع بجمیع بدنھا ماخلا ما بین السرۃ والرکبۃ۔ (الجوھرۃ النیرۃ ج ۱ ص۳۵ باب الانجاس)
ومثلہ فی الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۳۹ الفصل الرابع فی احکام الحیض۔

الجواب:۔ اگر حمل گوشت کا ایک ٹکڑا ہو یعنی اعضاء بالکل نہ بنے ہوں اور وہ کسی وجہ سے ضائع ہو جائے تو اس کے بعد نکلنے والا خون حیض کے حکم میں شمار ہوگا بشرطیکہ مدتِ حیض تک خون جاری رہا ہو، اس سے زائد وقت میں خونِ استحاضہ میں سے شمار ہوگا البتہ اگر اعضاء بنے ہوں تو اس کی پیدائش کے بعد نکلنے والے خون کا حکم نفاس کا ہوگا۔

قال فی الهندية: والسقط ان ظهر بعض خلقه من اصبع او ظفر او شعر ولد فتصير به نفساء هكذا فی التبيين وان لم يظهر شیٔ من خلقه فلا نفاس لها فان امكن جعل المرئی حيضاً يجعل حيضاً والا فهو استحاضة ۔ (الهندية الفصل الثانی فی النفاس ج ۱ ص ۳۷) [1]

ایام حیض میں استعمال ہونیوالے کپڑوں کا حکم

سوال:۔ بعض خواتین ایام حیض میں استعمال شدہ کرسف (کپڑا) باہر گلی کوچوں میں پھینک دیتی ہیں جس سے انسانی ذہن میں عجیب وغریب قسم کے گندے خیالات پیدا ہوتے ہیں، سوال یہ ہے کہ ایسے کپڑے کے بارے میں شریعتِ اسلامی کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ غیرت اور حیاء کا یہ تقاضا ہے کہ ایام حیض میں استعمال ہونے والا کرسف (کپڑا) دوبارہ استعمال نہ ہو سکتا ہو تو اسے جلا دیا جائے، ایسے کپڑے کو گلی کوچوں میں پھینکنا مناسب نہیں۔

قال العلامة الحصكفیؒ: كل عضو لا يجوز النظر اليه قبل الانفصال لا يجوز بعده كشعر عانته وشعر رأسها وعظم ذراع حرة ميتة وساقها وقلامة ظفر رجلها دون يدها وان النظر الی ملاءة الاجنبية بشهوة حرام ۔ (رد المحتار ج ۶ ص ۳۷۱ کتاب الکراہیة فصل فی النظر) [2]

---

[1] قال الحصكفیؒ: وسقط ظهر بعض خلقه كيد او رجل او اصبع او ظفر او شعر ولد حكماً فتصير المرأة به نفساء والامة ام ولد فان لم يظهر له شیٔ فليس بشیٔ والمرئی حيض ان دام ثلاثاً وتقدمه طهر تام والا استحاضة ۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار: مطلب احوال السقط ج ۱ ص ۳۰۲) ومثله فی البحر الرائق ۔ باب الحيض ج ۱ ص ۲۱۸

[2] وفی خیر الفتاویٰ: اگر دھونے کے بعد دوبارہ استعمال نہ ہو سکیں تو جلا دیا جائے۔
(خیر الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۳۹ باب الحیض)

حیض کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی

سوال: حضرت مفتی صاحب! ایک مسئلہ درپیش ہے کہ حیض کی ابتداء کب، کیسے اور کس سے ہوئی جو آج تک جاری و ساری ہے، از راہِ کرم اس مسئلہ کے جملہ پہلوؤں پر تفصیلاً روشنی ڈالیں۔

الجواب: حیض ایک مرض ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے بناتِ آدمؑ کو مبتلا کیا ہوا ہے، حضرت حواؑ نے گندم یا کسی اور شئے کو جو اُن کے لیے ممنوع تھی کھالیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرتِ حواؑ کو اسی وجہ سے اس مرض میں مبتلاء فرمایا اور آج تک ان کی اولاد میں یہ بیماری چلی آرہی ہے۔

لما قال الحصکفیؒ: وسببه ابتداء ابتلاء الله لحوّاء لما اکل الشجرة وفی الشّامی ای وبقی فی بناتها الی یوم القیامة وما قیل انه اوّل ما ارسل الحیض علی بنی اسرائیل فقد رده البخاری بقوله وحدیث النبی صلی الله علیه وسلم اکبر وهو ما رواه عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت قال رسولُ الله صلی الله علیه وسلم فی الحیض هذا شیئ کتبه الله علی بناتِ ادم قال النووی ای انه عام فی جمیع بنات ادم۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۲۸۳ باب الحیض) [۱]

دورانِ حیض ہر رنگ کا پانی حیض ہے

سوال: ایامِ حیض میں عورت کو مختلف رنگ کا پانی آتا ہے، کیا یہ سب رنگ حیض ہے یا صرف سرخ رنگ والا خون؟

الجواب: ایامِ حیض میں ہر قسم کا رنگ حیض شمار ہوگا علاوہ سفیدی کے، کیونکہ یہ حیض نہیں بلکہ طہر کی علامت ہے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں مسلمان خواتین اپنے کرسف (وہ کپڑا جو خون کو روکنے کے لیے عورتیں استعمال کرتی ہیں) بھیجا کرتی تھیں، آپ فرماتی تھیں کہ ابھی انتظار کرو حتیٰ کہ سفیدی آجائے۔

لما قال المرغینانیؒ: وما تراه المرأة من الحمرة والصفرة والکدرة حیض حتیٰ تری البیاض خالصاً۔ (الهدایة ج ۱ ص ۶۴ باب الحیض) [۲]

---

[۱] قال الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: قوله وسببه ابتداء ای السبب فی حصوله اولاً (قوله ابتلاء الله لحوّاء) فیه ردّ علی من قال انه اوّل ما ارسل علی بنی اسرائیل فان الحدیث دال علی عمومه لجمیع بناتِ ادم والحدیث اقوی وهو ما روی عن عائشةؓ قالت قال رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الحیض هذا شیئ کتبه الله تعالیٰ علی بناتِ ادم۔ (الطحطاوی حاشیة الدر المختار ج ۱ ص ۱۲۶ باب الحیض)

[۲] قال الحصکفیؒ: وما تراه من لون ککدرة وتربیة فی مدته المعتادة سوی بیاض خالص۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المحتار ج ۱ ص ۲۸۹ باب الحیض)

حائضہ عورتیں اوقاتِ نماز میں ذکر و اذکار کو معمول بنائیں

سوال :۔ حالتِ حیض میں عورت کو نماز پڑھنا تو جائز نہیں کیا ایسی عورت اپنے معمول پر دوام کے لیے اوقاتِ نماز میں مُصلّٰی پر بیٹھ کر تسبیح و تہلیل، ذکر و اذکار کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب :۔ حائضہ عورت کے لیے مُستحب یہ ہے کہ وہ نماز کے اوقات میں وضو کر کے اپنے مصلّٰی پر آ کر بیٹھ جائے اور اتنی دیر تک تسبیح و تحمید، ذکر و اذکار میں مشغول رہے جتنے وقت میں یہ عورت نماز پڑھتی تھی تاکہ معمول میں کوئی فرق نہ آئے۔

قال ابن عابدینؒ: ویستحب لھا ان تتوضأ لوقت کل صلوٰۃ وتقعد علی مُصلّاھا وتسبح وتھلل وتکبر بقدر ادائھا کی لا تنسٰی عادتھا وفی روایۃ یکتب لھا احسن صلوٰۃ کانت تصلی۔ (ردالمحتار ج۱ ص۲۹۰ باب الحیض)[۱]

حیض کی حالت میں جماع کرنا

سوال :۔ بعض لوگ شرعی احکام سے ناواقف ہوتے ہیں، اُن کو حیض و نفاس کے مسائل معلوم نہیں ہوتے، اس لیے وہ دورانِ حیض اپنی بیویوں سے ہمبستری کر جاتے ہیں، کیا از روئے شرع ان کا یہ فعل جائز ہے یا نہیں؟ اگر ناجائز ہے تو شریعت میں اس کی کیا سزا ہے؟

الجواب :۔ حیض کے دوران بیوی سے جماع کرنا بنصِ قرآنی اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات کی روشنی میں حرام ہے اور کبیرہ گناہ ہے، اس دوران اپنی بیوی سے ہمبستری نہیں کرنی چاہیئے۔ البتہ اگر کوئی شخص غلطی یا عدمِ علم کی وجہ سے ابتدائی ایام میں ہمبستری کرے تو ایک دینار اور اگر آخری ایام میں ہو تو نصف دینار صدقہ کرنا افضل ہے اور توبہ و استغفار واجب ہے۔

لما قال العلامۃ حسن بن عمارؒ: ویحرم بالحیض والنفاس الجماع والاستمتاع بما

---

[۱] قال العلامۃ عالم بن العلاء الانصاریؒ: ویستحب للمرأۃ الحائض اذا دخل علیھا وقت الصلوٰۃ ان توضأ وتجلس عند مسجد بیتھا۔ وفی السراجیۃ مقدار ما یمکن اداء الصلوٰۃ لو کانت طاھرۃ وتسبح وتھلل کیلا تزول عنھا عادۃ العبادۃ۔

(الفتاوٰی التاتارخانیۃ ج۱ ص۳۳۲ باب الحیض، نوع فی الاحکام التی تعلق بالحیض)

ومثلہٗ فی الھندیۃ ج۱ ص۳۸ الباب السادس فی الدماء المختصۃ بالنساء۔ الفصل الرابع فی احکام الحیض۔

تحت السرة الیٰ تحت الرکبة لقولہٖ تعالیٰ: وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ..... وقوله صلی الله علیه وسلم: ”لك ما فوق الازار“ فان وطئها غیر مستحل له یستحب ان یتصدق بدینا و نصف ویتوب ولا یعود وجزم فی المبسوط وغیرہ بکفر مستحله۔

(مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۱۱۶ باب الحیض) لـه

حالتِ حیض میں تعلیمِ قرآن کا حکم

سوال:۔ آجکل بنات (لڑکیوں) کے مدارس میں مستورات استاذ ہوتی ہیں، تو کیا ان کے لیے حالتِ حیض میں بچیوں کو قرآن مجید کی تعلیم دینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ تعلیم ناگزیر ہے!

الجواب:۔ شریعت مقدسہ میں حائضہ کو قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا جائز نہیں لیکن جہاں تلاوت ناگزیر ہو تو وہاں مفتی بہ قول کے اعتبار سے بہ نیت تعلیم ہجی سے پڑھنا جائز ہے، اگرچہ امام طحاوی رح کی تحقیق کے مطابق نصف آیت بھی پڑھ سکتی ہے۔

قال ابن عابدین رح: (قوله وقرأة القرآن) ای ولو دون آیة من المرکبات لا المفردات لانه جوز للحائض المعلمة تعلیمه کلمة کلمة کما قدمناه انتهی۔ (رد المحتار جلد ۱ ص۲۹۳) ۲ـه

حائضہ عورت کیلئے دینی کتابوں کا مطالعہ جائز ہے

سوال:۔ حالتِ حیض میں خواتین دینی کتابوں کا مطالعہ کرسکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ حالتِ حیض میں قرآنِ کریم کے علاوہ دیگر دینی کتابوں کا مطالعہ شرعاً ممنوع نہیں البتہ

لـه وفی الهندیة: فان جامعها وهو عالم بالتحریم فلیس علیه الا التوبة والاستغفار ویستحب ان یتصدق بدینار او نصف دینار۔ (الهندیة ج۱ ص۳۹ الفصل الرابع فی احکام الحیض والنفاس الخ)

وَمِثْلُهٗ فی الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۱ ص۲۹۷ باب الحیض)

۲ـه قال الشیخ السید احمد الطحطاوی رح: قوله وقرأة القرآن) ای یمنع الحیض ومثله الجنابة قرأة قرآن و تشمل اطلاقه الایة وما دونها وهو قول الکرخی وصححه صاحب الهدایة فی التجنیس وقاضیخان فی شرح الجامع الصغیر والولوالجی فی فتواه ومشی علیه المصنف فی المستصفی و قواه فی الکافی ونسبه صاحب البدائع الیٰ عامة المشائخ۔

(طحطاوی حاشیه الدر المختار ج ۱ ص۱۵۰ باب الحیض)

وَمِثْلُهٗ فی التاتارخانیة ج ۱ ص۳۳۳ باب الحیض نوع فی الاحکام التی تتعلق بالحیض)

مطالعہ کے لیے بغیر غلاف کے اٹھانا اور اس کی ورق گردانی کرنا کراہت سے خالی نہیں۔

لما قال ابن الهمامؒ: قالوا يكره مس كتب التفسير والفقه والسنن لانها لا تخلو عن آيات القرآن وهٰذا التعليل يمنع شروح النحوايضًا۔ (فتح القدير ج ۱ ص۱۵ باب الحيض) [۱]

حالتِ حیض میں آیۃ الکرسی پڑھنا

سوال: میں رات کو اکثر خواب میں ڈر جاتی ہوں، ایک صاحب نے مجھے آیۃ الکرسی پڑھنے کو کہا ہے، کیا حالتِ حیض میں مجھے آیۃ الکرسی پڑھنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: ویسے تو شرعاً حائضہ اور جنب کو قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا جائز نہیں لیکن اگر کوئی آیاتِ قرآنی دعا کی نیت سے پڑھے تو بلا کراہت جائز ہے البتہ تلاوت کی نیت سے نہ پڑھے۔

لما قال ابن عابدينؒ: (وقرأة القرآن بقصده) اى فلو قرأت الفاتحة على وجه الدعاء او شيئًا من الآيات التى فيها معنى الدعاء ولم ترد القرأة لا بأس به الخ

(رد المحتار ج ۱ ص۲۹۳ باب الحيض) [۲]

حائضہ عورت کے ہاتھ کے پکے ہوئے کھانے کا حکم

سوال: حائضہ عورت ایامِ مخصوص میں کھانا وغیرہ پکاتی ہے اور بچے کو دودھ بھی پلاتی ہے، تو اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کیسا ہے؟ نیز حالتِ حیض میں بچے کو دودھ پلا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: اسلام دینِ فطرت ہے، اس میں نہ تو یہودیوں کی طرح اس حالت میں عورتوں کو ایک گندی شے سمجھ کر چھوڑ دیا جاتا ہے نہ نصاریٰ کی طرح پاک اور سابقہ حالت کے مطابق جان کر استعمال کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ جہاں جہاں پرہیز ممکن ہو وہاں منع فرمایا اور جہاں سے لابدی ہو

---

[۱] قال ابن نجيمؒ: قالوا يكره مس التفسير والفقه والسنن لانها لا تخلو عن آيات القرآن وهٰذا التعليل يمنع مس شروح النحوايضًا۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۲۰۱ باب الحيض)

وَمِثْلُهٗ فى التاتارخانية ج ۱ ص۳۳۳ باب الحيض نوم فى الاحكام التى تتعلق بالحيض۔

[۲] قال الشيخ السيد احمد الطحطاويؒ: (قوله بقصده) اما اذا قرأ على قصد الثناء او افتتاح امر لا يمنع فى اصح الروايات والتسمية لا تمنع اتفاقًا اذا كانت على قصد الثناء او افتتاح امر خلاصة: وفى العيون لابى الليث ولو قرأ الفاتحة على سبيل الدعاء او شيئًا من الآيات التى فيها معنى الدعاء ولم يرد به القرأة فلا بأس به۔ (الطحطاوى حاشية الدر المختار ج ۱ ص۱۵۰ باب الحيض)

وہاں کرنے کا حکم دیا ہے۔ اسلئے حائضہ کے ہاتھ کی پکی ہوئی اشیاء کے کھانے یا بچے کو دودھ پلانے سے کوئی اور چارہ نہیں، اسلئے حائضہ کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا یا اس کو اسی حالت میں بچے کو دودھ پلانا جائز ہے البتہ مستحب یہ ہے کہ وضو کرنے کے بعد یہ کام کاج کرے۔

لما قال الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: ولہ ان یقبلہا ویضاجعہا ولا یکرہ طبخہا ولا استعمال ما مستہ من عجین او ماء او غیرہما۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۱۱۶ باب الحیض)[1]

آپریشن سے ولادت کے بعد نکلنے والے خون کا حکم

سوال:۔ آجکل بسا اوقات بچے کی ولادت آپریشن کے ذریعے ہوتی ہے، اس کے بعد جو خون آتا ہے اس کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ خون نفاس میں شامل ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نفاس ہر اُس خون کو کہا جاتا ہے جو بچے کی ولادت کے بعد رحم سے آئے چاہے بچہ معتاد ذریعہ (فطری طریقہ) سے پیدا ہو یا آپریشن کے ذریعے سے۔ اب اگر آنے والا خون رحم سے ہو تو نفاس میں شمار ہوگا اور اگر آپریشن کی جگہ سے خون آتا ہو تو وہ نفاس نہیں، اس میں عورت پر روزہ نماز لازم ہوں گے۔

لما قال الحصکفیؒ: والنفاس لغۃ ولادۃ المرأۃ وشرعاً دم ویخرج من رحم فلو ولدتہ من سرتہا ان سال الدم من الرحم فنفساء والا فذات جرح وان ثبت لہ احکام الولد عقب ولد او اکثر ولو منقطعاً عضواً عضواً لا اقلہ۔

(الدر المختار علی صدر رد المختار ج۱ ص۲۹۹ باب الحیض)[2]

---

[1] قال الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: ولا یکرہ طبخہا ولا استعمال ما مستہ من عجین او ماء او غیرہما الا اذا توضأت بقصد القربۃ کما ھو المستحب الخ۔ (طحطاوی حاشیہ الدر المختار ج۱ ص۱۴۹ باب الحیض)

[2] قال الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: قولہ فلو ولدتہ من سرتہا بان کان بہا جرح فانشقت وخرج الولد منہا (قولہ فنفساء) لانہ وجد خروج الدم من الرحم عقب الولادۃ (قولہ والا فذات جرح) یعنی لا تعطی حکم النفساء (قولہ وان ثبت لہ احکام الولد) من انقضاء العدۃ وصیرورۃ الامۃ بہ ام الولد ولو علق الطلاق بولادتہا وقع لوجود الشرط۔ (طحطاوی حاشیہ الدر المختار ج۱ ص۱۵۳ باب الحیض)

ومثلہ فی الہندیۃ ج۱ ص۳۷ الباب السادس فی الدماء المختصۃ بالنساء، الفصل الثانی فی النفاس۔

ولادت سے قبل آنے والے خون کا حکم

سوال:۔ کبھی کبھی کسی عورت کو ولادت سے پہلے خون آنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس خون کا کیا حکم ہے؟ اوراس دوران اس عورت کو نماز وغیرہ احکامات کا بجالانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ نفاس ہر اس خون کو کہا جاتا ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد آتا ہو اور حیض اس خون کو کہا جاتا ہے جو بغیر کسی سبب کے رحم سے آئے، صورتِ مسئولہ میں اس خون پر نہ نفاس کی تعریف صادق آتی ہے اس لیے کہ بچے کی ولادت سے قبل ہے اور نہ حیض کی، اس لیے کہ رحم کا منہ بچے کی وجہ سے بند ہے، اس لیے یہ خون استحاضہ کا خون ہے، اس دوران ہر قسم کی عبادت جائز ہے۔

قال برهان الدين المرغيناني: والدم الذی تراہ الحامل ابتداءً او حال ولادتها قبل الولد استحاضة (الهداية ج۱ ص۵۲ کتاب الحيض) [1]

حائضہ عورت سے انتفاع جائز ہے

سوال:۔ حائضہ عورت کے ساتھ جماع کرنا تو بنصِ قرآن حرام ہے لیکن کیا اس سے مطلقاً انتفاع ناجائز ہے یا کچھ گنجائش ہے؟

الجواب:۔ اسلام نے حائضہ سے صرف جماع کرنے کو حرام قرار دیا ہے اس کے علاوہ دیگر استمتاع میں شرعاً کوئی قباحت نہیں۔ اس لیے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ آدمی کے لیے حائضہ سے استمتاع ما فوق السرۃ اور ما تحت الرکبۃ بلا حائل جائز ہے اور اس کے علاوہ سے مع حائل کے جائز ہے۔

لما قال ابن العابدين: تحت قوله يعني ما بين سرة وركبة) فيجوز الاستمتاع بالسرة وما فوقها والركبة وما تحتها ولو بلا حائل وكذا بما بينهما بحائل بغير الوطء ولو تلطخ دماً. (رد المحتار جلد۱ ص۲۹۲ باب الحيض) [2]

---

[1] وفی الهندية: وكذا ما تراه الحامل ابتداءً او حال ولادتها قبل خروج الولد۔ (الهندية ج۱ ص۳۸ الباب السادس فی الدماء المختصة الخ الفصل الثالث فی الاستحاضة۔
وَمِثْلُهُ فی الفقه الاسلامی وادلته ج۱ ص۴۶۵ البحث الثانی تعریف النفاس ومدته۔

[2] وفی الهندية: وله ان يقبلها ويضاجعها ويستمتع بجميع بدنها ما خلا بين السرة والركبة عند ابی حنيفة وابی يوسف۔ (الهندية ج۱ ص۳۹ الباب السادس۔ الفصل الرابع فی احكام الحيض والنفاس)

انجکشن سے حیض بند کرنے کا حکم

سوال:۔ آجکل ایسے انجکشن ملتے ہیں جن کے لگانے سے خواتین کو حیض آنا بند ہو جاتا ہے خصوصاً حج کے ایام میں خواتین وہ انجکشن لگواتی ہیں، اگر ایک عورت کو حیض آنے کی میعاد مقرر ہو کہ ہر ماہ اس کو حیض آتا ہو اور اس انجکشن کے ذریعے اُس ماہ اُسے خون نہ آئے تو کیا یہ عورت اپنی میعادِ حیض میں جبکہ انجکشن کی وجہ سے خون بند ہے نماز روزہ وغیرہ عبادات کر سکتی ہے نہیں؟

الجواب: حیض کا تعلق اُس خون کو دیکھنے سے ہے جو بلا کسی سبب کے رِحم سے آئے، گویا کہ حیض نام ہے خون آنے کا، صورتِ مسئولہ میں چونکہ خون بذریعہ انجکشن بند ہے اس لیے صرف ایام کو حیض نہیں کہا جائے گا اور نہ اس پر حیض کے احکام جاری ہوں گے، بلکہ اس قسم کی خاتون کو نماز، روزہ، طواف وغیرہ سب کچھ جائز اور لازمی ہے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمہ اللہ: یجب ان یعلم بان حکم الحیض والنفاس والاستحاضة لا یثبت الا بخروج الدم وظهوره وهذا هو ظاهر مذهب اصحابنا وعلیه عامة المشائخ۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۱ ص۳۳۰ کتاب الحیض، نوع فی بیان انه متی یثبت حکم الحیض)[1]

پندرہ دن طہر گذرنے سے قبل خون آنے کا حکم

سوال:۔ اگر کسی عورت کو ایک حیض گذر جانے کے دس بارہ دن بعد دوبارہ خون آئے تو کیا یہ خون حیض شمار ہوگا یا نہیں؟ نیز اقل مدتِ طہر کتنے دن ہیں؟

الجواب:۔ فقہ حنفی کی تصریحات کے مطابق اقل مدتِ طہر پندرہ ۱۵ دن ہے، اگر خون پندرہ ۱۵ دن گذر جانے سے قبل شروع ہو جائے اور اس عورت کی کوئی عادت مقرر نہیں تو یہ خون جو پندرہ ۱۵ دن سے قبل آیا ہے پندرہ ۱۵ دن تک استحاضہ شمار ہوگا اور باقی حیض شمار ہوگا۔

لما قال الحصکفی رحمہ اللہ: واقل الطهر بین الحیضتین او النفاس والحیض خمسة عشر یوماً ولیالیها اجماعاً۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۲۸۵ باب الحیض)[2]

---

[1] وفی الهندیة: اذا رأت المرأة الدم تترك الصلوٰة من اوّل مارأت قال الفقیه وبه نأخذ۔ (الهندیة ج۱ ص۳۸ الباب السادس، الفصل الرابع فی احکام الحیض والنفاس)

[2] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری رحمہ اللہ: ومن جملة ذلك الدم المتخلل فی اقل مدة الطهر ولا یمکن معرفة ذلك الا بعد معرفة اقل الطهر واقله خمسة عشر یوماً عندنا۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۱ ص۳۲۳ کتاب الحیض)

حالتِ جنابت میں کمپیوٹر سے قرآن لکھنے کا حکم

سوال:۔ جنابت کی حالت میں قرآنی آیات کی کتابت بذریعہ ٹائپ رائٹر یا کمپیوٹر کرنا کیسا ہے ؟

الجواب:۔ شریعتِ مقدسہ میں قرآنِ کریم کا احترام اصلاً مقصود ہے، یہی وجہ ہے کہ جُنبی آدمی کے لیے قرأتِ قرآن (تلاوت کرنا) درست نہیں، اسی طرح فقہاء کرام نے جُنبی کے لیے قرآنِ کریم کا لکھنا بھی منع فرمایا ہے۔ چونکہ ٹائپ رائٹر اور کمپیوٹر کے ذریعے حالتِ جنابت میں قرآن لکھنا ہوتا ہے اسلئے درست نہیں، البتہ بے وضو ان جدید ذرائع سے کتابتِ قرآن کی جاسکتی ہے بشرطیکہ قرآنی آیات کو ہاتھ نہ لگے۔

لما فی الهندية: والجنب لا يكتب القرآن وان كانت الصحيفة على الارض ولا يضع يده عليها وان كان ما دون الآية ۔ (الفتاوى الهندية ج۱ ص۳۹ الفصل الرابع فى احكام الحيض الخ) [۱]

حائضہ عورت پر دم کرنے کا حکم

سوال:۔ حائضہ، نفاس والی عورت یا جُنبی آدمی بیمار ہو جائے تو قرآنی آیات پڑھ کر اس کو دم کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ وظائف یا اوراد کے لیے طہارت شرط نہیں بغیر طہارت کے بھی دم کیا جاسکتا ہے جب دم کرنے والے کا طاہر ہونا ضروری نہیں تو جس پر دم کیا جاتا ہو اس کا طاہر ہونا بدرجہ اولیٰ ضروری نہ ہوگا، لہٰذا حیض و نفاس والی عورت اگرچہ خود پاک نہیں مگر اس پر دم کرنا جائز ہے ۔

لما قال العلامة الحصكفيؒ :۔ ولا بأس لحائض وجنب بقرأة ادعية ومسها وحملها وذكر الله تعالىٰ وتسبيح وزيارة قبور ودخول مصلى عيد۔ (الدر المختار على صدر رد المحتار جلد ۱ ص۲۹۳ باب الحيض) [۲]

---

[۱] قال السيد احمد الطحطاويؒ: واما كتابت القرآن فلا بأس بها اذا كانت الصحيفة على الارض عند ابى يوسف لانه ليس بحامل للصحيفة وكره ذلك محمدؒ وبه اخذ مشائخ بخارى۔
(الطحطاوى على مراقى الفلاح ص۱۱۵ باب الحيض)

[۲] قال السيد احمد الطحطاويؒ: (تحت قوله ويحرم قرأة آية من القرآن الا بقصد الذكر) أى أو الثناء أو الدعاء إن اشتملت عليه فلا بأس به فى اصح الروايات قال فى العيون ولو أنه قرأ الفاتحة على سبيل الدعاء اوشيئاً من الآيات التى فيها معنى الدعاء ولم يرد به القرآن فلا بأس به ۔ (الطحطاوى حاشيه مراقى الفلاح ص۱۱۴ باب الحيض)
وَمِثْلُهٗ فى البحر الرائق ج۱ ص۱۹۹ باب الحيض۔

مستحاضہ کا حکم

سوال:۔ بسا اوقات ایک عورت کو مدتِ حیض ونفاس میں زیادہ یا کم خون آتا ہے، اس دوران اس عورت کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب:۔ حیض ونفاس کی مدتِ شرعی سے زیادہ یا کم خون آنے کو استحاضہ کہا جاتا ہے۔ اس قسم کی عورت پر یہ لازمی ہے کہ مدتِ حیض ونفاس کو پورا کرنے کے بعد غسل کرے اور پھر ہر نماز کے وقت تازہ وضو کر کے نماز پڑھے، بلکہ اس قسم کی عورت کو ہر وہ کام (مثلاً نماز روزہ وغیرہ) جو حالتِ حیض میں ہونے کی وجہ سے ممنوع ہو چکے تھے کرنے کی اجازت ہے۔

لما قال الحصکفیؒ: ودم الاستحاضة حکمه کرعاف دائم وقتاً کاملاً لایمنع صوماً وصلٰوة ولو نفلاً وجماعاً لحدیث توضئ وصلی ان قطر الدم علی الحصیر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۲۹۸ باب الحیض)

وفیه: حکمه الوضوء لاغسل ثوبه ونحوه لکل فرضٍ اللام للوقت..... ثم یصلی به فرضاً ونفلاً۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۳۰۶ باب الحیض) [1]

معذور کی شرعی تعریف

سوال:۔ شریعت میں معذور کی تعریف کیا ہے؟

الجواب:۔ جب کسی مریض کو تمام وقت نماز میں کوئی ایسا وقت نہ ملے جس میں وہ مرض لاحق نہ ہو، ایسا شخص معذور کہلائے گا۔

قال الحصکفیؒ: بان لایجد فی جمیع وقتها زمناً یتوضأ و یصلی فیه خالیاً عن الحدث۔ الخ وهٰذا شرط العذر فی حق الابتداء وفی حق البقاء کفی وجوده فی جزء من الوقت

---

[1] قال المرغینانیؒ: والمستحاضة ومن به سلس البول والرعاف الدائم والجرح الذی لایرقا یتوضئون لوقت کل صلٰوة فیصلون بذالك الوضوء فی الوقت ماشاؤ من الفرائض والنوافل۔ (الهدایة علی صدر البنایة ج ۱ ص۶۴۹ باب الحیض)
ومثله فی الهندیة ج ۱ ص۳۹ الباب السادس فی الدماء المختصة بالنساء، الفصل الرابع فی احکام الحیض۔

ولو مرة الخ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۱ ص۳۰۵ مطلب فی احکام المعذور) [1]

ایسے معذور شخص کا حکم جس کا روئی رکھنے سے پیشاب رک جائے

سوال:۔ اگر ضعفِ مثانہ کی وجہ سے انسان کو قطرے آتے ہوں اور اس کی روک تھام کے لیے روئی رکھی جائے تو کیا اس حالت میں بھی وقت گذر جانے سے وضوء ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ وضو ٹوٹنے کا دارومدار پیشاب کے احلیل تک نکلنے پر ہے، لہٰذا اگر کسی وجہ سے پیشاب کے قطرات کو روکا جائے تو جب تک قطرات احلیل تک نہ پہنچیں تو وضو برقرار رہے گا البتہ جب روئی نکالی جائے اور کرسف تر ہو تو اُسی وقت وضو ٹوٹ جائے گا۔

لما قال الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: وفی المضمرات عن النصاب به سلس بول فجعل القطنة فی ذکرہ ومنعه من الخروج وھو یعلم انه لولم یحش ظھر البول فاخرج القطنة وعلیھا بلة فھو محدث ساعة اخراج القطنة فقط وعلیه الفتویٰ۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۱۱۹ باب الحیض) [2]

---

[1] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ولا یصیر من ابتلی بناقض معذوراً حتی یستوعبه العذر وقتاً کاملاً لیس فیه انقطاع لعذرہ بقدر الوضؤ والصلوٰة اذ لو وجد لا یکون معذوراً۔ (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۱۱۹ باب الحیض)

وَمِثْلُهٗ فی الھندیة ج ۱ ص۴۱ الباب السادس، الفصل الرابع فی احکام الحیض والنفاس)

[2] قال الشیخ عبد الحی الکھنویؒ: اذا خاف الرجل خروج البول فحشی احلیله بقطنة ولولاہ یخرج البول فلا بأس به ولا ینقض وضوءہ حتی یظھر البول علی القطنة وان ابتل الطرف الداخل کذلك ما لم یبتل الظاھر منه۔ (السعایة ج ۱ ص۲۰۱ باب الحیض)

باب الانجاس

(پلیدیوں اور ناپاکیوں کے بیان میں)

نیند کی حالت میں منہ سے نکلنے والے پانی کا حکم

سوال:۔ میرے منہ سے حالتِ نیند میں بہت پانی نکلتا ہے اور بسا اوقات وہ پانی میرے کپڑوں پر بھی لگ جاتا ہے، کیا اس سے کپڑے پلید (ناپاک) ہوجائیں گے یا نہیں؟

الجواب:۔ زندہ آدمی کے منہ سے نکلنے والا پانی پاک ہے اگرچہ حالتِ نیند میں پیٹ سے ہی کیوں نہ نکلے، البتہ مردہ شخص کے منہ کا پانی نجس ہے۔ اس لیے خواب میں یا بیداری میں اگر لعابِ دہن یا منہ سے نکلنے والا پانی کپڑوں پر لگ جائے تو کپڑے ناپاک نہ ہوں گے۔

لما فی الهندیة: لعاب النائم طاهر سواء کان من الفم او منبعثا من الجوف عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ وعلیه الفتوٰی واما لعاب المیّت فقد قیل انهٗ نجس۔

(الفتاوٰی الهندیة ج ۱ ص ۴۶ باب الانجاس) [۱]

غسل کرتے وقت پانی کے برتن میں چھینٹے پڑنے سے پانی کا حکم

سوال:۔ غسل کرتے وقت اگر بے احتیاطی سے یا احتیاط کے باوجود ماءِ مستعمل کے کچھ قطرے پانی کے برتن میں پڑ جائیں تو اس سے پانی ناپاک ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر پانی کے ان قطرات میں ظاہری نجاست نہ ہو یعنی اس سے نجاستِ ظاہری کا ازالہ نہ ہوا ہو تو تھوڑے قطرے پڑنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ اس سے بچنا انسان کے بس میں نہیں تاہم ممکن حد تک احتیاط برتنا چاہیئے۔

قال الحصکفیؒ۔ وانتضاح غسالة لاتظهر مواقع قطرها فی الاناء عفو۔

وقال ابن عابدینؒ وفی الفتح وما ترشش علی الغاسل من غسالة المیّت

---

[۱] قال الشیخ الدکتور وهبة الزحیلی: عرفنا فی انواع المطهرات فی الآدمی المیّت قولین قول الحنفیة انه نجس عملاً بفتوٰی بعض الصحابة (ابن عباسؓ وابن الزبیرؓ) کسائر المیتات......

واما الماء السائل من فم النائم وقت النوم فهو طاهر کما صرح الشافعیة والحنابلة۔

(الفقه الاسلامی وادلّتهٗ ج ۱ ص ۱۶۶ الآدمی میّت ومایسیل من فم النائم)

مما لا یمکنه الامتناع عنه مادام فی علاجه لا ینجسه لعموم البلوٰی۔
(ردّ المحتار علی الدر المختار۔ باب الانجاس ج ۱ ص۳۲۵) [1]

پلاسٹک کے برتن پاک کرنے کا طریقہ

سوال:۔ پلاسٹک کے برتن پر اگر گندگی لگ جائے تو اسے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب:۔ از روئے شرع جو برتن جاذب نہ ہو یعنی نجاست جذب نہ کرتا ہو تو اس قسم کے برتن کے ساتھ اگر نجاست لگ جائے تو تین دفعہ پانی ڈال کر دھونے سے برتن پاک ہو جائے گا۔ ایسی صورت میں تثلیثِ غسل کے لیے برتن کا خشک ہونا ضروری نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: ای ما لا یتشرّب النجاسة مما لا ینعصر یطّھر بالغسل ثلاثًا ولو دفعة بلا تجفیف کالخزف والآجر المستعملین کما مرّ وکالسیف والمرأة ومثله ما یتشرب فیه شئ قلیل کالبدن والنعل۔
(ردّ المحتار علی الدر المختار۔ مطلب فی حکم الوشم ج ۱ ص۳۳۲) [2]

جُنب کے پسینے کا حکم

سوال:۔ اگر جنابت کی حالت میں کچھ وقت گذر جائے اور گرمی کی وجہ سے بدن سے پسینہ نکلے تو اس پسینہ کا کیا حکم ہے؟ کیا اس پسینہ سے کپڑے ناپاک ہوتے ہیں؟

الجواب:۔ انسان کا پسینہ ہر حالت میں پاک ہے، خواہ جُنب ہو یا پاک، اور اس کی تخصیص اسلام کے ساتھ ہے، فقہاء نے جھوٹے (سؤر) اور پسینے کا حکم ایک قرار دیا ہے۔

---

[1] قال ابن نجیمؒ: ما ترشش علی الغاسل من غسالة المیّت مما لا یمکنه الامتناع عنه مادام فی علاجه لا ینجسه لعموم البلوٰی۔ (البحر الرائق۔ باب الانجاس ج ۱ ص۲۳۶) ومثله فی مراقی الفلاح۔ باب الانجاس ص۸۵۔

[2] قال فی الهندیة۔ وما لا ینعصر یطهر بالغسل ثلاث مرّاتٍ والتجفیف فی کل مرة لان للتجفیف اثرًا فی استخراج النجاسة وحد التجفیف ان یخلیه حتّٰی ینقطع التقاطر ولا یشترط فیه الیبس هٰذا اذا تشربت النجاسة کثیرًا وان لم یتشرب فیه او تشربت قلیلًا یطهر بالغسل ثلاثًا هٰکذا فی المحیط۔
(الهندیة۔ الباب السابع فی النجاسة ج ۱ ص۴۲)

البتہ اگر کسی عضو پر ظاہری نجاست ہو اور پسینہ نکلنے سے وہ نجاست کپڑے پر لگ جائے تو اس سے کپڑا ناپاک ہوگا۔

قال الحصکفیؒ: فسئور ادمی مطلقاً ولو جنباً او کافراً او امرأۃً ومأکول اللحم طاھر الفم (طاھر) طھور بلا کراھۃ (وبعد اسطر) وحکم عرق کسئور۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار مطلب فی السئور ج ۱ ص۲۲۲، ص۲۲۸) [1]

کپڑے کو منی سے پاک کرنے کا طریقہ

سوال:۔ اگر منی کپڑے کے ساتھ لگ جائے تو کیا صرف رگڑنے سے پاک ہوگا یا دھونا بھی ضروری ہے نیز رقیق اور سخت قسم کی منی کے حکم میں کچھ فرق ہے یا دونوں کا حکم یکساں ہے؟

الجواب:۔ منی سے طہارت کے دو طریقے ہیں، اگر نرم ہو تو دھونے کے بغیر اور کوئی چارہ نہیں، البتہ اگر سخت اور خشک ہو تو پھر سوکھ جانے کے بعد رگڑ کر اثرات زائل ہونے سے کپڑا پاک ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں علامہ ابن عابدینؒ کی تحقیق کے مطابق یہ حکم غلیظ منی سے خاص ہے اور اگر منی کسی بیماری کی وجہ سے رقیق (پتلی) ہوگئی ہو تو دھونا ضروری ہے۔

قال الحصکفیؒ: ویطھر منیّ ای محلہ یا یبس بفرک ولا یضر بقاء اثرہ اِن طھر رأس حشفۃ کأن کان مستنجیا بماء وفی المجتبیٰ اولج فنزع فانزل لم یطھر الا بغسلہ لتلوّثہٖ بالنجس انتھٰی ای برطوبۃ الفرج فیکون مفرعاً علی قولھما بنجاستھا، اما عندہ فھی طاھرۃ کسائر رطوبات البدن۔ جوھرۃ۔ والا یکن یابساً اولا رأسھا طاھر فیغسل کسائر النجاسات ولو دماً عبیطاً علی المشھور بلا فرق بین منیّہ ولو رقیقاً لمرض بہ ومنیھا۔ قال ابن عابدینؒ (قولہ ومنیھا) ای منی المرأۃ کما صححہ فی الخانیۃ وھو ظاھر الروایۃ عندنا کما فی مختارات النوازل وجزم فی السراج وغیرہ بخلافہ ورجحہ فی الحلیۃ بما حاصلہ ان کلامھم متظافر علی ان الاکتفاء بالفرک فی المنی استحسان بالاثر علی خلاف القیاس، فلا یلحق بہ الا ما

---

[1] قال العلامۃ ابن نجیمؒ: وعرق کل شیٔ معتبر بسئورہ طھارۃ ونجاسۃ وکراھیۃ۔ (البحر الرائق ج ۱ ص۱۲۶ باب الانجاس)
وَمِثْلُہٗ تبیین الحقائق ج ۱ ص۳۱ باب الانجاس۔

فی معناہ من کل وجه والنص ورد فی منی الرجل ومنی المرأۃ یبس مثله لرقته وغلظ منی الرجل والفرك انما یؤثر زوال المفروك او تقلیله وذلك فیما له جرم والرقیق المائع لا یحصل من فرکه هذا الغرض فیدخل منی المرأۃ اذا کان غلیظاً ویخرج منی الرجل اذا کان رقیقاً لعارض۔ (رد المحتار علی الدر المختار، باب الانجاس ج ۱ ص ۳۱۲، ۳۱۳) [1]

منی، مذی اور ودی سے طہارت کا حکم

سوال:۔ کیا منی، مذی اور ودی سے کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ ایک ہی ہے کہ اس کو پانی سے دھویا جائے یا اس میں کوئی فرق بھی ہے؟

الجواب:۔ ودی اور مذی سے طہارۃ صرف پانی کے ذریعہ حاصل ہوسکتی ہے البتہ منی کے طریقہ طہارت میں یہ بھی ہے کہ خشک ہونے پر رگڑنے سے بھی کپڑا پاک ہوسکتا ہے بشرطیکہ منی رقیق نہ ہو ورنہ پانی سے دھونا ضروری ہے۔

قال طاهر بن عبد الرشیدؒ۔ اذا احت النجاسة لم یجز الا فی المنی الیابس فان کان رطباً لا یطهر الا بالغسل وهو نجس عندنا رولبعد اسطر) ولکن هذا اذا لم یخرج المذی قبل خروج المنی اما اذا خرج المذی ثم خرج المنی لا یطهر الثوب بالفرك۔

(خلاصة الفتاوی۔ الفصل السادس فی غسل الثوب والدهن ج ۱ ص ۴۱) [2]

دجاجۂ مخلاۃ کا جھوٹا

سوال:۔ گلیوں اور غلاظتوں میں گھومنے پھرنے والی مرغی اگر پانی سے بھرے ہوئے برتن میں چونچ ڈال دے تو اس پانی کا کیا حکم ہے؟ کیا پالتو مرغی جو کہ پنجرہ اور ڈربہ میں بند ہو اور باہر پھرنے والی مرغی کا حکم ایک ہے یا دونوں میں فرق ہے؟

---

[1] وفی الهندیة: (ومنها) الفرك فی المنی اذا اصاب الثوب فان کان رطباً یجب غسله وان جف علی الثوب اجزأ فیه الفرك استحساناً۔ (الهندیة۔ الباب السابع فی النجاسة ج ۱ ص ۴۴)

[2] قال ابراهیم الحلبیؒ۔ واما الفرك فیزیل النجاسة فی المنی فیطهر الثوب من المنی به ای بالفرك اذا یبس المنی علی الثوب۔ (کبیری۔ فصل فی الاسآر ص ۱۸۰)

الجواب: سؤر یعنی جھوٹا ہمیشہ کے لیے گوشت کا تابع رہتا ہے، جس حیوان کا گوشت حلال ہو تو اس کے لعاب کا پانی سے ملنے کی صورت میں پانی پر اس کا اثر نہیں پڑتا۔ لہٰذا اگر پالتو مرغی کی چونچ غلاظت سے پاک ہو اور جس برتن میں مرغی منہ ڈال دے یہ پانی پاک ہے البتہ گلی میں پھرنے والی مرغی کا منہ عموماً نجاست سے خالی نہیں ہوتا اس لیے ایسی مرغی کا جھوٹا مشکوک ہے لیکن نجاست پر حکم نہیں لگایا جا سکتا۔

قال حسن بن عمارؒ: وسؤر الدجاجة المخلاة التی تجول فی القاذورات ولم یعلم طهارة منقارها من نجاسة فکره سؤرها للشك فان لم یکن کذلك فلا کراهة فیه۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۲۲ فصل فی احکام السؤر) [1]

کتے کی کھال قابلِ دباغت ہے

سوال: کیا کتے کا چمڑا دباغت سے پاک ہو جائے گا یا نہیں؟ جبکہ فقہ کی عام کتابوں میں چمڑوں کی طہارت کا طریقہ دباغت لکھا ہے؟

الجواب: احناف کے نزدیک کتا نجس العین نہ ہونے کی وجہ سے اس کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے، البتہ حشرات الارض سانپ، بچھو، خنزیر کا چمڑا قابلِ دباغت نہیں ہے۔

قال الحصکفیؒ: وکل اهاب دبغ ولو بشمس وهو یحتملها طهر فیصلی به ویتوضأ منه وما لا یحتملها (فلا وعلیه) فلا یطهر جلد حیة وفارة خلا جلد خنزیر فلا یطهر (وبعد اسطر) وافاد کلامه طهارة جلد کلب وقیل وهو المعتمد۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار - مطلب فی احکام الدباغة ج ۱ ص۲۰۴) [2]

---

[1] قال ابن عابدینؒ: واما المخلاة فلعابها طاهر فسؤرها کذلك، لکن لما کانت تأکل العذرة کره سؤرها ولم یحکم بنجاسته للشك حتی لو علمت النجاسة فی فمها تنجس ولو علمت الطهارة انتفت الکراهة۔
(رد المحتار علی الدر المختار - باب المیاه ج ۱ ص۲۲۳) ومثله فی البحر الرائق - مسئلة السؤر ج ۱ ص۱۳۲۔

[2] قال حسن بن عمارؒ: ویطهر جلد الکلب لانه لیس نجس العین فی الصحیح بالدباغة۔
(مراقی الفلاح - فصل یطهر جلد المیتة ص۹۰) ومثله فی کبیری - فصل فی النجاسة الحقیقیة ص۱۷۷

کتے کے جھوٹے (سئور) برتن میں کھانے اور اسکے پاک کرنے کا طریقہ

سوال:۔ بعض لوگ گھروں میں عموماً کتے پالتے ہیں، کبھی کبھی کتے اچانک کھانے پینے کے کسی برتن میں منہ ڈال دیتے ہیں، ایسے برتن میں کھانے پینے کا کیا حکم ہے اور اس کے پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

الجواب:۔ کتے کا جھوٹا نجاستِ غلیظہ کے حکم میں ہے لہٰذا جس برتن میں کتا منہ ڈالے تو یہ برتن اگر جاذب نہ ہو تو (تین) دفعہ دھونے سے پاک ہوگا اور اگر جاذب ہو تو پھر ہر دفعہ کے لیے خشک کرنا (یعنی اتنا انتظار کرنا کہ پانی ٹپکنا بند ہو جائے) ضروری ہے۔

قال حسن بن عمارؒ: والقسم الثانی سئور نجس نجاسة غلیظة وقیل خفیفة لا یجوز استعماله ای لا یصح التطهیر به بحال ولا یشربه الا مضطر کالمیتة وهو ای السئور النجس ما شرب منه الکلب سواء فیه کلب صید او ماشیة وغیرہ لما روی الدار قطنی عن ابی هریرةؓ عن النبیّ صلی الله علیه وسلم فی الکلب ولغ فی الاناء انه یغسل ثلاثاً او خمساً او سبعاً۔

قال الشیخ احمدؒ: انه یغسل ثلاثاً.... الخ وما ذاك الا لنجاسته ویندب عندنا التسبیع وکون احداهن بالتراب۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۲۳ فصل فی بیان احکام السئور)[۱]

نجس کپڑا دھونے کے بعد نچوڑنے کا حکم

سوال:۔ نجس کپڑا دھونے کے بعد کتنی بار نچوڑنا ضروری ہے؟ کیا طہارت کا دار و مدار نچوڑنے پر ہے؟

الجواب:۔ کپڑے کے ساتھ اگر نجاستِ مرئیہ لگ جائے تو عین نجاست زائل ہونے سے کپڑا پاک ہوگا اس کو نچوڑنا ضروری نہیں، البتہ اگر نجاست غیر مرئیہ ہو تو طہارت کا دار و مدار غلبۂ ظن پر ہے، تین بار نچوڑنے سے عموماً طہارت کا یقین ہو جاتا ہے اس لیے تین دفعہ نچوڑنے کے بعد کپڑا پاک متصور ہوگا، تاہم واضح ہو کہ آخری بار نچوڑنا مضبوط طریقہ سے ہو۔

---

[۱] قال محمد عبد الحیؒ: وقول خامس ذهب الیه اصحابنا الحنفیة من عدم وجوب التسبیع والتثمان مع نجاسة السئور وکفایة الثلاث کسائر النجاسات۔ (السعایة۔ سئور الکلب ج۱ ص۴۴۹)
ومثله فی الهندیة الفصل الثانی فیما لا یجوز به التوضوء ج۱ ص۲۴۔

قال ابراهیم الحلبیؒ: اما اذا اصابت الثوب نجاسۃ ھٰذا شروع فی کیفیۃ تطھیر النجاسۃ بالغسل فان النجاسۃ اما ان تکون مرئیۃ او غیر مرئیۃ فان کانت مرئیۃ فطھارتہ زوال عینھا الا ما یشق زوالہ بعد اسطر) وان لم تکن النجاسۃ مرئیۃ یغسلھا حتی یغلب علی ظنہ انہ قد طھر وھٰذا اذا لم یکن لھا ریح فان کان یجب الغسل الی زوالہ الا ما یشق وقیل اذا غسل الثوب من غیرہ مرۃً وعصر بالمبالغۃ یطھر وقیل انہ لا یطھر ما لم یغسل ثلاث مرات یعصر فی کل مرۃ والفتوی علی الاول۔ (کبیری۔ فصل فی الاسآر ص۲۱۱، ۲۱۲) ؎۱

غیر ملکی کپڑوں سے (بغیر دھوئے) نماز پڑھنا

سوال:۔ آجکل بازاروں میں غیر ملکی مستعمل کپڑے مثلاً سویٹر، کوٹ وغیرہ فروخت ہوتے ہیں، بظاہر ان پر کوئی نجاست نظر نہیں آتی لیکن یہ بھی معلوم نہیں کہ پاک ہوں گے یا نہیں؟ کیا ایسے کپڑوں کا بغیر دھوئے نماز کے لیے استعمال جائز ہے؟

الجواب:۔ اگر بظاہر نجاست نہ ہو اور غلبۂ ظن یہ ہو کہ اس میں نجاست نہیں تو یہ کپڑے پاک ہیں اور انہیں پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ دھونا بہتر ہے۔

قال ابن عابدینؒ: ومن ھٰنا قالوا لا بأس بلبس ثیاب اھل الذمۃ والصلوٰۃ فیھا الا الازار والسراویل فانہ تکرہ الصلوٰۃ فیھا لقربھا من موضع الحدث وتجوز لان الاصل الطھارۃ، وللتوارث بین المسلمین فی الصلوٰۃ بثیاب الغنائم قبل الغسل، وتمامہ فی الحلیۃ۔ (ردّ المحتار علی الدر المختار۔ احکام الدباغۃ ج۱ ص۲۰۵، ۲۰۶) ؎۲

؎۱ قال الحصکفیؒ: وکذا یطھر محل نجاسۃ مرئیۃ بقلعھا ای بزوال عینھا واثرھا ولو بمرۃ او بما فوق ثلاث فی الاصح ولا یضر بقاء اثر۔ ویطھر محل غیرھا ای غیر المرئیۃ بغلبۃ ظن غاسل طھارۃ محلھا بلا عدد بہ یفتی وقدر ذٰلک لموسوس بغسل وعصر ثلاثا۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المحتار۔ مطلب فی حکم الوشم ج۱ ص۳۲۸، ۳۳۱)

وَمِثْلُہٗ فی خلاصۃ الفتاوی۔ الفصل السادس فی غسل الثوب والدھن ج۱ ص۴۰۔

؎۲ قال الحصکفیؒ: ثیاب الفسقۃ واھل الذمۃ طاھرۃ۔ (الدر المختار علی صدر ردّ المحتار۔ فصل فی الاستنجاء ج۱ ص۳۵۰)

موٹے کپڑے کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال:۔ موٹے کپڑے کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ خاص کر جب نچوڑنا ممکن نہ ہو؟

الجواب:۔ ایسے کپڑے پر اگر نجاست دکھائی دے تو نجاست کے ازالہ سے کپڑا پاک ہوگا اور اگر نجاست غیر مرئی ہو تو کپڑے کی طہارت دھونے والے کے غلبۂ ظن پر مبنی ہے، اور اگر کوئی شخص غلبۂ ظن کا ادراک نہیں کر سکتا تو تین بار دھوئے اور ہر دفعہ دھونے میں اتنی تاخیر کرے کہ پانی کے قطرات بند ہوجائیں تب کپڑا پاک ہوگا۔ علاوہ ازیں کسی بڑے حوض یا جاری پانی میں ڈبو کر کچھ وقت گذرنے کے بعد پانی سے نکالنے پر بھی پاک متصور ہوگا۔

قال الحصکفیؒ: ویطھر محل غیرھا ای غیر مرئیۃ بغلبۃ ظن غاسل لو مکلفاً والا فمستعمل طھارۃ محلھا بلاعدد بہ یفتی وقدر ذلک لموسوس بغسل وعصر ثلاثاً اوسبعاً فیما ینعصر مبالغاً بحیث لایقطر ولو کان لو عصرہ غیرہ قطر طھر بالنسبۃ الیہ دون ذلک الغیر ولو لم یبالغ لرقتہ ھل یطھر الاظھر نعم للضرورۃ وقدر بتثلیث جفاف ای انقطاع تقاطر فی غیرہ ای غیر منعصر مما یتشرب النجاسۃ والا فبقلعھا کما مر وھذا کلہ اذا غسل فی اجانۃ، اما لو غسل فی غدیر او صب علیہ ماء کثیرا وجری علیہ الماء طھر مطلقاً بلا شرط عصر وتجفیف وتکرار غمس ھو المختار۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار باب الانجاس ج۱ ص۳۳۱ تا ۳۳۳)[1]

ڈرائی کلینر سے کپڑے پاک ہونے کا حکم

سوال:۔ ڈرائی کلینر کے ذریعے کپڑے پٹرول سے پاک کیے جاتے ہیں لیکن اس میں کپڑا نچوڑنا نہیں ہوتا بلکہ حرارت سے کپڑا سوکھ جاتا ہے، کیا اس طریقہ سے دھوئے ہوئے کپڑے سے نماز جائز ہے؟

الجواب:۔ اگر کپڑا پاک ہو صرف میل کچیل ڈرائی کلینر کے ذریعہ دور کی گئی ہو تو اس سے کپڑے کی طہارت متاثر نہیں ہوتی تاہم یہ ضروری ہے کہ مائع چیزیں اس کے ساتھ ناپاک کپڑا

---

[1] قال ابراھیم الحلبیؒ: وفی فتاوی ابی اللیث خف بطانۃ ساقہ من الکرباس فدخل فی جوفہ ماء نجس فغسل الخف دلکہ بالید ثم ملاء الماء الخف ثلاثاً واھرقہ الا انہ لم یتھیأ لہ عصر الکرباس فقد طھر الخف ای بمجرد جریان الماء ظاھراً و باطناً ولم یشترط فیہ عصر الخف ولا الکرباس لتعسرہ قیاساً علیٰ مسئلۃ البساط۔ (کبیری۔ فصل فی الاسار ص۱۸۴)

نہ ملایا گیا ہو، اور اگر کپڑا ناپاک ہو تو پھر اگر اس پر اتنا پٹرول ڈالا جائے کہ اس سے کپڑے کو نچوڑا جاسکے تو ایسی صورت میں بھی کپڑا پاک ہوگا، کیونکہ کپڑے کی نجاست ہر مائع مزیل سے پاک ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر میل کچیل حرارت کے ذریعہ سوکھ جاتا ہو اور کپڑا ناپاک ہو تو پھر میل کے چلے جانے کے بعد بھی کپڑا ناپاک ہی رہے گا، دوبارہ پانی سے دھونا ضروری ہے۔

قال الحصکفیؒ: یجوز رفع نجاسة حقیقیة عن محلها ولو اناء اوما کولاً علم محلها اولا بماء ولو مستعملاً به یفتی وبکل مائع طاهر قالع للنجاسة۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار۔ باب الانجاس ج۱ ص۳۰۹) [1]

سوال:۔ بکری، گائے یا بھینس سے دودھ لیتے وقت دودھ میں مینگنی یا گوبر گر جائے تو اس سے دودھ پر کیا اثر پڑتا ہے؟

دودھ میں مینگنی یا گوبر گر جانے پر دُودھ کا حُکم

الجواب:۔ اگر یہ نجاست دودھ میں حل نہیں ہوئی بلکہ گرنے کے ساتھ ہی نکال لی جائے تو اس سے دودھ کی طہارت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ حل ہونے کی صورت میں دُودھ ناپاک ہو کر قابلِ استفادہ نہیں، تاہم واضح ہو کہ یہ حکم دودھ نکالنے کے وقت سے خاص ہے اگر ایسے وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں گوبر یا مینگنی دودھ میں گر جائے تو دودھ علی الفور ناپاک ہو جائے گا۔

قال الحصکفیؒ: وبعر تی ابل وغنم کما یعفی لو وقعتا فی محلب وقت الحلب فرمیتا فوراً قبل تفتت وتلون۔

قال ابن عابدینؒ: قال فی الفیض: فلا ینجس الا اذا کان کثیراً سواء کان رطباً او یابساً، صحیحاً او منکسراً ولا فرق بین ان یکون للبئر حاجزا ولا هو الصحیح وفی التاتارخانیة ولم یذکر محمد فی الاصل روث الحمار والخثی واختلفوا فیه فقیل ینجس ولو قلیلاً او یابساً وقیل لو یابساً فلا واکثرهم علی انه لو فیه ضرورة وبلوی لا ینجس والا نجس (قوله وقت الحلب) فلو وقعت فی غیر زمان الحلب فهو

---

[1] لما قال العلامة ابو البرکات النسفیؒ: یطهر البدن والثوب بالماء وبمائع مزیل کالخل وماء الورد۔ (کنز الدقائق۔ باب الانجاس ج۱ ص۱۵) ومثله فی الاختیار ج۱ ص۳۵ باب الانجاس

کوقوعها فی سائرالا وانی فتنجس فی الاصح(قوله والتعبیر بالبعرتین)ای فی مسئلتی البئر والمحلب۔ (رد المحتار علی الدر المختار۔فصل فی البئر ج۱ ص۲۲۱) ؎۱

ناپاک شربت کو پاک کرنے کا طریقہ

سوال:۔ اگر کسی برتن میں گنے کا رس پڑا ہو، کتے نے اس برتن میں منہ ڈال کر اس سے کچھ چاٹا، تو کیا باقی ماندہ شربت کو بہا دیا جائے یا گڑ بنانے میں استعمال کیا جائے؟ از روئے شرع اس کی طہارت کا کوئی امکان ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسی مائع چیز کتے کے منہ ڈالنے سے ناپاک ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں اس سے گڑ بنانا یا پینا ناجائز ہے، البتہ فقہاء کے کلام سے اس کی طہارت کا ایک طریقہ معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ شربت کی مقدار سے تین گنا پانی اس میں ڈالا جائے اور پھر آگ سے اس کو اتنا جوش دیا یعنی اُبالا جائے کہ یہ زائد مقدار پانی آگ کے ذریعے ختم ہو جائے تو باقیماندہ حصہ پھر پاک ہوتا ہے۔

قال ابن عابدینؒ: (قوله ویطهر دهن وعسل) قال فی الدرر ولو تنجس العسل فتطهیره ان یصب فیه ماء بقدره فیغلی حتی یعود الی مکانه والدهن یصب علیه الماء فیغلی فیعلو الدهن الماء فیرفع بشئ هکذا ثلاث مرات۔ اھ (رد المحتار علی الدر المختار۔ مطلب فی تطهیر الدهن والغسل ج۱ ص۳۲۴) ؎۲

؎۱ قال ابراهیم الحلبیؒ: وان وقعت ای البعرة والبعرتان فی اللبن وقت الحلب فاخرجت حین وقعت ولم یبق لها لون لم یتنجس اللبن (وبعد اسطر) وفی الکافی قال لا فرق بین الرطب والیابس والصحیح والمنکسر والروث والخثی والبعرة لان الضرورة تشمل الکل والروث اذا کان صلبًا فهو بمنزلة البعرة فی الحکم۔ (کبیری فصل فی البئر ص۱۶۱، ۱۶۲)
ومثله فی الهندیة۔ الباب الثالث فی المیاه ج۱ ص۱۹)

؎۲ قال ابراهیم الحلبیؒ: الا یری الی ما روی عن ابی یوسفؒ فی تطهیر الدهن النجس انه اذا جعل الدهن فی اناء فصب علیه الماء فیعلوا الدهن علی وجه الماء فیرفع بشئ ویراق الماء ثم یفعل هکذا حتی اذا فعل کذلک ثلاث مرات یحکم بطهارة الدهن۔ (کبیری۔ فصل فی الاسار ص۱۴۳)
وَمِثْلُهٗ فی الهندیة۔ الباب السابع فی النجاسة ج۱ ص۴۲ ء

انقلابِ حقیقت سے حکم بدل جاتا ہے

سوال:۔ اگر نمک کی کان میں ناپاک پانی جمع ہوکر نمک بن جائے تو کیا یہ نمک کھانا جائز ہے؟

الجواب:۔ از روئے شرع حقیقتِ اشیاء کی تبدیلی سے اس کا سابقہ حکم باقی نہیں رہتا، لہٰذا صورتِ مذکورہ میں جب ناپاک پانی یا دوسری نجس چیزیں نمک کی کان میں نمک بن جانے کی وجہ سے پاک ہوکر اس نمک کا کھانا حلال ہے۔

قال الحصکفیؒ: ولا ملح کان حمارًا أو خنزیرًا ولا قذر وقع فی بئر فصار حماۃ لانقلاب العین، به یفتی

قال ابن عابدینؒ: مقتضی ما مر ثبوت انقلاب الشئ عن حقیقته کالنحاس الی الذهب وقیل انه غیر ثابت لان قلب الحقائق محال والقدرۃ لاتتعلق بالمحال والحق الاول۔ (رد المحتار علی الدر المختار۔ باب الانجاس ج ۱ ص ۳۲۶) [۱]

نجس چیز سے بنے ہوئے صابن کا حکم

سوال:۔ اگر نجس چیز سے صابن بنایا جائے تو اس صابن کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ یہ صابن پاک ہے اور اس کا استعمال جائز ہے، کیونکہ صابن بنانے سے نجس چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے اور انقلابِ حقیقت کی صورت میں سابقہ حکم بحال نہیں رہتا لہٰذا یہ چیز نجاست سے بدل کر طہارت کے حکم میں داخل ہوئی۔

قال الحصکفیؒ: ویطهر زیت تنجس بجعله صابونًا به یفتی للبلوی کتنور رش بماء نجس لا بأس بالخبز فیه کطین تنجس فجعل منه کوز بعد جعله علی النار یطهر ان لم یظهر فیه اثر النجس بعد الطبخ ذکره الحلبی۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار۔ باب الانجاس ج ۱ ص ۳۱۵، ۳۱۶) [۲]

---

[۱] قال ابراهیم الحلبیؒ: ولو احرقت العذرۃ او الروث فصار کل منهما رمادًا او مات الحمار فی المملحۃ فصار ملحًا او وقع الروث ونحوه فی البئر فصار حماۃ زالت نجاسته وطهر عند محمدؒ حتی لو اکل الملح وصلی علی ذلک الرماد جاز۔ (کبیری۔ فصل فی البئر ص ۱۸۸)

[۲] قال ابراهیم الحلبیؒ: واکثر المشائخ اختاروا قول محمدؒ وعلیه الفتوی لان الشرع رتب وصف النجاسة علی تلک الحقیقة وقد زالت بالکلیة فان الملح غیر العظم واللحم فاذا صارت الحقیقة ملحًا ترتب علیه حکم الملح (وبعد اسطر) وعلی قول محمدؒ فرعوا طهارۃ صابون صنع من دهن نجس وعلیه یتفرع مالو وقع انسان او کلب فی قدر الصابون فصار صابونًا یکون طاهرًا لتبدل الحقیقة۔ (کبیری۔ فصل فی الاسار ص ۱۸۹) ومثله فی خلاصة الفتاوی۔ الفصل السادس فی غسل الثوب والدهن ج ۱ ص ۴۳۔

حلال جانور کے پیشاب اور بول و براز کا حکم

سوال:۔ حلال جانور جن کا گوشت کھایا جاتا ہو ان کا پیشاب اور بول و براز نجاستِ خفیفہ ہے یا نجاستِ غلیظہ؟ اور اگر یہ نجاست کپڑے کے ساتھ لگ جائے تو نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ جن جانوروں کا گوشت حلال ہے تو ان کا پیشاب نجاستِ خفیفہ کے حکم میں ہے، البتہ گوبر نجاستِ غلیظہ ہے، نجاستِ خفیفہ کا حکم یہ ہے کہ کپڑے (مثلاً آستین) کے ربع کے مقدار سے کم میں لگا ہو تو یہ مانع صلوٰۃ نہیں اس سے زیادہ مانع صلوٰۃ ہے جبکہ نجاستِ غلیظہ ایک درہم سے زائد مانع صلوٰۃ ہے۔

قال الحصکفیؒ: وعفا الشارع عن قدر درهم وهو مثقال فی نجس كثيف له جرم وعرض مقعر الكف فی رقيق من مغلظة كعذرة ودم وخمر وخرأ كل طير لا يذرق فی الهواء كبط أهلی ودجاج وروث وخثی افاد بهما نجاسة خرأ كل حيوان غير الطيور وعفی دون ربع جميع بدن وثوب ولو كبيراً من نجاسة مخففة كبول مأكول

قال ابن عابدينؒ: قوله (ولو كبيرا الخ) اعلم انهم اختلفوا فی كيفية اعتبار الربع علی ثلاثة اقوال فقيل ربع طرف اصابته النجاسة، كالذيل والكم والدخريص ان كان المصاب ثوباً وربع العضو المصاب كاليد والرجل ان كان بدناً وصححه فی التحفة والمحيط والمجتبی والسراج وفی الحقائق وعليه الفتوی۔ (رد المحتار علی الدر المختار۔ باب الانجاس ج ۱ ص ۳۱۶ تا ۳۲۲)[1]

کتے کے پیشاب کا حکم

سوال:۔ اگر کتا کسی برتن یا کنوئیں میں پیشاب کر دے تو اس برتن اور کنوئیں کے پانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ کتے کا پیشاب چونکہ نجاستِ غلیظہ ہے لہٰذا اگر پیشاب کا ایک قطرہ

---

[1] وفی الهندية: وكذلك الخمر والدم المسفوح ولحم الميتة وبول ما لا يؤكل والروث واخثاء البقر والعذرة ونجو الكلب وخرأ الدجاج والبط والاوز نجس نجاسة غليظة هكذا فی فتاوی قاضيخان۔ (الهندية۔ الفصل الثانی فی الاعيان النجسة ج ۱ ص ۴۶) ومثله فی فتاوی قاضيخان علی هامش الهندية فصل فی النجاسة التی نصيب الثوب ج ۱ ص ۱۸۔

بھی کنوئیں یا برتن میں گر جائے تو شرعاً کنوئیں اور برتن دونوں کا پاک کرنا ضروری ہے۔

قال ابن نجیمؒ: وانما ینجس ماء البئر کله بقلیل النجاسة لان البئر عندنا بمنزلة الحوض الصغیر الا ان یکون عشراً فی عشر کذا فی فتاوی قاضیخان۔
(البحر الرائق۔ کتاب الطهارة ج ۱ ص۱۱۱) ؎۱

پاک اور ناپاک کے اختلاط کا حکم

سوال:۔ ناپاک پانی پاک مٹی میں ڈالنے سے جو گارا بنتا ہے تو اس گارے کا کیا حکم ہے؟ کیا پانی کی ناپاکی کی وجہ سے یہ گارا ناپاک متصور ہوگا یا پاک مٹی کی وجہ سے پاک جانا جائے گا؟

الجواب:۔ جب پانی اور مٹی دونوں ملائے جائیں خواہ پانی پاک ہو اور مٹی ناپاک یا اس کا عکس ہو تو اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے، بعض نے طہارت اور بعض نے نجاست کو ترجیح دی ہے، قاضی خانؒ اور ابراہیم حلبیؒ نے نجاست کا قول مفتی بہ قرار دیا ہے، لہٰذا ایسا گارا ناپاک متصور ہوگا۔

قال طاهر بن عبد الرشیدؒ: الماء الطاهر اذا اختلط به التراب النجس وصار طیناً او کان الماء نجساً والتراب طاهراً فالعبرة للنجس ایهما کان نجساً فالطین نجس وبه اخذ الفقیه ابو اللیث وهکذا روی عن ابی یوسفؒ۔ (خلاصة الفتاوی۔ الفصل الثامن فی النجاسة ج ۱ ص۴۶) ؎۲

؎۱ قال الحصکفیؒ: اذا وقعت نجاسة لیست بحیوان ولو مخففة او قطرة بول أو دم أو ذنب فارة (وبعد اسطر) ینزح کل مائها الذی کان فیها وقت الوقوع۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار۔ فصل فی البئر ج ۱ ص۲۱۱،۲۱۲)
ومثله فی خلاصة الفتاوی۔ مسائل البئر ج ۱ ص۱۰۔

؎۲ قال ابراهیم الحلبیؒ: الماء والتراب اذا اختلطا وکان احدهما نجساً فالطین الحاصل منهما نجس لان اختلاط النجس بالطاهر ینجسه هذا هو الصحیح کما ذکره قاضیخان وهو اختیار الفقیه ابی اللیث (وبعد اسطر) فلله در الفقیه ابی اللیث ولله در قاضیخان حیث جعل قوله هو الصحیح مشیراً الی ان سائر الاقوال لا صحة لها بل هی فاسدة لان النتیجة تابعة لاخس المقدمتین دائماً۔ (کبیری۔ فصل الآسار ص۱۸۸) ومثله فی الهندیة الفصل الثانی فی الاعیان النجسة ج ۱ ص۴۷۔

واشنگ مشین سے دُھلے ہوئے کپڑوں کا حکم

سوال:۔ واشنگ مشین میں کپڑے کچھ اس انداز سے دھوئے جاتے ہیں کہ ایک ہی بار صابن یا سرف ڈال کر اس میں نجس اور پاک کپڑے ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے دھوئے جاتے ہیں، ان کپڑوں کی پاکیزگی کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگرچہ پہلے نجس پانی سے جملہ کپڑے نجس ہو جاتے ہیں مگر اس دُھلائی کے بعد اس نجس صابن کو نکالنے کے لیے مشین میں ہی بار بار ہر پانی میں کئی بار دھو کر اُن سے یہ نجس صابن نکال دیا جاتا ہے جس کے بعد کپڑوں میں نجس پانی باقی نہیں رہتا اس لیے ازالۂ نجس کے بعد کپڑے پاک ہو جاتے ہیں، لہٰذا واشنگ مشین سے دُھلے ہوئے کپڑے پاک ہیں۔

قال العلامة فخر الدين الزيلعيؒ: والنجس المرئي يطهر بزوال عينه لان تنجس المحل باعتبار العين فيزول بزوالها ولو بمرة.... وغيره بالغسل ثلاثا والعصر كل مرة اى غير المرئي من النجاسة يطهر بثلاث غسلات وبالعصر في كل مرة والمعتبر فيه غلبة الظن۔ (تبيين الحقائق ج ۱ ص۷۵ فصل فى الانجاس)[۱]

شراب کی خالی بوتل کا استعمال

سوال:۔ شراب کی خالی بوتل کا تیل وغیرہ کے لیے استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ شراب بذاتِ خود نجس ہے، جس برتن میں شراب موجود ہو اُس کا استعمال بھی جائز نہیں مگر خوب صاف کرنے کے بعد جب یہ یقین ہو جائے کہ شراب کے آثار

---

[۱] قال العلامة عالم بن العلاء الانصاری: ويجب ان يعلم ان ازالة النجاسة واجبة وازالتها ان كانت مرئية بازالة عينها واثرها ان كانت شيئًا يزول اثرها ولا يعتبر فيه العدد وان كان شيئًا لا يزول اثرها فازالتها بازالة عينها ويكون ما بقي من الاثر عفوًا وان كان كثيرًا...... هٰذا اذا كانت النجاسة مرئية وان كانت غير مرئية كالبول والخمر ذكر فى الاصل وقال يغسلها ثلاث مرات ويعصر فى كل مرة فقد شرط الغسل ثلاث مرات وشرط العصر فى كل مرة۔ (الفتاوى التاتارخانية ج ۱ ص۳۰۶، كتاب الطهارة، الفصل الثامن فى تطهير النجاسات)

ومِثْلُهٗ فى الفقه الاسلامى وادلته ج ۱ ص۱۶۷ التقسيم الثالث۔ تقسيم النجاسة الى مرتبة الخ۔

باقی نہیں رہے تو اُس بوتل یا برتن وغیرہ کو استعمال کرنا جائز ہے ۔

قال النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم: نہیتکم عن النبیذ الا فی سقاء فاشربوا فی الاسقیۃ کلھا ولا تشربوا سکرًا ۔ (شرح طیبی ج ۱ ص۱۳۸ کتاب الایمان، الفصل الاول) [1]

شیر خوار بچے کے پیشاب کا حکم

سوال: جناب مفتی صاحب! اگر شیر خوار بچہ کپڑوں پر پیشاب کردے تو کپڑوں کا دھونا ضروری ہے یا کہ شیر خوار بچے کا پیشاب پاک ہے؟

الجواب: شیر خوار بچے کا پیشاب بھی بڑوں کی طرح نجس ہے، اس کی وجہ سے کپڑوں کو دھونا چاہیئے، البتہ فرق اتنا ہے کہ شیر خوار بچے کے پیشاب سے بچنا مشکل ہوتا ہے اسلئے اس صورت میں پورے کپڑے کا دھونا ضروری نہیں صرف پیشاب کی جگہ پر اتنا پانی بہادے کہ اس پانی سے یہ کپڑا تین مرتبہ بھیگ سکے، تو کافی ہے ۔

قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وبول ما لا یؤکل لحمہ کالآدمی ولو رضیعا ۔
قال الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: (قولہ ولو رضیعا) لم یطعم سواء کان ذکرًا او انثیٰ ۔ (طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۱۲۳ باب الانجاس) [2]

چمگادڑ کے پیشاب کا حکم

سوال: یہاں ہمارے علاقہ میں چمگادڑ بہت ہیں، کبھی کبھی وہ پیشاب ہمارے کپڑوں پر کرجاتے ہیں لیکن ہمیں پتہ بھی نہیں چلتا اور اسی حالت میں نماز پڑھ لیتے ہیں، تو ایسے کپڑوں میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: اگرچہ قاعدہ کی رُو سے غیر ماکول اللحم کا پیشاب وغیرہ نجاستِ غلیظہ ہے مگر چمگادڑ بوجہ مجبوری کے اس حکم سے مستثنیٰ ہے اس لئے کہ ان سے احتراز (بچنا) ممکن نہیں لہٰذا چمگادڑ کا پیشاب وبیٹ پاک ہے اور اُن کپڑوں کے ساتھ جن پر چمگادڑ کا پیشاب وغیرہ لگا ہو

---

[1] قال العلامۃ مُلّا علی قاریؒ: فلما مضت مدۃ اباح النبی صلی اللہ علیہ وسلم استعمال ھٰذہ الظروف فان اثر الخمر زال عنھا ۔ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص۹۱ کتاب الایمان، الفصل الاول)
ومثلہٗ فی حاشیۃ مشکوٰۃ ج ۱ ص۱۳ کتاب الایمان الفصل الاول)

[2] قال العلامۃ الحصکفیؒ: وبول غیر ماکول ولو من صغیر لم یطعم ۔ قال ابن عابدینؒ: (تحت قولہ لم یطعم) ای لم یاکل فلا بد من غسلہ ۔ (ردالمحتار ج ۱ ص۳۱۸ باب الانجاس مطلب فی طہارۃ بولہ)

پڑھی گئی نماز بھی درست ہے۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وبول غیر ماکول ولو من صغیر لم یطعم الا بول الخفاش وخرأه۔
قال ابن عابدینؒ: تحته ..... فی البدائع وغیرہ: بول الخفافیش وخرؤھا لیس بنجس لتعذر صیانة الثوب والاوانی عنها لأنها تبول من الهواء وهی فارة طیارة فلهذا تبول اھ۔ ومقتضاه ان سقوط النجاسة للضرورة۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۱۹ باب الانجاس) [1]

کنوئیں میں رہنے والے مینڈک کے پیشاب کا حکم

سوال:۔ گرامی قدر مفتی صاحب! ہمارے گھر کے کنوئیں میں مینڈک بہت ہیں، اگر وہ پانی میں پیشاب کر دیں تو اس کنوئیں کے پانی کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ فقہی اصول اور قواعد سے معلوم ہوتا ہے کہ مینڈک کا پیشاب ناپاک ہے اسلئے کہ بول غیر ماکول اللحم نجاست غلیظہ ہے، صورت مسئولہ میں مینڈک چونکہ پانی ہی میں رہتا ہے تو عدم احتراز کی وجہ سے بوجہ ضرورت نجس نہیں یعنی کنوئیں کا پانی ناپاک نہ ہوگا۔

قال العلامة الحصکفیؒ: وبول غیر ماکول ولو من صغیر لم یطعم الا بول الخفاش وخرأه فطاهر وکذا بول الفارة لتعذر التحرز عنه وعلیه الفتویٰ۔
(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۳۱۸ باب الانجاس) [2]

نجس مٹی سے بنے ہوئے برتن کے استعمال کا حکم

سوال:۔ اگر کمہار برتن بنانے کے لیے مٹی کو نجس پانی سے گوندھے تو کیا پلید مٹی سے بنے ہوئے پختہ برتن کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ کسی نجس (پلید) شے کی تطہیر کے مختلف طریقے ہیں، ان طریقوں میں آگ بھی ہے، صورت مسئولہ میں چونکہ نجس مٹی آگ میں پک چکی ہے اس لیے آگ کے ذریعے نجاست کا

---

[1] قال العلامة ابو بکر الکاسانیؒ: وبول الخفافیش وخرؤھا لیس بنجس لتعذر صیانة الثیاب والاوانی عنه لأنها تبول فی الهواء وهی فأرة طیارة فلهذا تبول۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۶۲ فصل واما الطهارة الحقیقیة)

[2] قال الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: بول الفأرة طاهر لتعذر التحرز عنه وعلیه الفتویٰ یحمل علی العفو۔ (طحطاوی حاشیه مراقی الفلاح ص۱۲۳ فصل فی الانجاس)

ازالہ ہو چکا ہے اور برتن پاک ہو چکا ہے، اس لیے ایسے برتن کا استعمال جائز ہے۔

قال العلامۃ ابن نجیمؒ : فی الفتاوی اذا احترقت الارض بالنار فتیمم بذلک التراب قیل یجوز التیمم وقیل لایجوز والاصح الجواز۔ (البحر الرائق ج۱ ص۲۲۶، ۲۲۸ باب الانجاس) لہ

مردار جانور کی کھال کا حکم

سوال:۔ اگر کسی کا جانور مردار ہو جائے تو اس کی کھال اتارنے کے بعد اس کا استعمال کرنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ حدیث شریف کی رُو سے مطلقاً کسی بھی جانور کی کھال اتار کر سکھائی جائے یا کسی اور ذریعے سے اس کو رنگا جائے یا دباغت دی جائے تو وہ کھال پاک ہو جاتی ہے، اس لیے مردار جانور کی کھال کو دباغت دینے کے بعد استعمال کرنا جائز ہے۔

لما اخرجہ الامام ابو عیسیٰ الترمذیؒ : عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما اھاب دبغ فقد طھر۔ (الجامع الترمذی ج۱ ص۳۰۳ باب ما جاء فی جلود المیتۃ اذا دبغت) لہ۲

خنزیر کے بالوں سے بنائے گئے بُرش کے استعمال کا حکم

سوال:۔ آجکل دانتوں کی صفائی کے لیے جو بُرش استعمال کیا جاتا ہے بعض میں خنزیر کے بال استعمال ہوتے ہیں، کیا ایسے بُرش سے دانتوں کی صفائی کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ دانتوں کی صفائی کے لیے جو بُرش استعمال کیا جاتا ہے اگر اس میں خنزیر کے بال استعمال ہوتے ہوں تو اس کا استعمال جائز نہیں۔

لما قال الحصکفیؒ : وشعر المیتۃ غیر الخنزیر علی المذھب۔ قال ابن عابدینؒ : تحت (قولہ علی المذھب) ای علی قول ابی یوسفؒ الذی ھو ظاھر الروایۃ أن شعرہ نجس، وصححہ

لہ وفی الھندیۃ : ومنھا الاحراق ..... الطین النجس اذا جعل منہ الکوز او القدر فطبخ یکون طاھراً کذا فی المحیط۔ (الفتاوی الھندیۃ ج۱ ص۴۴ الباب السابع فی الانجاس، الفصل الاول فی تطھیر الانجاس)

لہ۲ عن ابن عباسؓ قال تصدق علی مولاۃ لمیمونۃؓ بشاۃ فماتت فمر بھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ھلا اخذتم اھابھا فدبغتموہ فانتفعتم بہ فقالوا انھا میتۃ قال انما حرام اکلھا۔ (الصحیح البخاری ج۱ ص۸۳۰ باب جلود المیتۃ)

ومثلہٗ فی کبیری ص۱۵۳ فصل فی الانجاس)

فی البدائع ورجحه فی الاختیار...... وعن محمد طاهر: لضرورة استعماله ای للخرازین۔ قال العلامة المقدسی: وفی زماننا استغنوا عنه ای فلا یجوز استعماله لزوال الضرورة الباعثة للحکم بالطهارة۔ (رد المحتار ج۱ ص۲۰۶ باب الانجاس) لہ

لعابِ دہن سے قرآنِ مجید کی ورق گردانی کرنا

سوال:۔ قرآنِ کریم کی ورق گردانی کے وقت انگلیوں پر منہ کا لعاب لگا کر ورقہ الٹایا جاتا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ قرآنِ کریم کی ورق گردانی کے لیے لعابِ دہن لگانے کی صورت مسئلہ طہارۃِ سؤر وعدمِ طہارۃ پر مبنی ہے، چونکہ انسان کا سؤر (جھوٹا) پاک ہے اس لیے ورق گردانی کیلئے انگلیوں کے ساتھ لعابِ دہن لگانے میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔

قال الحصکفیؒ: فسؤر آدمی مطلقاً ولو جنباً او کافراً او امرأۃ...... (طاهر) طهور بلا کراهة۔ قال ابن عابدینؒ (قوله طاهر) ای فی ذاته طهور: ای مطهر لغیره من الاحداث والاخباث۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۲۲۲ مطلب فی السؤر) ؎۲

جانور کو ناپاک چیز کھلانے کا حکم

سوال:۔ عموماً لوگ ناپاک چیز جانوروں کو کھلا دیتے ہیں، کیا ناپاک چیز جانوروں کو کھلانا یا پلانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر ناپاک چیز کا وصفِ نجاست کی وجہ سے تبدیل ہو چکا ہو تو اس کا انتفاع ہر حال میں ناجائز ہے اور اگر صفت تبدیل نہ ہوئی ہو تو جانوروں وغیرہ کو کھلانا یا پلانا جائز ہے، البتہ متغیر الوصف ناپاک چیز کو جانور خود کھائے تو کوئی حرج نہیں۔

لہ قال ابوبکر الکاسانیؒ: واما الخنزیر فقد روی عن ابی حنیفةؒ انه نجس العین لان الله تعالیٰ وصفه بکونه رجساً فیحرم استعمال شعره وسائر اجزائه الا انه رخص فی شعره للخرازین للضرورة۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۶۳ فصل فی الطهارة الحقیقیة)

ومِثلُهٗ فی البحر الرائق ج۱ ص۱۰۱ باب الانجاس۔

؎۲ قال مولانا اشرف علی تھانویؒ: مسئلہ فقہیہ سؤر الآدمی طاہر سے لعابِ دہن کی طہارت ظاہر ہے اور تقبیل حجرِ اسود کی مسنونیت سے اس لعاب کے لگنے کا خلافِ ادب نہ ہونا بھی ظاہر ہے جو کہ تقبیل میں محتمل ہے اس سے اس طرح ورق گردانی مصحف کا جواز یقینی ہے۔ (امداد الفتاویٰ ج۱ ص۳۹ فصل فی الآسار)

قال ابن عابدینؒ: الماء اذا وقعت فیه نجاسة فان تغیر وصفه لم یجز الانتفاع به بحال ولاجاز کبل الطین وسقی الدواب۔ (ردّ المحتار ج ۱ ص ۱۲۸)

کُتے کا منہ اگر کپڑے کو لگ جائے تو...؟

سوال:۔ بعض لوگ کُتوں کو شوقیہ طور پر پالتے ہیں اور اُن سے کھیلتے ہیں، اسی دوران کُتا قمیض، شلوار یا چادر کو منہ میں پکڑ لیتا ہے، تو اب اس قمیض، شلوار اور چادر وغیرہ کی طہارت کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ کُتے کا لعاب ناپاک ہے، اگر قمیض وغیرہ پر لعاب کی تری ظاہراً محسوس ہوتی ہو تو کپڑا ناپاک ہے ورنہ نہیں۔

لما فی الهندیة: الکلب اذا اخذ عضو انسان او ثوبه لاینجس مالم یظهر فیه اثر البلل راضیا کان او غضبان۔ (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۴۸ الباب السابع فی الانجاس، الفصل الثانی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات کا حکم

سوال:۔ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضلات پاک ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ علماء کرام کی تحقیقات کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رطوبات طاہر ہیں اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شاربین پر نکیر نہیں فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکیر نہ فرمانا حدیثِ تقریری ہے جو بالاجماع حُجتِ شرعی ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: صحح بعض ائمة الشافعیة طهارة بوله صلی الله علیه وسلم وسائر فضلاته۔ وبه قال ابوحنیفةؒ کما نقله فی المواهب اللدنیة عن شرح البخاری للعینی وصرح به البیری فی شرح الاشباه ۔ قال الحافظ ابن حجر تظافرت الأدلة علی ذلک وعد الائمة ذلک من خصائصه صلی الله علیه وسلم ونقل بعضهم عن شرح المشکوٰة لملا علی القاری أنه قال اختاره کثیر من اصحابنا۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۳۱۸ باب الانجاس مطلب فی طهارة بوله صلی الله علیه وسلم)[1]

---

[1] قال الملا علی القاریؒ فی جمع الوسائل: قال ابن حجر: وبهذا استدل جمع من ائمتنا المتقدمین وغیرهم علی طهارة فضلاته صلی الله علیه وسلم وهو المختار وفاقاً لجمع من المتاخرین فقد تکاثرت الادلة علیه وعده الائمة من خصائصه۔ (جمع الوسائل شرح الشمائل ج ۲ ص ۳ باب ماجاء فی تعطر رسول الله صلی الله علیه وسلم)

گوبر کے اُپلے استعمال کرنے اور بیچنے کا حکم

سوال:۔ اکثر دیہاتوں میں گوبر کے اُپلے جلا کر کھانا وغیرہ تیار کیا جاتا ہے اور بعض لوگ ان کو فروخت بھی کرتے ہیں، تو کیا گوبر کے اُپلوں کو جلانا اور فروخت کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ فقہاء کرام کی وضاحت اور صریح عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ گوبر کے اُپلوں کو کھانا وغیرہ پکانے کے لیے جلانے اور فروخت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله کسرقین وبعر) والمراد انه یجوز بیعهما ولو خالصین۔ وفی البحر عن السراج ویجوز بیع السرقین والبعر والانتفاع به والوقود به۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۵۸ باب فی البیع الفاسد۔ قبل مطلب الآدمی مکرم) [1]

زندہ سانپ کے جامے کا حکم

سوال:۔ بعض حکیم لوگ زخمی شخص کو سانپ کا جامہ (وہ چھلکا جو سانپ خود اتارتا ہے) بطور علاج استعمال کراتے ہیں، شرعاً اس کا استعمال کیسا ہے؟ اور کیا اس کے ساتھ نماز ہو جائے گی؟

الجواب:۔ مسلمان طبیبِ حاذق مریض کے لیے جو بھی دوا تجویز کرے اُس کا استعمال جائز ہے، جہاں تک صورتِ مسئولہ میں سانپ کے جامے کے استعمال کا مسئلہ ہے تو فقہاء کرام کی تصریحات کے مطابق سانپ جب اپنا جامہ حالتِ حیات میں خود اتارے، پاک ہے۔ لہٰذا اس کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے۔

لما فی الهندیة: قمیص الحیة الصحیح انه طاهر، کذا فی الخلاصة۔
(الفتاوى الهندیة ج ۱ ص ۴۶ باب الانجاس) [2]

---

[1] قال العلامة ابن نجیمؒ: یجوز بیع السرقین والبعر والانتفاع به والوقود کذا فی السراج الوهاج۔ (البحر الرائق ج ۶ ص ۷۰ کتاب البیوع۔ باب البیع الفاسد)

[2] قال العلامة طاهر بن عبد الرشید البخاریؒ: وفی سخة القاضی الامام وقمیص الحیة الصحیح انه طاهر۔ (خلاصة الفتاوى ج ۱ ص ۴۲ الفصل السابع فیما یکون نجسا الخ)

باب الاستنجاء

(استنجاء کے احکام ومسائل)

کشفِ عورت کی صورت میں استنجاء کا حکم

سوال:۔ جب استنجاء کے لیے باپردہ جگہ نہ ہو تو کیا ایسی جگہ پر بیٹھ کر استنجاء کرنا جائز ہے جہاں کشفِ عورت کا امکان ہو؟

الجواب:۔ استنجاء کرنے میں جب کشفِ عورت کا خطرہ ہو تو استنجاء چھوڑ کر وضو کرنا جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ: بلا کشفِ عورة عند احد ما معہ فیترکہ کما مرّ فلو کشف لہ صار فاسقاً۔ قال ابن عابدینؒ: قولہ فلو کشف لہ صار فاسقاً ای للاستنجاء بالماء قال نوح أفندی لان کشف العورة حرام ومرتکب الحرام فاسق سواء تجاوز النجس المخرج اولا وسواء کان المجاوز اکثر من الدرھم او اقل۔
(رد المحتار علی الدر المختار فصل فی الاستنجاء ج۱ ص۳۳۸) [۱]

قدرِ درہم سے زیادہ نجاست معاف نہیں

سوال:۔ پیشاب کرنے کے بعد جب ڈھیلے استعمال کر لیے جائیں تو کیا پھر پانی سے استنجاء کرنا ضروری ہے؟ اگر کسی جگہ پانی سے استنجاء کرنے کی فرصت نہ ہو تو کیا صرف ڈھیلوں سے استنجاء پر اکتفاء کیا جا سکتا ہے؟

الجواب:۔ اگر نجاست درہم کے اندازہ سے تجاوز کر گئی ہو تو دوبارہ پانی سے استنجاء کرنا ضروری ہے، البتہ اگر درہم کے اندازہ سے نجاست کم ہو یا بالکل نہ ہو تو پھر ڈھیلوں کے استعمال پر اکتفاء جائز ہے، تاہم ایسی صورت میں بھی پانی سے استنجاء کرنا بہتر اور افضل ہے۔

---

[۱] وفی الھندیة: والاستنجاء بالماء افضل ان امکنہ ذلک من غیر کشف العورة وان احتاج الی کشف العورة یستنجی بالحجر ولا یستنجی بالماء۔
(الھندیة الفصل الثالث فی الاستنجاء ج۱ ص۴۸) ومِثلُہٗ فی خلاصة الفتاوی۔ الاستنجاء ج۱ ص۳۵

قال ابراهیم الحلبیؒ: اما ان زادت النجاسۃ المتجاوزۃ عن المخرج علیٰ قدر الدرہم فغسلہٗ ای النجس او المخرج فرض اجماعاً۔ (کبیری۔ آداب الوضوء ص۲۹)

وقال ابن عابدینؒ: ثم اعلم ان الجمع بین الماء والحجر افضل ویلیہ فی الفضل الاقتصار علی الماء ویلیہ الاقتصار علی الحجر وتحصل السنۃ بالکل وان تفاوت الفضل کما افادہ فی الامداد۔ (رد المحتار علی الدر المختار۔ فصل الاستنجاء ج۱ ص۳۳۸) [1]

ٹائلٹ پیپر سے استنجاء کرنے کا حکم

سوال: آجکل خاص قسم کا کاغذ ملتا ہے جو لکھنے کے لیے استعمال نہیں ہوسکتا، صرف استنجاء کیلئے بنایا گیا ہے، کیا اس پر کاغذ کے نام کی وجہ سے استنجاء جائز ہے؟

الجواب: کاغذ سے استنجاء کے عدم جواز کی علت، عظمت اور تقدس ہے کیونکہ کاغذ عموماً لکھنے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور ٹائلٹ پیپر چونکہ خصوصی طور پر استنجاء کیلئے تیار کیا گیا ہے اس لیے مروجہ ٹائلٹ پیپر میں کاغذ کی خصوصیات نہ ہونے کی وجہ سے اس سے استنجاء جائز اور مشروع ہے۔

قال ابن عابدینؒ: واذا کانت العلۃ فی الابیض کونہ آلۃ للکتابۃ کما ذکرناہ یؤخذ منہا عدم الکراہۃ فیما لا یصلح لہا اذا کان قالعاً للنجاسۃ غیر متقوم کما قدمناہ من جوازہ بالخرق البوالی وہل اذا کان متقوماً ثم قطع منہ قطعۃ لا قیمۃ لہا بعد القطع یکرہ الاستنجاء بہا ام لا الظاہر الثانی۔

(رد المحتار علی الدر المختار فصل الاستنجاء ج۱ ص۳۴۰) [2]

استنجاء کے وقت سلام کا حکم

سوال: استنجاء کرتے وقت سلام کرنے یا سلام کا جواب دینے کا کیا حکم ہے؟

---

[1] وفی الہندیۃ: والثانی اذا تجاوزت مخرجہا یجب عند محمد رحمہ اللہ قل او کثر وہو الاحوط۔ (الہندیۃ۔ الفصل الثالث فی الاستنجاء ج۱ ص۵) ومثلہٗ فی الہدایۃ فصل فی الاستنجاء ج۱ ص۷۶

[2] قال العلامۃ محمد یوسف البنوریؒ: لہ المراد من الحجر فی الحدیث کل شیٔ طاہر غیر محترم قالع للنجاسۃ سواء کان حجراً او مدراً او غیرہما۔

(معارف السنن ج۱ ص۱۱۱ باب الاستنجاء بالحجارۃ)۔

الجواب: فقہاء نے پیشاب کرتے وقت سلام کرنے کو مکروہ لکھا ہے، استنجاء کرتے وقت اگر تقاطر بول یعنی پیشاب کے قطرے گرتے ہوں تو اس حکم کی رُو سے اس وقت بھی سلام مکروہ ہے اور اگر تقاطر بول نہ ہو تو پھر بھی بے ادبی سے خالی نہیں، اس لیے ایسے مواقع پر سلام کرنے سے اجتناب کیا جائے اور اگر کوئی شخص سلام کرے تو استنجا کے بعد جواب دے دے، کیونکہ سلام کے جواب میں تاخیر جائز ہے۔

قال ابن عابدینؒ: عبارة الغزنوية ولا يتكلم فيه: اى فى الخلاء: وفى الضياء عن بستان ابى الليث يكره الكلام فى الخلاء وظاهره انه لا يختص بحال قضاء الحاجة۔ (رد المحتار على الدر المختار۔ فصل فى الاستنجاء ج ۱ ص ۳۴۴) ؎۱

پانی سے استنجاء کا حکم

سوال: اگر پیشاب کرنے کے بعد ایک شخص صرف پانی کے استعمال پر اکتفاء کرے یعنی ڈھیلہ استعمال نہ کرے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

الجواب: ڈھیلے سے صفائی کے بعد پانی سے استنجا کرنا مستحب ہے اور صفائی نہ ہونے کی صورت میں جب نجاست قدر الدرہم سے زیادہ ہو تو پانی سے استنجا واجب ہے البتہ صرف پانی سے اکتفاء بھی جائز ہے، لیکن اس میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ پانی کے استعمال سے قبل تقاطر بول بند ہو ورنہ اس کے بغیر کپڑوں کے ناپاک ہونے کا اندیشہ ہے۔

قال الحصکفیؒ: ويعتبر القدر المانع لصلوٰة فيما وراء موضع الاستنجاء لان ما على المخرج ساقط شرعاً۔ قال ابن عابدینؒ (قوله ويعتبر... الخ) اى خلافاً لمحمدؒ والحاصل ان ما جاوز المخرج ان زاد على الدرهم فى نفسه يفترض غسله اتفاقاً وان زاد بضم ما على المخرج اليه لا يفترض عندهما وعند محمدؒ يفرض غسله بناء على أنّ ما على المخرج فى حكم الظاهر عنده فلا يسقط اعتباره وبضم (وبعد اسطر) وقد مناعن الاختيار انه الاحوط۔ (رد المحتار على الدر المختار۔ فصل فى الاستنجاء ج ۱ ص ۳۳۹) ؎۲

؎۱ وفى الهندية: ولا يتكلم ولا يذكر الله تعالىٰ ولا يشمت عاطساً ولا يرد السلام ولا يجيب المؤذن۔ (الهندية۔ الفصل الثالث فى الاستنجاء ج ۱ ص ۵) ومثله فى البحر الرائق باب الانجاس ج ۱ ص ۲۴۳۔

؎۲ قال ابراهيم الحلبىؒ: ومن الآداب ان يغسل مخرج النجاسة بعد الاحجار اذا لم يتجاوز النجاسة مخرجها اما اذا جاوزت مخرجها والحال انها لم تكن قدر الدرهم فغسله سنة وان كان قدر الدرهم فغسله واجب۔ (كبيرى۔ آداب الوضوء ج ۱ ص ۲۸، ۲۹) ومثله فى الهندية الفصل الثالث فى الاستنجاء ج ۱ ص ۵۔

دائیں ہاتھ سے استنجاء کا حکم

سوال: دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنے کا کیا حکم ہے؟

الجواب: دائیں ہاتھ کی شرافت کی وجہ سے استنجاء یا پاکی جیسے امور میں اس کا استعمال مکروہ ہے، البتہ بوجہ عذر مجبوری کی حالت میں کوئی حرج نہیں۔

لما قال العلامة شرنبلالی: یکرہ الاستنجاء بالید الیمنی الا من عذر ـــ قال احمد الطحطاوی تحته: فانه یفید عدم الکراهة بالیمین حال العذر وهو کذلك۔

(الطحطاوی حاشیة مراقی الفلاح ص۳۹ فصل فیما یجوز به الاستنجاء ومایکرہ) [۱]

استنجاء کے لیے پانی کی مقدار

سوال: استنجاء کے لیے پانی کی کوئی خاص مقدار مقرر ہے یا نہیں؟ اگر ایک شخص زیادہ پانی استعمال کرے تو اسراف کے حکم میں داخل ہو کر وہ شخص گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کے استعمال میں اعتدال اور میانہ روی کی ترغیب دی ہے، لیکن استنجاء کی حالت میں خاص مقدار کی تعیین نہیں، یہ نجاست کی کمی اور زیادتی یا اشخاص کے اعتبار سے متفاوت ہے، جب تک ازالۂ نجاست کے بارے میں غالب ظن نہ ہو تو پانی کا استعمال جائز ہے۔

قال الحصکفیؒ: والغسل بالماء الی ان یقع فی قلبه انه طهر مالم یکن موسوسًا فیقدر بثلاث۔

قال ابن عابدینؒ: (قوله فیقدر بثلاث) وقیل بسبع للحدیث الوارد فی ولوغ الکلب معراج عن المبسوط۔

(رد المحتار علی الدر المختار فصل فی الاستنجاء ج۱ ص۳۳۷، ۳۳۸) [۲]

---

[۱] وفی الهندیة: ویکرہ الاستنجاء بالعظم والروث والرجیع والطعام واللحم والزجاج وکذا بالیمین هکذا فی التبیین ـــ واذا کان بالیسری عذر یمنع الاستنجاء بها جاز ان یستنجی بیمینه من غیر کراهة۔ (الهندیة۔ الفصل الثالث فی الاستنجاء ج۱ ص۵۰)

[۲] قال برهان الدینؒ: ویستعمل الماء الی ان یقع فی غالب ظنه انه قد طهر ولا یقدر بالمرات الا اذا کان موسوسًا فیقدر بالثلاث فی حقه وقیل السبع۔

(الهدایة۔ فصل فی الاستنجاء ج۱ ص۷۵) ومثله فی مراقی الفلاح فصل فی الاستنجاء ص۲۷۔

مغربی طرز کے بیت الخلاء میں پیشاب کرنا

سوال :- آجکل بعض مقامات پر مغربی طرز کے بیت الخلاء بنائے جاتے ہیں جن میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا پڑتا ہے، کیا اس قسم کے بیت الخلاء میں پیشاب کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- کھڑے ہو کر پیشاب کرنا اگرچہ بوقتِ ضرورت جائز ہے لیکن بلا ضرورت کھڑے ہو کر پیشاب کرنا خلافِ سنت ہے۔ البتہ آجکل مغربی تہذیب کے مطابق بنائے گئے بیت الخلاء کے استعمال میں ایک تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مبارکہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے اور دوسرے کفار کے ساتھ تشبہ کا لزوم، اس لیے مغربی طرز کے مطابق بنائے گئے بیت الخلاء میں اسی تہذیب کے مطابق کھڑے ہو کر پیشاب وغیرہ کرنا مناسب نہیں۔

لما قال الحصكفیؒ : وكره تحريماً استقبال قبلة واستدبارها..... وان يبول قائماً او مضطجعاً او مجرداً من ثوبه بلا عذر۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۴۱، ۳۴۴ فصل فی الاستنجاء)[۱]

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا حکم

سوال :- جہادِ افغانستان میں بعض اشخاص کے پاؤں کٹ چکے ہیں اور بعض کو کمر میں شدید درد کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا پڑتا ہے، کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :- اسلام نے نجاست سے بچنے کا حکم دیا ہے اور اس کی بہت تاکید کی ہے کہ پیشاب کے چھینٹوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں کہ اکثر عذابِ قبر اسی وجہ سے ہوتا ہے، اس لیے فقہاء کرام نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے تاہم اگر کسی معقول عذر کی وجہ سے بیٹھ کر پیشاب کرنا ممکن نہ ہو تو کھڑے ہو کر کرنا بھی جائز ہے۔

لما قال حسن بن عمارؒ : ويكره البول قائماً لتنجسه غالباً الا من عذر كوجع بصلبه الخ (مراقی الفلاح علی صدر حاشية طحطاوی ص ۲۲ فصل فيما يجوز به الاستنجاء وما يكره به الخ)[۲]

---

[۱] وفی الهندية : يكره ان يبول قائماً او مضطجعاً۔ (الهندية ج ۱ ص ۵۰، ۵۱ باب الاستنجاء)

[۲] قال السيد يوسف البنوریؒ : ان البول قائماً وان كانت فيه رخصة والمنع للتأديب لا للتحريم كما قاله الترمذی ولكن اليوم الفتوی علی تحريمه اولی حيث اصبح شعاراً لغير المسلمين من الكفار واهل الاديان الباطلة۔

(معارف السنن ج ۱ ص ۱۰۶ باب النهی عن البول قائماً)

استنجاء کرتے وقت شمال کی طرف منہ کرنے کا حکم

سوال:۔ ہمارے علاقہ میں یہ مشہور ہے کہ شمال کی طرف چھوٹا قبلہ ہے اور مغرب کی طرف بڑا قبلہ، تو کیا جس طرح پیشاب و پاخانہ کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ یا پُشت کرنا جائز نہیں شمال کی طرف بھی ایسا ہی حکم ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ احادیثِ مبارکہ میں قبلہ (کعبہ) کی طرف استنجاء کے وقت منہ یا پُشت کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے اور اس کے متبادل بقیہ دونوں طرف منہ یا پُشت کرنے کا حکم ہوا ہے، اب یہ دونوں اطراف کے علاقے جغرافیائی نظام کے مطابق ہوں گے، یعنی جہاں کعبہ مغرب یا مشرق کے جانب ہو تو اس کے دونوں اطراف شمال وجنوب ہے اور جہاں کعبہ شمال یا جنوب کی طرف ہو تو وہاں کے رہنے والوں کو مشرق ومغرب کی طرف منہ کرنے کا حکم ہے۔

عن ابی ایوب الانصاریؓ: قال النبی صلی الله علیہ وسلم اذا اتیتم الغائط لا تستقبلوا القبلة ولا تستدبروها لکن شرّقوا او غرّبوا۔[۱] (الجامع الترمذی ج۱ ص۸ باب فی النہی عن استقبال القبلۃ بغائط الخ)

گھاس وغیرہ سے استنجاء کرنے کا حکم

سوال:۔ گھاس اور درخت کے پتوں یا ہڈی سے استنجاء کرنا کیسا ہے؟

الجواب:۔ ہر ذی شرف یا حیوان یا جن یا انسان کے ماکولات سے شریعتِ مقدسہ نے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔ چونکہ گھاس اور درختوں کے پتے مویشیوں کی خوراک ہے اور ہڈی میں جنات کے لیے خوراک ہے، اس لیے ان کے ساتھ استنجاء کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

لما قال الحصکفیؒ: وکرہ تحریماً بعظم وطعام وروث یابس کعذرۃ یابسۃ ..... و فحم وعلف حیوان۔ (الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار ج۱ ص۳۳۹،۳۴۱ باب الانجاس، فصل فی الاستنجاء)[۲]

---

[۱] قال الحصکفیؒ: کما کرہ تحریماً استقبال قبلۃ واستدبارھا لاجل بول او غائط..... ولو فی بنسیان لاطلاق النہی۔ (الدر المختار علیٰ صدر ردالمحتار ج۱ ص۳۴۱ فصل فی الاستنجاء)

وَمِثْلُہٗ فی مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۲۸ فصل فی الاستنجاء۔

[۲] وفی الھندیۃ: ویکرہ الاستنجاء بالعظم والروث والرجیع والطعام واللحم والزجاج والخزف وورق الشجر والشعر۔ (الھندیۃ ج۱ ص۵۰ الفصل الثالث فی الاستنجاء)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۱ ص۲۴۲،۲۴۳ فصل فی الاستنجاء۔

استنجا کرکے ہاتھ دھونے کے باوجود بدبو محسوس ہوتے کا حکم

سوال:۔ پانی سے استنجاء کرنے کے بعد ہاتھوں پر کبھی کبھی بدبو محسوس ہوتی ہے جبکہ ہاتھوں پر نجاست کا کوئی وجود بھی نہیں ہوتا، کیا اس طرح بدبو کی موجودگی میں ہاتھ پاک ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ پانی سے استنجاء کرنے کے بعد ہاتھوں پر بدبو رہ جائے تو بدبو کی موجودگی میں ہاتھ پاک ہیں جیسا کہ ہندیہ میں ہے: وتطهر الید مع طهارة موضع الاستنجاء۔ (الهندیة ج ۱ ص۴۹) لیکن بہتر یہ ہے کہ استنجاء کے بعد دوبارہ بھی ہاتھوں کو دھویا جائے تاکہ خوب تنقیہ و نظافت حاصل ہو جائے، جیسا کہ ہندیہ میں ہے: ویغسل یده کما یکون یغسلها قبله لیکون انقی و انظف وقد روی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم غسل یده بعد الاستنجاء و دلك یده علی الحائط، کذا فی التجنیس۔ (الهندیه ج ۱ ص۴۹۔ الفصل الثالث فی الاستنجاء)

عورتوں کے لیے بھی ڈھیلے کا استعمال ضروری ہے

سوال:۔ مرد کے لیے تو پیشاب و پاخانہ کے بعد ڈھیلے سے استنجاء ضروری ہے تو کیا عورتوں کے لیے بھی یہی حکم ہے؟

الجواب:۔ ڈھیلے کے ساتھ استنجاء کرنا جس طرح مردوں کے لیے مستحب ہے اسی طرح عورتوں کے لیے بھی مستحب ہے، ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے مزید پاکی حاصل کرنا زیادہ اولیٰ ہے البتہ مردوں پر استبراء ضروری ہے عورتوں پر نہیں۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: قلتُ بل صرح فی الغزنویة بانها تفعل کما یفعل الرجل الا فی الاستبراء فانها لا استبراء علیها بل کما فرغت من البول والغائط تصبر ساعة لطیفة ثم تمسح قبلها و دبرها بالاحجار ثم تستنجی بالماء۔ (رد المحتار ج ۱ ص۳۳۷ فصل فی الاستنجاء)[2]

---

[1] قال الشیخ عبدالحی الکھنویؒ: بزوال عین نجاست و جرمش طهارتِ بدن میشود واما اثر نجاست یعنی رنگ و بوئی، پس باید کہ بآب شستہ این را زائل نماید و از ہمین جاست کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم دست مبارک خود را بعد استنجاء میشوئید و بر دیوار مے مالید تا اثر باقی نماند و اگر ازالہ آں دشوار بود یعنی محتاج صابون وغیرہ باشد بقاء آں لاباس بہ است الخ۔ (مجموعة الفتاوی فارسی ج ۳ ص۳۳، ۳۴، فصل فی الاستنجاء)

[2] وفی الهندیة: والمرأة تفعل فی جمیع الاوقات مثل ما یفعل الرجل فی الشتاء۔

(الفتاوی الهندیه ج ۱ ص۴۸ الفصل الثالث فی الاستنجاء)

صرف ڈھیلے سے استنجاء پر اکتفاء کرنا

سوال: اگر کوئی شخص ڈھیلے سے استنجاء کرنے کے بعد پانی سے استنجاء کرنا بھول جائے اور فوراً وضوء کرکے نماز شروع کرے تو کیا اس شخص کی نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: اگرچہ بہتر اور افضل یہی ہے کہ پانی اور ڈھیلے دونوں سے استنجاء کیا جائے ورنہ ایک پر اکتفاء بھی جائز ہے، اس لیے اگر کوئی شخص کسی وجہ سے ڈھیلے سے کیے ہوئے استنجاء پر اکتفاء کرکے نماز پڑھ لے تو اس کی نماز درست ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: اعلم ان الجمع بین الماء والحجر افضل ویلیہ فی الفضل الاقتصار علی الماء ویلیہ الاقتصار علی الحجر وتحصل السنة بالکل وان تفاوت الفضل کما افادہ فی الامداد وغیرہ۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۳۸ فصل فی الاستنجاء)[۱]

پیشاب کرتے وقت سورج یا چاند کی طرف منہ کرنا

سوال: کیا چاند و سورج کی طرف منہ کرکے پیشاب، پاخانہ کرنا جائز ہے؟ اور اگر جائز نہیں تو سورج یا چاند بادلوں میں مستور ہوں تو بھی یہی حکم ہے یا نہیں؟

الجواب: فقہی ذخائر سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشاب، پاخانہ کرتے وقت سورج، چاند یا تیز ہوا کی طرف منہ کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر سورج یا چاند بادلوں میں چھپے ہوئے ہوں تو اس صورت میں پیشاب کرتے وقت ان چیزوں کی طرف منہ کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: والذی یظهر ان المراد استقبال عینهما مطلقاً لا جهتهما ولا ضوئهما وانه لو کان ساتر یمنع عن العین ولو سحاباً فلا کراهة وان الکراهة اذا لم یکونا فی کبد السماء۔ (رد المحتار ج۱ ص۳۴۲ باب الاستنجاء)[۲]

---

[۱] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: والافضل فی کل زمان الجمع بین استعمال الماء والحجر مرتباً فیمسح الخارج ثم یغسل المخرج.... ویجوز ای یصح ان یقتصر علی الماء فقط وهو یلی الجمع بین الماء والحجر فی الفضل او الحجر وهو دونهما فی الفضل۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۳۶ فصل فی الاستنجاء)

ومثلہ فی الهندیة ج۱ ص۴۸ الفصل الثالث فی الاستنجاء۔

[۲] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویکره استقبال عین الشمس والقمر لانهما آیتان عظیمتان اھ قال السید احمد الطحطاوی تحت قوله یکره استقبال الخ اطلاق الکراهة یقتضی التحریم وتقید بالعین اشارة الی انه لو کان فی مکان مستور ولم تکن عینهما بمرأی منه لا یکره بخلاف القبلة الخ (طحطاوی حاشیة مراقی الفلاح ص۴۱ فصل فی الاستنجاء)

استنجاء سے عاجز شخص کیلئے استنجاء کا حکم

سوال:- میرے ایک رشتہ دار کے دونوں ہاتھ روس کے ساتھ جہاد میں کٹ گئے ہیں اور وہ غیر شادی شدہ ہے تو کیا اس کو استنجاء کروانا ضروری ہے؟

الجواب:- جو شخص بذاتِ خود استنجاء سے عاجز ہو، چاہے بیماری کی وجہ سے ہو یا ہاتھ کٹ گئے ہوں اور اس کی بیوی یا باندی بھی نہ ہو اور خود کسی بھی صورت میں استنجاء کرنے پر قادر نہ ہو تو ایسے شخص کے لیے استنجاء کرنا معاف ہے، البتہ اگر صرف ایک ہاتھ سے عاجز ہو تو جہاں تک ہوسکے استنجاء کرے ورنہ بصورتِ مجبوری معاف ہے۔

قال العلامة عالم بن العلاء الانصاریؒ: الرجل المریض اذا لم یکن لہ امرأة ولا امة ولہ ابن واخ وھو لایقدر علی الوضوء قال یتوضئہ ابنہ او اخوہ غیر الاستنجاء فانہ لایمس فرجہ ویسقط عنہ والمرأة المریضة اذا لم یکن لہا زوج وھی لاتقدر علی الوضوء ولہا بنت او اخت توضئھا ویسقط عنھا الاستنجاء اھ ولا یخفی ان ھذا التفصیل یجری فیمن شلت یداہ لانہ فی حکم المریض۔ (الفتاوی التاتارخانیة ج۱ ص۱۰۱ کتاب الطہارة) [۱]

مرد اور عورت کے استنجاء میں فرق

سوال:- مرد اور عورت کے استنجاء میں کوئی فرق ہے یا نہیں؟

الجواب:- مرد اور عورت کے استنجاء میں کوئی فرق نہیں یعنی جس طرح پانی اور ڈھیلے دونوں مرد استعمال کر سکتا ہے عورت کیلئے بھی جائز ہے، البتہ مرد کیلئے استبراء یعنی پیشاب کے بعد اتنی دیر تک انتظار کرنا کہ پیشاب کے قطرات بند ہو جائیں) ضروری ہے عورت پر اس قسم کا استبراء لازم نہیں۔

قال ابن عابدینؒ: قلت بل صرح فی الغزنویة بانھا تفعل کما یفعل الرجال الا فی الاستبراء فانھا لا استبراء علیھا بل کما فرغت من البول والغائط تصبر ساعة لطیفة ثم تمسح قبلھا ودبرھا بالاحجار ثم تستنجی بالماء۔ (رد المحتار علی در المختار ج۱ ص۳۴۸ فصل فی الاستنجاء) [۲]

---

[۱] قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قولہ سقط اصلا کمریض) والتاتارخانیة والرجل المریض اذا لم یکن لہ امرأة ولا امة ولہ ابن واخ وھو لایقدر علی الوضوء قال یتوضئہ ابنہ او اخوہ غیر الاستنجاء فانہ لایمس فرجہ ویسقط عنہ والمرأة المریضة اذا لم یکن لھا زوج وھی لاتقدر علی الوضوء ولھا بنت او اخت توضئھا ویسقط عنھا الاستنجاء ولایخفی ان ھذا التفصیل یجری فیمن شلت یداہ لانہ فی حکم المریض۔ (رد المختار ج۱ ص۳۴۲ فصل فی الاستنجاء)

وَمِثْلُہٗ فی الھندیة ج۱ ص۴۹، ۵۰ فصل فی الاستنجاء۔

[۲] قال حسن بن عمارؒ: یلزم الرجل الاستبراء والمراد طلب براءة المخرج عن اثر الرشح حتی یزول اثر البول ولا یحتاج المرأة الی ذلک بل تصبر قلیلاً ثم تستنجی۔ (مراقی الفلاح ص۴۶ فصل فی الاستنجاء)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۱ ص۲۴۲ باب الانجاس۔

بوجہ مجبوری دوسرے سے استنجاء کرنا

سوال:۔ ایک شخص اتنا بیمار ہے کہ خود استنجاء کرنے سے قاصر ہے، کیا وہ کسی اور سے استنجاء کرا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ اگر کوئی شخص بیماری یا بیماری کے بعد کمزوری کی وجہ سے خود استنجاء کرنے پر قادر نہیں تو اس کے لیے کسی دوسرے سے استنجاء کروانا جائز ہے بشرطیکہ اس کی بیوی یا باندی اُسے استنجاء کرائے، ان کے علاوہ کسی اور سے استنجاء کرانا درست نہیں، ایسی صورت میں اُس کے لیے استنجاء معاف ہے۔

لما فی الهندية:۔ الرجل المريض اذا لم يكن له امرأة ولا أمة وله ابن او أخ وهو لا يقدر على الوضوء فانه يوضيه ابنه او اخوه غير الاستنجاء فانه لا يمس فرجه و سقط عنه الاستنجاء۔ كذا فى المحيط: والمرأة المريضة اذا لم تكن لها زوج وعجزت عن الوضوء ولها ابنة او اخت توضيها و سقط عنها الاستنجاء۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۵۰ الفصل الثالث فى الاستنجاء) [۱]

کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کا مسئلہ

سوال:۔ پتلون پہننے کی صورت میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنا پڑتا ہے، کیا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ مجبوری عُذر کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے ورنہ عمومی حالات میں آپ نے بیٹھ کر پیشاب فرمایا ہے، اس لیے فقہاء کرام نے بیٹھ کر پیشاب کرنے کا حکم دیا ہے اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص پتلون پہنے ہوا ور بیٹھ کر پیشاب کر سکتا ہو تو اس کے لیے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مکروہ ہے ورنہ بامرِ مجبوری کھڑے ہو کر کرنا جائز ہے لیکن پیشاب کے چھینٹوں سے اپنے آپ کو بچائے۔

لما قال الحصكفیؒ:۔ وكذا يكره۔۔۔۔۔ ان يبول قائماً او مضطجعاً او مجرداً من ثوبه

---

[۱] قال العلامة فخر الدين قاضی خانؒ:۔ وكذا قالوا فى المريض اذا لم يكن له امرأة وعجز عن الوضوء وله ابنٌ او اخٌ فانه يوضيه الا انه لا يمس فرجه الا من يحل له وطؤها والمرأة المريضة ان لم يكن لها زوج وعجزت عن الوضوء ولها بنتٌ او أختٌ توضيها ويسقط عنها الاستنجاء۔ (الفتاوى قاضی خان على هامش الهندية ج ۱ ص ۳۳ فصل فى صفة الوضوء)

بلا عذر اھ۔ قال العلامۃ ابن عابدینؒ: (تحت قول ان یبول قائمًا) لما ورد من النھی عنہ لقولہ عائشۃ رضی اللہ عنہا من حدثکم ان النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کان یبول قائمًا فلا تصدقوہ ما کان یبول الا قاعدًا ......۔ فلذا قال العلماء یکرہ الا لعذر وھی کراھۃ تنزیھۃ لا تحریم۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۳۴۴ باب الاستنجاء) [1]

سوال:۔ خواتین میں یہ عادت ہوتی ہے کہ کبھی کبھی وہ بچے کو پیشاب یا پاخانہ کے لیے قبلہ رُخ کرکے پکڑتی ہیں، اس کا شرعاً کیا حکم ہے؟

پیشاب کراتے وقت بچے کو قبلہ رُخ کرکے پکڑنا

الجواب:۔ قبلہ کی طرف استدبار و استقبال دونوں مکروہ ہے، فقہی ذخائر میں عورتوں کے اس عمل کو مکروہ قرار دیا گیا ہے کہ وہ بچوں کو پیشاب یا پاخانے کے لیے قبلہ رُخ کرکے پکڑیں، اس لیے ایسے عمل سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

کما قال الحصکفیؒ:۔ وکذا یکرہ ھذہ تعم التحریمیۃ والتنزیھیۃ للمرأۃ امساک صغیر لبول او غائط نحو القبلۃ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص ۳۴۲ باب الاستنجاء) [2]

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میں نے ایک شخص سے سُنا ہے کہ بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت پہلے بائیں پاؤں کو داخل کرنا چاہیے اور نکلتے وقت پہلے دایاں پاؤں باہر کرنا چاہیے، کیا یہ درست ہے؟

بیت الخلاء میں داخل ہونے کا طریقہ

الجواب:۔ معاشرہ میں دو قسم کے اعمال ہوتے ہیں، ایک وہ اعمال جو عظمت اور کرامت

---

[1] قال العلامۃ یوسف البنوریؒ: ان البول قائمًا وان کانت فیہ رخصۃ والمنع للتادیب لا للتحریم کما قال الترمذی ولکن الیوم الفتوٰی علی تحریمہ اولیٰ حیث اصبح شعارًا لغیر المسلمین من الکفار۔ (معارف السنن ج ۱ ص ۱۰۶ باب ما جاء من الرخصۃ فی ذلک)

[2] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ویکرہ امساک الصبی نحو القبلۃ للبول۔ قال السید احمد الطحطاویؒ: (تحت قول یکرہ امساک الصبیّ) ------ ویکرہ امساکہ حال قضاء حاجتہ نحو القبلۃ وعین القمرین ونحو ذلک۔ (الطحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص ۱۴ باب الاستنجاء)
وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج ۱ ص ۲۴۳ فصل فی الاستنجاء۔

والے ہوتے ہیں اور دوسرے خسیس اور بے عظمت وحرمت والے اعمال، شریعتِ مقدسہ میں ہر عظمت والے عمل کو دائیں طرف سے شروع کرنے کا حکم ہے اور ہر خسیس عمل کو بائیں طرف سے شروع کرنے کا حکم ہے۔ چونکہ بیت الخلاء خسیس اور غیر ذی شان والے اعمال سے تعلق رکھتا ہے اس لیے بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت بائیں پاؤں سے داخل ہونا چاہیئے اور نکلتے وقت دائیں پاؤں کو پہلے نکالنا چاہیئے اور یہی آداب بیت الخلاء سے ہے۔

لما قال الشیخ وھبۃ الزحیلی:۔ یدخل الخلاء برجلہ الیسریٰ ویخرج برجلہ الیمنیٰ لاکل ما کان من التکریم یبداء فیہ بالیمین وخلافہ بالیسار لمناسبۃ الیمین للمکرم والیسار للمستقذر۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۱ ص۲۰۳ خامساً آداب قضاء الحاجۃ)[1]

سوال:۔ دورانِ قضاء حاجت اگر چھینک آجائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

اگر قضاء حاجت کے دوران کسی کو چھینک آجائے تو کیا وہ الحمد للہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قضاء حاجت کے دوران باتیں کرنا یا ذکر کرنا وغیرہ مکروہ ہے، البتہ اگر کسی کو دورانِ قضاء حاجت چھینک آجائے تو اس کو دل میں الحمد للہ پڑھ لینا چاہیئے، زبان سے اس کا وِرد نہ کرے۔

لمافی الھندیۃ: فان عطس حمد اللہ بقلبہ ولا یحرك لسانہ الخ۔
(الفتاویٰ الھندیۃ ج ۱ ص۵۰ فصل فی الاستنجاء)[2]

سوال:۔ قضاء حاجت کو بیٹھنے کے لیے کس وقت کپڑا اٹھائے؟

جناب مفتی صاحب! جب کوئی شخص قضاء حاجت کیلئے

---

[1] وفی الھندیۃ: ویستحب لہٗ عند الدخول فی الخلاء ان یقول اللّٰھم انی اعوذ بك من الخُبثِ والخبائث ویقدم رجلہ الیسریٰ وعند الخروج یقدم الیمنیٰ۔
(الفتاوٰی الھندیۃ ج ۱ ص۵۰ فصل فی الاستنجاء)
وَمِثْلُہٗ فی معارف السنن ج ۱ ص۸۷ باب مایقول اذا دخل الخلاء۔

[2] لما قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: واذا عطس حمد اللہ بقلبہ ویقول بعد الاستنجاء اللّٰھم طھر قلبی من النفاق۔الخ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۱ ص۲۰۶ خامساً آداب قضاء الحاجۃ)

بیت الخلاء جائے تو وہ کس وقت اپنے کپڑے کو اٹھائے ؟

الجواب:۔ قضاء حاجت کے لیے بیٹھتے وقت اپنے کپڑے کو تب اٹھائے جب وہ زمین کے قریب ہو جائے۔

لما قال الشیخ وھبۃ الزحیلی:۔ یستحب الا یرفع ثوبہ حتی یدنو من الارض لان ذٰلک استرلہ ولما روی ابو داؤد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ کان اذا اراد الحاجۃ لا یرفع ثوبہ حتی یدنو من الارض۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۱ ص ۲۰۴ خامساً آداب قضاء الحاجۃ)[۱]

سوال:۔ کیا قضاء حاجت کے لیے بیت الخلاء میں **بیت الخلاء میں قرآنی آیات یا احادیث کے اوراق سمیت جانا**

جاتے وقت جیب میں آیاتِ قرآنی یا احادیث کے اوراق ہوں تو ایسی حالت میں بیت الخلاء میں جانا اور قضاء حاجت کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ شریعتِ اسلامی میں ہر معظم شے کی تعظیم و احترام کا حکم ہے، چونکہ آیاتِ قرآنی اور احادیث وغیرہ کے اوراق انتہائی معظم و مکرم ہیں اور بیت الخلاء میں ساتھ لے جانے سے اُن کی تحقیر ہوتی ہے اس لیے قصداً ایسا کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذاتِ خود بیت الخلاء جاتے وقت اپنی انگوٹھی اتار لیتے تھے جس میں محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا البتہ اگر ایسے کاغذات جیب سے باہر رکھنے پر ضائع ہونے کا خطرہ ہو تو پھر ساتھ لے جانے میں کوئی قباحت نہیں۔

لما قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: لا یحمل مکتوباً ذکر اسم اللہ علیہ او کل اسم معظم کالملٰئکۃ والعزیز والکریم ومحمّد واحمد۔ لما روی انس رضی اللہ عنہ ان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا دخل الخلاء وضع خاتمہ وکان فیہ

---

[۱] عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اراد حاجۃ لا یرفع ثوبہ حتی یدنو من الارض ـــ قال الشیخ خلیل احمد السہارنفوری رحمہ اللہ تحت ھٰذا الحدیث وھٰذا لانّ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن التعری فی الخلوت۔ ایضاً وقال فاللہ احق ان یستحی منہ من النّاس وھٰذا یدل علیٰ ان جواز التعری فی الخلوت للضرورۃ فلا ینبغی ان یرفع ثوبہ قبل الضرورۃ۔ (بذل المجھود ج ۱ ص ۱۰ باب کیف التکشف عند الحاجۃ)

محمد رسول اللہ فان احتفظ بہ واحترز علیہ من السقوط فلا بأس۔
(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۱ ص۲۰۲ آداب قضاء الحاجۃ)[1]

قضاء حاجت کے دوران بُرش یا مسواک کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء کرام دریں مسئلہ کہ ایک شخص قضاء حاجت کیلئے بیت الخلاء میں بیٹھا ہوا ہے مگر اسی دوران وہ مسواک بھی کر رہا ہے، تو کیا ایسا کرنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: قضاء حاجت کے مستحبات میں یہ بھی ہے کہ وہ شخص قضاء حاجت کے دوران قضاء حاجت کے علاوہ اور کوئی عمل نہ کرے، نہ آسمان کو دیکھے اور نہ اپنی شرمگاہ پر نظر رکھے اور نہ دائیں بائیں طرف دیکھے، اسی طرح اس دوران مسواک یا بُرش کرنے سے بھی اجتناب کرے۔

لما قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: یستحب الا ینظر الی السماء ولا الی فرجہ ولا الی ما یخرج منہ ولا یعبث بیدہ ولا یلتفت یمیناً ولا شمالاً ولا یستاک لان ذٰلک کلہ لا یلیق بحالہ۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۱ ص۲۰۶ آداب قضاء الحاجۃ)[2]

بیت الخلاء میں بغیر جوتوں کے جانے کا حکم

سوال: بعض مساجد کے استنجا خانے مسجد میں ایسی جگہ ہوتے ہیں جہاں جوتوں سمیت جانا صحیح نہیں، اس لیے کہ مسجد کے صحن سے گزرنا پڑتا ہے، تو کیا ایسے استنجا خانوں یا بیت الخلاء میں بغیر جوتوں کے جانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: ویسے تو جوتے پہن کر بیت الخلاء وغیرہ میں جانا آداب قضاء حاجت سے ہے اور مستحب ہے، لیکن صورتِ مسئولہ میں مسجد کی عظمت اور حرمت کے پیش نظر جوتوں کے بغیر

---

[1] قال الشیخ خلیل احمد السہارنفوریؒ: (تحت قول النبیؐ) عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا دخل الخلاء وضع خاتمہ یعنی ینزع خاتمہ من الاصبع ثم یضعہ خارج الخلاء ولا یدخل الخلاء مع الخاتم وھذا العظیم اسم اللہ عزوجل ویدخل فیہ کلما کان فیہ اسم اللہ من القرطاس والدراھم۔ الخ (بذل المجہود ج ۱ ص۱۳ باب الخاتم یکون فیہ ذکر اللہ تعالیٰ یدخل بہ الخلاء)

[2] لما فی الھندیۃ: ولا ینظر لعورتہ الا لحاجۃ ولا ینظر الی ما یخرج منہ ولا یبزق ولا یتمخط ولا یتنحنح ولا یکثر الالتفات ولا یعبث ببدنہ ولا یرفع بصرہ الی السماء۔ الخ
(الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص۵۰ فصل فی الاستنجاء)

جانے میں کوئی قباحت نہیں، تاہم مناسب یہ ہے کہ مساجد کے استنجا خانے کسی ایسی جگہ بنائے جائیں جہاں جوتوں سمیت جانا ممکن ہو۔

لما قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: ان یلبس نعلیہ ویستر رأسہ ویأخذ احجارا لاستنجاء او یھیئ ویعد المزیل للنجاسۃ من ماء ونحوہ۔
(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۱ ص۲۰۳ باب خامساً آداب قضاء الحاجۃ)

استعمال شدہ ڈھیلوں کے دوبارہ استعمال کا حکم

سوال: بعض لوگ استعمال شدہ ڈھیلے سے دوبارہ استنجاء کرتے ہیں، ازروئے شرع ڈھیلوں کے سوکھ جانے کے بعد ان سے دوبارہ استنجاء کا کیا حکم ہے؟

الجواب: استنجاء بالاحجار کے لیے ضروری ہے کہ ڈھیلے وغیرہ پاک ہوں۔ اسی بناء پر فقہاء نے مستعمل ڈھیلے سے استنجاء کو ناجائز قرار دیا ہے۔ تاہم اگر ڈھیلہ بڑا ہونے کے ساتھ اس کے کئی کونے بھی ہوں تو متعدد ڈھیلوں کے حکم میں ہو کر ہر ایک کونے سے مستقل طور پر استنجاء کرنا بلا کراہت درست ہے۔

قال العلامۃ ابن ھمامؒ: ولا یجزئہ الاستنجاء بحجر استنجی بہ مرۃ الا ان یکون لہ حرف آخر لم یستنج بہ۔ (فتح القدیر ج۱ ص۱۹۰ فصل فی الاستنجاء) [1]

---

[1] قال فی الھندیۃ: وکذا لا یستنجی بحجر استنجی بہ مرۃ ھو او غیرہ الا اذا کان حجرا لہ احرف لہ ان یستنجی کل مرۃ بطرف لم یستنج بہ فیجوز من غیر کراھۃ کذا فی المحیط۔ (الھندیۃ الفصل الثالث فی الاستنجاء ج۱ ص۵۰)
ومثلہ فی خلاصۃ الفتاوی۔ باب الاستنجاء ج۱ ص۲۴۔

مسائلِ شتّٰی

(غسل اور وضو کے متفرق مسائل)

غسل اور وضو کے لیے پانی کی مقدار

سوال:۔ وضو یا غسل کے لیے کتنا پانی ہونا چاہیئے، شرعاً اس کے لیے پانی کی کوئی مقدار مقرر ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ شریعت میں وضو یا غسل کے لیے پانی کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں کہ اس سے کم و بیش پانی کے ساتھ وضو یا غسل کرنا جائز نہ ہو۔ البتہ احادیث مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو اور غسل کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صاع پانی سے غسل اور ایک مد پانی سے وضو فرمایا کرتے تھے۔ صاع کی مقدار موجودہ حساب سے ۲۷۰ تولہ اور مد ۶۸ تولہ اور چند ماشے بنتا ہے۔

لما قال العلامة السید احمد الطحطاوی رحؒ: واعلم انه نقل غیر واحد الاجماع علی عدم التقدیر فی ماء الوضوء والغسل بل ھو بقدر الکفایة لاختلاف طباع الناس ۔ وعن عائشة رضی الله عنها جرت السنة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الغسل من الجنابة صاع ثمانیة ارطال وفی الوضوء رطلان ھما مد فالمد ربع صاع ۔ (طحطاوی ص۶۳ کتاب الطهارة، فصل فی المکروهات) [1]

گنجے سر والے آدمی کے چہرے کی حدود کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! فقہ کی بعض کتابوں میں چہرے کی حد سر کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے اور ایک کان سے دوسرے کان تک

---

[1] قال العلامة الکاسانی رحؒ: مقدار الماء الذی یغتسل به فقد ذکر فی ظاهر الروایة وقال ادنی ما یکفی فی الغسل من الماء صاع وفی الوضوء مد..... ثم هذا التقدیر الذی ذکره محمد من الصاع والمد فی الغسل والوضوء لیس بتقدیر لازم بحیث لا یجوز النقصان عنه او الزیادة علیه بل هو بیان مقدار ادنی الکفایة عادة حتی من اسبغ الوضوء والغسل بدون ذلک اجزاه وان لم یکفه زاد علیه لان طباع الناس واحوالهم تختلف ۔ (بدائع الصنائع ج ا ص۳۵ مطلب اداب الوضوء)

مذکور ہے، اب اگر کسی شخص کے سر کے نصف سے بال شروع ہوئے ہوں تو اس بارے میں اس کو کیا کرنا چاہیئے؟

الجواب: فقہاء کرام کی عبارات میں جو یہ مذکور ہے کہ چہرے کی حد سر کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی کے نیچے تک ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ عام طور پر جہاں سے سر کے بال اُگنے شروع ہوتے ہیں یعنی عرف میں بال اُگنے کی جو حد ہو اس کا اعتبار ہے، اس لیے جو آدمی بالکل گنجا ہو یا اس کے بال سر کے نصف سے شروع ہوتے ہوں تو اُسے عرف کے مطابق عمل کرنا چاہیئے۔

قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: وَحَدّہ ای جملۃ الوجہ طولاً من مبدإ سطح الجبہۃ سواء کان بہ شعر ام لا۔ قال السید احمد الطحطاویؒ: (قولہ سواء کان بہ شعر ام لا) اشار بہ الیٰ ان الأغم والاصلع والاقرع والانزع فرض غسل الوجہ منہم ماذکر۔ (طحطاوی و مراقی الفلاح ص۵۳ احکام الوضوء)[1]

نیند سے بیدار ہونے کے بعد مسواک کرنے کا حکم

سوال: کیا رات کی نیند سے بیدار ہونے کے بعد مسواک کرنا مسنون ہے یا ہر نیند (چاہے دوپہر کا قیلولہ ہو یا رات کی نیند) سے اٹھنے کے بعد مسواک کرنا مسنون ہے؟

الجواب: فقہاء کرام نے مطلقاً نیند سے جاگنے کے بعد مسواک کرنے کو مستحب لکھا ہے چاہے رات کی نیند ہو یا دوپہر کا قیلولہ، اس لیے ہر نیند سے جاگنے کے بعد بعد مسواک کرنا مستحب ہے۔

قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالی رحمہ اللّٰہ: ویستحب لتغیر الفم

---

[1] قال العلامۃ الحصکفیؒ: من مبدإ سطح جبہتہ ای المتوضئ بقرینۃ المقام الیٰ اسفل ذقنہ ای منبت اسنانہ السفلیٰ طولاً کان علیہ شعر اولا عدل من قولہم من قصاص شعرہ الجاری علی الغالب الی المطرد لیعم الاغم و الاصلع والانزع۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۹۷ کتاب الطہارۃ)
وَمِثلُہٗ فی الہندیۃ ج۱ ص۳ کتاب الطہارۃ۔

والقیام من النوم۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۳۷ فصل سنن الوضوء)[1]

مریض کو تیمم کرانے کے لیے نیت کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! میری دادی بیمار اور بہت کمزور ہے، ڈاکٹروں نے اُن پر وضو وغیرہ کے لیے پانی استعمال کرنا منع کر دیا ہے، اس وجہ سے میں ان کو تیمم کراتی ہوں، تو کیا تیمم کی نیت کرنا میرے لیے لازم ہے یا میری دادی کے لیے؟

الجواب:۔ تیمم میں نیت کا وجوب ہر اُس شخص پر لازم ہے جو پاکی (طہارت) حاصل کرنا چاہتا ہو، چونکہ صورتِ مسئولہ میں پاکی آپ کی دادی حاصل کرتی ہیں اس لیے تیمم کی نیت کرنا ان کے لیے لازمی ہے آپ کے لیے نہیں۔

لما قال العلامة ابن نجیم المصری رحمہ اللہ: مریض تیممہ غیرہ فالنیة علی المریض دون المتیمم۔ انتہی۔ (الاشباہ والنظائر ج۱ ص۱۸۰ القاعدة الثانیة ۳۳۴)[2]

غسل کے چھینٹوں سے پانی نجس نہیں ہوتا

سوال: جنابت کے غسل کے دوران اگر استعمال شدہ پانی کے چھینٹے پانی کے برتن میں گر جائیں تو کیا اس باقی پانی ناپاک ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اگر جُنب آدمی کے بدن سے غسل کے دوران گرنے والے پانی کے چھینٹے صاف پانی میں گر جائیں تو اس سے صاف پانی ناپاک نہیں ہوتا، اس سے غسل کرنا جائز ہے۔

---

[1] قال العلامة ابن عابدین رحمہ اللہ: ویستحب فی خمسة مواضع اصفرار السن وتغیر الرائحة والقیام من النوم والقیام الی الصلوٰة وعند الوضوء۔
(رد المحتار ج۱ ص۱۱۳ سنن الوضوء، مطلب فی دلالة المفھوم)

وَمِثْلُہٗ فی البحر الرائق ج۱ ص۲۰ سنن الوضوء۔

[2] قال الشیخ المفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ: مذکورہ لاچاری اور مجبوری کی صورتوں میں دوسرا شخص تیمم کرا دے تو تیمم ہو جائے گا مگر نیت معذور کو ہی کرنا ہوگی، تیمم کرانے والے کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔

(فتاویٰ رحیمیة ج۸ ص۹۱ کتاب الطہارة)

لما فی الھندیة : جنب اغتسل فانتضح من غسلہ شئ فی انائہ لم یفسد علیہ الماء ۔ (الفتاوی الھندیة ج ۱ ص۲۳ الفصل الثانی فیما لا یجوز بہ التوضوء)[1]

نجس اشیاء کے دھوئیں کا حکم

سوال :۔ بسا اوقات کوڑ اکرکٹ کی جگہ دھواں سا اٹھتا ہے اگر وہ انسان کے کپڑوں پر یا اس کے بدن پر لگ جائے تو کیا اس سے بدن اور کپڑے ناپاک ہو جائیں گے یا نہیں ؟

الجواب :۔ نجاست سے اٹھنے والا بھاپ نما دھواں اگر کپڑوں یا بدن پر لگ جائے تو اس سے کپڑے اور بدن نجس (ناپاک) نہیں ہوتے، اگرچہ بعض اقوال ناپاک ہونے کے بھی مروی ہیں مگر راجح قول یہ ہے کہ اس سے کپڑے یا بدن ناپاک نہیں ہوتے ۔

لما فی الھندیة : دخان النجاسة اذا اصاب الثوب والبدن الصحیح انہ لا ینجسہ۔ (الفتاوی الھندیة ج ۱ ص۴۷ الفصل الثانی فی الاعیان النجسة)[2]

شیر خوار بچے کی قے کا حکم

سوال :۔ اگر چھوٹا شیر خوار بچہ کسی پر قے کر دے تو کیا اس کی قے پاک ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ قے جب منہ بھر کے آئے تو مطلقاً نجس ہے چاہے بڑے آدمی کے معدے سے آئے یا شیر خوار بچے کے منہ سے، تاہم اگر قے منہ بھر کے نہ آئے تو ناپاک نہیں ۔

قال العلامة الحصکفیؒ : ینقضہ قئ ملأ فاہ من مرة او علق او طعام او ماء اذا وصل الی معدتہ وان لم یستقر وھو نجس مغلظ ولو من صبی ساعة ارتضاعہ وھو الصحیح ۔ لمخالطة النجاسة ذکرہ الحلبی ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ۱ ص۱۳۷ مطلب نواقض الوضوء)

---

[1] قال العلامة طاہر بن عبد الرشید البخاریؒ : جنب اغتسل فانتضح من غسلہ شئ فی انائہ لم یفسد علیہ الماء ۔ (خلاصة الفتاوی ج ۱ ص۸ کتاب الطہارت ، الفصل الاول)

[2] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالی رحمہ اللہ : وبخار الکنیف والاصطبل والحمام اذا قطر لا یکون نجسا استحسانا ۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۱۳۲ قبل الفصل یطھر جلد المیتة)

چھوٹے بچے کا پانی میں ہاتھ ڈالنا

سوال :- اگر کوئی چھوٹا بچہ پانی کے مٹکے میں ہاتھ ڈال دے تو اس پانی کے استعمال کا کیا حکم ہے ؟

الجواب :- صورت مسئولہ میں پانی کی طہارت اور ناپاکی بچے کے ہاتھوں کی طہارت اور ناپاکی پر منحصر ہے ، اگر بچے کے ہاتھ یقینی طور پر پاک وصاف ہوں تو بلا شبہ پانی بھی پاک ہے اور اگر بچے کے ہاتھ نجس ہوں تو پانی بھی ناپاک ۔ تاہم اگر شک کی سی صورت پیدا ہو جائے تو بہتر یہ ہے کہ اس پانی کو استعمال نہ کیا جائے اور اگر استعمال کر بھی لیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ۔

قال العلامة فخرالدین قاضی خانؒ : وکذا الصبی اذا دخل یدہ فی البئر أو فی الاناء لایتوضأ منه استحسانًا مالم ینزح وان لم ینزح وتوضأ جاز ۔

(فتاوی قاضی خان علی هامش الهندیة ج ۱ ص ۹ فصل فی البئر) ۔

وضو کرتے وقت اذان کا جواب دینے کا حکم

سوال :- اگر کوئی شخص وضو کر رہا ہو اور اسی اذان شروع ہو جائے تو کیا یہ شخص وضوء کی دعائیں پڑھے یا اذان کا جواب دے ، شرعاً کون سا عمل افضل ہے ؟

الجواب :- وضو کرتے وقت مسنون دعائیں پڑھنا اور اذان کا جواب دینا دونوں سنت ہیں ، لہٰذا دونوں میں سے جو بھی چاہے پڑھ سکتا ہے ، تاہم اذان کا جواب دینا زیادہ بہتر ہے ، اس کی وجہ یہ ہے کہ اذان سننے والے کو سلام کا جواب دینا بھی مناسب نہیں ، حالانکہ سلام کا جواب دینا واجب ہے ۔

قال العلامة الکاسانیؒ : ولاینبغی ان یتکلم السامع فی حال الاذان والاقامة ولایشتغل بقراءة القرآن ولابشیٔ من الاعمال سوی الاجابة ولوکان فی القرأة ینبغی ان یقطع ویشتغل بالاستماع والاجابة ۔ (بدائع الصنائع ج ۱ ص ۱۵۵ فصل ما یجب علی السامعین عند الاذان) [۱]

---

[۱] قال العلامة ابن عابدینؒ : وینبغی للسامع ان لایتکلم ولا یشتغل بشیٔ فی حالة الاذان والاقامة ولا یرد السلام ایضًا لان الکل یخل بالنظم ۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۳۹۹ باب الاذان ۔ مطلب فی کراهة تکرار الجماعة فی المسجد)

تیمم کے جواز کے لیے مسافت کی تحدید

سوال:۔ پانی کتنی مسافت کی دوری پر ہو تو تیمم کرنا جائز ہوتا ہے؟

الجواب:۔ جب آدمی سے پانی ایک میل کے فاصلے پر ہو تو تیمم جائز ہے، اور میل سے مراد چار ہزار زراع ہے یعنی جب آدمی سے چاروں طرف ایک ایک میل کا فاصلہ ہو تو تیمم کرنا جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ، ومن عجز عن استعمال الماء الخ لبعدہ و لو مقیماً فی المصر میلاً اربعۃ آلاف ذراع وھو اربع عشرون اصبعاً وھی ست شعیرات ظھر لبطن و ست شعرات بغل۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۱ ص۲۳۳ باب التیمم) [1]

کوئلہ سے تیمم کرنا

سوال:۔ کوئلہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ (۱) جبلی (پہاڑی) کوئلہ جو کہ کان سے نکالا جاتا ہے، اور ایک وہ جو لکڑی کو جلا کر اس سے کوئلہ بنایا جاتا ہے، کیا جبلی (پہاڑی) کوئلہ اور اس کی بنی ہوئی راکھ پر تیمم کرنا جائز ہے؟

الجواب:۔ جبلی کوئلہ چونکہ حکماً پتھر ہے اس لیے یہ جنس الارض سے شمار ہوگا جس پر تیمم صحیح اور درست ہے، اسی طرح اس کی راکھ پر بھی تیمم صحیح ہے۔

قال الحصکفیؒ: ومترمد بالاحتراق الا رماد الحجر فیجوز کحجر مدقوق ومغسول۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۱ ص۲۴۰ باب التیمم) [2]

راکھ پر تیمم کرنے کا حکم

سوال:۔ راکھ پر تیمم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تیمم کے لیے جنس الارض ہونا ضروری ہے، فقہاء کرام نے جنس الارض کی پہچان کے بارے میں فرمایا ہے کہ جنس الارض ہر وہ شے ہے جو جلانے سے

---

[1] وفی الھندیۃ: یجوز التیمم لمن کان بعیداً من الماء میلاً ھو المختار فی المقدار سواء کان خارج المصر اوفیہ وھو الصحیح وسواء کان مسافراً او مقیماً..... ان المیل ھو ثلث الفرسخ اربعۃ آلاف ذراع طول کل ذراع اربع وعشرون اصبعا وعرض کل اصبع ست حبات شعیر ملحقۃ ظھر البطن۔ (الھندیۃ ج ۱ ص۲۷ الباب الرابع فی التیمم)

[2] قال الشیخ خلیل احمد: بندہ کے نزدیک جبلی کوئلہ اور اس کی راکھ پر تیمم کرنا جائز ہے کیونکہ ان کا حکم حجر کا ہوگا۔ (فتاویٰ خلیلیہ جلد ۱ ص۷۵ کتاب الطہارۃ، باب التیمم)

نہ راکھ بنے اور نہ پگھل جائے۔ چونکہ راکھ اُس شے سے بنتی ہے جو جل کر راکھ بن جاتی ہے جس پر جنس الارض کی تعریف صادق نہیں آتی، اس لیے طہارت کے باوجود اس سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔

قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: جنس الارض فکل ما یحترق بالنار فیصیر رمادا کالحطب والحشیش ونحوهما او ما ینطبع ویلین کالحدید والصفر والنحاس والزجاج وعین الذهب والفضة ونحوها فلیس من الارض وما کان بخلاف ذٰلک فهو من جنسها۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۵۳ فصل فی بیان ما یتیمم به)[1]

گدّا یا تکیہ پر تیمّم کا حکم

سوال:۔ ایک شخص صاحب فراش ہے اور ڈاکٹروں نے اس کو پانی کے استعمال سے منع کیا ہوا ہے، کیا وہ گدّا یا تکیہ پر تیمّم کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایسا صاحب فراش جس کو ڈاکٹروں نے پانی کے استعمال سے منع کیا ہو اس کیلئے گدّا اور تکیہ پر تیمّم کرنا جائز ہے جبکہ اس پر غبار ہو جیسا کہ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:۔

والصحیح قول ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ: وصورة التیمم بالغبار ان یضرب بیدہ ثوبا او لبدا او وسادة او ما اشبهها من الاعیان الطاهرة التی علیها غبار فاذا وقع الغبار علی یدہ تیمم۔ اھ (تاتارخانیة ج۱ ص۲۴۰ باب التیمم)[2]

---

[1] وفی الهندیة: ما یحترق بالنار فیصیر رمادا کالحطب والحشیش ونحوهما او ما ینطبع ویلین کالحدید والصفر والزجاج وعین الذهب والفضة ونحوها فلیس من جنس الارض وما کان بخلاف ذٰلک فهو من جنسها۔

(الهندیة ج۱ ص۲۶ الباب الرابع فی التیمم، الفصل الاول)

[2] قال ابراهیم الحلبیؒ: ولا یجوز عندنا بما لیس من جنس الارض وهو ما یلین بالنار او یترمد کالذهب والفضة والحدید والرصاص) والصفر والنحاس ونحوها مما ینطبع ویلین بالنار وکالحنطة وسائر الحبوب والاطعمة من الفواکة وغیرها وانواع النباتات مما یترمد بالنار اذا لم یکن علیها غبار وان کان علی هٰذه الاشیاء المذکورة غبار یجوز التیمم بغبارها عند ابی حنیفة۔ الخ (کبیری ص۷۰ باب التیمم)

ومِثلُهٗ فی مجموعة الفتاویٰ ج۱ ص۱۲۸ کتاب الطهارة۔

ایک ہی جگہ پر متعدد بار تیمّم کرنا

سوال:۔ ایک ہی جگہ پر بار بار تیمّم کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ایک ہی ڈھیلے یا جگہ پر بار بار تیمّم کرنا فقہاء کرام کی تصریحات سے جواز معلوم ہوتا ہے، اس لیے ایک جگہ پر بار بار تیمّم کرنا جائز ہے۔

لما قال العالم بن العلاء الانصاریؒ: واذا تیمم مراراً من موضع واحدٍ جاز۔

(التاتارخانیة ج۱ ص۲۴۲ قبل نوع من یجوز له التیمم ولا یجوز له) [1]

تلاوتِ قرآن کیلئے کئے گئے تیمّم سے نماز پڑھنے کا حکم

سوال:۔ جو تیمّم تلاوت یا دیگر اذکار کیلئے کیا جائے اُس سے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ عبادت کی دو قسمیں ہیں (۱) وہ جس کیلئے طہارت شرط ہے مثلاً نماز، سجدۂ تلاوت وغیرہ۔ (۲) وہ جس کے لیے طہارت شرط نہیں، مثلاً تلاوتِ قرآن، دخولِ مسجد، تعلیمِ دین وغیرہ۔

اب اگر تیمّم ان عبادات کے لیے کیا جائے جن کے لیے طہارت شرط ہے تو اس تیمّم سے جملہ عبادات ادا کرنا جائز ہے اور اگر تیمّم اُس عبادت کے لیے کیا گیا ہو جن کے لیے طہارت شرط نہیں تو اس سے وہ عبادات جن کے لیے طہارت شرط ہے، ادا کرنا صحیح نہیں۔ لہٰذا تلاوتِ قرآن یا دیگر اذکار کے لیے چونکہ طہارت شرط نہیں اس لیے اس تیمّم سے نماز پڑھنا بھی درست نہیں۔

لما قال الحصکفیؒ: لو تیمم لدخول مسجد اوللقرأة ولو من مصحف..... لم تجز الصلوٰة به عند العامة ــــ قال ابن عابدینؒ: (قوله لم تجز الصلوٰة به) أی لفقد الشرط، وهو امران! کون المنوی عبادة مقصودة وکونها لا تحل الا بالطهارة۔

(ردالمحتار ج۱ ص۲۴۵ باب التیمم) [2]

---

[1] وفی الهندیة: واذا تیمّم مراراً من موضعٍ واحدٍ جاز کذا فی التاتارخانیة۔

(الهندایة ج۱ ص۳۱ الباب الرابع التیمّم، الفصل الثالث فی المتفرّقات)

[2] قال ابن نجیمؒ: وصرحوا بانهٗ لو تیمّم لدخول المسجد والقرأة ولو من المصحف او مسه او زیارة القبور..... لا تجوز الصلوٰة بذلک التیمّم عند عامة المشائخ لان بعضها لیست بعبادة مقصودة وان کان عبادة مقصودة لکن یصح بدون الطهارة۔ (البحرالرائق ج۱ ص۱۵۰ باب التیمّم)

ومِثْلُهٗ فی الهندیة ج۱ ص۲۶ الباب الرابع فی التیمّم، الفصل الاوّل۔

تنگیٔ وقت کی وجہ سے تیمّم کرنا درست نہیں

سوال:۔ اگر کسی کو ایسا واقعہ پیش آئے کہ غسل کی بھی ضرورت ہے اور نماز کا وقت بھی کم ہے، کیا تنگیٔ وقت کی وجہ سے تیمم کیا جا سکتا ہے؟

الجواب:۔ وقت کی تنگی کوئی ایسا عذر شرعی نہیں کہ جس کی وجہ سے غسل کو چھوڑ کر تیمم پر اکتفاء کیا جائے بلکہ ہر حال میں غسل کرنا ضروری ہے۔

لما قال العلامۃ الحصکفیؒ: لایتیمّم لفوت جمعۃ ووقت ولو وترا لفواتہما الیٰ بدلٍ۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۲۴۶ باب التیمم) [1]

جیل خانہ میں پانی نہ ملنے پر تیمّم کا حکم

سوال:۔ افغانستان اور کشمیر کے جہاد میں جو لوگ کفار کی جیلوں میں محبوس ہیں اگر دشمن باوجود پانی کی موجودگی کے ان کو وضو یا غسل کے لیے نہ چھوڑیں تو کیا یہ لوگ تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ تیمّم کے جواز کے لیے پانی پر عدم قدرت ضروری ہے اور یہ عدم قدرت چاہے مسافت کی وجہ سے ہو یا مرض کی وجہ سے یا دشمن کی وجہ سے ہو تو ان تمام صورتوں میں تیمّم کر کے نماز پڑھی جا سکتی ہے، لہٰذا اگر قیدی تیمم کر کے نماز ادا کریں تو جائز ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: من عجز عن استعمال الماء..... لبعدہٖ ولو مقیمًا فی المصر میلًا...... اولمرضٍ یشتد اویمتد بغلبۃ ظن اوقول حاذق مُسلم........ او بردٍ یہلک الجنب اویمرضہ..... اوخوف عدوٍّ کحیۃ او نارٍ علیٰ نفسہ ولو من فاسق اوحبس غریم اومالہ..... اوعطش ولو لکلبہ اورفیق القافلۃ حالاً اومآلاً۔

(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۲۳۲ تا ۲۳۵ باب التیمم) [2]

---

[1] قال العلامۃ ابراہیم الحلبیؒ: ولوخاف خروج الوقت لواشتغل بالوضوء فی سائر الصلٰوۃ ماعدا صلوٰۃ الجنازۃ والعید لایتیمّم عندنا۔ (کبیری ص۸۳ فصل فی التیمم)

[2] قال الشیخ السید احمد الطحطاویؒ: (ومنہ خوف عدوٍّ) آدمی اوغیرہ سواء خافہ علیٰ نفسہ اومالہ او امانتہ اوخافت فاسقًا عند الماء اوخاف المدیون المفلس الحبس ولا اعادۃ علیہم ولاعلیٰ من حبس فی السفر بخلاف المکرہ علیٰ ترک الوضوء فتیمّم فانہٗ یعید الصلوٰۃ۔

(مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۹۲ باب التیمم)

زخمی تیمم کر سکتا ہے

سوال:۔ اگر کوئی شخص اتنا زخمی ہو کہ اس کے لیے غسل کرنا ممکن نہ ہو تو اس کے غسل کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ اگر کسی شخص کے نصف بدن یا اس سے زیادہ پر زخم ہوں تو وہ شخص تیمم کر سکتا ہے البتہ اگر بدن کے زخم کم ہوں اور غسل کرنا ممکن ہو تو وہ شخص غسل کرے گا اور زخم کی جگہوں پر مسح کرے گا، اور اگر زخم کم ہوں لیکن پانی کے اثر سے نقصان پہنچنے کا احتمال ہو تو پھر بھی تیمم جائز ہے۔

ویجوز التیمم اذا خاف الجنب اذا اغتسل بالماء ان یقتله البرد او یمرضه:۔ وان کان به جراحات یعتبر الاکثر محدثاً کان او جنباً ففی الجنابة یعتبر اکثر البدن وفی الحدث یعتبر اکثر اعضاء الوضوء فان کان الاکثر صحیحاً والاقل جریحاً یغسل الصحیح ویمسح علی الجریح ان امکنه وان لم یمکنه المسح یمسح علی الجبائر او فوق الخرقة ولا یجمع بین الغسل والتیمم۔ (الهندیة ج۱ ص۲۸) [۱]

سرد علاقوں میں تیمم کا حکم

سوال:۔ کیا جنب آدمی سخت سرد علاقوں مثلاً سوات، سیاچین وغیرہ میں سردی کی وجہ سے نماز اور دوسری عبادات کے لیے تیمم کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ تیمم کی مشروعیت پانی نہ ملنے یا قدرت نہ رکھنے کی صورت میں ہے بلا عذر شرعی تیمم سے طہارت حاصل نہیں ہوتی، سخت سردی بھی تیمم کے لیے عذر شرعی ہے لیکن تب جب پانی گرم کرنے کا کوئی انتظام نہ ہو اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کی صورت میں بیماری بڑھنے یا کسی عضو کے تلف ہونے کا خطرہ ہو، البتہ صرف وضو ٹھنڈے پانی سے کیا جائے گا اس لیے کہ وضو میں نقصان کا خوف زیادہ نہیں ہوتا۔

لما قال الحصکفیؒ: او برد یهلك الجنب او یمرضه ولو فی المصر اذا لم تکن له اجرة الحمام ولا ما یدفئه۔ قال العلامة ابن عابدینؒ: قید بالجنب لان المحدث لا یجوز له التیمم للبرد فی الصحیح۔

(رد المحتار ج۱ ص۲۳۴ باب التیمم)

---

[۱] قال العلامة الحصکفیؒ: او المرض یشتد او یمتد بغلبة ظن او قول حاذق مسلم ولو بتحرك۔
(الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۲۳۳ باب التیمم)
ومثله فی الفقه الاسلامی وادلته ج۱ ص۴۱۸ باب التیمم، المرض او بطء البرء۔

نمک پر تیمّم کرنے کا حکم

سوال:۔ جناب محترم مفتی صاحب! ایک آدمی نمک کی کان میں کام کرتا ہے، اگر وہاں اس کو تیمم کی ضرورت پڑ جائے اور گرد و نواح میں مٹی بھی موجود نہ ہو تو کیا یہ شخص نمک پر تیمّم کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ پہاڑی نمک چونکہ زمین ہی کے اجزاء میں سے ہے اس لیے اس پر تیمّم کرنا شرعاً جائز ہے، تاہم جو نمک سمندر کے پانی سے بنا ہوا ہو اس پر تیمّم کرنا جائز نہیں ہے۔

لما قال العلامة ابراهیم الحلبی رحمہ اللہ: ولو تیمم بالملح نظر ان کان مائیا ای کان ماء فجمد لا یجوز لانہ لیس من اجزاء الارض وان کان جبلها ای معدنیا وهو ما استحال ملحا من اجزاء الارض یجوز به التیمم لانہ جنس الارض۔

(کبیری ص۷۶ باب التیمم)[1]

ایک ہی ڈھیلے پر بار بار تیمّم کرنے کا حکم

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک شخص اتنا بیمار ہے کہ وہ چارپائی سے نیچے نہیں اتر سکتا، اس نے تیمم کرنے کے لیے اپنے پاس مٹی کا ایک ڈھیلا رکھا ہوا ہے اور وہ اس پر بار بار (ہر نماز کے لیے) تیمّم کرتا ہے، تو کیا شرعاً ایسا کرنا درست ہے؟ یا یہ کہ ہر تیمّم کے لیے مٹی کا نیا ڈھیلا لینا پڑے گا؟

الجواب:۔ جو شخص بیمار ہو اور طبیب کے نزدیک پانی کا استعمال اس کے لیے مضر ہو تو شرعاً اس کے لیے تیمم کرنا جائز ہے۔ اب چاہے تو بیمار مٹی کے ایک ہی ڈھیلے یا جگہ پر بار بار تیمّم کرے یا ہر بار تیمّم کے لیے نئی جگہ یا ڈھیلا استعمال کر سکتا ہے، شرعاً اس بارے میں گنجائش ہے۔

لما فی الهندیة: اذا تیمم مرارًا من موضع واحد جاز کذا فی التاتارخانیة۔

(الفتاوی الهندیة ج۱ ص۲۶ باب التیمم)

---

[1] قال العلامة قاضی خان رحمہ اللہ: اختلفوا فی الجبلی والصحیح هو الجواز۔

(فتاوی قاضی خان ج۱ ص۶۲ فصل فیما یجوز به التیمم)

ومثلہ فی البحر الرائق ج۱ ص۱۴۷ باب التیمم۔

نائلون کی جرابوں پر مسح کرنے کا حکم

نائلون کی موٹی جرابوں پر مسح کے بارہ میں حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ اور مولانا محمد فرید صاحب مفتی دارالعلوم حقانیہ کا یہ تحقیقی فتویٰ دارالعلوم حقانیہ کے ترجمان ماہنامہ الحق نے شائع کیا تھا، فتویٰ کی اہمیت کے پیش نظر اب اسے "فتاویٰ حقانیہ" میں شامل کیا جا رہا ہے۔ (مرتب)

فی الدر المختار او جوربیہ ولو من غزل او شعر الثخینین بحیث یمشی فرسخا ویثبت علی الساق بنفسہ ولا یری ما تحتہ ولا یشف الخ۔ (حلبی کبیر ص۱۲۱)
وحد الجورب الثخینین ان یستمسک ای یثبت ولا ینسدل علی الساق من غیر ان یشد بشئ ھکذا فسروہ کلھم وینبغی ان یقیدہ بما اذا لم یکن ضیقا فانا نشاھد ما یکون فیہ ضیق یستمسک علی الساق من غیر شد ولو کان من الکرباس۔

عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ جرابوں پر مسح کرنا مشروط ہے چند شرائط کے ساتھ۔ اوّل یہ کہ گاڑھی اور اتنی موٹی ہوں کہ اگر صرف جرابیں پہن کر کم از کم تین میل ان میں چلا جائے اُسے باندھا بھی نہ ہوا اور وہ پنڈلی پر سے نہ اتریں۔ دوسرے یہ کہ ان میں سے فوری طور پر پانی نہ چھنے۔ کما صرح بھذا القید فی الشرح الکبیر ص۱۰۸۔ تیسرے یہ کہ ان کے اندر سے کوئی چیز نظر نہ آئے، یعنی اگر آنکھ لگا کر اس میں سے دیکھیں تو کچھ دکھائی نہ دے۔ چوتھے یہ کہ پنڈلی سے نہ گرنا تنگی کی وجہ سے نہ ہو۔

پس نائلون کی جرابیں جتنی ہمارے مشاہدہ میں آئی ہیں اُن میں یہ شرائط موجود نہیں ہیں، کیونکہ نائلون میں ربڑ کی طرح پھیلنے اور سکڑنے کی خاصیت موجود ہے تو پہننے کے بعد ان کا نہ گرنا انقباض اور تنگی کی وجہ سے ہے، پھر بسا اوقات تھوڑی سی مسافت طے کرنے کے بعد وہ پنڈلی سے گر جاتی ہیں کما لا یخفی علی من جرب۔ اور جب ان جرابوں میں سے اتنا کھینچ کر

دیکھا جائے جتنا ان کے پہننے کے وقت کھینچا جاتا ہے تو ان سے ہر چیز دکھائی دیتی ہے، پھر فوری طور پر ان میں سے پانی بھی چھنتا ہے بخلاف ٹاٹ کی جرابوں کے۔ تو اس بنا پر ان پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اگر نائلون کی ایسی جرابیں موجود ہوں جن میں یہ تمام شرائط موجود ہوں تو پھر مفتیٰ بہ قول کے مطابق ان پر مسح کرنا جائز ہوگا۔ هٰذا ما عندی ولعل عند غیری احسن من هٰذا۔

(مولانا مفتی محمد فرید صاحب مدظلہ)

اس مسئلہ کے متعلق مزید وضاحت کیلئے حضرت العلامہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی رحمہ اللہ سے بھی استفسار کیا گیا تھا، حضرت افغانیؒ کی تحقیق حسب ذیل ہے:۔

تخینین کے بارہ میں کتب فقہ میں سے رد المحتار جلد ۱ ص ۱۸۸ کی عبارتِ ذیل تخینین کے تحت ملاحظہ ہو:۔

بحیث یمشی فرسخاً ویثبت علی الساق بنفسہ ولا یری ما تحتہ ولا ینشف (الدر) وفی الدر رو فی بعض الکتب ینشف وفسر فی الخانیۃ الاول بان لا یشف الجورب الماء الی نفسہ کالادیم والصرم وفسر الثانی بان لا یجاوز الماء الی القدم وقال تحت بنفسہ ای من غیر شد اھ۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جواز مسح علی الثخینین کے لیئے ثخانت کا وجود ضروری ہے جو کہ امورِ ثلاثہ سے متحقق ہوتا ہے۔ (۱) شرعی تین میل یا اس سے زیادہ بغیر جوتے کے آدمی اس میں چل سکے (۲) باندھنے کے بغیر پنڈلی سے پیوست رہے (۳) پانی اگر اس پر ڈالا جائے تو اندر نہ جا سکے ۔۔۔ ان تین امور کا مجموعہ بالخصوص امرِ سوئم نائلون کی جراب میں متحقق نہیں لہٰذا مسح درست نہیں۔ اس میں احتیاط اس لیے بھی ضروری ہے کہ قرآنِ پاک میں غسل الرجلین مذکور ہے جو قطعی ہے اور احادیث مسح علی الخفین متواتر یا مشہور ہیں، اس لیے تخصیص کے لیے کافی ہیں۔ مسح علی الجوربین فقط میں میرے نزدیک ایسی صحیح السند صریح الدلالۃ احادیث شہرت کے درجہ میں موجود نہیں اور قیاس علی الخفین کے لیے ان سے مشاکلہ اور مشابہتِ قویہ کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم۔

(احقر شمس الحق افغانی بہاولپور)

مجلدین و منعلین جرابوں کا کیا حکم ہے | **سوال :۔** فقہی ذخائر میں پڑھا ہے کہ جرابوں پر مسح کرنا جائز نہیں مگر مجلدین یا منعلین جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے، تو مجلدین منعلین کا کیا مطلب ہے ؟

الجواب :۔ مجلد یا منعل جراب کا مطلب یہ ہے کہ منعل اُس جراب کو کہا جاتا ہے جس کے نیچے چمڑا لگا ہوا ہو اور مجلد وہ ہے کہ تمام جراب پر چمڑا چڑھا ہوا ہو۔

قال الحصکفیؒ : بسکون النون ما جعل علیٰ اسفلہ جلدۃ ۔ وقال ابن عابدینؒ (قولہ ما جعل علیٰ اسفلہ جلدۃ) ای کالنعل للقدم وھٰذا ظاھر الروایۃ وفی روایۃ الحسن ما یکون الی الکعب ابن کمال (قولہ والمجلدین ماجعل الجلد علیٰ اعلاہ واسفلہ اھ)

(رد المحتار ج ۱ ص ۲۶۹ باب المسح علی الخفین) [1]

سُوتی جراب پر پہنے ہوئے بوٹ پر مسح کا حکم | **سوال :۔** سُوتی جراب پر تو مسح جائز نہیں البتہ اگر سردی کی وجہ سے اس جراب کے اوپر ایسے بوٹ پہن لیے جائیں جو ٹخنوں کو ڈھانپ کر رکھے ۔ کیا ایسے بوٹوں پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ سوتی موزوں پر مسح کرنا جائز نہیں اس لیے کہ اُن پر موزے کی تعریف صادق نہیں آتی، چونکہ یہاں صورتِ مسئولہ میں بڑے بوٹ موزے کے حکم میں ہیں اس لیے ایسی صورت میں بوٹوں پر مسح کرنا درست ہے بشرطیکہ بوٹ کے نیچے کا حصہ پاک ہو۔

قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ : والخف الساتر لکعبین مأخوذ من الخفۃ لان الحکم بہ خف من الغسل الی المسح ...... صح ای جاز المسح علی الخفین فی الطھارۃ من الحدث الاصغر الخ (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص ۱۰۱، ۱۰۲ باب المسح علی الخفین) [2]

---

[1] قال حسن بن عمار الشرنبلالیؒ : جورب منعل بوضع الجلد اسفلہ کالنعل للقدم واذا جعل اعلاہ واسفلہ یقال لہ مجلد ۔ (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص ۱۰۳ باب المسح علی الخفین)

وَمِثْلُہٗ فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۱ ص ۳۴۳ سابعًا المسح علی الجوارب ۔

[2] قال الحصکفیؒ : والخف شرعًا : الساتر لکعبین فاکثر من جلد ونحوہ شرط مسحہ ثلاثۃ امور الاوّل کونہ ساتر محل فرض الغسل للقدم مع الکعب، والثانی کونہ مشغولا بالرجل یمنع سرایۃ الحدث والثالث کونہ مما یمکن متابعۃ المشی ..... وھو جائز ..... بسنۃ مشھورۃ ۔ (الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج ۱ ص ۲۶۵ تا ۲۶۱ باب المسح علی الخفین)

وَمِثْلُہٗ فی الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۱ ص ۳۳۲ خلاصۃ الشروط فی المذھب ۔

عمامہ یا ٹوپی وغیرہ پر مسح کرنے کا حکم

سوال:۔ کیا متوضی عمامہ یا ٹوپی وغیرہ پر مسح کر سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ مسح کا ثبوت خلاف القیاس ثابت ہے اس لیے صرف موزوں پر مسح کرنا جائز ہے اس کے علاوہ عمامہ، ٹوپی اور برقع پر مسح کرنا جائز نہیں۔

لما قال الشیخ الدکتور وھبہ الزحیلی: قال الحنفیۃ لا یصح المسح علی عمامۃ وقلنسوۃ و برقع وقفازین لان المسح ثبت بخلاف القیاس فلا یلحق بہ غیرہ۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ا ص۳۴۰ باب المسح، سادسا المسح علی العمامۃ) [1]

پٹی پر مسح کرنے کا مسئلہ

سوال:۔ پٹی پر مسح کب تک باقی رہتا ہے، کن کن حالات میں مسح ختم ہو جاتا ہے؟

الجواب:۔ پٹی پر مسح دو حالتوں میں ٹوٹ جاتا ہے: (۱) اتارنے یا اترنے کی حالت میں جب زخم مندمل ہو جائے، اس لیے کہ جس علت کی وجہ سے مسح شروع ہوا تھا وہ ختم ہو گیا۔ (۲) حدث کی وجہ سے یعنی وضو ٹوٹنے کی حالت میں جبیرہ کا مسح بھی ختم ہو جاتا ہے۔

لما قال الشیخ وھبۃ الزحیلی: یبطل المسح علی الجبیرۃ فی حالتین هما (۱) نزعها وسقوطها قال الحنفیۃ یبطل المسح علی الجبیرۃ ان سقطت عن برء لزوال العذر....

(۲) الحدث: یبطل المسح علی الجبیرۃ بالاتفاق بالحدث۔

(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ا ص۳۵۶ نواقض المسح علی الجبیرۃ) [2]

زخم پر مسح کرنے کا مسئلہ

سوال:۔ اگر زخم پر مسح کرنے سے تکلیف ہوتی ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب:۔ اگر ظاہر زخم پر مسح کرنے سے تکلیف ہو تو پٹی وغیرہ کے اوپر مسح کرے اور اگر اس سے بھی شدید تکلیف کا احساس ہو تو پھر بوجہ مجبوری اس کا ترک کرنا

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ولا یجوز ای لا یصح المسح علی عمامۃ وقلنسوۃ و برقع وقفازین لان المسح ثبت بخلاف القیاس فلا یلحق بہ غیرہ۔

(مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۱۰۲ فصل المسح علی الخفین)

وَمِثْلُہٗ فی الدر المختار علی صدر رد المحتار ج ا ص۲۷۲ باب المسح علی الخفین۔

[2] قال العلامہ ابوبکر الکاسانیؒ: فسقوط الجبائر عن برء ینقض المسح۔

(بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج ا ص۱۴ مطلب نواقض المسح علی الجبیرۃ)

جائز ہے۔

لماقال الشیخ وھبۃ الزحیلی، واذا رمد وامرہ طبیب مسلم حاذق ألا یغسل عینہ او انکسر ظفرہ او حصل بہ داء وجعل علیہ دواء، جاز لہ المسح للضرورۃ وان ضرہ المسح ترکہ لأن الضرورۃ تقدر بقدرھا۔ (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج۱ ص۳۵۵ نواقض المسح علی الجبیرۃ) [1]

پلستر پر مسح کرنے کا حکم

سوال:۔ ہاتھ پاؤں یا دوسرے اعضاء کے ٹوٹ جانے کی صورت میں ڈاکٹر حضرات اُس عضو کو جوڑنے کے لیے پلستر لگاتے ہیں، کیا اس پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ پلستر کا استعمال ٹوٹے ہوئے اعضاء کو جوڑنے کے لیے ہوتا ہے اور ڈاکٹر کی اجازت کے بغیر اس کا کھولنا عموماً مُضر ثابت ہوتا ہے اور اگر مُضر نہ بھی ہو لیکن بار بار اس کو کھول کر باندھنا مالی اعتبار سے بھی نقصان کا باعث ہوتا ہے، اس لیے جبیرہ کی طرح پلستر کے اندر ملفوف اعضاء کا دھونا ضروری نہیں بلکہ مسح کافی ہے۔

لما قال الحصکفیؒ: ویمسح نحو (مفتصد و جریح علی کل عصابۃ مع فرجتھا فی الاصح۔

قال ابن عابدینؒ: (قولہ علی کل عصابۃ) ای علی کل فرد من افرادھا سواء کانت عصابتہ تحتھا جراحۃ وھی بقدرھا او زائدۃ علیھا کعصابۃ المفتصد، اولم یکن تحتھا جراحۃ اصلاً بل کسر او کَیّ وھذا معنی قول الکنز: کان تحتھا جراحۃ اولا، لکن اذا کانت زائدۃ علی قدر الجراحۃ فان ضرہ الحل والغسل مسح الکل تبعاً والا فلا۔ (رد المحتار ج۱ ص۲۸۰ باب التیمم، مطلب فی لفظ کل اذا دخلت علی منکر او معروف) [2]

---

[1] قال الحصکفیؒ: انکسر ظفرہ فجعل علیہ دواء او وضعہ علی شقوق رجلہ أجری الماء علیہ وان قدر والا مسحہ والا ترکہ۔ (الدر المختار علی صدر رد المحتار ج۱ ص۲۸۱ باب المسح علی الخفین)

وَمِثْلُہٗ مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۱۰۹ فصل فی مسح الجبیرۃ۔

[2] قال ابراھیم الحلبی: الجبیرۃ ماتحتہ جراحۃ وما لیس تحتہ تبعاً لو صح الجراحۃ لان الجبیرۃ والعصابۃ لا توضع علی وجہ تأتی علی موضع الجراحۃ فحسب بل تکون علی ماحول الجراحۃ ایضاً فتحققت الضرورۃ الی جواز المسح علی الزائد علی الجراحۃ الخ۔ (کبیری ص۱۱۷ باب المسح علی الخفین)

ومثلہ فی مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۱۰۰ فصل فی الجبیرۃ ونحوھا۔

سانپ کنوئیں میں گر کر مر جائے تو اس کا حکم

سوال:۔ سانپ کنوئیں یا حوض میں گر کر مر جائے تو اس کنوئیں یا حوض کے پانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ سانپ عموماً دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ سانپ جو صحرا میں ہوتے ہیں، اگر ان میں خون شامل ہوا اور ایسے سانپ کنوئیں یا حوض میں گر کر مر جائیں تو اس سے کنواں ناپاک ہو جائے گا اور اگر اس میں خون نہ ہو تو پانی ناپاک نہ ہوگا۔ دوسری قسم کے سانپ وہ ہیں جو پانی میں ہی رہتے ہیں اگر وہ پانی میں مر جائیں تو پانی مطلقاً ناپاک نہیں ہوتا۔

لما قال الحصکفیؒ: وماٸی مولد ولو کلب الماء وخنزیرہ (کسمك وسرطان) وضفدع الابریًا له دم سائل فیفسد فی الاصح لحیة بریة ان لها دم والا لا۔ قال ابن عابدینؒ: (قوله لحیة بریة) اما المائیة فلا تفسد مطلقاً کما علم مما مر وکالحیة البریة والوزغة لوکبیرة لها دم سائل منیة (قوله والا لا) ای ان لم یکن للضفدع البریة والحیة البریة دم سائل فلا یفسد اھ۔ (رد المحتار ج ۱ ص ۱۸۵ باب المیاہ مطلب فی مسائلة الوضوء من الفساق)[1]

کسی حیوان کا اندام (کوئی عضو) اگر کنوئیں میں گر جائے تو کیا حکم ہے

سوال:۔ ہمارے گھر کے کنوئیں سے چڑیا کا پَر نکل آیا ہے، اس کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ کیا اس میں ۲۰ سے ۳۰ ڈول پانی نکالنا کافی ہے؟

الجواب:۔ اگرچہ چڑیا کے مقدار جانور کے گرنے سے کنواں ناپاک ہو جاتا ہے اور وہ ۲۰ سے ۳۰ ڈول تک پانی نکالنے سے پاک ہو جاتا ہے مگر حیوان کے اندام میں یہ حکم نہیں بلکہ اس میں چھوٹے اور بڑے جانور سب برابر ہیں، اور یہ عضو ایک بڑے حیوان کے مساوی ہے، لہٰذا اس صورت میں کنوئیں یا حوض کا پورا پانی نکالا جائے گا یا ۲۰۰ سے ۳۰۰ ڈول تک پانی نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا۔

قال العلامة ابن عابدینؒ: (تحت قوله حیوان دموی وانتفخ) لو وقع ذنب فارة ینزح لما

---

[1] قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ: اگر خشکی کا سانپ ہو پس اندازہ کرکے دیکھا جاوے کہ اس میں کتنے سو ڈول پانی ہے اتنا نکال دیا جاوے اگرچہ ٹوٹے نہیں پاک ہو جاوے گا، البتہ اگر تجربہ سے یہ تحقیق ہو جاوے کہ ایسے سانپ میں بہنے والا خون نہیں ہوتا تو اس سے کنواں ناپاک نہ ہوگا.....اسی طرح اگر وہ سانپ پانی کا ہو تب بھی کنواں ناپاک نہ ہوگا۔ (امداد الفتاوی جلد ۱ ص ۳۲ فصل فی البئر)

کله یجزویه ظهرانه لوجرح الحیوان بلا تفسخ ونحوه ینزح الجمیع کما فی الفتح وان قطعة منه کتفسخه ولہٰذا قال فی الخانیة قطعة من لحم المیتة تفسدہ۔

(ردالمحتار ج۱ ص۲۱۳ فصل فی البئر) [1]

چھپکلی گرنے سے پانی کا حکم

سوال:۔ ہمارے گھر میں چھپکلیاں بہت ہیں اور کبھی کبھی وہ پانی میں گر کر مرجاتی ہیں، کیا اس سے پانی ناپاک ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ عام چھپکلیوں میں بہنے والا خون نہیں ہوتا اس لیے اگر چھپکلی پانی میں گر کر مرجائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا اور اس سے وضو وغسل وغیرہ جائز ہے۔

قال العلامة ابوبکر الکاسانیؒ: اما الذی لیس له دم سائل فالذباب والعقرب والزنبور والسرطان ونحوها وانه لیس بنجس عندنا۔ (بدائع الصنائع ج۱ ص۶۲ فصل اما الطهارة الحقیقة) [2]

پرندوں کی بیٹ گرنے سے پانی نجس نہیں ہوتا

سوال:۔ ہمارے گھر کے کنوئیں کے پاس ایک درخت ہے جس پر کافی تعداد میں پرندے ہوتے ہیں، کبھی کبھی ان پرندوں کی بیٹ اُس کنوئیں میں گر جاتی ہے، شریعتِ مطہرہ میں اس کنوئیں کے پانی کا کیا حکم ہے؟

الجواب:۔ صورتِ مسئولہ میں پرندوں کی بیٹ سے بچنا انتہائی مشکل اور متعذر ہے اسلئے شریعتِ مقدسہ میں اس کے گرنے سے پانی پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور نہ پانی کا استعمال ممنوع ہے بلکہ یہ پانی پاک اور قابلِ استعمال ہے۔

---

[1] قال الشیخ المفتی عزیز الرحمٰن الدیوبندیؒ: درصورتِ مسئولہ کشیدن مقدار جملہ آں چاہ لازم است وتا وقتیکہ مقدار مذکورہ کشیدہ نشود نوشیدن ازاں آب و طعام باآں پختہ خوردن ناجائز وحرام است۔ قال مولانا السید ابوالسعود فی حاشیة المسکین معزیا الی الحموی وقطعة الحیوان فی الحکم کالحیوان المتفسخ۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج۱ ص۱۵۲ فصل فی البئر، مرتبہ: مولانا ظفیر الدینؒ)

ومثلہ فی الهندیة ج۱ ص۲۰ الباب الثالث فی المیاہ۔

[2] قال العلامة حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ولا ینجس الماء ولا المائع علی الاصح بموت مالیس بمعنی حیوان لادم له سواء البری والبحری فیه ای الماء والمائع۔ (مراقی الفلاح علی صدر الطحطاوی ص۳۱ فصل فی الآبار)

قال العلامة الحصکفیؒ: ولا نزح فی بول فارۃ فی الاصح ولا بخرء حمام و عصفور وکذا سباع طیر فی الاصح لتعذر صونها عنه۔
(الدر المختار علیٰ صدر رد المحتار ج۱ ص۲۲۰ فصل فی البئر) [1]

چشمہ دار کنوئیں کی پاکیزگی میں امام محمدؒ کا قول مفتی بہ ہے

سوال:۔ چشمہ دار کنوئیں کی تطہیر میں علماء احناف کے مختلف اقوال ہیں، مثلاً امام ابو حنیفہؒ کے ہاں رائے مبتلی بہ یا دو عادلین اشخاص کی رائے کا اعتبار ہے۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کنوئیں میں جس قدر پانی ہے اتنی ہی مقدار میں نکالنا چاہیئے جبکہ امام محمدؒ سے ۲۰۰ سے ۳۰۰ ڈول تک کا قول مروی ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ ان اقوال میں کون سا قول مفتی بہ ہے۔

الجواب:۔ علماء احناف کے ہاں اگرچہ اس مسئلہ میں مختلف آراء ہیں مگر متاخرین فقہاء کرام نے آسانی کے لیے امام محمدؒ کے قول (۲۰۰ سے ۳۰۰ تک ڈول پانی نکالنا) کو مفتی بہ قرار دیا ہے، اگرچہ بعض نے امام صاحبؒ کی رائے کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔

قال العلامۃ الحصکفیؒ: وقیل یفتی بمائتین الی ثلثمائۃ وھذا أیسر۔ قال ابن عابدینؒ: وجزم بہ فی الکنز والملتقی وھو مروی عن محمدؒ وعلیہ الفتویٰ خلاصۃ وتاتارخانیۃ عن النصاب وھوالمختار معراج عن العتابیۃ وجعلہ فی العنایۃ روایۃ عن الامام وھوالمختار والایسر کما فی الاختیار۔ (رد المحتار ج۱ ص۲۱۵ فصل فی البئر) [2]

---

[1] قال العلامۃ حسن بن عمار الشرنبلالیؒ: ولا یفسد ای لا ینجس الماء بخرء حمام.....ولا ینجس بخرء عصفور ونحوھا مما یوکل من الطیور غیر الدجاج والاوز والحکم بطھارتہ استحسان الخ (مراقی الفلاح علیٰ صدر الطحطاوی ص۲۳ فصل فی مسائل الآبار)

[2] قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: ان الفتوی علیٰ انہ ینزح ثلثمائۃ وکذا فی معراج الدرایۃ معنیا الیٰ فتاوی العتابی ان المختار ما عن محمدؒ.... والا فتاء بما عن محمد اسھل علی الناس۔ (البحر الرائق ج۱ ص۱۲۳ کتاب الطھارۃ)

فرج سے نکلی ہوئی ہوا ناقض الوضو نہیں

سوال:۔ نماز کے دوران اگر کسی عورت کی اگلی شرمگاہ سے ہوا خارج ہوجائے تو کیا وہ عورت نماز توڑ کر دوبارہ وضو کرے گی یا وہی وضو کافی ہوگا؟

الجواب:جو ہوا دُبر سے نکلے وہ ناقض الوضو ہوتی ہے اور جو ہوا عورت کی فرج یا مرد کے ذکر سے خارج ہو وہ ناقض الوضو نہیں۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں مبتلی بہ عورت کا وضو نہیں ٹوٹا اور وہ اسی وضو سے ہی نماز کو پورا کرے گی۔

لما قال العلامة ابوبکر بن علی بن الحدادؒ: والریح الخارجة من الذکر و فرج المرأة لا تنقض الوضوء علی الصحیح الا ان تکون المرأة مفضاة فانه یستحب لها الوضوء۔ (الجوهرة النیرة ج ۱ ص۸ کتاب الطهارة۔ نواقض الوضوء) [۱]

عادت سے پہلے دمِ نفاس بند ہوجانے کی صورت میں جماع کا حکم

سوال:۔ اگر کسی عورت کا دمِ نفاس عادت سے پانچ چھ دن قبل بند ہوجائے تو کیا اس کا شوہر اس سے قربان (ہمبستری) کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:جس عورت کا خونِ نفاس عادت سے قبل بند ہوجائے تو جب تک اس کی عادت پوری نہ ہوجائے اس وقت تک شوہر کے لیے بیوی سے قربان (ہمبستری) ممنوع ہے، البتہ اگر خون بند ہونے کے بعد ایک نماز کا وقت گذر جائے تو وہ نماز اور روزہ ادا کر سکتی ہے۔

لما قال العلامة الزیلعیؒ: ولو انقطع دمها دون عادتها یکره قربانها حتی یمضی عادتها وعلیها ان تصلی وتصوم۔ (تبیین الحقائق ج ۱ ص۳۹ کتاب الحیض) [۲]

---

[۱] لما قال العلامة الحصکفیؒ: ولا خروج ریح من قبل غیر مفضاة اما هی فیندب لها الوضوء وقیل یجب وقیل لو منتنة الخ۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۱ ص۱۲۶ باب نواقض الوضوء)

ومثله فی الفتاوی الهندیة ج ۱ ص۹ باب نواقض الوضوء۔

[۲] لما قال العلامة ابن نجیم المصریؒ: اذا انقطع ما دون العشرة دون عادتها لا یقربها وان اغتسلت مالم تمض عادتها۔

(البحر الرائق ج ۱ ص۲۰۳ کتاب الحیض)

پکی اینٹ پر تیمم کرنا

سوال:۔ ایک شخص جو کہ بیمار ہے اور پانی سے وضو کرنے پر قادر نہیں، اس لیے وہ پکی اینٹ پر تیمم کر کے نماز پڑھ لیتا ہے، تو اس شخص کے تیمم اور اس سے پڑھی گئی نماز کا کیا حکم ہے؟

الجواب: امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جو چیز زمین کے اجزاء سے ہو اس پر تیمم کرنا جائز ہے، پکی اینٹ کا تعلق بھی چونکہ جنس الارض ہی سے ہے، اس لیے پکی اینٹ پر تیمم کرنا جائز ہے چاہے سالم ہو یا مدقوق۔

لما قال العلامة ابراهیم الحلبیؒ: واما التیمم بالآجر فعند ابی حنیفةؒ یجوز مطلقاً دق اولا لانه من اجزاء الارض وان شوی وتصلب بمنزلة النورة۔

(کبیری ص۷۵ باب التیمم) [1]

استنجاء کرنے کے بعد ہوا خارج ہو جانے پر استنجاء کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص سے استنجاء کرنے کے بعد ہوا خارج ہو جائے تو کیا طہارت کے لیے اسے دوبارہ استنجاء کرنا پڑے گا یا نہیں؟ جبکہ اس کی مقعد ابھی تک گیلی ہے؟

الجواب:۔ ہوا خارج ہونے سے اگرچہ وضو ٹوٹ جاتا ہے اور دوبارہ کرنا پڑتا ہے لیکن استنجاء کرنا لازمی نہیں ہوتا چاہے مقعد گیلی ہو یا خشک۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں بھی اس شخص پر دوبارہ استنجاء کرنا لازمی نہیں صرف وضو کرنے سے طہارت حاصل ہو جائے گی۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: (فلا یسن من ریح) لان عینها طاهرة وانما نقضت لانبعاثها عن مواضع النجاسة اھ لان بخروج الریح لا یکون علی السبیل شئ فلا یسن منه بل هو بدعة۔ (رد المحتار ج۱ ص۲۴۶ فصل فی الاستنجاء) [2]

---

[1] لما قال العلامة ابن نجیمؒ: ویجوز بالآجری وهو الصحیح لانه طین مستحجر۔ (البحر الرائق ج۱ ص۱۴۸ باب التیمم) ــــ ومثله فی الهندیة ج۱ ص۲۷ باب التیمم، الفصل الاول۔

[2] لما قال العلامة ابن نجیمؒ: وقد علم من تعریفه ان الاستنجاء لا یسن الا من حدث خارج من احد السبیلین غیر الریح لان بخروج الریح لا یکون علی السبیل شئ فلا یسن منه بل هو بدعة۔ (البحر الرائق ج۱ ص۲۴۰ باب الانجاس)

ہوا خارج ہونے کا شک ہونے پر وضو کا حکم

سوال:۔ اگر کسی شخص کو وضو کرنے کے بعد اس بات کا وہم ہو جائے کہ اس کی ہوا خارج ہوگئی ہے مگر حقیقت میں اس سے کوئی ہوا وغیرہ خارج نہیں ہوئی ہوتی، تو کیا صرف شک کی بناء پر وضو ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب:۔ جب تک ہوا خارج ہونے کا کامل یقین نہ ہو تو صرف شک کی بناء پر وضو نہیں ٹوٹتا۔

لما قال العلامۃ ابن نجیم المصریؒ: الیقین لا یزول بالشك۔

(الاشباہ والنظائر ج۱ ص۱۸۳) لہ

جگالی کے دوران جانور کے منہ سے نکلنے والا مواد ناپاک ہے

سوال: جناب مفتی صاحب! جگالی کرتے وقت اگر کوئی چیز جانور کے منہ سے نکل کر پانی میں گر جائے تو اس سے پانی ناپاک ہو جائے گا یا نہیں؟ جبکہ یہ مواد معدہ سے واپس منہ میں آتا ہے اور جانور اس پر جگالی کرتے ہیں؟

الجواب:۔ جگالی کے دوران جو چیز جانور کے منہ سے نکل کر منہ میں واپس آتی ہے وہ حکماً پاخانہ کی طرح ہوتی ہے، اس لیے اگر وہ کسی پاکیزہ پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔

لما قال مولانا محمد رشیدؒ، مسئلہ: ہر جانور کا پتہ اس کے پیشاب کے برابر ناپاک ہے اور جگالی میں جو کچھ نکلتا ہے وہ اس کے پاخانہ کے برابر ناپاک ہے۔ (بہشتی زیور ص۸۲۳)

پنج سورہ وغیرہ کے ساتھ بیت الخلا جانا

سوال:۔ اگر کسی شخص کی جیب میں پنج سورہ یا سورۃ یٰسین وغیرہ ہو اور اُسے بیت الخلا جانے کی حاجت ہو اور یہ چیزیں وہاں رکھنے کی جگہ بھی نہ ہو تو کیا شرعاً آدمی ان کے ساتھ بیت الخلا جا سکتا ہے یا نہیں؟

لہ لما قال العلامۃ مفتی عبد الرحیم لاجپوری: جب ہوا نکلنے کا یقین نہیں ہے تو صرف وہم ہوتے رہنے سے وضوء نہیں ٹوٹے گا اس کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے۔

(فتاوی رحیمیہ جلد ۱۰ ص۱۱ کتاب الطہارۃ)

الجواب:۔ متبرک اشیاء اور قرآنی آیات کا بیت الخلاء یا کسی ایسی جگہ جہاں گندگی پڑی ہو۔ لے جانا صحیح نہیں البتہ اگر جیب میں رکھی جائیں تو جائز ہے مگر پھر بھی خلافِ اولیٰ ہے کوشش کرکے ایسی چیزیں بیت الخلاء سے باہر کسی محفوظ اور پاکیزہ جگہ پر رکھ دی جائیں ورنہ بصورتِ مجبوری بلاکراہت مرخص ہے۔

لما قال العلامة کاشغریؒ: ویکرہ دخول المخرج لمن فی اصبعہ خاتم فیہ شئ من القرآن او من اسماء اللہ تعالیٰ لما فیہ من ترک التعظیم۔

وقال العلامة ابراھیم الحلبیؒ فی شرح المنیة: وقیل لا یکرہ ان جعل فصہ الیٰ باطن الکف ولو کان ما فیہ شئ من القرآن او من اسماء اللہ تعالیٰ فی جیبہ لاباس بہ وکذا ولو کان ملفوفاً وشئ والتحرز اولیٰ۔ (کبیری ص۵۸)[1]

نفاس والی عورت کے ہاتھوں کھانے پینے کا حکم

سوال:۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ بچے کی ولادت کے بعد عورت جب تک ناپاکی کی حالت میں ہو تو اتنے دنوں (چالیس دن) تک اس کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانا جائز نہیں، اس کا شرعی حل مطلوب ہے؟

الجواب:۔ اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے، اس میں افراط وتفریط اور یہود وہنود کے مفروضہ نظریات وخیالات کی کوئی گنجائش نہیں، جہاں تک مذکورہ بالا سوال کا تعلق ہے تو یہ یہودیوں کا عمل ونظریہ ہے، یہ لوگ ان مخصوص ایام میں عورتوں کو بالکل الگ تھلگ رکھتے ہیں، نہ تو ان کے ہاتھوں کا کھانا کھاتے ہیں اور نہ ان کے ساتھ دیگر سماجی ومعاشرتی تعلقات رکھتے ہیں۔ اسلام نے حیض ونفاس کی حالت میں صرف جماع کرنے سے منع فرمایا ہے اور باقی سب امور کو جائز قرار دیا ہے، لہٰذا نفاس والی عورت کے ہاتھوں کھانا پینا شرعاً جائز ہے۔

لما قال العلامة ابن عابدینؒ: ولا یکرہ طبخھا ولا استعمال مامسنہ من عجین او ماء او نحوھما۔ (رد المحتار ج۱ ص۲۹۲ باب الحیض)

---

[1] لما قال الشیخ اشرف علی التھانویؒ: ایسی چیز جس پر خدا یا کسی نبی یا کسی فرشتے یا کسی معظم کا نام یا کوئی آیت یا حدیث یا دعا لکھی ہوئی ہو اپنے ساتھ رکھنا ۔۔۔ البتہ اگر ایسی چیز جیب میں ہو یا تعویذ کپڑے وغیرہ میں لپٹا ہوا ہو تو کراہت نہیں۔ (بہشتی زیور ص۸۳۹ کتاب الطہارۃ)

پیشاب اور پاخانہ کے وقت کن امور سے بچنا چاہیئے؟

سوال:۔ جناب مفتی صاحب! ایک مسئلہ کے حل کی تکلیف دینے پر معذرت خواہ ہوں، مسئلہ یہ ہے کہ قضائے حاجت (پیشاب اور پاخانہ) کے وقت کن امور سے بچنا ضروری ہے؟

الجواب:۔ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس نے ہر عمل کے لیے کچھ آداب اور کچھ امور سے بچنے کو بیان کیا ہے، یہاں تک کہ پیشاب اور پاخانہ کرنے وقت بعض امور سے بچنے کی تعلیم دی ہے، مثلاً بلا ضرورت باتیں کرنا، کھانسنا، قرآن کریم کی کوئی آیت، حدیث یا کوئی دوسرے متبرک کلمات پڑھنا، کوئی ایسی چیز جس پر خدا، رسول یا فرشتے کا نام ہو، کوئی آیت یا حدیث لکھی ہوئی ہو یا کوئی دعا تحریر ہو ساتھ لے جانا، بلا عذر شرعی کھڑے ہوکر یا لیٹ کر پیشاب اور پاخانہ کرنا، تمام کپڑے اتار کر بالکل برہنہ ہوکر قضاء حاجت کرنا، قبلہ رخ بیٹھنا، دائیں ہاتھ سے استنجاء کرنا، کھانے پینے کی اشیاء سے استنجاء کرنا، جانوروں کے چارے سے استنجاء کرنا وغیرہ، ان امور سے دوران قضاء حاجت بچنا چاہیئے۔

لما فی کبیری ص۳۹ و بہشتی زیور حصہ ۱۱ ص۱۱

بواسیر کی رطوبت سے وضو کا حکم

سوال:۔ ایک شخص بواسیر کا مریض ہے، اٹھتے بیٹھتے بواسیر کی رطوبت اس کے کپڑوں پر لگ جاتی ہے۔ تو کیا اس رطوبت سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ جبکہ یہ رطوبت عام پانی کی طرح بہنے والا نہیں، نیز یہ بھی بتائیں کہ اس رطوبت سے کپڑے ناپاک ہو جاتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:۔ فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ وضو ہر اس نجس چیز کے نکلنے سے ٹوٹ جاتا ہے جو انسان کے بدن سے نکل کر پانی کی طرح بہہ جائے، اگر بہے نہیں تو پھر وہ چیز ناقض وضو نہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر رطوبت بواسیر کے زخم سے نکل کر بہتی نہ ہو تو اس سے وضو ختم نہیں ہوتا اور نہ کپڑے ناپاک ہونگے، کیونکہ فقہاء کرام کا قاعدہ کلیہ ہے: مالیس بحدث لیس بنجس، کہ جو چیز محدث نہ ہو وہ نجس نہیں۔

لما قال العلامۃ المفتی عزیز الرحمنؒ: (الجواب) جو رطوبت زخم سے باہر نہ بہے اور اور سائل نہ ہو اُس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ کذا فی کتب الفقہ۔ اور کپڑا بھی ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ فقہاء قاعدہ کلیہ لکھتے ہیں، مالیس بحدث لیس بنجس۔ پس جو صورت آپ نے تحریر

فرمائی ہے اس میں نہ وضوء ٹوٹتا ہے نہ کپڑا ناپاک ہوتا ہے ۔

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ا ص۱۲۶ ترتیب مفتی ظفیرالدین صاحب، کتاب الطہارۃ)

معذور کا قبل از وقت وضو کر کے اس سے نماز پڑھنا

سوال :۔ ایک شخص معذور ہے یعنی اس کو سلسل البول کی بیماری ہے، وہ ہر نماز کے لیے الگ وضوء کرتا ہے، اگر کسی نماز کا وقت داخل ہونے سے قبل اس نے وضو کیا ہو تو کیا وہ اس وضوء سے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :۔ معذور شخص کے لیے ضروری ہے کہ نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد وضو کرے، اگر اس نے وقت داخل ہونے سے قبل وضو کر لیا تو وہ وضوء درست نہیں اور وہ اس قبل از وقت کیئے گئے وضوء سے کوئی نماز نہیں پڑھ سکتا ۔

لما قال العلامة الحصکفیؒ : حکمه الوضوء لکل فرض اللام للوقت ثم یصلی به فیه فرضاً ونفلاً فاذا خرج الوقت بطل ۔ (الدر المختار علی ہامش ردالمحتار ج۱ ص۲۸۰ احکام المعذور) [۱]

عورت کے رحم سے نکلنے والی سفید رطوبت سے وضوء کا حکم

سوال :۔ ایک عورت کے رحم سے ہر وقت سفید رطوبت نکلتی رہتی ہے، تو کیا اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں ؟ اگر ٹوٹ جاتا ہے تو کیا یہ عورت معذور سمجھی جائے گی یا نہیں ؟

الجواب :۔ اگر کسی عورت کے رحم سے سفید رطوبت ہر وقت بہتی رہتی ہو تو وہ ناقض الوضوء ہے یعنی وضوء ختم ہو جاتا ہے، البتہ جو رطوبت فرج خارج سے آتی ہو تو وہ پسینہ ہے اس سے وضو ختم نہیں ہوتا، صورت مذکورہ میں چونکہ ہر وقت اس عورت کے رحم سے رطوبت نکلتی ہے، اس لیے وہ معذور سمجھی جائے گی ۔ ھٰکذا فی امداد الفتاویٰ ج ا ص۶۶)

---

[۱] لما قال العلامة المفتی عزیز الرحمٰنؒ : (الجواب) جبکہ وہ شخص معذور ہے تو اس کو قبل از وقت وضوء کرنا درست نہیں ہے، بس وقت کے بعد ہی وضو کرے اگرچہ جماعت فوت ہو جائے ۔

[فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ا ص۲۶۶ ترتیب مفتی ظفیرالدین صاحب، کتاب الطہارۃ، فصل رابع، معذور سے متعلق احکام]